هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

بیان القرآن

5

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورۃ مریم تا سورۃ السجدۃ

مرتبہ

حافظ خالد محمود خضر

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

از

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

BOOK FAIR PUBLISHER
176, Basement, Ali Market,
Opp. Bible Society, New Anarkali,
Lahore - Pakistan. Cell: 0309 5005471

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ

جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن ودین حق ٹرسٹ محفوظ ہیں

بیان القرآن کا یہ ایڈیشن Book Fair Publisher نے
ناشر سے تحریری اجازت حاصل کر کے شائع کیا ہے

نام کتاب : بیان القرآن (7 جلدیں)

از : ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت : 2020ء

مرتبین : حافظ خالد محمود خضر
لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

شائع کردہ : سیّد حذیفہ حسن ہاشمی

اہتمام : معاذ ہاشمی / زاہد محمود شیخ

مطبع : مشتاق اے پریس / التمش مبین

سرورق : خواجہ افضل کمال

تزئین وآرائش : آرٹ ورکس انٹرنیشنل

ہدیہ مکمل سیٹ :

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں، ان کی تصحیح و اصلاح کا انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زر کثیر صرف کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہی ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں فوری مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے اور آپ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کے مصداق بن جائیں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى جَزَاءً جَمِيْلًا جَزِيْلًا

والسلام
مفتی عاصم زبیر ہاشمی
محکمہ جیل خانہ جات حکومت پنجاب

حسنِ ترتیب

سُوْرَةُ مَرْيَمَ	5
سُوْرَةُ طٰهٰ	37
سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ	73
سُوْرَةُ الْحَجِّ	113
سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ	161
سُوْرَةُ النُّوْرِ	193
سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ	239
سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ	271
سُوْرَةُ النَّمْلِ	307
سُوْرَةُ الْقَصَصِ	335
سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ	381
سُوْرَةُ الرُّوْمِ	419
سُوْرَةُ لُقْمٰنَ	445
سُوْرَةُ السَّجْدَةِ	467

عرضِ ناشر

مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن، حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر و ترجمہ قرآن "بیان القرآن" کا سات جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ حاضر خدمت ہے۔ مرکزی انجمن "خدام القرآن" لاہور کے بعد بک فیئر پبلشرز اس اعزاز اور سعادت کو حاصل کرنے والا پہلا ادارہ ہے۔

قرآن حکیم فرقانِ حمید تمام علوم کا سرچشمہ اور بصائر و حکم کا خزینہ ہے۔ اس کے تمام علوم کا احاطہ کرنا کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق شمار کرنے والے شمار کرتے ہیں تو بقول ایک بزرگ کے، اس کتاب میں 70 ہزار علوم ہیں۔ علم تفسیر فی الحقیقت قرآن کے بے شمار علوم کا ایک جز و اور حصہ ہے لیکن یہ ایک علم بھی اپنے دامن میں بہت سے علوم سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ علوم صحیح تفسیر کرنے کے لئے ضروری ہیں یا یوں کہئے کہ تفسیر کے تقاضوں کے تحت پیدا ہوتے ہیں مثلاً علم آیاتِ متشابہات، شانِ نزول، اسماء قرآں و سور، ضمائر، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، امثال القرآن، اعلام القرآن، ارض القرآن وغیرہ۔

تفسیر کا مادہ ف، س، ر (فسر) ہے اور اس مادہ سے جو الفاظ بنتے ہیں، ان میں بالعموم شرح و ایضاح کے معنی شامل ہوتے ہیں چنانچہ فَسَّرَ (ماضی) کے مصدری معنی ہیں: "واضح کرنا، تشریح کرنا، مراد بتانا، پردہ ہٹانا" فَسَّرَ الامر کے معنی ہوں گے معاملہ کی وضاحت کرنا، مراد بتانا۔ اسی سے تفسیر ہے کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

تفسیر "فَسَّرَ" سے بابِ تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے معنی کسی عبارت کے مطلب کو واضح کرنے یا کلام کے معنی بیان کرنے کے ہیں۔ تفسیر کی سیدھی سی تعریف یہ ہے کہ وہ علم جس کے ذریعے اللہ کی کتاب قرآن حکیم جو اس کے محبوب حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی، اس علم کے ذریعہ قرآن کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج معلوم کیا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں لغت، نحو، صرف، معانی و بیان وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔ اس میں شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے بیان کی حاجت بھی پیش آتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کئی دہائیوں تک علم حاصل کیا، انتہائی شدت کے ساتھ قرآن پر غور و فکر کیا اور پھر اسے احسن طریقے کے ساتھ "جدید ذہن" تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کے تمام ہو جانے تک جدوجہد کی۔ ان کے جذبے کی شدت و اخلاص اور اللہ کے دین کے ساتھ لگاؤ نے ان کو اللہ کی مخلوق میں قبولیت و مقبولیت عطا کی، یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز کے مفسرین قرآن میں ان کا مقام و مرتبہ سب سے بلند اور با اثر ہے جس کی گواہی سوشل میڈیا کے اعداد و شمار سے بھی ملتی ہے۔ تقریباً سات لاکھ افراد روزانہ ان کے "حلقہ" میں شامل ہو رہے ہیں۔

میں بے حد شکر گزار ہوں، مرکزی انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی کا، اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے تمام وارثین کا جنہوں نے ہمیں بیان القرآن شائع کرنے کی اجازت دی۔

میں اپنے والد معاذ ہاشمی، والدہ عائشہ حسن، دعا پبلی کیشنز کے روحِ رواں شیخ زاہد محمود، عظیم احمد، مفتی عاصم زبیر ہاشمی، محترم مولانا عرفان صاحب (مرغزار کالونی)، اور برادرانِ اصغر حافظ عبدالحنان ہاشمی اور خضر حسن ہاشمی اور پاک فوج کے نوجوان افسر عبداللہ ہاشمی کا بھی شکر گزار ہوں جن کی مدد و اعانت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور ان کی دعاؤں کی بدولت "بک فیئر" اس سعادت سے بہرہ مند ہوا۔ والسلام

حذیفہ حسن ہاشمی

بک فیئر پبلشر علی پلازہ، نیو انارکلی بازار لاہور

بیان القرآن

سُوْرَةُ مَرْيَم

(١٩)

سُورۃ مَریَم

تمہیدی کلمات

سورۂ مریم ''مکی مدنی'' سورتوں کے تیسرے گروپ میں شامل ہے۔ اس گروپ کی مکیات کا آغاز سورۂ یونس سے ہوا تھا۔ ان میں سے جن نو سورتوں کا ہم اب تک مطالعہ کر چکے ہیں وہ تین تین کے تین ذیلی گروپس میں منقسم ہیں۔ ہر ذیلی گروپ کے اندر دو دو سورتیں جوڑے کی شکل میں ہیں' جبکہ تیسری سورت منفرد مزاج کی حامل ہے۔ مثلاً پہلے ذیلی گروپ میں سورۂ یونس اور سورۂ ہود جوڑے کی حیثیت سے ہیں' جبکہ سورۂ یوسف (ایک ہی نبی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات پر مشتمل) منفرد ہے۔ دوسرے ذیلی گروپ میں سورۃ الرعد اور سورۂ ابراہیم جوڑے کی شکل میں ہیں' جبکہ سورۃ الحجر منفرد ہے' بلکہ سورۃ الحجر تو اس پورے گروپ میں ہی منفرد مزاج کی سورت ہے۔ اس کا انداز بالکل ابتدائی زمانے کی سورتوں جیسا ہے' یعنی چھوٹی چھوٹی آیات' تیز ردھم اور ملکوتی غنائیت بہت نمایاں۔ تیسرے ذیلی گروپ میں سورۃ النحل منفرد مزاج رکھتی ہے' جبکہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف ایک حسین و جمیل جوڑے کی شکل میں ہیں۔

اب سورۂ مریم سے ''مکی مدنی'' سورتوں کے اس بڑے گروپ کے چوتھے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے' جس میں سورۂ مریم' سورۂ طٰہٰ اور سورۃ الانبیاء شامل ہیں۔ پچھلے ذیلی گروپس کی طرح یہاں بھی دو سورتوں (سورۂ مریم اور سورۃ الانبیاء) کی آپس میں گہری مشابہت ہے' جبکہ ایک سورت (طٰہٰ) منفرد ہے۔ سورۂ مریم اور سورۃ الانبیاء دونوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ قصص النبیین کے انداز میں ہے۔ ان تذکروں میں ''انباء الرسل'' یا ''ایام اللہ'' جیسا وہ انداز نہیں جو ہم سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ رسول آئے' انہوں نے دعوت دی' قوم نے انکار کیا اور وہ قوم ہلاک کر دی گئی۔

اس ذیلی گروپ کی منفرد سورت یعنی سورۂ طٰہٰ میں سورۂ یوسف کی طرح صرف ایک ہی رسول کا تذکرہ ہے۔ اس کے آٹھ میں سے پانچ رکوع مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہیں۔ اس لحاظ سے سورۂ طٰہٰ سورۂ یوسف کے ساتھ معنوی نسبت بھی رکھتی ہے۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل مصر میں آ کر آباد ہوئے (اس کا ذکر سورۂ یوسف میں ہے)' جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں انہیں فرعون کی غلامی سے نجات ملی (اس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ہے) اور وہ اپنے آبائی وطن فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔

سورۂ مریم ہجرتِ حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔ اس کے دوسرے رکوع میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا تعارف بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ آیات مسلمان مہاجرین کو سفرِ حبشہ کے زادِ راہ کے طور پر عطا ہوئی تھیں۔ عنقریب

انہیں شاہِ حبشہ (نجاشی) کے دربار میں پیش آنے والی مشکل صورتِ حال میں ان آیات کی مدد درکار تھی۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کو واپس لانے کے لیے قریشِ مکہ نے عمرو بن العاص (جو بعد میں ایمان لا کر جلیل القدر صحابی بنے رضی اللہ عنہ) کی سرکردگی میں نجاشی کے دربار میں ایک سفارت بھیجی۔ ان لوگوں کی شکایت پر نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں بلا کر ان سے حقیقت حال دریافت کی۔ مسلمانوں نے جواب میں وہ تمام حالات بتائے جن کی وجہ سے وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کا موقف سننے کے بعد انہیں قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اس کے ملک میں جہاں چاہیں رہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد عمرو بن العاص نے ایک اور داؤ کھیلا اور نجاشی کے دربار میں دوبارہ حاضر ہو کر کہا کہ آپ ان لوگوں کو بلا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ دریافت کریں۔ یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک عام انسان سمجھتے ہیں۔ اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو ایک بار پھر اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ اس پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ کلامِ الٰہی سن کر نجاشی بہت متاثر ہوا۔ اُس نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زائد نہیں ہیں۔ اس کے بعد اُس نے قریش کی سفارت کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا' چاہے تم لوگ مجھے پہاڑوں کے برابر سونا بھی دے دو۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۵

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ
الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا
عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ ع

آیت ۱ ﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ﴾ ’’ک‘ ہ‘ ی‘ ع‘ ص۔‘‘

قرآن مجید کی یہ واحد سورت ہے جس کے آغاز میں اکٹھے پانچ حروفِ مقطعات ہیں۔ اگرچہ سورۃ الشوریٰ کے شروع میں بھی پانچ حروفِ مقطعات ہیں‘ لیکن وہاں یہ دو آیات میں ہیں۔ دو حروف ﴿ حٰمٓ ﴿١﴾ ﴾ پہلی آیت میں‘ جبکہ تین حروف ﴿ عٓسٓقٓ ﴾ دوسری آیت میں ہیں۔ بہرحال سورۂ مریم کو اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس کے آغاز میں اکٹھے پانچ حروفِ مقطعات آئے ہیں۔

آیت ۲ ﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ ﴾ ’’یہ ذکر ہے آپؐ کے رب کی رحمت کا جو اُس نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی۔‘‘

یہاں ذکر تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا کرنا مقصود ہے مگر آپؑ کے ذکر سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے‘ کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت بھی تو ایک بہت بڑا معجزہ تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور آپؑ کی اہلیہ بھی نہ صرف بوڑھی تھیں بلکہ عمر بھر بانجھ بھی رہی تھیں۔ ان حالات میں ان کے ہاں بیٹے کی پیدائش کوئی معمول کا واقعہ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ کو یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۳ ﴿ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ ﴾ ’’جب اُس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔‘‘

یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے دل ہی دل میں اپنے رب سے دعا کی۔

آیت ۴ ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ ﴾ ’’اُس نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں‘‘

﴿ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا ﴾ ’’اور میرا سر بھڑک اُٹھا ہے بڑھاپے سے‘‘

یعنی بڑھاپے کے سبب میرے سر کے بال مکمل طور پر سفید ہو گئے ہیں۔

﴿ وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ ﴾ ’’اور اے میرے پروردگار! میں تجھے پکار کر کبھی بھی نامراد نہیں رہا۔‘‘

چنانچہ آج میں بڑی ہمت کر کے تجھ سے ایک بہت ہی غیر معمولی دعا کرنے جا رہا ہوں۔ دُنیوی حالات اور طبیعی قوانین کے اعتبار سے تو ایسا ہونا ممکن نہیں‘ مگر تو چاہے تو ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے۔

آیت ۵ ﴿ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ ﴾ ’’اور مجھے اندیشہ ہے اپنے بھائی بندوں سے اپنے بعد‘‘

مجھے اپنے ورثاء میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو میرے بعد ہیکلِ سلیمانی کا متولی اور میرا جانشین بننے کی

صلاحیت رکھتا ہو۔

﴿وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۝۵﴾ ''اور میری بیوی بانجھ ہے' تو تُو مجھے خاص اپنے پاس سے ایک ولی عطا کر۔''

یہاں ''ولی'' لفظ بہت اہم ہے' یعنی مجھے ایسا ساتھی عطا کر جو میرے مشن میں میرا دوست و بازو بن سکے۔

آیت ۶ ﴿یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۚ﴾ ''جو وارث ہو میرا اور آلِ یعقوب کا''

مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو میری دینی و روحانی وراثت کو سنبھال سکے' اور میری وراثت کیا! یہ تو آلِ یعقوبؑ کی وراثت ہے۔ اس مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر جو واقعی اس منصب کا اہل ہو۔

﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۝۶﴾ ''اور اے میرے پروردگار! اس کو بنائیو پسندیدہ۔''

رَضِیّ فعیل کے وزن پر ہے' چنانچہ اس میں راضی (وہ جو راضی ہو) اور مرضِیّ (جس کو راضی کر دیا گیا ہو) دونوں کیفیتوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ البیّنۃ (آیت ۸) میں فرمایا گیا: ﴿رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ﴾ کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ اسی طرح سورۃ الفجر میں نفسِ مطمئنۃ کے حوالے سے فرمایا گیا: ﴿ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝۲۸﴾ ''تو لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی' وہ تجھ سے راضی'' ——اس دعا کے جواب میں حضرت زکریاؑ کو بشارت دی گئی:

آیت ۷ ﴿یٰزَكَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝۷﴾ ''اے زکریاؑ! ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا' ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔''

اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی نظیر نہیں بنایا' یعنی اس جیسی صفات کسی میں پیدا نہیں کیں۔

آیت ۸ ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ﴾ ''اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! میرے ہاں بیٹا کیسے ہو جائے گا''

یہ وہی بات ہے جو حضرت زکریاؑ کے حوالے سے ہم سورۂ آلِ عمران (آیت ۴۰) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ۝۸﴾ ''جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں پہنچ چکا ہوں بڑھاپے کے باعث سوکھ جانے کی حالت کو!''

یعنی بڑھاپے کی وجہ سے میرے جسم میں حیات کے سارے سوتے خشک ہو چکے ہیں۔

آیت ۹ ﴿قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ﴾ ''فرمایا: ایسے ہی ہوگا! تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے''

﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝٩﴾ ”اور تمہیں بھی تو میں نے پیدا کیا اس سے پہلے جبکہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔“

آیت ۱۰ ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ﴾ ”عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما دے۔“

﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠﴾ ”فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم گفتگو نہیں کر سکو گے لوگوں سے تین راتیں متواتر۔“

گویا بطور نشانی اللہ تعالیٰ نے تین دنوں تک حضرت زکریا علیہ السلام کی قوتِ گویائی سلب کر لی۔ سورۂ آلِ عمران (آیت ۴۱) میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ﴾ یعنی آپ تین دن تک لوگوں سے گفتگو نہیں کر سکو گے مگر اشاروں کنایوں میں۔

آیت ۱۱ ﴿فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ﴾ ”پھر وہ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کی طرف آیا“

اپنی عبادت، راز و نیاز اور مناجات کے بعد حضرت زکریا علیہ السلام اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے لوگوں کی طرف آئے۔

﴿فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١﴾ ”اور انہیں اشارے سے کہا کہ تم لوگ تسبیح بیان کرو صبح و شام۔“

آپؑ نے لوگوں کو اشاروں کنایوں سے سمجھایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت اہم فیصلہ ہونے جا رہا ہے، لہٰذا تم لوگ صبح و شام کثرت سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہو۔ عربی میں ”وحی“ کے لغوی معنی ہیں: الإعلام بالسِّر و الخِفاء، یعنی کسی کو اشارے سے کوئی بات اس طرح بتانا کہ دوسروں کو پتا نہ چلے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کی طرف جو وحی آتی ہے اس کی کیفیت بھی یہی ہوتی ہے۔ وحی کی مختلف صورتوں کا تذکرہ (بیان القرآن، جلد اول کے آغاز میں) ”تعارفِ قرآن“ کے ضمن میں آ چکا ہے۔ آگے سورۃ الشوریٰ میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اب ان کو براہِ راست مخاطب کیا جا رہا ہے:

آیت ۱۲ ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ﴾ ”اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو!“

کتاب سے مراد یہاں زبور، تورات اور دیگر صحائف ہیں جو اُس وقت بنی اسرائیل کے درمیان موجود تھے۔

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝١٢﴾ ”اور ہم نے اُس کو عطا کر دی حکمت و دانائی بچپن ہی میں۔“

اب حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خصوصی اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام (John the Baptist and Jesus of Nazarat) دونوں ایسی غیر معمولی شخصیات ہیں کہ ان جیسے اوصاف دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام میں بھی نہیں پائے گئے۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں حکمت عطا کر دی گئی۔

آیت ۱۳ ﴿وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ⑬﴾ ''اور ہماری طرف سے سوز و گداز والی محبت اور پاکیزگی (اُسے عطا ہوئی) اور وہ بہت متقی تھا۔''

آیت ۱۴ ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭﴾ ''اور وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا تھا' اور خودسر و نافرمان نہیں تھا۔''

یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا کے طور پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گھٹی میں ڈال دیے گئے۔

آیت ۱۵ ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ⑮﴾ ''اور سلام اُس پر جس دن اُس کی ولادت ہوئی، جس دن اُسے موت آئے اور جس دن وہ اٹھایا جائے زندہ کر کے۔''

یہاں پر حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا قصہ اختتام کو پہنچا اور اب آگے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

آیات ۱۶ تا ۴۰

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ⑯ۙ فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ
حِجَابًا ۖ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ⑰ قَالَتۡ اِنِّيۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ
اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا ⑱ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ⑲ قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِيۡ
غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِيۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ⑳ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ
اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا ㉑ فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ㉒
فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِيۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا
مَّنۡسِيًّا ㉓ فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِيۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ㉔ وَهُزِّيۡۤ اِلَيۡكِ
بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ㉕ۙ فَكُلِيۡ وَاشۡرَبِيۡ وَقَرِّيۡ عَيۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ
الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِيۡۤ اِنِّيۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ㉖ۚ فَاَتَتۡ بِهٖ
قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔا فَرِيًّا ㉗ يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ
سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ㉘ۖۚ فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِي الۡمَهۡدِ
صَبِيًّا ㉙ قَالَ اِنِّيۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕۛ اٰتٰنِيَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِيۡ نَبِيًّا ㉚ۙ وَّجَعَلَنِيۡ مُبٰرَكًا اَيۡنَ مَا
كُنۡتُ ۪ وَاَوۡصٰنِيۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا ㉛ۖ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيۡ ۫ وَلَمۡ يَجۡعَلۡنِيۡ جَبَّارًا
شَقِيًّا ㉜ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَيَوۡمَ اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا ㉝ ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ
مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِيۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ㉞ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنۡ يَّتَّخِذَ مِنۡ وَّلَدٍ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ اِذَا

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ
الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۵

آیت ۱۶ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾﴾ ''اور (اب) ذکر کیجیے اس کتاب (قرآن) میں مریم کا' جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ایک شرقی گوشے میں جا بیٹھی۔''

حضرت مریم (سلام علیہا) نے اپنے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر ہیکل سلیمانی کے مشرقی گوشے میں خود کو مقید کر لیا۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ کے لیے اعتکاف کی کیفیت تھی۔

آیت ۱۷ ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۣ﴾ ''تو اُس نے اپنے آپ کو ان سے پردے میں کر لیا۔''

انہوں نے گوشے میں پردہ تان کر خلوت کا ماحول بنا لیا تاکہ یکسوئی سے اللہ کی عبادت کر سکیں۔

﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا﴾ ''پس ہم نے بھیجا اُس کی طرف اپنا ایک فرشتہ''

یہاں پر روح بمعنی فرشتہ ہے۔ قبل ازیں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ فرشتہ بھی روح ہے' وحی بھی روح ہے' قرآن بھی روح ہے اور روحِ انسانی بھی روح ہے۔

﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾﴾ ''تو اُس نے صورت اختیار کی اُس (مریم) کے سامنے ایک مکمل انسان کی۔''

یعنی فرشتہ ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی صورت میں نمودار ہوا۔

آیت ۱۸ ﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾﴾ ''مریم نے کہا: میں رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تم سے اگر تم کوئی متقی شخص ہو۔''

اچانک ایک مرد کو اپنی خلوت گاہ میں دیکھ کر حضرت مریم (سلام علیہا) گھبرا گئیں کہ وہ کسی بُری نیت سے نہ آیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں' اور اگر تم اللہ سے ڈرنے والے ہو' تمہارے دل میں اللہ کا کچھ بھی خوف ہے تو کسی برے ارادے سے باز رہنا۔

آیت ۱۹ ﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾﴾ ''اُس نے کہا: میں تو آپ کے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ میں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔''

آیت ۲۰ ﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾﴾ ''مریم نے کہا: میرے ہاں بیٹا کیسے ہو گا؟ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں کوئی بدچلن عورت ہوں۔''

آیت ۲۱ ﴿قَالَ كَذٰلِكِ ۚ﴾ ''اُس (فرشتے) نے کہا: ایسے ہی ہو گا!''

یعنی کسی مرد کے تعلق کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا عطا فرمائے گا۔

﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾﴾ ''آپ کا رب فرماتا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے' تا کہ ہم اسے بنائیں ایک نشانی لوگوں کے لیے اور رحمت اپنی طرف سے' اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔''

یعنی اس بچے کو ہم لوگوں کے لیے معجزہ اور اپنی رحمت کا ذریعہ بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی معجزہ تھی' آپؑ کا رفع سماوی بھی معجزہ تھا اور اس کے علاوہ بھی آپؑ کو بہت سے معجزات عطا ہوئے تھے۔ غرض آپؑ کی شخصیت ہر لحاظ سے غیر معمولی' ممیّز اور ممتاز تھی۔

آیت ۲۲ ﴿فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾﴾ ''تو اُسے اس (بچے) کا حمل ٹھہر گیا' چنانچہ وہ اسے لے کر ایک دور جگہ پر چلی گئی۔''

اس پریشانی میں کہ حمل بڑھے گا تو لوگ کیا کہیں گے' حضرت مریم تنہائی کی غرض سے بیت اللحم چلی گئیں' جو ہیکلِ سلیمانی سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔''

آیت ۲۳ ﴿فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ﴾ ''پھر لے آیا اسے دردِ زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس۔''

ولادت کے وقت جب دردِ زہ کی شدت بڑھی تو حضرت مریم نے سہارے کے لیے ایک کھجور کے تنے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ درد کی شدت کو برداشت کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اگر عورت وضع حمل کے وقت کسی چیز کو مضبوطی سے تھام لے تو اس میں درد کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔

﴿قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ﴿٢٣﴾﴾ ''(اس کیفیت میں) اُس نے کہا: کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور ایک بھولی بسری چیز ہو چکی ہوتی۔''

اللہ کی وہ بندی ممکنہ اندیشوں سے کانپ رہی تھی کہ اب میں اس بچے کا کیا کروں گی؟ لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ دنیا کیا کہے گی؟ کاش یہ وقت آنے سے پہلے ہی مجھے موت آ گئی ہوتی اور میری یاد تک لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو چکی ہوتی۔

آیت ۲۴ ﴿فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا﴾ ''تو اُس نے پکارا اسے اس کے نیچے سے''

یہاں عام مفسرین کا خیال یہ ہے کہ جس فرشتے نے پہلے بشارت دی تھی اسی نے اب بھی انہیں آواز دی۔ مِنْ تَحْتِهَا کا مفہوم یہی لیا گیا ہے کہ اس وقت حضرت مریم نسبتاً بلند جگہ پر ہوں گی اور وہ فرشتہ ذرا نشیب میں ہوگا۔ ویسے بھی وضع حمل کے موقع پر فرشتے کا آپ کے بالکل قریب رہنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن مِنْ تَحْتِهَا کی ایک قراءت مَنْ تَحْتَهَا بھی ہے' یعنی اسے پکارا اُس نے جو اس کے نیچے تھا۔ اس ترجمے کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ ولادت کے فوراً بعد بچہ بول پڑا اور میں یہاں اسی مفہوم کو ترجیح دیتا ہوں۔ اس لیے کہ اگر اس وقت بچے نے کلام نہ کیا ہوتا تو حضرت مریم کو کیسے یقین آتا کہ یہ بچہ لوگوں کے سوالات کا خود ہی جواب دے گا اور وہ بچے کو

لے کر لوگوں کے سامنے آنے پر کیونکر تیار ہو جاتیں۔ بہر حال وہ جو نیچے تھا اس نے آپ کو پکار کر کہا:

﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ﴾ ''کہ آپ غمگین نہ ہوں''

اگر یہ حضرت مسیح علیہ السلام یعنی نومولود ہی کا کلام ہے تو گویا آپؑ اپنی والدہ کو تسلی دے رہے ہیں کہ امی جان! آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔

﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾﴾ ''(دیکھئے) آپ کے ربّ نے آپ کے (قدموں کے) نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔''

آیت ۲۵ ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾﴾ ''اور آپ اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلایئے، آپ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔''

آیت ۲۶ ﴿فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ﴾ ''پس آپ کھایئے اور پیجئے اور (اپنی) آنکھیں ٹھنڈی کیجیے!''

حضرت مریم سلام اللہ علیہا نے یہ تمام معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ بچہ بھی بول پڑا، چشمہ بھی جاری ہو گیا اور کھجور کے سوکھے تنے کو ہلانے سے تازہ پکی ہوئی کھجوریں بھی ان کے سامنے آن گریں۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ان میں حالات کا مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا ہوئی اور انہوں نے بچے کو لے کر آبادی میں آنے کا فیصلہ کیا۔

﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾﴾ ''اور اگر آپ دیکھیں کسی آدمی کو (اور وہ آپ سے پوچھے) تو اس سے (اشارے سے) کہہ دیں کہ میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لیے روزے کی، لہٰذا میں بات نہیں کروں گی آج کسی انسان سے۔''

ان کی شریعت میں روزے کی حالت میں کھانے پینے کی پابندی کے علاوہ بات چیت کرنے پر بھی پابندی تھی۔

آیت ۲۷ ﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ﴾ ''پھر وہ لے آئی اس کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس۔''

حضرت مریم بڑے حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نومولود بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کی طرف آ گئیں۔ بچے کی گفتگو والا معجزہ دیکھ لینے کے بعد آپ کو تسلی تھی کہ وہ خود ہی لوگوں کے سوالات کے جواب دے گا۔ آیت ۲۴ کے حوالے سے بچے کے کلام کرنے کا تذکرہ عام طور پر تفاسیر میں نہیں ملتا اور ''مِنْ تَحْتِهَآ'' سے یہی سمجھا گیا ہے کہ اس موقع پر فرشتے ہی نے آپ کو پکارا تھا۔ بہر حال میری رائے یہ ہے کہ حضرت مریم کو اس وقت نیچے سے پکارنے والا آپ کا نومولود بیٹا تھا، جس کی گفتگو سے آپ کو حوصلہ ملا اور آپ بچے کے ساتھ لوگوں کا سامنا کرنے پر آمادہ ہوئیں۔ واللہ اعلم!

﴿قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾﴾ ''لوگوں نے کہا: اے مریم! یقیناً تم ایک طوفان گھڑ لائی ہو۔''

ان کو دیکھتے ہی لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کرنا شروع کر دیں کہ تم نے یہ کیا غضب کیا! تمہاری گود میں یہ کس کا بچہ ہے؟ یہ تم نے بہت بری حرکت کی ہے، وغیرہ۔

آیت ۲۸ ﴿یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾﴾ ''اے ہارون کی بہن! نہ تو تمہارا والد برا آدمی تھا اور نہ ہی تمہاری والدہ بدکار تھی۔''

حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہنے کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا ہارون نامی کوئی بھائی ہو' یا یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہونے کی وجہ سے ایک برگزیدہ جدّامجد کے طور پر آپؑ کا نام لیا گیا ہو کہ دیکھو کس عظیم شخصیت کی نسل سے تمہارا تعلق ہے اور حرکت تم نے کس قدر گری ہوئی کی ہے۔

آیت ۲۹ ﴿فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾﴾ ''تو اُس نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گود میں پڑا بچہ ہے!''

آیت ۳۰ ﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾﴾ ''اُس (بچے) نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾﴾ ''اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں گا' اور مجھے اُس نے تاکید کی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں۔''

آیت ۳۲ ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾﴾ ''اور (اُس نے مجھے بنایا) بھلائی کرنے والا اپنی والدہ کے ساتھ' اور اُس نے مجھے تندخُو بدبخت نہیں بنایا۔''

آیت ۳۳ ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾﴾ ''اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں جنا گیا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔''

آیت ۳۴ ﴿ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''یہ ہیں عیسیٰؑ ابن مریم! یہ ہے حق کی بات' جس کے بارے میں یہ لوگ شک کرتے ہیں۔''

آیت ۳۵ ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۳۵﴾﴾ ''اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے' وہ (اس سے) پاک ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا' تو وہ ہو جاتا ہے۔''

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے سلسلے میں باپ کا حصہ اللہ تعالیٰ کے ایک حرفِ ''کُن'' کے ذریعے سے پورا ہوا' جبکہ باقی سارا عمل عام فطری اور طبعی طریقے سے تکمیل پذیر ہوا۔ اسی لیے آپؑ کو کلمةٌ منهُ (آلِ عمران: ۴۵) یعنی اللہ کا خاص کلمہ قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ ہی ہے میرا رب بھی اور تمہارا رب بھی' تو تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾﴾ ”پھر اختلافات پیدا کر لیے (مختلف) گروہوں نے آپس میں۔ تو بربادی ہے ان کافروں کے لیے اس بڑے دن کی پیشی سے۔“

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی ہو گی اور تمام حقائق کھل کر سامنے آئیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بھی حقیقت واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ اس بارے میں جن لوگوں نے من گھڑت عقیدے بنائے اور پھر ان غلط عقائد پر ہی جمے رہے حتیٰ کہ اسی حالت میں انہیں موت آ گئی' ایسے لوگوں کے لیے اس دن ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

آیت ۳۸ ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾﴾ ”کیا ہی اچھا وہ سن رہے ہوں گے اور کیا ہی اچھا وہ دیکھ رہے ہوں گے جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے' لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔“

آیت ۳۹ ﴿وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ انہیں خبردار کر دیجیے اس یومِ حسرت سے' جب ہر معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ البتہ (اب) یہ لوگ غفلت میں مبتلا ہیں' لہٰذا یہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

آیت ۴۰ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا﴾ ”یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کوئی اس پر موجود ہے (اس کے بھی)“

اُس دن روئے زمین کی حکمرانی اور دُنیوی مال و متاع کی ملکیت کے عارضی دعویدار سب کے سب ختم ہو جائیں گے اور اس سب کچھ کی وراثت ظاہری طور پر بھی ہمیں منتقل ہو جائے گی۔

﴿وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ”اور یہ سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

آیات ۴۱ تا ۵۰

وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ﴿۴۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا
یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا ﴿۴۲﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ
فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴿۴۳﴾ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ
عَصِیًّا ﴿۴۴﴾ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا ﴿۴۵﴾
قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ
سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا
وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ ع

آیت ۴۱ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ڛ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝﴾ ''اور تذکرہ کیجیے اس کتاب میں ابراہیمؑ کا۔ یقیناً وہ صدیق نبی تھے۔''

صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ایک نئی ترکیب ہے، جو قرآن حکیم میں یہاں پہلی مرتبہ آئی ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور آیت ۵۶ میں حضرت ادریس علیہ السلام کو صِدِّيْقًا نَّبِيًّا فرمایا گیا ہے، جبکہ آیات ۵۱ اور ۵۴ میں بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو رَسُوْلًا نَّبِيًّا کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ گویا یہ دو الگ الگ تراکیب ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کا اپنا الگ مفہوم ہے۔ اگرچہ میرے علم کی حد تک ان الفاظ یا تراکیب کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی، بلکہ مجھے اس وقت سخت حیرت ہوئی جب میں نے ایک معروف عالمِ دین اور مفسرِ قرآن سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا واقعی ایسا ہے؟ یعنی کیا واقعی قرآن میں دو انبیاء کے بارے میں صِدِّيْقًا نَّبِيًّا اور دو کے بارے میں رَسُوْلًا نَّبِيًّا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں؟ وہ خود قرآن کی مکمل تفسیر لکھ چکے تھے مگر اس طرف ان کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ یہ نکتہ جس حد تک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرمایا ہے اس حد تک میں دوسروں تک پہنچا دوں۔

ان دو تراکیب کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے تو سورۃ الفاتحہ کی یہ آیات مدنظر رکھیں جن میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ''اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا''۔ اور پھر سورۃ النساء کی اس آیت پر غور کریں جس میں ان لوگوں کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۤئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤئِكَ رَفِيْقًا ۝﴾۔ اس آیت میں ان لوگوں کے چار درجات بیان ہوئے ہیں جو مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ کے زمرے میں آتے ہیں۔ ان میں سب سے اوپر انبیاء کا درجہ ہے، پھر صدیقین کا، پھر شہداء کا اور نیچے base line پر صالحین ہیں، یعنی نیک دل، مخلص مسلمان جو صادق القول اور صادق الایمان ہیں۔ اگر نیچے سے اوپر کی طرف ارتقاء کے حوالے سے دیکھا جائے تو base line پر پہلا درجہ مؤمنین صالحین کا ہے۔ اگر کوئی اس درجہ سے ترقی کرے گا تو اس کے لیے درجہ شہادت ہے اور پھر اس سے اوپر درجہ صدیقیت۔ اس لحاظ سے درجہ صدیقیت گویا کسی بھی انسان کے لیے روحانی ترقی کے مدارج میں بلند ترین درجہ ہے، کیونکہ اس کے اوپر نبوت کا درجہ ہے، جو اکتسابی نہیں، سراسر وہبی ہے اور اب وہ دروازہ نوعِ انسانی کے لیے مستقل طور پر بند ہو چکا ہے۔

صِدِّيْقِيْن اور شہداء کے فرق کو سائیکالوجی کی دو جدید اصطلاحات کے ذریعے اس طرح سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مختلف مزاج پر پیدا فرمایا ہے۔ مزاج اور رویے کے اعتبار سے جدید سائیکالوجی انسانوں کو بنیادی

طور پر دو گروہوں میں تقسیم کرتی ہے۔ جو لوگ مجلس پسند ہوں‘ تنہائی سے گھبراتے ہوں‘ ہر وقت سیر سپاٹے کرنے‘ لوگوں سے ملنے جلنے اور خوش گپیوں میں خوش رہتے ہوں‘ انہیں بیروں بیں (extroverts) کہا جاتا ہے۔ ان کے برعکس تنہائی پسند‘ غور وفکر کرنے والے‘ اپنے خیالوں میں مگن رہنے اور محفلوں سے حتی المقدور اجتناب کرنے والے لوگ دروں بین (introverts) کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک تیسری کیفیت ان دو رویوں کے خوبصورت توازن سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ جن کی شخصیات میں مذکورہ دونوں رویے توازن کے ساتھ موجود ہوں وہ ambiverts کہلاتے ہیں‘ لیکن ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص میں دونوں رویے توازن کے ساتھ موجود ہوں۔ اس لیے ambiverts قسم کے لوگ عملاً بہت ہی کم ہوتے ہیں اور عمومی طور پر دنیا میں مزاج کے اعتبار سے مندرجہ بالا دو اقسام کے لوگ ہی پائے جاتے ہیں۔ دروں بین (introverts) قسم کے لوگ غور وفکر کی عادت کے باعث فطرت کے حقائق کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ کائنات کے بارے میں سوچ بچار کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی آفاقی آیات اُن سے ہم کلام ہوتی ہیں اور اس سلسلے میں اہم حقائق ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم کی راہنمائی میں اللہ کو بھی پہچان لیتے ہیں‘ آخرت کی ضرورت اور حقیقت کو بھی سمجھ لیتے ہیں اور یہ بھی جان جاتے ہیں کہ بندگی صرف اللہ ہی کی کرنی چاہیے۔ لیکن بندگی کا طریقہ کیا ہو؟ اس کا انہیں علم نہیں ہوتا۔ اس کے لیے وہ اللہ سے راہنمائی کی التجا کرتے ہیں: ﴿اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝۵﴾ (الفاتحہ)۔ یہ لوگ دراصل صدیقین ہوتے ہیں اور ان کی شان یہ ہے کہ جونہی کوئی الہامی دعوت ان تک پہنچتی ہے وہ اسے اس انداز میں لپک کر قبول کرتے ہیں گویا مدت سے اسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں نے جس کے سامنے بھی ایمان کی دعوت پیش کی اس نے کچھ نہ کچھ توقف ضرور کیا‘ سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے۔ یعنی آپؓ نے ایک لمحے کے لیے بھی توقف نہیں کیا اور دعوت پر ایسے لبیک کہا جیسے وہ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔

البتہ بیروں بین (extroverts) قسم کے لوگ چونکہ خود کو کھیل کود‘ سیر وشکار‘ میل ملاقات وغیرہ میں مصروف رکھتے ہیں‘ اس لیے اُن کا طبعی میلان غور وفکر کی طرف نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ کسی الہامی دعوت کو سمجھنے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہیں‘ اور جب وہ کسی ایسے معاملے کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں تو اکثر جذباتی انداز میں ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ کسی نظریے یا دعوت کو قبول کر لیتے ہیں تو عام طور پر زیادہ متحرک اور فعال ثابت ہوتے ہیں اور یوں مسابقت میں بظاہر introverts سے آگے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جہاں ایک لمحے کے توقف کے بغیر قبول کر لیا وہاں حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کو اس طرف متوجہ ہونے میں چھ سال لگ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بنو عدی میں سے تھے اور آپؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بظاہر زیادہ قربت نہیں تھی‘ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تو آپؐ کے سگے چچا اور دودھ شریک تھے۔ وہ بچپن میں آپؐ کے ساتھ کھیلے تھے اور آپؐ سے بہت محبت بھی کرتے تھے‘ لیکن اس سب کچھ کے باوجود چھ سال تک آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی طرف کبھی سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا اور جب ایمان لائے تو حادثاتی اور جذباتی انداز میں لائے۔

ایک روز شکار سے واپس آئے تو ابھی گھر میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ لونڈی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

ابوجہل کی گستاخی کے بارے میں خبر دی۔ بس یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ گھر جانے کے بجائے سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے۔ جاتے ہی اس کے سر پر کمان دے ماری اور اسے للکارا کہ آج سے میں بھی ایمان لے آیا ہوں، تم میرا مقابلہ کر سکتے ہو تو آؤ میدان میں! ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی جذباتی انداز میں ایمان لائے۔ گھر سے محمدٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ!) قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ جذبات کی رو میں ہی بہن اور بہنوئی سے جا اُلجھے۔ بہن کی غیر معمولی استقامت دیکھی تو سوچنے پر مجبور ہوئے اور جب سنجیدگی سے غور کیا تو یکدم دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ پھر کیا تھا؟ وہی شمشیر برہنہ جو قتل کے ارادے سے لے کر نکلے تھے، گردن میں لٹکائے غلاموں کی طرح درِ نبوت پر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دروں بین (introverts) قسم کے لوگ صدیقین اور بیروں بین (extroverts) مزاج کے افراد شہداء ہوتے ہیں۔

انسانی مزاج کا یہ فرق انبیاء کی شخصیات میں بھی پایا جاتا ہے۔ کچھ انبیاء کا مزاج صدیقین سے مناسبت رکھتا ہے اور کچھ کا شہداء سے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں روایات ہیں کہ آپؑ شکار کے بہت شوقین تھے اور اسی شوق میں کئی کئی دن گھر سے باہر رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو مرتبہ آپؑ سے ملنے کے لیے گئے، مگر آپؑ کے گھر سے باہر ہونے کی وجہ سے دونوں مرتبہ باپ بیٹے کی ملاقات نہ ہو سکی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی جلالی تھا۔ آپؑ نے مصر میں ایک آدمی کو مُکّا رسید کیا تو اس کی جان ہی نکل گئی۔ انسانی مزاج کی اس تشریح کے اعتبار سے میرا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت ادریس علیہما السلام کی شخصیات صدیقیت کے ساتھ مناسبت رکھتی تھیں، اس لیے وہ صدیق نبی قرار پائے، جبکہ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی شخصیات شہداء جیسی تھیں، چنانچہ وہ رسول نبی کہلائے۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ رسالت اور شہادت کے الفاظ کی آپس میں خصوصی مناسبت ہے۔ ہر رسول کو اپنی قوم کی طرف شاہد بنا کر بھیجا گیا۔ کارِ رسالت یعنی دعوت وتبلیغ اور اتمام حجت میں عمل کا پہلو غالب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾﴾ "اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا"۔ اسی طرح سورۃ النساء میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾﴾ "پھر کیا حال ہو گا جب ہم لائیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کو ہم لائیں گے ان پر گواہ"۔ اس ساری وضاحت کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں شہداء کا مزاج رکھنے والے انبیاء کو رَسُوْلًا نَّبِيًّا اور صدیقیت کے مزاج کے حامل انبیاء کو صِدِّيْقًا نَّبِيًّا کے لقب سے یاد فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الحدید کے مطالعے کے دوران اس کی آیت ۱۹: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ﴾ کے حوالے سے اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید گفتگو ہو گی۔

آیت ۴۲ ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾﴾ "یاد کیجیے جب ابراہیم نے اپنے والد سے کہا: اباجان! آپ کیوں بندگی کرتے ہیں ایسی چیزوں کی جو نہ سن سکتی ہیں اور نہ دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی آپ کے کچھ کام آسکتی ہیں۔"

اِن آیات کے حوالے سے یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو مخاطب کرنے کا انداز انتہائی مؤدبانہ ہے: یٰۤاَبَتِ ' یٰۤاَبَتِ (اے میرے ابا جان! اے میرے ابا جان!)۔ ایک داعی اور مبلغ کے لیے یہ گویا ایک مثال ہے کہ اگر اسے دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اپنے سے کسی بڑے یا کسی بزرگ کو مخاطب کرنا ہو تو اس کا طرزِ تخاطب کیسا ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے یہ قرآن مجید کا بہترین مقام ہے۔

آیت ۴۳ ﴿یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ قَدۡ جَآءَنِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ یَاۡتِکَ﴾ ''ابا جان! یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا''

مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حقائق سے آگاہ کیا ہے۔ میرے پاس وہ ہدایت آئی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان سے ان الفاظ میں وعدہ فرمایا تھا: ﴿فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی......﴾ (البقرۃ: ۳۸)۔

﴿فَاتَّبِعۡنِیۡۤ اَہۡدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا ﴿۴۳﴾﴾ ''پس آپ میری پیروی کیجیے' میں آپ کو دکھاؤں گا سیدھا راستہ۔''

آپ میرا کہنا مانیے' میرے پیچھے چلیے' میں یقیناً سیدھے راستے کی طرف آپ کی راہنمائی کروں گا۔

آیت ۴۴ ﴿یٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّیۡطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِیًّا ﴿۴۴﴾﴾ ''ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کیجیے' شیطان یقیناً رحمٰن کا نافرمان تھا۔''

اس شیطان کی فرمانبرداری مت کیجیے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بغاوت اور سرکشی کا ارتکاب کر چکا ہے۔

آیت ۴۵ ﴿یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ فَتَکُوۡنَ لِلشَّیۡطٰنِ وَلِیًّا ﴿۴۵﴾﴾ ''ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ رحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب آپ کو آ پکڑے اور پھر آپ شیطان ہی کے ساتھی بن کر رہ جائیں۔''

آیت ۴۶ ﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِہَتِیۡ یٰۤـاِبۡرٰہِیۡمُ ۚ﴾ ''اُس نے کہا: اے ابراہیم! کیا تم کنارہ کشی کر رہے ہو میرے معبودوں سے؟''

ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لجاجت بھرا طرزِ تخاطب تھا تو دوسری طرف جواب میں باپ کا یہ فرعونی انداز بھی ملاحظہ ہو!

﴿لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہِ لَاَرۡجُمَنَّکَ وَاہۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا ﴿۴۶﴾﴾ ''اگر تم اس سے باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا' اور تم مجھے چھوڑ (کر چلے) جاؤ ایک مدت تک۔''

تمہاری یہ باتیں میری برداشت سے باہر ہیں' لہٰذا تم فوری طور پر میری نگاہوں سے دور ہو جاؤ!

آیت ۴۷ ﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَیۡکَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَکَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِیۡ حَفِیًّا ﴿۴۷﴾﴾ ''ابراہیم علیہ السلام نے کہا: آپ پر سلام! میں اپنے رب سے آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا' وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔''

ابراہیم علیہ السلام نے باپ کی طرف سے اتنے سخت جواب کے بعد بھی اپنا اندازِ تخاطب انتہائی مؤدبانہ رکھا' اس

سے بھی بڑھ کر آپؑ نے ان کے لیے اپنے مہربان رب سے دعا کرنے کا بھی ارادہ کیا۔ اسی طرح ایک مبلغ اور داعی کو بھی چاہیے کہ وہ مدِ مقابل کی طرف سے انتہائی سخت جملوں کے بعد بھی ترش انداز اختیار کرنے کے بجائے نرمی کو ہی اپنائے۔

آیت ۴۸ ﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ﴾ ''اور میں کنارہ کشی کرتا ہوں آپ سے بھی اور اُن (تمام معبودوں) سے بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا''

میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کروں گا' اسی سے دعا کروں گا۔

﴿عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝۴۸﴾ ''مجھے یقین ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کرنا مراد نہیں رہوں گا۔''

آیت ۴۹ ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۴۹﴾ ''پھر جب ابراہیمؑ نے ان سب سے کنارہ کشی کر لی اور ان سے بھی جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے' تو ہم نے آپؑ کو عطا کیا اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا)' اور ہر ایک کو نبی بنایا۔''

آیت ۵۰ ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۵۰﴾ ''اور ہم نے ان سب کو اپنی خصوصی رحمت سے حصہ عطا فرمایا اور ان کو اعلیٰ درجے کی سچی شہرت عطا فرمائی۔''

جیسے سورۃ الانشراح میں نبی اکرم ﷺ کو ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴﴾ کی سند عطا فرمائی گئی اسی طرح یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آلِ ابراہیمؑ کے ذکرِ خیر کو بہت اعلیٰ سطح پر دنیا میں باقی رکھنے کا ذکر ہے۔

آیات ۵۱ تا ۶۳

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۱ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ
الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝۵۲ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝۵۳ وَاذْكُرْ فِي
الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۴ۚ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝۵۵ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ
صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۵۶ڎ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝۵۷ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ
ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۤ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَاۗءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا
وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝۵۸ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ السجدۃ
اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝۵۹ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْــًٔا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ
بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝۶۱ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا
بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۶۲ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝۶۳

آیت ۵۱ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۱﴾ ’’اور کتاب میں تذکرہ کیجیے موسیٰؑ کا‘ یقیناً وہ تھے خاص کیے گئے اور وہ تھے رسول نبی۔‘‘

ہم نے انہیں خاص اپنا بنا لیا تھا۔ یہ مضمون سورۂ طٰہٰ (آیت ۴۱) میں بھی آئے گا۔

آیت ۵۲ ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝۵۲﴾ ’’اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور انہیں اپنے قریب کیا سرگوشی کے لیے۔‘‘

آیت ۵۳ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝۵۳﴾ ’’اور ہم نے انہیں عطا کیا اپنی رحمت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر۔‘‘

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے درخواست کی تھی کہ انہیں بھی میرے ساتھ بھیجا جائے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے آپؑ کی یہ درخواست قبول فرماتے ہوئے حضرت ہارونؑ کو بھی مقامِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اس کی تفصیل بھی سورۂ طٰہٰ میں آئے گی۔

آیت ۵۴ ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ ’’اور تذکرہ کیجیے اس کتاب میں اسماعیلؑ کا (بھی)‘ یقیناً وہ وعدے کے سچے تھے‘‘

یہ خصوصی طور پر اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو آپؑ نے اپنے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان الفاظ میں کیا تھا: ﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲﴾ (الصّٰفّٰت) ’’ابا جان آپ کر گزریے جو آپؑ کو حکم ہوا ہے‘ مجھے آپ ان شاء اللہ صابرین میں سے پائیں گے‘‘۔ یوں آپؑ نے ذبح ہونے کے لیے اپنی گردن پیش کر دی اور اس سلسلے میں صبر کرنے کا جو وعدہ کیا تھا آخر وقت تک اسے نبھایا۔

﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۴﴾ ’’اور وہ (بھی) رسول نبی تھے۔‘‘

جیسا کہ ’’رسول نبی‘‘ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے قبل ازیں وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام مزاج کے اعتبار سے بہت متحرک اور فعال تھے اس لیے آپؑ کو رَسُوْلًا نَّبِيًّا کا لقب عطا ہوا ہے۔ اس ضمن میں اس سے قبل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزاج کی بھی مثال دی گئی ہے۔ حضرت حمزہؓ حضرت اسماعیلؑ کی نسل میں سے بھی تھے اور آپؓ کی شخصیت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شخصیت سے بہت مشابہت بھی رکھتی تھی۔

آیت ۵۵ ﴿وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝۵۵﴾ ’’اور وہ حکم دیتے

تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا' اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے۔''

آپؑ اللہ تعالیٰ کے بہت منظورِ نظر تھے۔

آیت ۵۶ ﴿وَاذۡكُرۡ فِی الۡكِتٰبِ اِدۡرِیۡسَ ؗ﴾ ''اور تذکرہ کیجیے کتاب میں ادریسؑ کا (بھی)''

حضرت ادریس علیہ السلام' حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اور حضرت نوح علیہ السلام سے قبل زمانے میں مبعوث ہوئے۔ ان سے پہلے ذُرّیتِ آدمؑ میں حضرت شیث علیہ السلام گزر چکے تھے۔ تورات میں ان کا نام ''حنوک'' مذکور ہے۔ ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ حضرت ادریس اور حضرت شیث علیہما السلام دونوں نبی تھے' جبکہ ان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول کے طور پر مبعوث ہوئے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا ﴿۵۶﴾﴾ ''یقیناً وہ صدیق نبی تھے۔''

اس سے پہلے آیت ۴۱ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ''صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا'' کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ یعنی مزاج کے اعتبار سے حضرت ادریس علیہ السلام کی مناسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ دونوں شخصیات صِدّیقیت کے مزاج کی حامل تھیں۔

آیت ۵۷ ﴿وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا ﴿۵۷﴾﴾ ''اور ہم نے انہیں اٹھایا بلند مقام پر۔''

اسرائیلی روایات کے زیرِ اثر بعض لوگوں نے اس سے رفع سماوی مراد لیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ اٹھا لیا تھا۔ معراج کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الفاظِ قرآنی بہت واضح ہیں: ﴿رَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ (آل عمران: ۵۵) کہ میں آپؑ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ ان الفاظ سے رفعِ سماوی کا مفہوم متعیّن ہو جاتا ہے' جبکہ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں آیت زیرِ نظر میں لفظ ''رفع'' کے ساتھ ''اِلَیَّ'' کی عدم موجودگی میں یہ مفہوم متعین نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہاں پر اس لفظ کا یہی مفہوم مراد لیا جا سکتا ہے کہ ہم نے انہیں بلند مقام عطا کیا۔

آیت ۵۸ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ جن پر انعام فرمایا اللہ نے انبیاء میں سے''

سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں مُنۡعَمۡ عَلَیۡهِمۡ لوگوں کے جن چار طبقات کا بیان ہے' ان میں سے اعلیٰ ترین طبقہ کے افراد یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا یہاں اللہ کے انعامات کے حوالے سے تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔

﴿مِنۡ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ ٭ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫﴾ ''اولادِ آدمؑ میں سے' اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنہیں سوار کرایا ہم نے (کشتی میں) نوحؑ کے ساتھ''

﴿وَّمِنۡ ذُرِّیَّةِ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡرَآءِیۡلَ ۫ وَمِمَّنۡ هَدَیۡنَا وَاجۡتَبَیۡنَا ؕ﴾ ''اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی نسل میں سے' اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور جنہیں ہم نے چن لیا۔''

﴿اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩﴾ ''جب تلاوت کی جاتیں ان پر رحمٰن کی آیات تو وہ گر پڑتے تھے (اللہ کی جناب میں) سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔''

آیت ۵۹ ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ ''پھر جانشین ہوئے ان کے بعد ناخلف لوگ''

''خَلْف'' کا لفظ جب ''ل'' ساکن کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ''ناخلف'' کے لیے جاتے ہیں۔ یعنی اپنے اسلاف کے کردار کے خلاف عمل کرنے والے اور ان کی نیک نامی اور بزرگی کو بٹہ لگانے والے لوگ۔

﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝﴾ ''انہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کی پیروی کی تو عنقریب وہ ملیں گے گمراہی سے۔''

یعنی عنقریب وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔

آیت ۶۰ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝﴾ ''سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور وہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر قطعاً کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اُن کے اعمال کا انہیں پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان کی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

آیت ۶۱ ﴿جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ ''(انہیں ملیں گے) عیشِ دوام کے باغات، جن کا وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن میں ایسے وعدے جگہ جگہ کیے گئے ہیں۔ دُنیوی زندگی میں نہ تو کسی نے جنت کو دیکھا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو۔ یہ سارا معاملہ غیب ہی کا ہے۔ چنانچہ جو شخص اللہ کو اور اس کے ایسے تمام وعدوں کو مانتا ہے وہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے مصداق غیب پر ایمان لاتا ہے۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝﴾ ''یقیناً اس کا وعدہ تو پورا ہونے والا ہی ہے۔''

وہ اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔

آیت ۶۲ ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ﴾ ''وہ نہیں سنیں گے اس میں کوئی لغو بات مگر صرف سلام۔''

جنت میں ہر طرف سے سلام سلام کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔ ہر طرف سے فرشتوں کا ورود ہو گا اور وہ اہل جنت کو سلام کہہ رہے ہوں گے۔ سورۃ الواقعہ میں اس مضمون کو ایسے بیان فرمایا گیا ہے: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝﴾ ''وہ اس میں کوئی لغو اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے، مگر ایک ہی بات: سلام! سلام!''

﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝﴾ ''اور ان کے لیے ان کا رزق ہو گا اس میں صبح اور شام۔''

آیت ۶۳ ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝﴾ ''یہ ہے وہ جنّت جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں میں سے اُن کو جو متقی ہوں گے۔''

آیات ۶۴ تا ۸۲

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
نَسِيًّا ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ
سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا ع ۱۵/۷
خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ
جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ
اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا
مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ
الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ
هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا
وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ
مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا
لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ ع ۱۶/۸

آیت ۶۴ ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم (فرشتے) نہیں نازل ہوتے مگر آپ کے رب کے حکم سے۔“

یہاں سے ایک بہت اہم مضمون کا آغاز ہو رہا ہے اور یہ بات اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کے ساتھ جو والہانہ محبت تھی، جو عشق تھا، اس کا جو شغف اور شوق تھا، اس کی بنا پر وحی میں وقفہ آپ ﷺ پر بہت شاق گزرتا تھا۔ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ وحی جلد از جلد آتی رہے تا کہ اس سے آپ اپنے وجودِ پُرنور کو مزید منور کرتے رہیں۔ اس حوالے سے آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے شکوہ کیا کہ آپ کی آمد وقفے وقفے سے ہوتی ہے، ہم انتظار کرتے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اس شکوہ کا یہاں جبرائیل کی طرف سے جواب دیا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ ہم اپنی مرضی سے نازل نہیں ہوتے، ہم تو آپ کے رب کے حکم کے پابند ہیں۔ اُس کا

اِذن ہوتا ہے تو ہم نازل ہوتے ہیں۔

﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ ''اُسی کے اختیار میں ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے۔''

ان الفاظ میں بہت گہرائی ہے۔ آگے اور پیچھے کے درمیان میں کون ہے؟ وہی جو یہاں متکلّم ہیں، یعنی خود جبرائیل! مراد یہ کہ میں بالکلیہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہوں اور فرشتے کی یہی شان ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرِمُو سرتابی نہیں کرتے، جیسا کہ سورۃ التحریم میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥﴾ ''وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا وہ انہیں حکم دے، اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔''

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾﴾ ''اور آپؐ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔''

اے نبی ﷺ! ہم آپ کے رب کی اجازت اور مشیت سے وحی لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اس میں جو تاخیر ہوتی ہے وہ کسی نسیان کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اُس کی مرضی اور حکمت سے ہوتی ہے۔ سورۃ الفرقان میں اس حکمت کی وضاحت ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے: ﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾﴾ ''اسی طرح (ہم نے اسے نازل کیا) تا کہ مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپؐ کا دل اور (اسی لیے) ہم نے اسے پڑھ کر سنایا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے''۔ اور سورۂ بنی اسرائیل میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے: ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾﴾ ''اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے (کر کے نازل) کیا ہے تاکہ آپؐ اسے لوگوں کو پڑھ کر سنائیں ٹھہر ٹھہر کر، اور ہم نے اس کو اتارا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے۔''

آیت ٦٥ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾﴾ ''وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا جو ان دونوں کے مابین ہے، پس آپؐ اسی کی عبادت کریں اور جمے رہیں اس کی عبادت پر۔ کیا آپ جانتے ہیں کوئی اس کا ہم نام؟''

ظاہر ہے جو اللہ کی صفات ہیں، جو اس کی شان ہے، ایسی صفات اور ایسی شان رکھنے والی کوئی ہستی کائنات میں موجود نہیں۔

آیت ٦٦ ﴿وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾﴾ ''اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو پھر مجھے زندہ کر کے نکال لیا جائے گا؟''

یہ ان لوگوں کا قول نقل ہوا ہے جو بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ مشرکین مکہ کے عقائد کے بارے میں پہلے بھی کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر آخرت کے قائل تھے، اسی لیے تو بتوں کے بارے میں ان کے اس عقیدے کا قرآن میں ذکر ہوا ہے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ (یونس:١٨) ''اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے۔''

آیت ٦٧ ﴿اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـــًٔا ﴿٦٧﴾﴾ ''کیا انسان یہ بات یاد نہیں

کرتا کہ ہم نے ہی اسے پیدا کیا تھا اس سے پہلے جبکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا!''

آج جو انسان حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بھلا مر جانے کے بعد میں پھر سے کیسے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کیا جاؤں گا' کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ نے اسے اس وقت ایک انسان کی صورت میں پیدا کیا تھا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ تو اب اللہ کے لیے اسے دوبارہ زندہ کر دینا کیونکر مشکل ہو گا؟

آیت ۶۸ ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴾ ''تو آپؐ کے ربّ کی قسم! ہم ضرور جمع کریں گے انہیں اور تمام شیطانوں کو بھی' پھر ہم ضرور حاضر کریں گے انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔''

آیت ۶۹ ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴾ ''پھر ہم ضرور چھانٹ کر نکال لیں گے ہر گروہ میں سے ہر اس شخص کو جو اُن میں سب سے زیادہ سخت تھا رحمٰن کے خلاف سرکشی میں۔''

اس اجتماع میں سے ہر ہر گروہ کے ایسے سرکردہ لیڈروں کو چُن چُن کر علیحدہ کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں زیادہ اکڑنے والے تھے اور اس کے مقابلے میں سرکشی اور گستاخی میں پیش پیش رہتے تھے۔ چنانچہ ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے بڑے بڑے مجرموں کو چھانٹ کر الگ کر لیا جائے گا۔

آیت ۷۰ ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴾ ''پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو اس میں پہلے داخل ہونے کے لائق ہوں گے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ ''اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اس پر وارد نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔''

اس آیت کا جو مفہوم عام طور پر سمجھا گیا ہے مجھے اس سے اتفاق ہے اور وہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کے تمام افراد کو جہنم کے اوپر ''پل صراط'' پر سے گزرنا ہو گا۔ گویا یہ وہی ''الصراط'' ہو گا جسے ''صراطِ مستقیم'' کہا گیا ہے' جس پر گامزن ہونے کے ہم دعوے دار ہیں۔ یہی صراطِ مستقیم قیامت کے دن ''پل صراط'' بن جائے گا۔ اہل جنت اُس روشنی میں چلتے ہوئے جو انہیں عطا کی جائے گی بڑی سرعت اور آسانی کے ساتھ پل صراط کو پار کر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے' جبکہ اہل جہنم اندھیرے میں ٹھوکریں کھا کھا کر نیچے آگ میں گرتے جائیں گے۔ یہ مضمون سورۃ الحدید اور سورۃ التحریم کے مطالعے کے دوران زیادہ وضاحت سے بیان کیا جائے گا۔ بہرحال آیت زیر نظر کے مطابق ہر انسان کو اس طریقے سے جہنم پر سے گزرنا ہو گا۔ اہل جنت کو اس پر سے گزارنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے جہنم کا مشاہدہ کر لیں اور انہیں اندازہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کر کے انہیں کس ہولناک انجام سے بچایا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴾ ''پھر ہم بچا لے جائیں گے انہیں جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔''

یعنی اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ پُل پر سے گزرتے جائیں گے اور مجرم لوگ نیچے جہنم میں گرتے جائیں گے۔

آیت ۷۳ ﴿وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا﴿۷۳﴾﴾ ”اور جب انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات‘ تو یہ کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں کہ (دیکھو!) دونوں گروہوں میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور کس کی مجلس اچھی ہے!“

کفارِ مکہ مسلمانوں کو مخاطب کر کے تضحیک واستہزاء کے انداز میں سوال کرتے تھے کہ ذرا دیکھو تو سہی مجلسی شان وشوکت اور معاشرتی مقام ومرتبہ کے اعتبار سے ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ بہتر ہے۔ ایک طرف محمد (ﷺ) چند فقراء ومساکین کو لے کر بیٹھے ہیں تو دوسری طرف ابوجہل اور ولید بن مغیرہ کی چوپالوں میں امراء ورؤساء کی چہل پہل ہے۔ ان دونوں گروہوں کی حیثیت واہمیت کا بھلا آپس میں کیا تقابل اور موازنہ! کہاں فرش خاک پر بیٹھے بلال‘ خباب‘ ابوفکیہہ‘ عمار اور یاسر رضی اللہ عنہم جیسے مُفلس وقلاش اور غلام‘ اور کہاں شاہانہ محفلوں میں سردارانِ قریش کی سج دھج اور شان وشوکت! یہ وہی انداز ہے جو سورۃ الکہف میں دو افراد کے مکالمے کے دوران دیکھنے میں آتا ہے۔ وہاں بھی ایک دولت مند متکبر شخص نے اللہ کے بندے کو مخاطب کر کے بڑے طمطراق سے کہا تھا: ﴿اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴿۳۴﴾﴾ ”میں تم سے بہت زیادہ ہوں مال میں اور بہت بڑھا ہوا ہوں نفری میں!“

آیت ۷۴ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْیًا﴿۷۴﴾﴾ ”اور ہم کتنی ہی قوموں کو ان سے پہلے ہلاک کر چکے ہیں‘ جو ان سے کہیں بڑھ کر تھیں ساز وسامان اور شان وشوکت میں!“

قریش مکہ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قومِ ہودؑ‘ قومِ صالحؑ اور قومِ شعیبؑ جو اپنے اپنے رسول کی دعوت کو ٹھکرا کر ہلاکت سے دوچار ہوئیں وہ دنیوی شان وشوکت اور مال واسباب کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھ کر تھیں۔

آیت ۷۵ ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ اِن کو بتا دیجیے کہ جو کوئی گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو رحمٰن اسے بہت زیادہ ڈھیل دے دیتا ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور قانون ہے کہ جو شخص فہم وشعور کے باوجود گمراہی میں پڑنا پسند کر لیتا ہے تو وہ اس کی رسّی دراز کرتا ہے اور اسے دُنیوی نعمتوں سے نوازتا چلا جاتا ہے۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے جس کی انہیں وعید دی جا رہی ہے‘ خواہ عذاب ہو یا قیامت!“

﴿فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴿۷۵﴾﴾ ”تب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے مقام ومرتبہ میں بدتر اور (کون ہے) لاؤ لشکر کے اعتبار سے کمزور تر۔“

دُنیوی زندگی تو ایک سراب کی مانند ہے۔ یا اس کی مثال ایک سٹیج ڈرامے کی سی ہے جس میں مختلف کرداروں کے مختلف بہروپ نظر آتے ہیں۔ مگر جب آخرت میں حقیقت کھل کر سامنے آئے گی تب انہیں پتا چلے گا کہ اصل میں مقام ومرتبہ اور طاقت وقوت کے لحاظ سے کون بڑھ کر تھا؟ محمد ﷺ یا ابوجہل؟

آیت ۷۶ ﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ﴾ ''اور اللہ بڑھاتا ہے ان لوگوں کو ہدایت میں جنہوں نے ہدایت اختیار کی۔''

﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝﴾ ''اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپؐ کے ربّ کے نزدیک بدلے کے اعتبار سے بھی اور بہتر ہیں انجام کے اعتبار سے بھی۔''

یہ مال و دولتِ دنیا سب یہیں کی چیزیں ہیں اور یہیں رہ جائیں گی۔ بقا اور دوام اگر کسی چیز کو ہے تو وہ نیک اعمال ہیں۔ انسان کے ساتھ عالمِ آخرت میں بھی نیک اعمال ہی جائیں گے۔ یہ بدلے کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور اس اعتبار سے بھی کہ بالآخر ہر کسی نے لوٹ کر اپنے انہی اعمال کے پاس ہی جانا ہے۔ جب کوئی نیک شخص جنت میں پہنچے گا تو اپنے نیک اعمال کو جنت کی نعمتوں کی شکل میں اپنا منتظر پائے گا۔ وہاں اسے بتایا جائے گا کہ یہ نعمتیں دراصل تمہارے وہ نیک اعمال ہیں جو تم نے دنیا میں سرانجام دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی سے انہوں نے جنت کی ان نعمتوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔

آیت ۷۷ ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝﴾ ''کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا کفر کیا اور کہا کہ مجھے (آخرت میں بھی) مال اور اولاد سے لازماً نوازا جائے گا!''

یہ بھی وہی مضمون ہے جو سورۃ الکہف کے پانچویں رکوع میں دو اشخاص کے مکالمے کے سلسلے میں گزر چکا ہے۔ وہاں بھی بالکل اسی سوچ کے حامل مالدار شخص کا ذکر ہے جس نے اللہ کے نیک بندے کو مخاطب کر کے کہا تھا: ﴿وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝﴾ کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ قیامت واقعی برپا ہو گی، لیکن بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو میں دنیا کی طرح وہاں بھی نوازا جاؤں گا اور تم جو یہاں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہو وہاں بھی اسی حال میں رہو گے۔

آیت زیرِ نظر میں یہی نظریہ قریش مکہ کے حوالے سے دہرایا گیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہم جو پُر تعیش زندگی کے مزے لے رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہم سے خوش ہے۔ چنانچہ ہمیں آخرت میں بھی اسی طرح سے کثرتِ مال و اولاد سے نوازا جائے گا۔ ان الفاظ کا ایک مفہوم یہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ وہ اسی دنیا میں آئندہ بھی کثرتِ مال و اولاد کی توقع لیے بیٹھے تھے، مگر مجھے ان مفسّرین کی رائے سے اتفاق ہے جن کے نزدیک یہ ان کی آخرت کی توقع کا ذکر ہے۔

آیت ۷۸ ﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝﴾ ''کیا وہ غیب پر مُطّلع ہو چکا ہے؟ یا اُس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟''

جو شخص ایسے دعوے کرتا ہے آخر اس کے ان دعووں کی دلیل کیا ہے؟ کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا ہے؟ یا اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی قول و اقرار لے چکا ہے؟

آیت ۷۹ ﴿كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ ''ہرگز نہیں! ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ وہ کہہ رہا ہے''

ہم ایسے شخص کی ایک ایک بات کو لکھ کر محفوظ کر لیں گے تا کہ اس سے پوری طرح جوابدہی کی جا سکے۔

﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴿۷۹﴾﴾ ''اور اُس کے لیے عذاب کو ہم بڑھاتے چلے جائیں گے۔''

آیت ۸۰ ﴿وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا﴿۸۰﴾﴾ ''اور ہم وارث ہوں گے اُس سب کچھ کے جس کا وہ ذکر کر رہا ہے اور وہ آئے گا ہمارے پاس اکیلا ہی۔''

اس کا دُنیوی مال و متاع تو سب ہماری وراثت میں آ جائے گا اور جب اسے ہماری عدالت میں پیش ہونے کے لیے لایا جائے گا تو وہ بالکل یکہ و تنہا ہوگا۔ مال و اولاد' خدم و حشم' قوم و قبیلہ' ہم مشرب و حاشیہ نشین وغیرہ میں سے کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہوگا۔

آیت ۸۱ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴿۸۱﴾﴾ ''اور انہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا دوسرے معبود تا کہ وہ ان کے لیے مددگار بنیں۔''

ان کا خیال ہے کہ ان کے یہ معبودان کے لیے پشت پناہ ثابت ہوں گے اور انہیں اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے۔

آیت ۸۲ ﴿كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾ ''ہرگز نہیں! وہ تو ان لوگوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے''

یہ مضمون قرآن میں بار بار آیا ہے کہ وہ ہستیاں جنہیں یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے ہوں گے' وہ فرشتے ہوں' اولیاء اللہ ہوں یا انبیاء ہوں' قیامت کے دن وہ سب ایسے مشرکین سے اظہارِ براءت کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تم لوگ دنیا میں ہماری پرستش کرتے رہے ہو' ہم سے دعائیں مانگتے رہے ہو اور سمجھتے رہے ہو کہ ہم تم لوگوں کو اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں گے!

﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴿۸۲﴾﴾ ''اور (وہاں) وہ ان لوگوں کے مخالف ہو جائیں گے۔''

آیات ۸۳ تا ۹۸

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ

وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ
تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع ۶ ۹

آیت ۸۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾﴾ ''کیا آپؐ نے دیکھا نہیں کہ ہم کافروں پر شیاطین کو بھیجتے رہتے ہیں اور وہ انہیں خوب خوب اُکساتے ہیں!''

چونکہ ایسے لوگ خود شیاطین کی رفاقت اختیار کرتے ہیں اس لیے ہم شیاطین کو ان پر مستقل طور پر مسلط کر دیتے ہیں تا کہ وہ انہیں گناہوں اور سرکشی پر مسلسل ابھارتے رہیں۔

آیت ۸۴ ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ﴾ ''تو آپؐ ان کے خلاف (فیصلے کے لیے) جلدی نہ کیجیے۔''

عجلت کی نفی پر مبنی یہ مضمون اس سورت میں یہاں دوسری مرتبہ آیا ہے۔ آیت ۶۴ میں رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کے بارے میں جلدی کرنے سے منع فرمایا گیا تھا کہ وحی کے سلسلے میں آپ ﷺ کا شوق اپنی جگہ مگر اللہ کی حکمت اور مشیت یہی ہے کہ اس کی تنزیل ایک خاص تدریج سے ہو۔ اب آیت زیر نظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ کفارِ مکہ کے بارے میں ایسا خیال اپنے دل میں نہ لائیں کہ انہوں نے ظلم و سرکشی کی انتہا کر دی ہے' اس لیے ان کا فیصلہ چکا دینا چاہیے۔ سورۃ الانعام اور اس کے بعد سب مکی سورتوں میں مسلسل قریش مکہ کی سازشوں' کٹ حجتیوں اور مخالفانہ سرگرمیوں کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں' مگر اس کے باوجود فرمایا جا رہا ہے کہ ابھی آپؐ ان کے بارے میں فیصلے کے لیے جلدی نہ کیجیے۔

﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾﴾ ''ہم ان کی پوری پوری گنتی کر رہے ہیں۔''

ہمارے ہاں ہر کام ایک فطری تدریج اور باقاعدہ نظام الاوقات کے تحت طے پاتا ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں فیصلہ بھی ہم اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق کریں گے۔ ان کا ایک ایک عمل لکھا جا رہا ہے' ان کی ایک ایک حرکت ریکارڈ ہو رہی ہے' اسی ریکارڈ کے مطابق ان سے جوابدہی ہو گی اور بالآخر ان کے کرتوتوں کی سزا انہیں مل کر رہے گی۔

آیت ۸۵ ﴿یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾﴾ ''(ذرا تصور کریں اُس دن کا) جس دن اہل تقویٰ کو ہم جمع کر کے لائیں گے رحمٰن کی طرف وفود کی صورت میں۔''

اللہ تعالیٰ کے ہاں اہلِ تقویٰ کا مہمانوں کی طرح استقبال کیا جائے گا' جیسے سرکاری سطح پر وفود کا استقبال کیا جاتا ہے۔

آیت ۸۶ ﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾﴾ ''اور مجرموں کو ہم ہانک کر لے جائیں گے جہنم کی طرف پیاسے۔''

اُس دن مجرموں کو جانوروں کی طرح ہانک کر جہنم کے گھاٹ پر لے جایا جائے گا' اس حالت میں کہ پیاس کی شدت سے ان کی جان پر بنی ہو گی۔

آیت ۸۷ ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾﴾ ''اُس دن کسی کو شفاعت کا اختیار نہیں ہوگا سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے کوئی عہد حاصل کر لیا ہو۔''

اُس دن کوئی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا اور کوئی شفاعت کسی کے کام نہیں آئے گی' سوائے اُس شخص کے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد نبھایا ہو۔ جس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری' اطاعت اور بندگی میں بسر کی ہو (سوائے ان کوتاہیوں اور لغزشوں کے جو بشری کمزوریوں کے تحت سرزد ہوئی ہوں)۔ ایسے لوگوں کے لیے تو شفاعت مفید ہو سکتی ہے' لیکن وہ لوگ جو اپنی زندگیوں میں مستقلاً اللہ کے عہد کی خلاف ورزیاں کرتے رہے' جنہوں نے اپنی زندگیوں کا رخ متعین کرتے ہوئے اللہ کی مرضی اور اس کے احکام کو مسلسل نظرانداز کیے رکھا' ایسے لوگوں کے لیے کسی کی کوئی شفاعت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ شفاعت کے بارے میں یہ مسلّمہ اصول ہم آیت الکرسی کے ذیل میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جس کو اللہ کی طرف سے اِذنِ شفاعت حاصل ہوگا وہ اُس کے حق میں شفاعت کر سکے گا جس کے لیے اِذن ہوگا۔

آیت ۸۸ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (اپنے لیے) اولاد اختیار کی ہے۔''

آیت ۸۹ ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾﴾ ''(دیکھو!) تم یہ ایک بہت بھاری بات لائے ہو۔''

یہ عقیدہ گھڑ کے تم لوگ اللہ کے حضور ایک بہت بڑی گستاخی کے مرتکب ہوئے ہو اور تمہاری اس گستاخی کی وجہ سے:

آیت ۹۰ ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾﴾ ''قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں' زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں۔''

آیت ۹۱ ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾﴾ ''کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد قرار دی۔''

یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا' جبکہ قریشِ مکّہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے۔

آیت ۹۲ ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾﴾ ''اور یہ بات رحمٰن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو اپنی) اولاد بنائے۔''

دراصل اولاد کی خواہش اور ضرورت ایک کمزوری ہے۔ اس بات کی وضاحت پہلے بھی کی جا چکی ہے کہ اولاد کی ضرورت انسان کو ہے اور اس لیے ہے کہ وہ خود فانی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں مرنا ہے' اس دنیا سے ہمارا نام ونشان مٹ جانا ہے۔ اپنی اس کمزوری کے تحت ہم اولاد کی خواہش کرتے ہیں۔ ہم اپنی اولاد کے ذریعے دراصل اپنی ہستی کا تسلسل چاہتے ہیں' اولاد کی شکل میں ہم اس دنیا میں اپنی بقا چاہتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ میں Pyramids (اہرامِ مصر) کے حوالے سے یہی فلسفہ بیان ہوا ہے:

Calm and self possessed,
Still and resolute,
The Pyramids echo into eternity,
They define cry of man's will,
To survive and conquer the storms of time.

یعنی فراعنہ مصر نے عظیم الشان اہرام اسی خواہش کے تحت تعمیر کیے تھے کہ ان کی وجہ سے ان کا نام اس دنیا میں زندہ رہے گا۔ بہر حال انسان یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ وہ فانی ہے' کسی نہ کسی طریقے سے اس دنیا میں اپنا دوام چاہتا ہے۔ اسی خواہش کے تحت وہ دنیا میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑنا چاہتا ہے اور اسی لیے وہ اولاد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ بہر حال ایسی کوئی ضرورت ہم انسانوں کو ہی لاحق ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہر کمزوری سے پاک ہے۔ اسے کسی ایسے سہارے کی ضرورت بھلا کیونکر ہو گی!

آیت ۹۳ ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾﴾ ''نہیں ہے کوئی آسمانوں اور زمین میں مگر وہ آئے گا رحمٰن کے حضور بندے کی حیثیت سے۔''

ہر انسان' کسے باشد! اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ایک مطیع فرمان بندے کی حیثیت سے پیش ہو گا۔ حضور ﷺ بھی ایک بندے کی حیثیت میں اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔ ہم آپ ﷺ کو عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہتے اور مانتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: لِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ کہ اس روز میدانِ حشر میں حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا۔ حضور ﷺ اللہ کی عدالت میں کھڑے ہو کر اس کی حمد بیان کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس روز میں اللہ کی جو حمد بیان کروں گا وہ آج بیان نہیں کر سکتا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اس روز ہر کوئی اللہ کے حضور اللہ کا بندہ بن کر حاضر ہو گا۔ اس میں کسی کو کوئی استثناء حاصل نہیں ہو گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا جائے گا: ﴿يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (المائدة: ١١٦) ''اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی معبود بنا لینا' اللہ کے سوا؟''

آیت ۹۴ ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾﴾ ''اُس نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور پوری پوری گنتی کر رکھی ہے۔''

ان میں سے ایک ایک اس کی نظر میں ہے۔ وہ سب انسانوں کا پوری طرح احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی ایک فرد بھی اس سے بچ کر کہیں اِدھر اُدھر نہیں ہو سکے گا۔

آیت ۹۵ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾﴾ ''اور قیامت کے دن سب کے سب آنے والے ہیں اس کے پاس اکیلے اکیلے۔''

اس دن ہر فرد کا محاسبہ ذاتی حیثیت میں ہو گا۔ نہ ماں باپ ساتھ ہوں گے' نہ اولاد' نہ بہن بھائی۔ نہ شوہر کے ساتھ بیوی اور نہ بیوی کے ساتھ شوہر۔ نہ کوئی حمایتی' نہ مددگار' نہ کوئی سفارشی۔ ہر طرف نفسی نفسی کا شور ہو گا' ہر شخص کو فکر ہو گی تو صرف اپنی جان کی!

میری کتاب ''سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل'' کے ایک باب کا عنوان ہے: ''قرآن کا قانونِ عذاب''۔اس باب میں دی گئی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اجتماعی عذاب جو قوموں پر آتا ہے وہ صرف دنیا میں آتا ہے' آخرت کا عذاب فرداً فرداً ہوگا۔یعنی قوموں کا اجتماعی محاسبہ دنیا میں کیا جاتا ہے جبکہ آخرت میں ہر شخص کا محاسبہ اس کی ذاتی اور انفرادی حیثیت میں ہوگا۔

آیت ۹۶ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے' عنقریب ان کے لیے رحمٰن (لوگوں کے دلوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔''

یہ فرمان مکہ کے کٹھن حالات میں مؤمنین کے لیے ایک خوش خبری تھی کہ بلاشبہ ابھی اہل ایمان کے لیے بہت مشکل وقت ہے' انہیں ہر طرف سے مخالفت اور طعن و تشنیع کا سامنا ہے' لیکن بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب یہی لوگ محبوبانِ خلائق ہوں گے۔ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر لوگ عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کریں گے' اور بلال رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم دلوں پر راج کرے گی۔ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے: مجھے اپنے فلاں بندے سے محبت ہے' لہٰذا تم بھی اسے محبوب رکھو۔ چنانچہ جبرائیل اسے محبوب رکھتے ہیں' پھر وہ آسمان میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو محبوب رکھتا ہے' پس تم سب بھی اس کو محبوب رکھو۔چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں''۔آپ ﷺ نے فرمایا:''پھر اس کی مقبولیت زمین میں رکھ دی جاتی ہے۔''(۱) یعنی اہل زمین کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور اس طرح اللہ کا محبوب بندہ خلقِ خدا کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔

آیت ۹۷ ﴿فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ﴾ ''تو ہم نے آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں''

قرآن کی زبان سہلِ ممتنع کا خوبصورت نمونہ ہے۔عام قرآنی عبارت سلیس اور آسان عربی زبان میں ہے۔اس میں ثقیل اور مشکل الفاظ شاذ ہی کہیں نظر آتے ہیں۔

﴿لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَتُنۡذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾﴾ ''تاکہ آپ بشارت دیں اس کے ساتھ متقین کو اور خبردار کریں اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو۔''

یعنی آپ کی دعوت کا ذریعہ اور وسیلہ' آپ کی تعلیمات کا مرکز و محور اور آپ کا آلۂ انقلاب یہی قرآن ہے۔ آپ اسی کے ذریعے سے وعظ و تذکیر کا فریضہ انجام دیں اور اسی کی مدد سے انذار و تبشیر کا حق ادا کریں: ﴿فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ ﴿۴۵﴾﴾ (ق) ''تو آپ نصیحت کرتے رہیں قرآن کے ساتھ ہر اس شخص کو جو ڈرتا ہے میری وعید سے''۔قرآن ایک مؤثر اور جامع وعظ بھی ہے اور تزکیہ نفس کے لیے شافی و کافی دوا بھی۔اس حقیقت کا اعلان سورۂ یونس میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ مَّوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ذکر الملائکۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب اذا احب اللہ عبدا حبّبہ الی عبادہ۔

الصُّدُوۡرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴿۵۷﴾ ''اے لوگو! آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے روگ) کی شفاء اور ہدایت' اور اہل ایمان کے حق میں (بہت بڑی) رحمت''۔ اور سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۲ میں یہی مضمون ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾ ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے (وہ چیز) جو شفاء اور رحمت ہے مؤمنین کے لیے۔''

آیت ۹۸ ﴿وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا﴿۹۸﴾﴾ ''اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی یا آپؐ سنتے ہیں ان کی کوئی بھنک بھی؟''

کیا آج قومِ ثمود کی کہیں آہٹ سنائی دیتی ہے؟ یا قومِ عاد کا کوئی نام و نشان نظر آتا ہے؟ ماضی کی تمام نافرمان قوموں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر کے نسیاً منسیاً کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قریشِ مکّہ جو آج کفر و سرکشی میں حد سے بڑھے جا رہے ہیں وہ بھی اسی انجام سے دوچار ہو سکتے ہیں۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم٥٥

بیان القرآن

سُوْرَۃُ طٰہٰ

(۲۰)

سُورۃ طٰہٰ

تمہیدی کلمات

سورۂ مریم کے آغاز میں تمہیدی کلمات کے تحت تین سورتوں (مریم' طٰہٰ اور الانبیاء) پر مشتمل اس ذیلی گروپ کا تعارف ہو چکا ہے' جس کی دوسری سورت سورۂ طٰہٰ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۸

طٰہٰ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴿۲﴾ اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ﴿۳﴾ تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ﴿۴﴾ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴿۵﴾ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا وَ مَا تَحۡتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾ وَ اِنۡ تَجۡہَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّہٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی ﴿۷﴾ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ﴿۸﴾

آیت ۱ ﴿طٰہٰ ﴿۱﴾﴾ ''طٰہٰ!''

آیت ۲ ﴿مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴿۲﴾﴾ ''ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔''

آپ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینے کی حد تک ہے۔ اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے تو آپ ان کے پیچھے خود کو ہلکان نہ کریں۔ یہی مضمون اس سے پہلے سورۃ الکہف میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے' اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر''۔ سورۃ الشعراء میں بھی فرمایا گیا: ﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾﴾ ''شاید کہ آپ ہلاک کر ڈالیں اپنے آپ کو (اس وجہ سے) کہ وہ ایمان نہیں لا رہے''۔ بہرحال یہ تو اس آیت کا وہ ترجمہ اور مفہوم ہے جو عمومی طور پر اختیار کیا گیا ہے' لیکن میرے نزدیک اس کا زیادہ بہتر مفہوم یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے آپ پر یہ قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ناکام ہوں۔ اس لیے کہ شَقِیَ یَشۡقٰی کے معنی ناکام و نامراد ہونے کے ہیں۔

عربی زبان کے بہت سے مادے ایسے ہیں جن کے حروف کی آپس میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ''ر ب ب'' مادہ سے رَبَّ یَرُبُّ کا معنی ہے: مالک ہونا' انتظام کرنا۔ اس سے لفظ ''رب'' بنا ہے۔ ''ر ب و'' سے رَبَا یَرْبُوْ رَبْوًا کا مفہوم ہے: (مال) زیادہ ہونا' بڑھنا۔ اس سے ربا (سود) مستعمل ہے۔ جبکہ ''ر ب ی'' سے رَبّٰی یُرَبِّیْ تَرْبِیَۃً کا معنی و مراد ہے: پرورش کرنا' نشوونما دینا۔ ان مادوں کے معنی اگرچہ الگ الگ ہیں مگر حروف کے اشتراک کی وجہ سے ان میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ''ش ق ی'' اور ''ش ق ق'' بھی دو مختلف المعانی لیکن باہم مشابہ مادے ہیں۔ ایسے مشابہ مادوں سے مشتق اکثر اسماء وافعال بھی باہم مشابہ ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے بہت سے الفاظ ذومعنی بھی قرار پاتے ہیں۔ چنانچہ تَشْقٰی کو اگر ''ش ق ق'' سے مشتق مانا جائے تو اس کے معنی مشقت اور محنت کے ہوں گے اور اگر اس کا تعلق ''ش ق ی'' سے تسلیم کیا جائے تو معنی ناکامی ونامرادی کے ہوں گے۔ یہاں اگر اس لفظ کا دوسرا ترجمہ مراد لیا جائے تو یہ آیت حضور ﷺ کے لیے گویا ایک بہت بڑی خوشخبری ہے کہ اے نبیؐ یہ قرآن قولِ فیصل بن کر نازل ہوا ہے' لہٰذا آپؐ کے اس مشن میں ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عنقریب کامیابی آپؐ کے قدم چومے گی۔

آیت ۳ ﴿اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ③﴾ ''یہ تو صرف یاددہانی ہے اُس کے لیے جو ڈرتا ہے۔''

یعنی جن کے دلوں میں کچھ خوفِ خدا ہے اُن کے لیے یہ نصیحت ہے۔

آیت ۴ ﴿تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ④﴾ ''اس کی تنزیل اُس ہستی کی طرف سے ہے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔''

آیت ۵ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ⑤﴾ ''(یعنی) رحمٰن! جو عرش پر متمکن ہے۔''

آیت ۶ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ⑥﴾ ''اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے' جو کچھ زمین میں ہے' جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اور جو کچھ زمین کے سب سے نچلے طبقے کے نیچے ہے۔''

الثَّرٰی کے معنی گیلی مٹی کے ہیں' یعنی گیلی مٹی کے نیچے بھی جو کچھ ہے وہ بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

آیت ۷ ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ﴾ ''اور اگر تم بلند آواز سے کوئی بات کرو''

اللہ کو پکارتے ہوئے' اس سے دعا یا مناجات کرتے ہوئے اگر تم لوگ اپنی آوازوں کو بلند کر دو یا آہستہ رکھو' اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا:

﴿فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ⑦﴾ ''وہ تو یقیناً جانتا ہے چھپی بات کو بھی اور نہایت مخفی بات کو بھی۔''

آیت ۸ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ⑧﴾ ''وہ اللہ ہے! اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اُسی کے ہیں تمام اچھے نام۔''

اب یہاں سے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہو رہا ہے جس کے بارے میں بیشتر تفصیلات سورۃ الاعراف کے مطالعے کے دوران گزر چکی ہیں۔ چنانچہ یہاں وہ تفصیلات پھر سے دہرائی نہیں جائیں گی۔

آیات ۹ تا ۲۴

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ
اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ
فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ
اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا
لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝
وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ
فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۝ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۝ قَالَ خُذْهَا
وَلَا تَخَفْ ۫ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ
غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ۙ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۚ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ ع

آیت ۹ ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝﴾ ”اور کیا آپؐ تک پہنچی ہے موسٰیؑ کی خبر؟“

آیت ۱۰ ﴿اِذْ رَاٰ نَارًا﴾ ”جب اُس نے ایک آگ دیکھی“

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسٰی علیہ السلام اپنی اہلیہ کے ساتھ مدین سے مصر کی طرف واپس آرہے تھے۔ اندھیری رات تھی، سردی کا موسم تھا اور راستے کے بارے میں بھی ان کے پاس یقینی معلومات نہیں تھیں۔ اس صورتِ حال میں جب آپؑ کو آگ نظر آئی ہوگی تو یقیناً آپؑ بہت خوش ہوئے ہوں گے۔

﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ ”تو اُسؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ آپ ذرا (یہاں) ٹھہریے، مجھے آگ نظر آئی ہے“

﴿لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝﴾ ”تا کہ میں لے آؤں تمہارے لیے اس میں سے کوئی انگارہ، یا میں پاؤں اس آگ (کی جگہ) سے کوئی راہنمائی۔“

ممکن ہے مجھے وہاں سے کوئی چنگاری مل جائے جس کی مدد سے ہم آگ جلا کر تاپ سکیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہاں سے مجھے راستے کے بارے میں کوئی راہنمائی مل جائے۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں ہم کسی غلط راستے پر چلتے رہیں۔

آیت ۱۱ ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝﴾ ”پھر جب وہ آیا اس (آگ) کے پاس تو ندا دی گئی: اے موسٰی!“

آیت ۱۲ ﴿اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ﴾ ”یہ تو میں تمہارا پروردگار ہوں“

یعنی جسے تم آگ سمجھ کر یہاں آئے ہو اس آگ کے پردے میں خود میں ہوں‘ تمہارا رب‘ تمہارا پروردگار!

﴿فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ ۚ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی ﴿ؕ۱۲﴾﴾ ”چنانچہ اپنی جوتیاں اتار دو‘ کیونکہ اس وقت تم مقدس وادی ’طویٰ‘ میں ہو۔“

آیت ۱۳ ﴿وَ اَنَا اخۡتَرۡتُکَ﴾ ”اور میں نے تم کو چُن لیا ہے“

میں نے آپؑ کو اپنے رسول کے طور پر پسند کرلیا ہے اور ایک بڑے مشن کے لیے آپؑ کا انتخاب کرلیا ہے۔

﴿فَاسۡتَمِعۡ لِمَا یُوۡحٰی ﴿۱۳﴾﴾ ”تو اب ذرا توجہ سے سنو جو وحی تم پر کی جا رہی ہے۔“

آیت ۱۴ ﴿اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا﴾ ”یقیناً میں ہی اللہ ہوں! کوئی اور معبود نہیں سوائے میرے“

یہ آیت اس لحاظ سے ممتاز و منفرد ہے کہ اللہ کی انانیت (انانیتِ کبریٰ) کے اظہار کے لیے جو الفاظ یہاں اس مقام پر استعمال ہوئے ہیں‘ میرے علم کی حد تک قرآن میں کسی اور مقام پر نہیں ہوئے۔ علامہ اقبال نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ایک تو ہماری انائے صغیر (The finite ego) ہے اور اس کے مقابلے میں اللہ کی انائے کبیر (The Infinite Ego) ہے۔ اس انائے کبیر (The Great I am) کا اس آیت میں بھرپور انداز میں اظہار ہوا ہے۔

﴿فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾﴾ ”پس تم میری ہی بندگی کرو‘ اور نماز قائم رکھو میری یاد کے لیے۔“

آیت ۱۵ ﴿اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخۡفِیۡہَا لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی ﴿۱۵﴾﴾ ”(اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ) بے شک قیامت آ کر رہے گی‘ میں اسے مخفی ہی رکھوں گا تاکہ بدلہ دیا جائے ہر جان کو جو اُس نے کوشش کی ہو۔“

آیت ۱۶ ﴿فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنۡہَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِہَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ فَتَرۡدٰی ﴿۱۶﴾﴾ ”تو (دیکھنا کہیں) تمہیں اس سے روگرداں نہ کردے کوئی ایسا شخص جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے‘ (اگر ایسا ہوا) تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔“

عَنۡہَا کی ضمیر کا تعلق السَّاعَۃ (قیامت) سے بھی ہوسکتا ہے اور الصَّلٰوۃ (نماز) سے بھی۔ چنانچہ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آخرت کا منکر کوئی شخص آپؑ کو بھی اس سے برگشتہ نہ کردے۔ لیکن اگر عَنۡہَا کا تعلق الصَّلٰوۃ سے مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص نماز کا منکر ہے تو وہ آپ کو بھی اس سے بدظن کرنے کا باعث نہ بن جائے۔

آیت ۱۷ ﴿وَ مَا تِلۡکَ بِیَمِیۡنِکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۱۷﴾﴾ ”اور اے موسیٰؑ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟“

آیت ۱۸ ﴿قَالَ ہِیَ عَصَایَ ۚ﴾ ”کہا: یہ میرا عصا ہے!“

بظاہر عصا کے بارے میں سوال کا بس یہی جواب کافی تھا‘ لیکن حضرت موسٰیؑ نے اس سلسلے میں زیادہ تفصیل بیان کر دی۔ زیادہ تر مفسرین کے نزدیک اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے مخاطبت اور مکالمے کے شوق و ذوق میں اپنی بات کو بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ آپؑ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے عرض کیا:

﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱﴾ ’’میں اس پر ٹیک بھی لگا لیتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے (درختوں سے) پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں‘ اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی کام ہوتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۹ ﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲﴾ ’’فرمایا: اے موسٰیؑ اس کو ذرا پھینکو تو سہی!‘‘

آیت ۲۰ ﴿فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳﴾ ’’تو اُس نے اسے پھینک دیا تو وہ دفعتاً ایک سانپ بن گیا دوڑتا ہوا۔‘‘

آیت ۲۱ ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفة﴾ ’’فرمایا: اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں!‘‘

سورۃ النمل (آیت ۱۰) اور سورۃ القصص (آیت ۳۱) میں اس واقعہ کے حوالے سے حضرت موسٰیؑ کے خوفزدہ ہو جانے کا ذکر بھی آیا ہے: ﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ط﴾ ’’تو جب اُس نے دیکھا کہ وہ (لاٹھی) حرکت کر رہی ہے جیسے کہ وہ ایک سانپ ہو‘ تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا‘‘۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ موسٰی‘ ڈرو نہیں‘ بلکہ آگے آؤ اور اس کو پکڑ لو۔ بہر حال یہاں پر وہ تفصیل بیان نہیں ہوئی۔

﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑﴾ ’’ابھی ہم اس کو لوٹا دیں گے اس کی پہلی حالت پر۔‘‘

آیت ۲۲ ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ㉒﴾ ’’اور ذرا اپنا ہاتھ ملاؤ اپنی بغل کے ساتھ‘ وہ نکلے گا چمکتا ہوا بغیر کسی بیماری کے‘ یہ دوسری نشانی ہے۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ㉓﴾ ’’تاکہ ہم اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں تمہیں دکھائیں۔‘‘

آیت ۲۴ ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ㉔﴾ ’’اب تم جاؤ فرعون کی طرف‘ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔‘‘

فرعون کی سرکشی اب حد سے تجاوز کر رہی ہے۔ چنانچہ آپؑ جائیں اور اسے بھلائی اور دینِ حق کی دعوت دیں۔ اسے یہ بھی کہیں کہ وہ بنی اسرائیل پر ظلم نہ کرے اور انہیں واپس اپنے وطن فلسطین جانے کی اجازت دے دے۔

آیات ۲۵ تا ۵۵

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۙ يَفْقَهُوْا
قَوْلِيْ ۠ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۙ هٰرُوْنَ اَخِي ۙ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۙ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ

اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ
سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ
اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ
لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ
اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڣ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ
يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ
اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ
اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا
رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ
وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾
قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ
فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۭ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي
النُّهٰى ﴿٥٤﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿٥٥﴾ ع

آیت ۲۵ ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾﴾ ''موسیٰؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میرے لیے میرے سینے کو کھول دے۔''

یہ بہت اہم دعا ہے اور یہ ہر اُس شخص کو یاد ہونی چاہیے جو دین کی دعوت کا مشن لے کر نکلا ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! تو نے جو عظیم الشان مشن میرے حوالے کیا ہے اس کے لیے اپنی خصوصی مدد میرے شاملِ حال کر دے اور اس کام کے لیے میرے سینے کو کھول دے۔

آیت ۲۶ ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾﴾ ''اور میرے اس کام کو میرے لیے آسان کر دے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾﴾ ''اور میری زبان کی گرہ (لکنت) کو کھول دے۔''

آیت ۲۸ ﴿يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾﴾ ''(تاکہ) میری بات کو وہ اچھی طرح سمجھ سکیں۔''

ظاہر ہے لکنت والے شخص کی گفتگو کو سمجھنے میں لوگ دقت محسوس کرتے ہیں۔

آیت ۲۹ ﴿وَاجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور میرے لیے ایک وزیر بھی بنا دے میرے خاندان میں سے۔''

لفظ ''وزیر'' کا مادہ وزر (بوجھ) ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی ہیں: بوجھ اٹھانے والا۔ یعنی ذمہ داریوں میں مدد کرنے اور سہارا بننے والا۔

آیت ۳۰ ﴿ہٰرُوۡنَ اَخِی ﴿۳۰﴾﴾ ''میرے بھائی ہارون کو۔''

آپؑ نے اس وزارت کے لیے اپنے بھائی کا نام بھی خود ہی تجویز کر دیا۔

آیت ۳۱ ﴿اشۡدُدۡ بِہٖۤ اَزۡرِیۡ ﴿۳۱﴾﴾ ''اس کے ذریعے سے میری کمر کو مضبوط کر دے۔''

آیت ۳۲ ﴿وَاَشۡرِکۡہُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور اسے میرے اس کام میں شریک بنا دے۔''

آیت ۳۳ ﴿کَیۡ نُسَبِّحَکَ کَثِیۡرًا ﴿۳۳﴾﴾ ''تاکہ ہم تیری تسبیح کریں کثرت کے ساتھ۔''

آیت ۳۴ ﴿وَّنَذۡکُرَکَ کَثِیۡرًا ﴿۳۴﴾﴾ ''اور تیرا ذکر کریں کثرت کے ساتھ۔''

آیت ۳۵ ﴿اِنَّکَ کُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا ﴿۳۵﴾﴾ ''یقیناً تو ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

تو خود ہمارے حالات کا چشم دید گواہ ہے۔

آیت ۳۶ ﴿قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۳۶﴾﴾ ''فرمایا: اے موسیٰؑ تمہیں عطا کر دیا گیا جو تم نے طلب کیا۔''

تمہاری درخواست ہم نے من وعن قبول کر لی۔

آیت ۳۷ ﴿وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡکَ مَرَّۃً اُخۡرٰۤی ﴿۳۷﴾﴾ ''اور ہم تو تم پر احسان کر چکے ہیں ایک مرتبہ پہلے بھی۔''

آیت ۳۸ ﴿اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّکَ مَا یُوۡحٰۤی ﴿۳۸﴾﴾ ''جب ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وحی کی تھی جو (اب تمہیں) وحی کی جا رہی ہے۔''

یعنی اب ہم آپؑ کو وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں کہ آپؑ کی والدہ کو اس وقت ہم نے کیا وحی کی تھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں بھی فرعون کا حکم تھا کہ بنی اسرائیل میں سے کسی کے ہاں اگر بیٹا پیدا ہو تو اسے قتل کر دیا جائے اور صرف ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی یا الہام کے ذریعے ان کے نومولود بچے کے بارے میں ہدایت کی:

آیت ۳۹ ﴿اَنِ اقۡذِفِیۡہِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡہِ فِی الۡیَمِّ﴾ ''کہ اس کو ایک صندوق میں بند کرو' پھر اسے دریا میں ڈال دو''

﴿فَلۡیُلۡقِہِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡہُ عَدُوٌّ لِّیۡ وَعَدُوٌّ لَّہٗ﴾ ''چنانچہ دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا' (وہاں سے) اس کو اٹھا لے جائے گا وہ جو میرا بھی دشمن ہے اور اس (بچے) کا بھی دشمن ہے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کی جانے والی وحی کے بارے میں یہاں مزید تفصیل بیان نہیں فرمائی گئی‘ بلکہ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست خطاب شروع ہو رہا ہے۔ یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ کچھ چیزیں پڑھنے اور سننے والے پر چھوڑ دی جاتی ہیں کہ وہ سیاق و سباق کے مطابق خود سمجھ جائے۔ بہرحال اس واقعہ کی مزید تفصیلات یوں ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔ آپؑ کی بڑی بہن اپنی والدہ کی ہدایت کے مطابق صندوق پر نظر رکھے ساحل کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ صندوق کے شاہی محل میں پہنچنے کی خبر بھی بچی کے ذریعے والدہ کو مل گئی۔ ادھر فرعون بچے کو قتل کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ اس کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا (جو بنی اسرائیل میں سے تھیں اور نیک خاتون تھیں) نے اس کو سمجھایا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے‘ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا‘ ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں گے‘ چنانچہ آپ اسے قتل نہ کریں۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر آپؑ کے چہرے کو انتہائی پر کشش بنا دیا تھا۔ چنانچہ آپؑ کی صورت ایسی من موہنی تھی کہ ہر شخص دیکھتے ہی آپؑ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

﴿وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ ﴿۳۹﴾﴾ ’’اور (اے موسیٰ علیہ السلام!) میں نے تم پر اپنی محبت کا پَرتو ڈال دیا‘ تاکہ تم کو پالا جائے میری آنکھوں کے سامنے۔‘‘

لِتُصۡنَعَ کے لفظی معنی ہیں: ’’تاکہ تم کو بنایا جائے‘‘۔ اسی مادہ سے لفظ مَصۡنَع مشتق ہے جس کے معنی کارخانہ کے ہیں۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کی تربیت کا کارخانہ فرعون کا محل قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر آپؑ کی شکل میں ایسی کشش پیدا کر دی تھی کہ دشمن بھی دیکھتے تو گرویدہ ہو جاتے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ آپؑ کی پرورش کے انتظامات خصوصی طور پر شاہی محل میں کیے جانے منظور تھے۔

آیت ۴۰ ﴿اِذۡ تَمۡشِىۡۤ اُخۡتُكَ﴾ ’’جب تمہاری بہن چلتی جا رہی تھی‘‘

اور وہ چلتے چلتے فرعون کے محل تک پہنچ گئی جہاں بچے کو فوری طور پر دودھ پلانے کے انتظامات کیے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی بھی عورت کا دودھ پینے سے منع کر دیا تھا۔ جب بہت سی عورتیں بلائی گئیں اور وہ سب کی سب آپؑ کو دودھ پلانے میں ناکام رہیں تو آپؑ کی بہن جو یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی بول پڑی:

﴿فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ يَّكۡفُلُهٗ ؕ﴾ ’’تو اُس نے کہا: کیا میں تمہیں بتاؤں اس (خاندان) کے بارے میں جو اس کی کفالت کرے؟‘‘

آپؑ کی بہن نے اپنی ہی والدہ کے بارے میں ان لوگوں کو مشورہ دیا۔ چنانچہ جب آپؑ کی والدہ کو بلایا گیا تو آپؑ نے ان کا دودھ فوراً پی لیا۔

﴿فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ ؕ﴾ ’’تو یوں ہم نے لوٹا دیا تمہیں تمہاری والدہ کی طرف‘ تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کھائے۔‘‘

چنانچہ ماما کی تسلی و تسکین کے لیے بچے کو واپس والدہ کی گود میں پہنچا دیا گیا۔ مقامِ غور ہے! اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے جذبات و احساسات کا کس حد تک پاس ہے۔

﴿وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا﴾ ''اور (پھر) تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا''
پھر جب آپؑ جوان ہوئے اور مصر میں آپؑ کے ہاتھوں ایک قبطی قتل ہو گیا:
﴿فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا﴾ ''تو ہم نے تم کو اس غم سے بھی نجات دلائی' اور پھر ہم نے تمہیں (مزید بہت سی) آزمائشوں سے گزارا۔''
﴿فَلَبِثۡتَ سِنِيۡنَ فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ﴾ ''پھر تم کئی سال اہل مدین میں رہے۔''
آپؑ کے مدین پہنچنے اور وہاں ٹھہرنے کے بارے میں تفصیل سورۃ القصص میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں صرف اشارہ کیا گیا ہے۔
﴿ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوۡسٰى ۝۴۰﴾ ''پھر تم یہاں آ گئے ایک طے شدہ فیصلے کے مطابق اے موسیٰؑ!''
یعنی اس وقت آپؑ کا یہاں پہنچنا کسی حسن اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طے شدہ پروگرام کا حصہ ہے۔ میں نے آپؑ کے سب معاملات کے متعلق باقاعدہ منصوبہ بندی کر رکھی ہے۔ آپؑ نے اس سے پہلے جو کچھ کیا' آپؑ جہاں جہاں رہے' یہ سب اس منصوبہ بندی کا حصہ تھا اور اب اسی منصوبہ بندی اور ایک طے شدہ فیصلے کے مطابق آپؑ اس جگہ پہنچ گئے ہو۔

آیت ۴۱ ﴿وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِىۡ ۝۴۱﴾ ''اور میں نے تم کو بنایا ہے خاص اپنے لیے۔''
اِصۡطَنَعۡتُ' صَنَعۡتُ سے باب افتعال ہے۔ ص کی مناسبت سے ت یہاں ط سے بدل گئی ہے۔ یعنی میں نے آپؑ کی شخصیت کو خصوصی طور پر تیار کیا ہے۔ شاہی محل کے اندر مخصوص ماحول میں آپؑ کی پرورش کرائی ہے اور بعض خصوصی صلاحیتیں آپؑ کی شخصیت میں پیدا کی ہیں۔ اس لیے کہ مجھے آپؑ سے ایک بڑا کام لینا ہے۔

آیت ۴۲ ﴿اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ ۝۴۲﴾ ''جاؤ تم اور تمہارا بھائی میری ان نشانیوں کے ساتھ اور میرے ذکر سے سستی نہ کرنا۔''

آیت ۴۳ ﴿اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝۴۳﴾ ''جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس' یقیناً وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔''

آیت ۴۴ ﴿فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوۡ يَخۡشٰى ۝۴۴﴾ ''تو (دیکھو!) اس کے ساتھ نرم (انداز میں) بات کرنا' شاید کہ اس طرح وہ سوچے یا ڈرے۔''

آیت ۴۵ ﴿قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنۡ يَّفۡرُطَ عَلَيۡنَاۤ اَوۡ اَنۡ يَّطۡغٰى ۝۴۵﴾ ''انہوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ (اچانک) ہمارے اوپر بھڑک اٹھے گا یا زیادتی کرے گا۔''

آیت ۴۶ ﴿قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِىۡ مَعَكُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰى ۝۴۶﴾ ''فرمایا: تم ڈرو نہیں' یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں' میں ہر بات سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔''

آیت ۴۷ ﴿فَاۡتِيٰهُ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلَا رَبِّكَ فَاَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَاۤءِيۡلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبۡهُمۡ ؕ﴾ ''پس تم

دونوں جاؤ اُس (فرعون) کے پاس اور اس سے کہو کہ بلاشبہ ہم دونوں رسول ہیں تیرے رب کی جانب سے‘ پس ہمارے ساتھ بھیج دے بنی اسرائیل کو اور انہیں عذاب میں مبتلا مت رکھ۔‘‘

﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝۴۷﴾ ’’یقیناً ہم آئے ہیں ایک نشانی لے کر تیرے رب کی طرف سے۔ اور سلامتی اُن پر ہے جو ہدایت کا اتباع کریں۔‘‘

آیت ۴۸ ﴿اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۴۸﴾ ’’ہماری طرف یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اُس پر عذاب آئے گا جس نے جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔‘‘

چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما السلام) نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر اللہ کا پیغام پوری تفصیل کے ساتھ اُس تک پہنچا دیا۔

آیت ۴۹ ﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝۴۹﴾ ’’فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ! تم دونوں کا رب ہے کون؟‘‘

ہم تو کسی ایسے ربّ سے واقف نہیں ہیں جس کے بارے میں تم دونوں بات کر رہے ہو۔ تمہارا ربّ ہے کون؟

آیت ۵۰ ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝۵۰﴾ ’’موسیٰؑ نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خِلقت عطا کی‘ پھر ہدایت دی۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک خاص شکل اور ہیئت کے مطابق تخلیق کیا ہے اور پھر ہر مخلوق کی خلقت کے عین مطابق اسے جبلی ہدایت بھی عطا کی ہے۔ مثلاً اس نے بکری کو جبلی ہدایت دی ہے کہ اس کی غذا گوشت نہیں ہے‘ گھاس وغیرہ ہے اور شیر کو جبلی ہدایت دی ہے کہ اس کی غذا گھاس نہیں‘ گوشت ہے‘ اسی طرح ہر چیز کو جبلی طور پر اس نے مخصوص عادات واطوار اور خصوصیات کا پابند کر دیا ہے۔

آیت ۵۱ ﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝۵۱﴾ ’’فرعون نے کہا: تو پھر پہلی نسلوں کا کیا حال ہو گا؟‘‘

یعنی اگر ہم تمہارا یہ دعویٰ تسلیم کر لیں کہ تم اللہ کے رسول ہو اور تمہاری پیروی میں ہی ہدایت ہے تو پھر ہمارے آباء واَجداد جو اس سے پہلے فوت ہو چکے ہیں‘ ہماری کئی نسلیں جو اس دنیا سے جا چکی ہیں‘ ان کے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا‘ ان تک ایسی کوئی دعوت نہیں پہنچی تھی اور وہ اسی طریقے پر فوت ہوئے جسے تم گمراہی قرار دے رہے ہو۔ تو ان سب لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا فتویٰ ہے؟ اُن سب کا کیا بنے گا؟

یہ ایک ٹیڑھا سوال تھا جس کا جواب بڑے حکیمانہ انداز میں دینے کی ضرورت تھی۔ ہمارے جیسا کوئی داعی ہوتا تو کہہ دیتا کہ وہ سب جہنمی ہیں! ایسے جواب کے ردِّعمل کے طور پر مخاطبین کی اپنے اسلاف کے بارے میں عصبیت وحمیت کو ہوا ملتی اور صورتِ حال بگڑ جاتی۔ بہر حال حکمتِ تبلیغ کا تقاضا یہی ہے کہ دعوت کے دوران مخاطبین کے جذبات اور مخصوص موقع محل کو مدنظر رکھا جائے تاکہ کسی بھی قسم کی منفی صورتِ حال پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کمال حکمت سے جواب دیا:

آیت ۵۲ ﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝۵۲﴾ ’’موسیٰؑ نے کہا کہ ان کا

علم میرے رب کے پاس ایک کتاب کے اندر ہے۔ میرا رب نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے۔"

میرا ربّ ہی جانتا ہے کہ ایسے لوگ جن کے پاس اللہ کی طرف سے دعوت لے کر کوئی رسول نہیں آیا' ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ میرا رب ان تمام لوگوں کے حالات سے خوب واقف ہے' نہ تو اس سے غلطی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ بھولتا ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں وہ خود ہی مناسب فیصلہ کرے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ مسکت جواب دینے کے بعد اپنی تقریر جاری رکھی:

آیت ۵۳ ﴿الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ﴾ "وہی جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا' اور اس میں تمہارے (چلنے کے) لیے راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا۔"

﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝۵۳﴾ "پھر ہم نے اس (پانی) سے نکالے طرح طرح کے نباتات۔"

آیت ۵۴ ﴿کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ۝۵۴﴾ "کھاؤ تم خود بھی اور چراؤ اپنے مویشیوں کو بھی۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔"

آیت ۵۵ ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝۵۵﴾ "اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے' اور اسی میں سے ہم تمہیں ایک مرتبہ پھر نکالیں گے۔"

آیات ۵۶ تا ۷۶

وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا کُلَّهَا فَکَذَّبَ وَاَبٰى ۝۵۶ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِکَ
یٰمُوْسٰى ۝۵۷ فَلَنَاْتِیَنَّکَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ
مَکَانًا سُوًى ۝۵۸ قَالَ مَوْعِدُکُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ
فَجَمَعَ کَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝۶۰ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَیْلَکُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ کَذِبًا فَیُسْحِتَکُمْ
بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝۶۱ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝۶۲ قَالُوْۤا اِنْ
هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰى ۝۶۳
فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝۶۴ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ
تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝۶۵ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ
اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝۶۶ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ۝۶۷ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ
اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝۶۸ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ

السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ
لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا
وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ
قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا
يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
الْعُلٰى ۙ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ ع

آیت ۵۶ ﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝﴾ ''اور ہم نے اُس (فرعون) کو دکھا دیں اپنی ساری نشانیاں' پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔''

آیت ۵۷ ﴿قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝﴾ ''اُس نے کہا: اے موسیٰؑ! کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو تاکہ اپنے اس جادو کے بل پر ہمیں ہماری سرزمین سے نکال باہر کرو؟''

آیت ۵۸ ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ﴾ ''تو ہم بھی ضرور لائیں گے تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو''

﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝﴾ ''تو معین کر لو ہمارے اور اپنے مابین وعدے کا ایک مقرر وقت' نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ تم کرنا (یہ مقابلہ ہو) ایک کھلے میدان میں۔''

ایک کھلے میدان میں ہم سب جمع ہو جائیں۔ وہاں تم بھی اپنی یہ نشانیاں پیش کرو' اور ہمارے جادوگر بھی اپنے جادو کے کمالات دکھائیں۔ فرعون کا خیال تھا کہ اس کے بلائے ہوئے جادوگر اس سے بہتر جادو دکھا دیں گے اور اس طرح موسیٰ کا دعویٰ باطل ثابت ہو جائے گا۔

آیت ۵۹ ﴿قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: تمہارے وعدے کا دن ہوگا جشن کا دن!''

ان کے ہاں یہ کوئی تہوار تھا جس کے سلسلے میں وہ لوگ بڑی تعداد میں کسی میدان میں جمع ہو کر جشن مناتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمت سے کام لیتے ہوئے اسی تہوار کے اجتماع کو مقابلے کے لیے مخصوص کر لیا۔

﴿وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝﴾ ''اور یہ کہ لوگ جمع کر لیے جائیں دن چڑھے۔''

ضُحیٰ کا وقت وہی ہے جس وقت ہم عیدین کے موقع پر نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی جب دھوپ ذرا سی اُٹھ جائے اُس وقت لوگوں کو جمع کر لیا جائے۔

آیت ۶۰ ﴿فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ﴾ ”تو اب فرعون نے رخ پھیرا“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ طے ہوگیا تو فرعون نے اپنی پوری توجہ اس کے لیے تیاری کرنے پر مرکوز کر دی۔

﴿فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝۶۰﴾ ”چنانچہ اُس نے اپنے سارے ہتھکنڈے جمع کر لیے‘ پھر وہ (مقابلے میں) آ گیا۔“

اس نے اپنی پوری مملکت سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا اور یوں پوری تیاری کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے میدان میں اُترا تاکہ ثابت کر سکے کہ آپؑ کا دعویٰ باطل ہے۔

آیت ۶۱ ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ﴾ ”موسیٰؑ نے انہیں (خبردار کرتے ہوئے) کہا: تمہاری بدبختی! اللہ پر جھوٹ مت گھڑو‘ کہ وہ تمہیں غارت کر دے کسی عذاب کے ذریعے سے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخری حجت کے طور پر انہیں خبردار کیا کہ دیکھو تم لوگ اللہ پر افترا بازی نہ کرو‘ میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں یہ جادو نہیں ہے‘ یہ اللہ کا عطا کردہ معجزہ ہے۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝۶۱﴾ ”اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس کسی نے بھی (اللہ پر) افترا کیا۔“

آیت ۶۲ ﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝۶۲﴾ ”تو وہ باہم جھگڑ پڑے اپنے اس معاملے میں اور پھر لگے چپکے چپکے مشورہ کرنے۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے براہِ راست جادوگروں سے خطاب کیا تو وہ مرعوب ہو گئے۔ نبوت کا رعب بھی تھا اور آپؑ کی شخصیت کی خداداد وجاہت بھی‘ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد قبل ازیں آیت ۳۹ میں وارد ہو چکا ہے: ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ﴾ کہ میں نے اپنی طرف سے تم پر اپنی خاص محبت ڈال دی تھی۔ چنانچہ جادوگر یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکے۔ آپؑ کی تقریر سنتے ہی مقابلے کا معاملہ ان میں متنازعہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کو قائل کرنے کے لیے باہم سرگوشیوں میں مصروف ہو گئے۔ اس آیت کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر سے فرعون کے درباریوں میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ آپس میں چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے کہ یہ مقابلہ نہ کرایا جائے۔ لیکن بالآخر وہ اتفاقِ رائے سے اس نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے:

آیت ۶۳ ﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝۶۳﴾ ”انہوں نے کہا کہ یہ دونوں جادوگر ہی ہیں‘ جو چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اپنے جادو (کے زور) سے‘ اور تمہاری مثالی تہذیب کو برباد کر دیں۔“

مُثْلٰی مؤنث ہے اَمْثَل کا‘ جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ مثالی۔ حق کے مقابلے میں باطل ذہنیت کا باہمی اتفاق ملاحظہ ہو کہ جو دلیل اس وقت فرعون اور اس کے درباریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سوجھی تھی آج بھی شیطانی قوتیں مسلمانوں کے خلاف اسی دلیل کے تحت پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔ ابلیسی سوچ کے نقیبوں

نے آج بھی پوری دنیا میں شور برپا کر رکھا ہے کہ Muslim Fundamentalism ہماری مثالی تہذیب و ثقافت کے لیے خطرہ ہے۔ ہم نے بڑی محنت سے مختلف اداروں کو فروغ دیا ہے' دنیا میں انسانی حقوق کا تصور متعارف کرایا ہے' جان جوکھوں میں ڈال کر مرد و زن کی مساوات اور عورتوں کی آزادی کی جنگ لڑی ہے۔ مگر مسلمان بنیاد پرست ہماری تہذیب و ثقافت کی ان مثالی achievements کو ملیامیٹ کر دینا چاہتے ہیں۔

آیت ۶۴ ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ﴾ ''چنانچہ تم مجتمع کر و اپنی ساری تدبیریں (اور اپنے وسائل وذرائع) پھر آؤ (مقابلہ میں) صف باندھ کر۔''

تم لوگ اپنے تمام دستیاب مادی وفنی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے موسیٰؑ کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝۶۴﴾ ''اور آج کامیاب وہی رہے گا جو غالب آئے گا۔''

آیت ۶۵ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝۶۵﴾ ''جادوگروں نے کہا: اے موسیٰ! یا تو تم پہلے ڈالو اور یا پھر ہم ہی پہلے ڈالنے والے بنتے ہیں۔''

آیت ۶۶ ﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: بلکہ تم ہی ڈالو!''

تو یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو پہل کرنے کی دعوت دے دی۔

﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝۶۶﴾ ''تو دفعتاً ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے اثر سے اس کو ایسے نظر آنے لگیں گویا وہ دوڑ رہی ہیں۔''

حِبال جمع ہے حَبل (رسی) کی اور عِصِیّ جمع ہے عَصا (لاٹھی) کی۔ یعنی جادوگروں نے میدان میں رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں جو ان کے جادو کے اثر سے دیکھنے والوں کو سانپوں کی طرح بھاگتی دوڑتی نظر آنے لگیں۔

آیت ۶۷ ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝۶۷﴾ ''تو موسیٰؑ نے اپنے جی میں کچھ ڈر محسوس کیا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف لاحق ہوا کہ جو معجزہ میرے پاس ہے اسی نوعیت کی چیز تو جادوگروں نے بھی دکھا دی ہے۔ چنانچہ اب یہ سارے تماشائی تالیاں پیٹیں گے کہ موسیٰ کو شکست ہو گئی اور وہ جو عظیم الشان مشن اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کیا ہے اس کا کیا بنے گا؟

آیت ۶۸ ﴿قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝۶۸﴾ ''ہم نے فرمایا کہ ڈرو نہیں' یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔''

آیت ۶۹ ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ﴾ ''اب تم ذرا پھینکو اس (عصا) کو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے' یہ نگل جائے گا اس سب کو جو کچھ انہوں نے بنایا ہے۔ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے یہ تو بس ایک فریب ہے جادوگر کا۔''

یعنی یہ جو کچھ میدان میں سانپوں کی صورت میں نظر آ رہا ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں' محض نظر کا دھوکا ہے۔ عرفِ عام میں اس کیفیت کو ''نظر بندی'' کہا جاتا ہے۔

﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾﴾ ''اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوا کرتا' چاہے کہیں سے بھی آئے۔''

آیت ۷۰ ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا﴾ ''پس گرا دیے گئے جادوگر سجدے میں''

اس نکتے کی وضاحت سورۃ الاعراف کے مطالعہ کے دوران کی جا چکی ہے کہ آخر کیا وجہ تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے بعد جادوگر تو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے' لیکن دوسری طرف نہ فرعون پر اس کا کچھ اثر ہوا اور نہ ہی اس کے درباریوں سمیت دوسرے لوگوں پر۔ دراصل فرعون اور اس کے درباریوں نے تو یہی سمجھا کہ یہ جادوگروں کا آپس میں مقابلہ تھا جس میں بڑے جادوگر نے چھوٹے جادوگروں کو مات دے دی۔ جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر جو اپنے فن کے ماہر تھے وہ اپنے کمالِ فن کی انتہا سے بھی آگاہ تھے اور اس کی حدود (limits) سے بھی خوب واقف تھے۔ جیسے آج ایک طبیعیات دان (Physicist) خوب جانتا ہے کہ فزکس کے میدان میں اب تک کیا کیا ایجادات ہو چکی ہیں اور اس کے کمالات کی رسائی کہاں تک ہے۔ چنانچہ جادوگروں پر یہ حقیقت منکشف ہونے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ نہ تو ان کے مدمقابل شخصیت کوئی جادوگر ہے اور نہ ہی یہ اژدھا کسی جادوئی کرشمے کا کمال ہے! چنانچہ وہ بغیر حیل وحجت سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے اور:

﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾﴾ ''وہ پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر۔''

آیت ۷۱ ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ ''فرعون نے کہا: (تو کیا) تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا!''

فرعون نے مخصوص شہنشاہانہ انداز میں جادوگروں کو ڈانٹ پلائی کہ تمہاری یہ جرأت! تم لوگوں نے مابدولت کی اجازت کے بغیر موسیٰ کے رب پر ایمان لانے کا اعلان بھی کر دیا! حالانکہ میری اجازت کے بغیر تو اس کے بارے میں تمہیں زبان بھی نہیں کھولنا چاہیے تھی۔

﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ ''یقیناً یہی تمہارا گرو ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔''

اب فرعون کو ایک اور چال سوجھی۔ جس طرح عزیز مصر کی بیوی نے اپنے خاوند کو سامنے دروازے پر دیکھ کر یکدم پینترا بدلا تھا اور موقف اختیار کیا تھا کہ یوسف اس کی آبرو کے درپے ہوا تھا' اسی طرح فرعون نے جادوگروں کو مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگوں نے جو مقابلہ کیا ہے یہ محض دکھاوا تھا۔ موسیٰ دراصل تمہارا استاد ہے' تم لوگوں نے اسی سے جادو سیکھ رکھا ہے۔ اندر سے تم لوگ آپس میں ملے ہوئے ہو۔ تمہاری یہ شکست تم لوگوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے اور اس طرح تم لوگوں نے مل ملا کر ہمارے خلاف ایک بہت بڑی سازش کی ہے۔ چنانچہ اس نے گرجتے ہوئے جادوگروں کو دھمکی دی:

﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ''تو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا' اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی (دے کر لٹکا) دوں گا۔''

﴿وَلَتَعۡلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰی ﴿۷۱﴾﴾ ''اور یقیناً تمہیں (جلد) معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے اور کون زیادہ باقی رہنے والا ہے۔''

تم لوگوں کو میرے اور موسیٰ کے اختیار و مرتبے کا فرق بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دے سکتا ہے اور کس کو بقاء و دوام حاصل ہے۔

آیت ۷۲ ﴿قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالَّذِیۡ فَطَرَنَا﴾ ''انہوں نے کہا: اب ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے ان واضح دلائل پر جو ہمارے پاس آ چکے ہیں اور اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے''

اب ہمارے رب کی طرف سے ہم پر حق واضح کر دیا گیا ہے' حقیقت ہم پر منکشف ہو چکی ہے' ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں' اب ہمارے لیے تیری مرضی ومنشا کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔

﴿فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ﴾ ''چنانچہ تو کر لے جو کچھ تجھے کرنا ہے۔''

اب تو ہمیں جو سزا دینا چاہے دے لے' خواہ ہمارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے' مگر ہم جس حق پر ایمان لائے ہیں اب اس سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

﴿اِنَّمَا تَقۡضِیۡ هٰذِهِ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا ﴿۷۲﴾﴾ ''تُو تو صرف فیصلہ کر سکتا ہے اسی دنیا کی زندگی کا۔''

تو ہمارے ساتھ زیادہ سے زیادہ کر بھی کیا سکتا ہے؟ صرف ہماری اس دُنیوی زندگی ہی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکتا ہے نا! جو آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں ویسے بھی ختم ہونے والی ہے۔ اگر تو اسے کل کے بجائے آج ختم کر دے گا تو اس میں ہمارے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں:

آیت ۷۳ ﴿اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغۡفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ اَکۡرَهۡتَنَا عَلَیۡهِ مِنَ السِّحۡرِ ؕ﴾ ''ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں' تاکہ وہ بخش دے ہماری خطاؤں کو اور اس جادو کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔''

تیرے مجبور کرنے پر ہم نے اپنے جادو کے بل پر اللہ کے پیغمبر علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی جو جسارت کی ہے ہم اپنے رب سے اس جرم کی معافی مانگتے ہیں۔ ان جادوگروں سے تو یہی کہا گیا ہو گا کہ تمہیں ایک بہت بڑے جادوگر کا مقابلہ کرنا ہے' لیکن جب یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئے تو آپؑ کی بارعب شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مقابلہ کرنے کے بارے میں تذبذب کا شکار ہو گئے۔ قبل ازیں آیت ۶۲ میں ان کی اس کیفیت کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ اب جادوگروں کے اس اقراری بیان سے مزید واضح ہو گیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لینے اور آپؑ کی تقریر سن لینے کے بعد آپؑ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے' لیکن بالآخر فرعون کے مجبور کرنے پر وہ اس پر آمادہ ہو گئے تھے۔

﴿وَاللّٰهُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی ﴿۷۳﴾﴾ ''اور اللہ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔''

حق کو قبول کر لینے اور اللہ پر ایمان لا چکنے کے بعد اب ہم پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ بقاء و دوام صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور اسی کا راستہ سب سے بہتر راستہ ہے۔

آیت ۷۴ ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۷۴﴾ ''یقیناً جو کوئی آئے گا اپنے رب کے پاس مجرم کی حیثیت سے تو اس کے لیے جہنم ہی ہے' نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ ہی جیے گا۔''

آیت ۷۵ ﴿وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝۷۵﴾ ''اور جو کوئی آئے گا اس کے پاس مؤمن کی حیثیت سے (اور اس حالت میں کہ) اس نے نیک اعمال بھی کیے ہوں' تو یہ لوگ ہیں جن کے لیے اعلیٰ درجات ہوں گے۔''

یعنی ایسے لوگ جن کے پاس ایمانِ حقیقی کے ساتھ ساتھ نیک اعمال کی پونجی بھی ہوگی ان کے لیے بلند درجے ہوں گے۔

آیت ۷۶ ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ ''رہنے کے ایسے باغات جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝۷۶﴾ ''اور یہی بدلہ ہے اُس کا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔''

آیات ۷۷ تا ۸۹

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا
تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝۷۷ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ؕ۝۷۸
وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝۷۹ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ
وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝۸۰ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝۸۱
وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝۸۲ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ
يٰمُوْسٰى ۝۸۳ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝۸۴ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا
قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝۸۵ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ
قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ
عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝۸۶ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا
حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝۸۷ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا
جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ۝۸۸ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ
ع قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝۸۹

آیت ۷۷ ﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ﴾ ”اور ہم نے موسیٰؑ کو وحی کر دی تھی کہ میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ“

ان کے مصر سے نکلنے کے لیے ایک رات کا مخصوص وقت طے کر دیا گیا تھا کہ اس رات جب قبطی لوگ اپنے اپنے گھروں میں نیند کے مزے لے رہے ہوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام اسرائیلیوں کو لے کر چپکے سے صحرائے سینا کی طرف نکل کھڑے ہوں۔

﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ﴾ ”پس ان کے لیے سمندر کے اندر ایک خشک راستہ بنا لو“ ﴿لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾﴾ ”(اس کیفیت میں کہ) نہ پکڑے جانے کا خوف ہو اور نہ (ڈوبنے کا) کوئی اندیشہ۔“

آیت ۷۸ ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾﴾ ”تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں کے ساتھ‘ تو ڈھانپ لیا انہیں سمندر میں سے جس چیز نے بھی ڈھانپ لیا۔“

اس کی تفصیل قرآن میں دوسرے مقامات پر موجود ہے‘ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے سمندر پر عصا مارا۔ اس سے سمندر پھٹ گیا‘ دونوں طرف کا پانی بڑی بڑی چٹانوں کی طرح [كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ (الشعراء)] کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خشک راستہ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس راستے سے اپنی قوم کو لے کر نکل گئے۔ لیکن جب فرعون اپنے لشکروں سمیت اس میں داخل ہوا تو دونوں طرف کا پانی مل گیا اور اس طرح سے وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔

آیت ۷۹ ﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾﴾ ”اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت نہ دی۔“

آیت ۸۰ ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ﴾ ”اے بنی اسرائیل! ہم نے تم لوگوں کو نجات دی تمہارے دشمن سے‘ پھر ہم نے تم لوگوں کو بلایا کوہِ طور کی داہنی جانب“

یہ اسی مقام کا ذکر ہے جہاں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾﴾ ”اور (صحرا میں تمہاری غذا کے لیے) تم پر من و سلویٰ نازل کیا۔“

آیت ۸۱ ﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ﴾ ”کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اس میں زیادتی نہ کرنا“

لیکن منع کرنے کے باوجود بنی اسرائیل نے اس معاملے میں زیادتی کی۔ زیادتی کی ایک صورت تو یہ تھی کہ وہ اسے سینت سینت کر رکھتے تھے‘ اس خدشے سے کہ شاید کل یہ نازل نہ ہو اور یوں توکل علی اللہ کی نفی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اس میں اس طرح بھی زیادتی کی کہ کچھ ہی عرصہ بعد اس کی ناقدری کرتے ہوئے

اس کے مقابلے میں دوسری چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔

﴿فَيَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبِيۚ وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ هَوٰى﴿۸۱﴾﴾ ''تو (ایسی صورت میں) تم پر میرا غضب نازل ہوگا' اور جس پر میرا غضب نازل ہو جائے تو وہ (گویا) پٹخ دیا گیا۔''

آیت ۸۲ ﴿وَاِنِّىۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى﴿۸۲﴾﴾ ''اور میں تو یقیناً بہت ہی معاف فرمانے والا ہوں ہر اُس شخص کے لیے جس نے توبہ کی' ایمان لایا' نیک اعمال کیے' اور پھر سیدھی راہ پر چلتا رہا۔''

آیت ۸۳ ﴿وَمَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى﴿۸۳﴾﴾ ''اور اے موسیٰ! یہ تمہیں کس چیز نے جلدی پر آمادہ کیا اپنی قوم کو چھوڑ کر؟''

اس سے پہلے سورۂ مریم کی آیت ۶۴ اور آیت ۸۴ میں عجلت سے منع کیا جا چکا ہے۔ آیت ۶۴ میں حضور ﷺ کو بالواسطہ انداز میں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ وحی کے جلد آنے کے بارے میں خواہش نہ کیا کریں' کیونکہ یہ تو اللہ کی مشیت کے مطابق ہی نازل ہوگی۔ چنانچہ فرشتے کی زبان سے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہلوایا گیا: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّكَۚ﴾ کہ ہم تو آپؐ کے رب کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں۔ جبکہ آیت ۸۴ میں آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَيۡهِمۡؕ﴾ ''تو آپؐ ان پر (عذاب کے بارے میں) جلدی نہ کریں''۔ اب آیت زیر نظر میں جلدی کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جواب طلبی ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات دینے کے لیے ایک معین وقت پر کوہِ طور پر بلایا تو آپؑ فرطِ اشتیاق سے قبل از وقت وہاں پہنچ گئے۔ اس پر آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر وقت سے پہلے یہاں کیوں آ گئے ہیں؟

آیت ۸۴ ﴿قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ﴾ ''موسیٰؑ نے عرض کیا کہ بس وہ میرے پیچھے پیچھے ہی (آ رہے) ہیں''

آپؑ کی قوم کا قافلہ تو معمول کی رفتار سے آ رہا ہوگا اور آپؑ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مکالمے کے شوق میں تیز رفتاری سے سفر طے کرتے ہوئے وقت مقررہ سے پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ آپؑ نے اس کی وجہ بھی یہی بتائی:

﴿وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى﴿۸۴﴾﴾ ''اور اے میرے پروردگار! میں نے تو تیری طرف (آنے میں اس لیے) جلدی کی تاکہ تُو راضی ہو جائے۔''

گویا اللہ تعالیٰ کے حضور آپؑ فرطِ جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ اقبال کے مصرع میں ذرا تصرف کے ساتھ ''تُو میرا شوق دیکھ مرا اشتیاق دیکھ!'' والی کیفیت تھی۔ آپؑ کا خیال تھا اس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے اور شاباش ملے گی' مگر یہاں تو لینے کے دینے پڑ گئے' الٹی explanation call ہوگئی۔

آیت ۸۵ ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ﴾ ''اللہ نے فرمایا: تو ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنے میں ڈال دیا ہے''

اگرچہ یہاں صراحت کے ساتھ ایسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے مگر انداز سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کی اس عجلت پسندی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا۔

﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾﴾ ''اور انہیں گمراہ کر دیا ہے سامری نے۔''

اس اندازِ تخاطب میں یہ تفصیل بھی مضمر ہے کہ اگر آپؑ اپنی قوم کے ساتھ ساتھ رہتے' ان کا تزکیہ کرتے رہتے' وہ لوگ آپؑ کی تعلیم و تربیت سے مسلسل بہرہ مند ہوتے رہتے تو یقیناً ان کی عقل و فہم مزید پختہ ہوتی اور اس طرح اس فتنے کی نوبت نہ آتی۔ لیکن جب آپؑ انہیں چھوڑ کر آ گئے تو اس کے نتیجے میں ایک فتنہ گر شخص کو اپنا شیطانی کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

سامری کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس کا تعلق قبطی قوم سے تھا اور کسی وجہ سے وہ بنی اسرائیل کے ساتھ مل چکا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں معتبر رائے یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہی تھا مگر منافق تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسے خاص کد تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے ابو عامر راہب کو حضور ﷺ سے کد تھی۔ ابو عامر راہب کا ذکر سورۃ التوبہ کے مطالعے کے دوران آیا تھا۔ بنیادی طور پر وہ خزرجی تھا۔ ابتدائی عمر میں بہت نیک اور عبادت گزار تھا' بعد میں اس نے عیسائیت قبول کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔ حضور ﷺ سے اسے خصوصی طور پر بغض تھا اور اس کا یہ بغض اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی ساری زندگی آپؐ کے خلاف جدوجہد اور سازشوں میں مصروف رہا۔ چنانچہ جیسا کردار ابو عامر راہب کا اُمتِ محمد ﷺ میں رہا' اس سے ملتا جلتا کردار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں سامری کا تھا۔

آیت ۸۶ ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ﴾ ''تو لوٹے موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف بہت غضبناک اور سخت رنجیدہ حالت میں۔''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ﴾ ''انہوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟''

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تم لوگوں کو اپنی کتاب کی صورت میں جامع ہدایت عطا فرمائے گا۔ میں تو اللہ کے اس وعدے کے مطابق طور پر گیا تھا کہ تمہارے لیے اس کی کتاب اور ہدایت لے کر آؤں:

﴿اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ﴾ ''تو کیا یہ مدت تم پر بہت طویل ہو گئی تھی؟''

﴿اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾﴾ ''یا تم لوگوں نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو' تو تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کر ڈالی۔''

گویا تمہاری یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

آیت ۸۷ ﴿قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی''

﴿وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾﴾ ''بلکہ ہم پر

بوجھ تھا اس قوم کے زیورات کا‘ تو ہم نے وہ پھینک دیے‘ اور اسی طرح سامری نے بھی کچھ پھینکا۔‘‘

آیت ۸۸ ﴿فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ ’’پھر اُس نے ان کے لیے ایک بچھڑا برآمد کر دیا‘ ایک دھڑ جس سے ڈکرانے کی آواز آتی تھی۔‘‘

اس سلسلے میں جو مختلف روایات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر میں اگرچہ اسرائیلی قوم کی حیثیت غلامانہ تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تعلق کی وجہ سے ان کی دیانت داری مسلّم تھی۔ چنانچہ قبطی قوم کے لوگ اپنے زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں اکثر ان کے پاس امانت رکھوایا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مصر سے نکلے تو قبطی قوم کے بہت سے زیورات بھی وہ اپنے ساتھ لے آئے جو ان میں سے اکثر لوگوں کے پاس بطور امانت پڑے تھے۔ البتہ اس کا ان کے ذہن پر ایک بوجھ تھا کہ یہ ہمارے لیے جائز بھی ہیں یا نہیں؟ اس حوالے سے سامری نے بھی انہیں قائل کر لیا کہ اس بوجھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان کو یہ زیورات پھینک دینے چاہئیں۔ چنانچہ جب ان لوگوں نے وہ زیوارت پھینک دیے تو سامری نے انہیں پگھلا کر گائے کے بچھڑے کی شکل کا ایک مجسمہ بنا ڈالا‘ اور اس میں خاص مہارت سے کچھ ایسے سوراخ رکھے کہ جب ان میں سے ہوا کا گزر ہوتا تو بیل کے ڈکرانے کی سی آواز پیدا ہوتی۔ اس کی دوسری توجیہ وہ ہے جو سامری نے خود بیان کی اور اس کا ذکر آئندہ آیات میں آئے گا۔

﴿فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى فَنَسِىَ ؕ﴾ ’’تو انہوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰؑ کا معبود‘ مگر وہ (موسیٰؑ) بھول گیا ہے۔‘‘

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مغالطہ ہوا ہے جو وہ اپنے رب سے ملاقات کے لیے کوہِ طور پر چلے گئے ہیں‘ حالانکہ ہمارا اور ان کا رب تو یہاں موجود ہے۔

آیت ۸۹ ﴿اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ﴾ ’’تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ وہ (بچھڑا) ان کی طرف کوئی بات لوٹاتا نہیں تھا‘‘

کیا انہیں نظر نہیں آتا تھا کہ وہ بچھڑا ان کی کسی بات کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس میں سے تو ایک بے معنی بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی اور بس!

﴿وَّلَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ﴾ ’’اور نہ ہی اسے ان کے لیے کسی نقصان کا اختیار تھا اور نہ نفع کا۔‘‘

آیات ۹۰ تا ۹۸

وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ ۝ قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا ۙ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ ۝ قَالَ يَبۡنَؤُمَّ لَا

تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ
قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ
اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ
تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ
عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

آیت ۹۰ ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ﴾ ’’اور ہارونؑ انہیں پہلے ہی کہہ چکا تھا‘‘

حضرت ہارون علیہ السلام ان لوگوں کو پہلے ہی ان الفاظ میں سمجھانے کی پوری کوشش کر چکے تھے:

﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ﴾ ’’اے میری قوم کے لوگو! تمہیں تو اس (بچھڑے) کے ذریعے سے فتنے میں ڈالا گیا ہے۔‘‘

﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾﴾ ’’اور یقیناً تمہارا رب (یہ بچھڑا نہیں بلکہ) رحمٰن ہے‘ چنانچہ تم لوگ میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔‘‘

آیت ۹۱ ﴿قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾﴾ ’’انہوں نے کہا: ہم تو اسی پر اعتکاف کرتے رہیں گے‘ یہاں تک کہ موسیٰؑ خود ہمارے پاس واپس آجائیں۔‘‘

یہ جواب پوری بنی اسرائیل قوم کی طرف سے نہیں تھا بلکہ صرف ان لوگوں کی طرف سے تھا جو ان میں سے بچھڑا پرستی کے مشرکانہ عقیدے میں مبتلا ہوئے تھے اور پھر اس پر اڑ گئے تھے۔ انہوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو جواب دیا کہ ہم تو اب اسی کی پرستش کرتے رہیں گے‘ یہاں تک کہ موسیٰؑ خود آکر اس بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ یہ لوگ اس سے پہلے بھی ایک بت پرست قوم کی دیکھا دیکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر چکے تھے (الاعراف: ۱۳۸) کہ ان لوگوں کے بتوں جیسا ہمیں بھی کوئی معبود بنا دیں جس کے سامنے بیٹھ کر ہم پوجا پاٹ کر سکیں۔

آیت ۹۲ ﴿قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾﴾ ’’موسیٰؑ نے کہا: اے ہارون! آپؑ کو کس چیز نے روکا تھا جب آپؑ نے انہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔‘‘

آیت ۹۳ ﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ﴾ ’’کہ آپؑ نے میری پیروی نہ کی؟‘‘

اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے’’جو آپ میرے پیچھے نہ آگئے‘‘۔ یعنی آپؑ میرے پیچھے کوہِ طور پر کیوں نہ آگئے اور آکر کیوں نہ مجھے بتایا کہ وہ لوگ یوں گمراہ ہو گئے ہیں۔

﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾﴾ ’’یا پھر آپؑ نے نافرمانی کی میرے حکم کی؟‘‘

اگرچہ عمر میں حضرت ہارون علیہ السلام بڑے تھے مگر منصب نبوت کے اعتبار سے چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رتبہ ان سے

بڑا تھا اس لیے آپؑ نے اس انداز میں حضرت ہارونؑ سے جواب طلبی کی۔

آیت ۹۴ ﴿قَالَ یَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡیَتِیۡ وَلَا بِرَاۡسِیۡ ۚ﴾ ''ہارونؑ نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! آپؑ (اس طرح) میری ڈاڑھی اور میرے سر (کے بالوں) کومت کھینچیں!''

﴿اِنِّیۡ خَشِیۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَیۡنَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ﴾ ''مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ آپؑ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق پیدا کر دی''

کہ تم نے ان کو تقسیم کر کے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

﴿وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِیۡ ﴿۹۴﴾﴾ ''اور میری بات یاد نہ رکھی۔''

حضرت ہارون علیہ السلام سے باز پرس کرنے کے بعد اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے جواب طلب کیا۔

آیت ۹۵ ﴿قَالَ فَمَا خَطۡبُکَ یٰسَامِرِیُّ ﴿۹۵﴾﴾ ''موسٰیؑ نے کہا: اے سامری! تمہارا کیا معاملہ ہے؟''

آیت ۹۶ ﴿قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِہٖ﴾ ''اُس نے کہا کہ میں نے (ایک ایسی چیز) دیکھی تھی جو انہوں نے نہیں دیکھی''

﴿فَقَبَضۡتُ قَبۡضَۃً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُہَا﴾ ''تو میں نے لے لی ایک مُٹھی (مٹی کی) رسول کے نقشِ پا سے' تو وہ میں نے (اس میں) پھینک دی''

﴿وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ ﴿۹۶﴾﴾ ''اور اسی طرح میرے نفس نے یہ راستہ مجھے بتایا۔''

رسول سے مراد یہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ کہیں حضرت موسٰیؑ کے پاس آئے تھے تو سامری نے انہیں دیکھ لیا۔ سامری چونکہ راہب تھا' وہ روحانی اور نفسیاتی نوعیت کے مجاہدے بھی کرتا رہتا تھا۔ اس لیے حضرت جبرائیل کسی اور کو تو نظر نہ آئے مگر اسے نظر آ گئے۔ زمین پر جہاں آپؑ کا قدم پڑ رہا تھا وہاں سے اس نے کچھ مٹی اٹھا لی۔ یہی مٹی اس نے اس بھٹی میں ڈال دی جس میں وہ بچھڑا تیار کرنے کے لیے زیورات کو پگھلا رہا تھا۔ یوں حضرت روح الامینؑ کے قدموں کی مٹی کی تاثیر سے اس بچھڑے سے وہ آواز آنے لگی۔ یہ گویا اس معاملے کے بارے میں سامری کی وضاحت ہے۔

آیت ۹۷ ﴿قَالَ فَاذۡہَبۡ فَاِنَّ لَکَ فِی الۡحَیٰوۃِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪﴾ ''موسٰیؑ نے کہا: دفع ہو جاؤ! اب تمہارے لیے زندگی میں یہی (سزا) ہے کہ تم کہتے رہو گے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔''

سامری بطور سزا جس بیماری میں مبتلا کیا گیا تھا اس کی تفصیل تو نہیں ملتی مگر ان الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ عملاً وہ اچھوت بن کر رہ گیا تھا۔ نہ وہ کسی کے قریب جا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص اس کے پاس آ سکتا تھا۔ بعض روایات میں اس طرح کی تفصیلات ملتی ہیں کہ اگر کوئی شخص اس کے قریب جاتا تو دونوں سخت بخار میں مبتلا ہو جاتے تھے اور یوں باقی تمام زندگی اسے معاشرتی مقاطعہ کی سزا بھگتنا پڑی۔

﴿وَاِنَّ لَکَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَہٗ ۚ﴾ ''اور تمہارے لیے ایک وعدہ ہے جس کی ہرگز خلاف ورزی

نہیں کی جائے گی۔‘‘

﴿وَ انۡظُرۡ اِلٰۤی اِلٰـہِکَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَیۡہِ عَاکِفًا ؕ﴾ ’’اور دیکھو اپنے اس معبود کو جس کا تم اعتکاف کرتے رہے ہو (ہم اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں!)‘‘

﴿لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّہٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا ﴿۹۷﴾﴾ ’’ہم اسے جلا (کر راکھ کر) دیں گے‘ پھر اس (کی راکھ) کو سمندر میں بکھیر دیں گے۔‘‘

آیت ۹۸ ﴿اِنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ﴾ ’’حقیقت میں تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے‘ جس کے سوا کوئی اور معبود ہے ہی نہیں۔‘‘

﴿وَسِعَ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۹۸﴾﴾ ’’اُسے ہر چیز کا علم حاصل ہے۔‘‘

اسرائیلی قوم کے بگڑے ہوئے عقائد اور ان کی عمومی ذہنیت کی جو تفصیلات ہمیں قرآن سے ملتی ہیں اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہندو برہمن کی سوچ‘ ذہنیت اور عقائد کی اس سے بہت قریبی مشابہت نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں میری ذاتی رائے ہے کہ آج سے ساڑھے تین ہزار سال قبل (چودہ سو سال قبل مسیح) کے لگ بھگ جب آریا نسل کے لوگ ہندوستان کی طرف محوِ سفر تھے تو ان کے ساتھ کسی مقام پر کچھ اسرائیلی قبائل بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ تقریباً وہی زمانہ تھا جب مصر سے بنی اسرائیل کا خروج (Exodus) ہوا۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں ان کے کچھ ایسے قبائل کا ذکر ملتا ہے جنہیں وہ اپنے گم شدہ قبائل (The lost tribes of the house of Israel) کہتے ہیں۔ یہ وہ قبائل ہیں جو صحرا میں گم ہو گئے تھے اور ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلے گئے۔ میرے خیال کے مطابق بنی اسرائیل کے وہ گم شدہ قبائل کسی نہ کسی طرح آریاؤں (آریا لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے حضرت حام کی نسل سے تھے) کے ان گروہوں سے آ ملے تھے جو اس زمانے میں ہندوستان کی طرف کوچ کر رہے تھے اور اس طرح آریاؤں کے ساتھ وہ لوگ بھی ہندوستان میں آ بسے تھے۔ اس سلسلے میں میرا گمان یہ ہے کہ ہندو برہمن انہی اسرائیلیوں کی نسل سے ہیں۔

میرے اس گمان کی بنیاد ہندوؤں اور اسرائیلیوں کے رسم و رواج اور عقائد میں پائی جانے والی گہری مشابہت ہے۔ مثلاً جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں بہایا تھا‘ بالکل اسی طرح ہندو اپنے مُردوں کو جلا کر ان کی راکھ کو گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں۔ اسرائیلیوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنایا تھا‘ ہندو بھی مذہبی طور پر گائے کو مقدس مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندو روایتی طور پر اپنے لیے وہی شوخ زرد یا گیروا رنگ پسند کرتے ہیں جو قرآن میں بنی اسرائیل کے لیے مخصوص گائے کا رنگ بتایا گیا ہے (البقرہ:۶۹)۔ پھر سامری کے اچھوت ہو جانے کے تصور کو بھی ہندوؤں نے بعینہٖ اپنایا اور اس کے تحت اپنے معاشرے کے ایک طبقے کو اچھوت قرار دے ڈالا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کے اٹھائے جانے سے متعلق قرآنی بیان (الاعراف:۱۷۱) سے مماثل ہندوؤں میں یہ عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہنومان جی پہاڑ کو اٹھا لائے تھے۔ الغرض اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے باہم مشترک عقائد اور رسم و رواج میرے اس خیال کو تقویت

دیتے ہیں کہ ہندوستان کے برہمن اسرائیلیوں ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں میرا خیال یہ بھی ہے کہ اپنشدز کی تحریروں میں صحفِ ابراہیم کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ میں نے ایک زمانے میں ان کا مطالعہ کیا تھا تو معلوم ہوا کہ ان کی تحریروں میں توحید کا عنصر بہت زیادہ نمایاں ہے۔ قرآن حکیم میں صحفِ ابراہیمؑ اور صحفِ موسیٰؑ کا ذکر صراحت کے ساتھ موجود ہے (الاعلیٰ: ۱۹)۔ ''صحفِ موسیٰؑ'' تو عہد نامہ قدیم (Old Testament) کی پہلی پانچ کتابوں کی صورت میں آج بھی موجود ہیں' اگرچہ تحریف شدہ ہیں' لیکن صحف ابراہیمؑ کا بظاہر کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ دوسری طرف اپنشدز کی تحریروں میں توحید کی تعلیمات کا پایا جانا ان میں الہامی اثرات کی موجودگی کا واضح ثبوت ہے۔ اسی بنا پر میں اس نظریے کا قائل ہوں کہ اپنشدز یا تو صحف ابراہیمؑ ہی کی تحریف شدہ شکلیں ہیں یا کم از کم صحف ابراہیمؑ کی تعلیمات کے اثرات کسی نہ کسی طرح ان تک ضرور پہنچے ہیں۔

آیات ۹۹ تا ۱۰۴

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۵

آیت ۹۹ ﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) اس طرح ہم سنا رہے ہیں آپ کو حالات اُس (زمانے) کے جو گزر چکا ہے۔''

اس طرح بذریعہ وحی پچھلی اقوام کے تفصیلی حالات حضور ﷺ کو فراہم کیے جا رہے ہیں۔

﴿وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾﴾ ''اور ہم نے آپؐ کو خاص اپنے پاس سے ذکر عطا کیا ہے۔''

ہم نے اپنے فضل خاص سے آپ ﷺ کو یہ قرآن عطا کیا ہے۔ اس میں پچھلے زمانے کی خبریں بھی ہیں اور یاددہانی اور تذکیر و نصیحت بھی۔

آیت ۱۰۰ ﴿مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾﴾ ''جس کسی نے اس (قرآن) سے اعراض کیا تو وہ قیامت کے دن ایک بھاری بوجھ اٹھائے گا۔''

آیت ۱۰۱ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾﴾ ''یہ لوگ اس (کیفیت) میں ہمیشہ رہیں گے' اور ان کے لیے بہت برا ہوگا قیامت کے دن کا وہ بوجھ۔''

آیت ۱۰۲ ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾﴾ ''جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس دن اکٹھا کریں گے (اس حالت میں) کہ ان کی آنکھیں نیلی پڑی ہوں گی۔''

انتہائی خوف کی کیفیت میں انسان کی آنکھوں میں نیلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس دن خوف اور دہشت سے مجرموں کی آنکھیں نیلی پڑ چکی ہوں گی۔

آیت ۱۰۳ ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝﴾ ''چپکے چپکے وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے ہوں گے کہ تم نہیں رہے ہو (دنیا میں) مگر صرف دس دن۔''

آیت ۱۰۴ ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے' جب ان میں سے بہترین سمجھ بوجھ والا شخص کہے گا کہ تم نہیں رہے ہو مگر (زیادہ سے زیادہ) ایک دن۔''

اَمْثَلُ کے معنی مثالی کے ہیں' یعنی ان میں سے بہترین طریقے والا' انتہائی شائستہ' مہذب (cultured) اور سب سے زیادہ پڑھا لکھا شخص۔ یہ گویا ان کا لال بجھکڑ ہو گا جو دنیا میں بزعم خود مثالی شخصیت کا مالک اور دانشور تھا۔ یہی ترکیب قبل ازیں آیت ۶۳ میں بھی ہم پڑھ چکے ہیں۔ وہاں فرعون کا وہ بیان نقل ہوا تھا جس میں اس نے اپنے ملک کے آئین وتمدن کو ''طَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى'' قرار دیا تھا۔

یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات پر مشتمل پانچ رکوع اختتام پذیر ہوئے۔ اس سے آگے سورۃ کے اختتام تک وہی مضامین ہیں جو عام طور پر مکی سورتوں میں ملتے ہیں۔

آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا
عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ
فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ
قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ
الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ
وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ ع ۶ / ۱۱ / ۱۵

آیت ۱۰۵ ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں''

واقعاتِ قیامت کے سلسلے میں جب آپ ﷺ ان کو بتاتے ہیں کہ روزِ محشر روئے زمین ایک صاف اور

ہموار میدان کا نقشہ پیش کرے گی تو یہ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کا کیا بنے گا؟ وہ کہاں چلے جائیں گے؟

﴿فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دے گا''۔

آیت ۱۰۶ ﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝﴾ ''اور چھوڑ دے گا اس (زمین) کو صاف چٹیل میدان بنا کر۔''

آیت ۱۰۷ ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝﴾ ''آپ نہ تو اس میں کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلا۔''

تب زمین ایک ہموار چٹیل میدان کی صورت اختیار کر جائے گی اور دیکھنے والا اس میں کوئی نشیب و فراز محسوس نہیں کرے گا۔

آیت ۱۰۸ ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ﴾ ''جس دن پیچھے چل پڑیں گے سب لوگ ایک پکارنے والے کے، ممکن نہیں کہ اس سے ذرا کج ہو سکیں۔''

تمام انسانوں کو اس دن جب اکٹھے ہونے کے لیے پکارا جائے گا تو ہر کوئی اس پکار پر لبیک کہے گا۔ کسی کے لیے ممکن نہیں ہوگا کہ اس حکم کو نظر انداز کر کے اِدھر اُدھر ہو سکے۔

﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝﴾ ''اور تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی، چنانچہ تم نہیں سن سکو گے مگر ایک بھنبھناہٹ سی۔''

آیت ۱۰۹ ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝﴾ ''اس دن کوئی شفاعت ہرگز مفید نہیں ہوگی مگر جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے لیے اس نے بات پسند کی ہو۔''

آیت ۱۱۰ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اُس کے علم کا۔''

یہی بات سورۃ البقرۃ' آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) میں الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اور وہ احاطہ نہیں کر سکتے اس کے علم کا کچھ بھی' مگر یہ کہ جو وہ خود چاہے۔''

آیت ۱۱۱ ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ﴾ ''اور سب کے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے اُس ہستی کے حضور جو الحی القیوم ہے۔''

قرآن مجید کا یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے یہ دو نام الحی اور القیوم ایک ساتھ آئے ہیں۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ' آیت ۲۵۵ (آیت الکرسی) اور سورۃ آل عمران' آیت ۲ میں یہ دونوں نام اکٹھے آ چکے ہیں۔ الحی القیوم کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ''اسم اللہ الاعظم'' یعنی اللہ کا عظیم ترین نام (اسم

اعظم) ہے جس کے حوالے سے جو دعا کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔

﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾﴾ ''اور یقیناً خائب و خاسر ہوا وہ جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔''

یعنی کسی طرح کے شرک کا مرتکب ہوا۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾﴾ ''اور جس کسی نے نیک اعمال کیے ہوں گے اور وہ مؤمن ہوگا تو اسے نہ کسی بے انصافی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی زیادتی کا۔''

آیت ۱۱۳ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے نازل کیا ہے اس (کلام) کو عربی قرآن بنا کر' اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے اس میں تمام وعیدیں''

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾﴾ ''شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کریں یا (شاید) وہ پیدا کرے ان (کے دلوں) میں کچھ یاد دہانی۔''

ہوسکتا ہے قرآن کی تاثیر سے ان کے اندر کوئی مثبت سوچ یا ایمان کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

آیت ۱۱۴ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ ''تو بہت بلند و بالا ہے اللہ' بادشاہ حقیقی۔''

﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ ''اور آپؐ جلدی نہ کیجیے اس قرآن کے ساتھ اس سے پہلے کہ آپؐ پر اس کی وحی مکمل ہو جائے''

''عجلت'' کا مضمون یہاں چوتھی مرتبہ آیا ہے۔ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو آیت نمبر ۸۳ کی تشریح)۔ آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ قرآن کے معاملے میں جلدی نہ کریں۔ آپؐ کا شوق بجا مگر وحی سے متعلق تمام معاملات (وقت' مقدار' مضمون وغیرہ) اللہ کی حکمت اور مشیت کے مطابق طے پائیں تو اسی میں خیر اور بہتری ہے۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾﴾ ''اور آپؐ یہ کہتے رہا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

جیسے جیسے قرآن نازل ہو رہا ہے' آپؐ اس کے اَسرار و رموز سے متعلق اپنے فہم و تدبر اور بصیرتِ باطنی میں اضافے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مسلسل دعا کرتے رہیں۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور ہم نے اس سے پہلے آدمؑ سے ایک عہد لیا تھا''

یعنی مخصوص درخت کے پاس نہ جانے کا عہد' جس کا ذکر قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔

﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾﴾ ''تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہیں پائی۔''

آیت زیر نظر میں ''عزم'' کے دو ترجمے کیے گئے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک ارادے کی پختگی۔ اس لحاظ سے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آدمؑ کے اندر ارادے کی پختگی' ہمت اور عزیمت نہیں پائی۔ وہ

اللہ سے کیے گئے اپنے عہد کو نبھا نہ سکے اور اس اعتبار سے انہوں نے کمزوری کا مظاہرہ کیا۔ یہ دراصل انسانی خلقت کے اندر موجود اس کمزوری کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۃ النساء میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾ کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اس کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ہم نے اس کے اندر (سرکشی کا) ارادہ نہیں پایا۔ یعنی آدمؑ نے جان بوجھ کر اس عہد کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ ہم نے انؑ کی نیت میں سرکشی' بغاوت اور نافرمانی کا کوئی ارادہ نہیں دیکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بھول گئے تھے' ان پر نسیان طاری ہو گیا تھا' جس کی وجہ سے انہیں وقتی طور پر اللہ کا وہ عہد یاد نہیں رہا تھا۔ نسیان دراصل انسان کی ایک فطری کمزوری ہے اور اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ عظیم دعا سکھائی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾(البقرۃ:۲۸۶) کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا مواخذہ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے۔

آیات ۱۱۶ تا ۱۲۸

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰي شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۡ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ڏ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶

اب یہاں قصہ آدم و ابلیس چھٹی مرتبہ بیان ہونے جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ (رکوع:۴)' سورۃ الاعراف (رکوع:۲)' سورۂ بنی اسرائیل (رکوع:۷)' سورۃ الحجر (رکوع:۳) اور سورۃ الکہف (رکوع:۷) میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ سجدہ کرو آدمؑ کو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے' اُس نے انکار کر دیا۔''

آیت ۱۱۷ ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ ''تو ہم نے کہا: اے آدمؑ! یقیناً یہ دشمن ہے تمہارا بھی اور تمہاری بیوی کا بھی' تو (دیکھو!) یہ تم دونوں کو کہیں جنت سے نکلوا نہ دے' کہ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ۔''

آیت ۱۱۸ ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾ ''یقیناً اس میں نہ تو تمہیں بھوک ستاتی ہے اور نہ عریانی (کا خدشہ) ہے۔''

آیت ۱۱۹ ﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾ ''اور یہ کہ نہ تمہیں اس میں پیاس (پریشان کرتی) ہے اور نہ دھوپ (کی کوئی تکلیف)۔''

آیت ۱۲۰ ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ ''تو وسوسہ ڈالا اس کے ذہن میں شیطان نے۔''

﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ ''اس نے کہا: اے آدمؑ! کیا میں بتاؤں تجھے ہمیشہ رہنے والے درخت اور ایسی بادشاہی کے بارے میں جو کبھی پرانی نہ ہو؟''

کہ اس درخت کا پھل کھانے کے بعد آپؑ کو دوام حاصل ہو جائے گا اور زندگی کے لیے کبھی فنا کا خدشہ نہیں ہوگا۔ گویا شیطان نے اپنی پہلی سازش کا جال انسان کی اسی کمزوری کو بنیاد بنا کر بنا تھا جس کا ذکر سورۂ مریم کی آیت ۹۲ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ یہاں اہرام مصر کے حوالے سے درج ذیل الفاظ ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے:

They defined cry of man's will
To survive and conquer the storms of time

یعنی انسان وقت کے طوفانوں کو فتح کر لینا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ اس کی ہستی کو اس دنیا میں دوام اور تسلسل نصیب ہو۔ چنانچہ شیطان نے انسانِ اوّل کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے غیر فانی زندگی اور ہمیشہ کی بادشاہی مل جانے کا جھانسہ دے کر اسے ممنوعہ درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کر لیا۔

آیت ۱۲۱ ﴿فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ ''تو ان دونوں نے کھا لیا اس میں سے' تو ان پر واضح ہو گئیں ان کی شرمگاہیں''

چنانچہ حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس پھل کے چکھتے ہی وہ دونوں بے لباس ہو گئے اور ان کی شرم گاہیں نظر آنے لگیں (اس مضمون کی تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے)۔

﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ ''اور وہ لگے گانٹھنے اپنے اوپر جنت (کے درختوں) کے پتوں کو۔''

﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ ''اور آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ بھٹک گیا۔''

آیت ۱۲۲ ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ ''پھر اس کے رب نے اسے پسند کر لیا' اس کی توبہ قبول فرمائی اور اسے ہدایت بخشی۔''

آیت ۱۲۳ ﴿قَالَ اھْبِطَا مِنْھَا جَمِیْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ ''(اس کے بعد) اللہ نے فرمایا کہ تم سب کے سب اس (جنت) سے اتر جاؤ' اب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے۔''

﴿فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾﴾ ''تو جب بھی تمہارے پاس آئے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا اور نہ ناکام ہو گا۔''

آیت ۱۲۴ ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا﴾ ''اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا تو یقیناً اس کے لیے ہو گی (دنیا کی) زندگی بہت تنگی والی''

ایسا شخص دُنیوی زندگی میں اطمینان اور راحت سے محروم کر دیا جائے گا۔ پیاس کے مریض کی طرح (کہ وہ جتنا چاہے پانی پی لے اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی) ایسے شخص کی ہوس کبھی ختم نہ ہو گی۔ کروڑوں حاصل کر کے بھی مزید کروڑوں کی خواہش اس کا چین اور اطمینان غارت کیے رکھے گی۔

﴿وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ﴿۱۲۴﴾﴾ ''اور ہم اٹھائیں گے اسے قیامت کے دن اندھا (کر کے)۔''

آیت ۱۲۵ ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾﴾ ''وہ کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا ہے' جبکہ میں (دنیا میں) تو بینائی والا تھا۔''

آیت ۱۲۶ ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾﴾ ''اللہ فرمائے گا کہ اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئیں تو تم نے انہیں نظر انداز کر دیا' اور اسی طرح آج تمہیں بھی نظر انداز کر دیا جائے گا۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے اُس کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا۔''

﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾﴾ ''اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔''

آیت ۱۲۸ ﴿اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ﴾ ''تو کیا انہیں اس بات سے کوئی راہنمائی نہیں ملی کہ ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو''

﴿یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ ''وہ بھی چلتے پھرتے تھے (اسی طرح) اپنی آبادیوں میں۔''

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۱۲۸﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے۔''

آیات ۱۲۹ تا ۱۳۵

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ
زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا
بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ
كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع ۱۷

آیت ۱۲۹ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾﴾ ''اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک وقتِ معیّن مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو یہ (عذاب) چمٹ چکا ہوتا۔''

اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی مہلت کی مدت پہلے سے طے نہ فرما دی ہوتی تو ان پر کب کا عذاب آ چکا ہوتا۔ ترتیب عبارت اصل میں یوں ہے: ''وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا'' لیکن یہاں پر عبارت کے مخصوص آہنگ (rhythm) کے پیش نظر الفاظ میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔

اگلی آیات کی سورۃ الحجر کی آخری پندرہ آیات کے ساتھ گہری مشابہت ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اس پر جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں''

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ﴾ ''اور تسبیح بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے''

یہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی طرف اشارہ ہے۔

﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ﴾ ''اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح کیجیے''

اس سے نماز مغرب اور عشاء مراد ہیں۔

﴿وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ ''اور دن کے اطراف میں بھی''

دن کے دونوں اطراف سے دن کے آغاز اور سورج ڈھلنے کے بعد کے اوقات مراد ہیں۔ دن کے آغاز میں صلوٰۃ الضحیٰ یا نماز چاشت کا وقت ہے جبکہ سورج ڈھلنے کے بعد نماز ظہر کا۔ یعنی نصف النہار کے بعد جتنے وقفے پر نماز ظہر کا وقت ہے تقریباً اتنے ہی وقفے پر نصف النہار سے پہلے نماز چاشت کا وقت ہے۔ نمازوں کی تعداد اصل میں آٹھ ہے۔ (ان میں سے تین کو فرض نہیں رکھا گیا) جن کے اوقات چوبیس گھنٹوں میں بڑی خوبصورتی سے برابر تقسیم پر رکھے گئے ہیں، اس طرح کہ تقریباً ہر تین گھنٹے بعد نماز کا وقت ہے۔ لیکن ان میں سے صرف پانچ نمازوں کو فرض کیا گیا ہے، باقی تین (اشراق، چاشت، اور تہجد) کو نفلی قرار دے دیا گیا تا کہ عام لوگوں کو فجر سے ظہر

تک اپنی معاشی سرگرمیوں کے لیے اور رات کو آرام کے لیے تسلسل کے ساتھ مناسب وقت مل سکے۔

﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾﴾ ”تاکہ آپؐ راضی ہو جائیں۔“

اگر آپؐ اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو خوش کر دیں گے۔ ان احکام کی تعمیل کا ایسا اجر ملے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے۔

آیت ۱۳۱ ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ”اور آپؐ کی نگاہیں نہ اٹھیں ان چیزوں کی طرف جو ہم نے ان میں سے کئی لوگوں کو دی ہوئی ہیں“

ہو بہو یہی الفاظ سورۃ الحجر' آیت ۸۸ میں بھی آئے ہیں کہ اے نبی ﷺ! آپ! ان کے مال و اسباب اور دنیوی آسائش و آرائش کے سامان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں' مبادا کسی کو گمان ہو کہ آپ ﷺ کی نظروں میں بھی ان چیزوں کی کوئی وقعت اور اہمیت ہے۔

﴿زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ﴾ ”یہ چمک دمک ہے دنیوی زندگی کی' تاکہ ہم ان کو اس میں آزمائیں۔“

آپؐ تو حقیقت آشنا ہیں' آپؐ تو جانتے ہیں کہ یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب کچھ فانی ہے اور مقصود اس سے صرف لوگوں کی آزمائش ہے۔ سورۃ الکہف میں اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾﴾ ”ہم نے تو جو کچھ بھی زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار بنایا ہے تاکہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔“

﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٣١﴾﴾ ”اور آپؐ کے رب کا (عطا کردہ) رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔“

اور وہ رزق کون سا ہے؟ سورۃ الحجر کی آخری آیات سے موازنہ کریں (جن آیات سے ان آیات کی مشابہت کا ذکر کیا گیا ہے) تو اس سوال کا جواب ان الفاظ میں ملتا ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾﴾ ”اور ہم نے آپؐ کو دی ہیں سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔“

یعنی سورۃ الفاتحہ کی سات آیات! یہ سورت ایک مؤمن کے لیے زندگی بھر کا وظیفہ ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں وہ اس کی تلاوت کرتا ہے۔ گویا یہ روحانی غذا اور روحانی دولت جو ایک مؤمن کو اپنے نبی ﷺ کی وساطت سے عطا ہوئی ہے' دنیوی مال و متاع سے کہیں زیادہ عمدہ اور کہیں زیادہ باقی رہنے والی ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ﴾ ”اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دیجیے اور خود بھی اس پر جمے رہیے۔“

﴿لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ﴾ ”ہم آپؐ سے کوئی رزق نہیں مانگتے' (بلکہ) ہم خود آپ کو رزق دیتے ہیں۔“

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾﴾ ”اور عاقبت انہی کے لیے (بہتر) ہے جو پرہیزگاری کی روش اختیار کریں۔“

آیت ۱۳۳ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی اس کے رب کی طرف سے؟''

ہر بات' ہر دلیل کے جواب میں مشرکین مکہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ اگر آپؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں تو ہمیں کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟

﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝۱۳۳﴾ ''کیا ان کے پاس نہیں آئیں روشن نشانیاں جو پچھلے صحیفوں میں تھیں؟''

پہلے آسمانی صحیفوں کی تعلیمات کا قرآن مجید میں موجود ہونا اور خود قرآن کا ان صحیفوں میں بیان کی گئی پیشین گوئیوں کا مصداق بن کر آجانا کیا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا یہ معجزہ ان کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے؟

آیت ۱۳۴ ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ ''اور اگر ہم اس (قرآن کے نزول) سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ لازماً کہتے کہ (اے پروردگار!) تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا''

﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝۱۳۴﴾ ''کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے' ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے!''

یہ وہی اصول ہے جو ہم سورۂ بنی اسرائیل میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵﴾ کہ ہم کسی قوم پر عذابِ ہلاکت اُس وقت تک نہیں بھیجتے جب تک اللہ کی طرف سے کوئی رسول آ کر واضح طور پر حق کا احقاق اور باطل کا ابطال نہ کر دے۔ لیکن رسول کے اتمامِ حجت کے بعد بھی اگر قوم انکار پر اڑی رہے تو پھر اس کو عذابِ استیصال کے ذریعے سے ہلاک کر کے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۳۵ ﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ﴾ ''آپؐ فرما دیجیے کہ ہر ایک انتظار میں ہے' پس تم لوگ بھی انتظار کرو۔''

﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝۱۳۵﴾ ''تو عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون سیدھی راہ پر ہیں اور کون ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں!''

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم' ونفعنی وایاکم بالآیات والذّکر الحکیمoo

بیانُ القرآن

سُورَۃُ الْاَنْبِیَاء

(۲۱)

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاء

تمہیدی کلمات

سورۂ مریم کے آغاز میں تمہیدی کلمات کے تحت تین سورتوں پر مشتمل اس ذیلی گروپ کا تعارف ہو چکا ہے' جس کی آخری سورت سورۃ الانبیاء ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۰

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝١ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٢ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ڰ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝٣ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ
الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٤ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ
افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝٥ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔـلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا
خٰلِدِيْنَ ۝٨ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۗءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩ لَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ ع ۱

(الجزء السابع عشر (١٧))

آیت ۱ ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝١﴾ ''لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آ چکا ہے' لیکن وہ غفلت میں پڑے اعراض کیے جا رہے ہیں۔''

آیت ۲ ﴿مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٢﴾ ''نہیں آتی ان کے پاس ان کے ربّ کی طرف سے کوئی نئی نصیحت مگر یہ اس کو سنتے ہیں کھیلتے ہوئے۔''

جب بھی ان کی طرف کوئی نئی وحی آتی ہے' کوئی نئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے مخصوص لا ابالیانہ انداز میں ہی سنتے ہیں۔ وہ اللہ کے کلام کی طرف کبھی بھی سنجیدگی سے متوجہ نہیں ہوتے۔

آیت ۳ ﴿ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ ﴾ ''ان کے دل کھیل کے خوگر ہو چکے ہیں۔''

ان کا غیر سنجیدہ رویہ اس حد تک ان کے دلوں میں گھر کر گیا ہے کہ انہوں نے زندگی کو بھی ایک کھیل ہی سمجھ رکھا ہے۔

﴿ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ ﴾ ''اور یہ ظالم خفیہ طور پر سرگوشیاں کرتے ہیں''

﴿ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ ﴾ ''کہ نہیں ہیں یہ (محمد ﷺ) مگر تمہاری ہی طرح کے ایک انسان۔''

رسول اللہ ﷺ سے کلام اللہ سن کر اگر ان کا کوئی ساتھی متاثر ہوتا تو اسے الگ لے جا کر بڑے ناصحانہ انداز میں سمجھاتے کہ ارے تم خواہ مخواہ اپنے جیسے ایک انسان کو اللہ کا رسول اور اس کی باتوں کو اللہ کا کلام سمجھ رہے ہو۔ اس کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۳ ﴾ ''تو کیا تم جانتے بوجھتے جادو میں پڑنے جا رہے ہو؟''

تم جانتے بھی ہو کہ یہ کلام وغیرہ سب جادو کا کمال ہے۔ تو کیا تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کا شکار ہونے جا رہے ہو؟ ان کی اس طرح کی سرگرمیوں کی خبریں حضور ﷺ تک بھی پہنچتی تھیں۔ آپؐ کو یقیناً اس سے بہت صدمہ پہنچتا ہوگا کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ ہدایت قبول کرنے پر آمادہ ہوا تھا تو اس کو پھر ورغلا کر بھٹکا دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے آپس کے شیطانی مشوروں کا سنتے تو یوں فرماتے:

آیت ۴ ﴿ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۴ ﴾ ''رسولؐ نے کہا کہ میرا رب جانتا ہے ہر اُس بات کو جو آسمان اور زمین میں ہے' اور وہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۵ ﴿ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ﴾ ''بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (کلام) پریشان خیالات ہیں''

کبھی وہ کہتے کہ یہ اللہ کا کلام تو ہرگز نہیں ہے' بلکہ محمد (ﷺ) سوتے میں خواب دیکھتے ہیں اور خوابوں کے پراگندہ خیالات پر مبنی باتیں لوگوں کو سناتے رہتے ہیں۔

﴿ بَلِ افْتَرٰىهُ ﴾ ''بلکہ اس نے خود گھڑ لیا ہے''

کبھی کہتے کہ یہ کلام تو خود ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے مگر یہ غلط طور پر اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

﴿ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ ﴾ ''بلکہ یہ تو شاعر ہے۔''

کبھی کہتے کہ خداداد شاعرانہ صلاحیت کی بنا پر ان پر آمد ہوتی ہے اور یوں یہ کلام ترتیب پاتا ہے۔

﴿ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵ ﴾ ''تو اسے چاہیے کہ وہ لائے ہمارے پاس کوئی معجزہ جیسے (معجزات کے ساتھ) پہلے رسولوں کو بھیجا گیا تھا۔''

اور کبھی کہتے کہ اگر یہ واقعتاً اللہ کے رسول ہیں تو پھر پہلے رسولوں کی طرح ہمیں کوئی معجزہ دکھائیں۔

آیت ۶ ﴿ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ ﴾ ''نہیں ایمان لائی کوئی بستی ان سے پہلے جس کو ہم

نے ہلاک کیا۔‘‘

ان سے پہلے بہت سے رسولوں کو حسّی معجزات دیے گئے تھے جو انہوں نے اپنی قوموں کو دکھائے‘ مگر ان میں سے کوئی ایک قوم یا کوئی ایک بستی بھی ایسی نہیں تھی جو ان معجزات کو دیکھ کر ایمان لائی ہو۔ چنانچہ وہ لوگ واضح معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور آخر کار ہلاکت ہی ان کا مقدر بنی۔

﴿اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ۝۶﴾ ’’تو کیا یہ لوگ (کوئی معجزہ دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے؟‘‘

آیت ۷ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۷﴾

’’اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (بطور رسول)‘ ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے‘ تو (اے قریش مکہ!) تم اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تمہیں معلوم نہیں۔‘‘

آیت کے پہلے حصے میں خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے‘ مگر بعد میں خطاب کا رخ ان لوگوں کی طرف ہو گیا ہے جو کہتے تھے کہ یہ تو ہماری طرح کے انسان ہیں‘ ہم ان کی بات کیسے مان لیں؟ ان لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ یہ کوئی پہلے رسول نہیں ہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسول آئے‘ وہ سب بھی انسان ہی تھے۔ وہ انسانوں ہی کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے)۔ وہ انسانوں ہی کی طرح کھاتے پیتے اور دوسری ضروریاتِ زندگی پوری کرتے تھے۔ یہ بات اگر تمہاری سمجھ سے بالاتر ہے تو تمہارے ارد گرد اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ موجود ہیں۔ تم لوگ ان سے پوچھ لو کہ پہلے رسول انسان تھے یا وہ کسی مافوق الفطرت مخلوق سے تعلق رکھتے تھے؟

آیت ۸ ﴿وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ۝۸﴾ ’’ہم نے ان (رسولوں) کے لیے ایسا جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ (زندہ) رہنے والے ہوتے تھے۔‘‘

پہلے جو انبیاء آئے تھے وہ سب عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی ابدی زندگی لے کر نہیں آیا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک پر موت کا مرحلہ بھی آیا۔

آیت ۹ ﴿ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ﴾ ’’پھر ہم نے ان کے ساتھ کیا گیا وعدہ سچ کر دکھایا‘ پھر انہیں اور (ان کے ساتھ) جسے چاہا اسے نجات دی‘‘

ہم نے نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو سیلاب کی آفت سے محفوظ رکھا۔ ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو امان بخشی۔ صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان والوں کو نجات دی۔ شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچایا۔ لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کو مغضوب و معتوب بستیوں سے بحفاظت نکالا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کو سمندر میں سے بچ نکلنے کا راستہ دیا۔ یوں ہم نے ہر مرتبہ اپنے رسولوں اور اہل ایمان کے ساتھ کیے گئے وعدے کو نبھایا۔

﴿وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ۝۹﴾ ’’اور حد سے بڑھنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۱۰﴾ ’’(اے لوگو!) اب ہم نے تمہاری

طرف یہ کتاب نازل کر دی ہے' اس میں تمہارا ذکر ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟''

یہاں ''ذِکْرُکُمْ'' کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں' ایک تو یہ کہ اس میں تمہارے حصے کی نصیحت اور تعلیم ہے (یعنی ذِکرٌ لکم) اور دوسرا یہ کہ ''اس میں تمہارا اپنا ذکر بھی موجود ہے''۔ اس دوسرے مفہوم کی وضاحت ایک حدیث سے ملتی ہے' جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَلَا إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ)) ''آگاہ ہو جاؤ! عنقریب ایک بہت بڑا فتنہ رونما ہوگا'' فَقُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ ''تو میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس سے نکلنے کا راستہ کون سا ہوگا؟'' یعنی اس فتنے سے بچنے کی سبیل کیا ہوگی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللهِ، فِيهِ نَبَأُ مَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ))[1] ''اللہ کی کتاب! اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں' تمہارے بعد آنے والوں کے احوال بھی ہیں اور تمہارے باہمی مسائل واختلافات کا حل بھی ہے''۔ ان معانی میں یہاں ذِکْرُکُمْ سے مراد یہی ہے کہ تمہارے ہر دور کے تمام مسائل کا حل اس کتاب کے اندر موجود ہے۔ میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ آج بھی ہمیں ہر قسم کی صورتِ حال میں قرآن مجید سے راہنمائی مل سکتی ہے۔

آیات ۱۱ تا ۱۵

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ
اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْـَٔلُوْنَ ⑬ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا
خٰمِدِيْنَ ⑮

آیت ۱۱ ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً﴾ ''اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے پیس ڈالا جو ظالم تھیں''
ان کے باسی گنہگار' سرکش اور نافرمان تھے۔ چنانچہ انہیں سزا کے طور پر نیست و نابود کر دیا گیا۔

﴿وَّأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪﴾ ''اور پھر ان کے بعد ہم نے اٹھا کھڑا کیا دوسری قوموں کو۔''
جیسے قومِ نوحؑ کے بعد قومِ عاد کو موقع ملا اور قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود نے عروج پایا اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا۔

آیت ۱۲ ﴿فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ﴾ ''پھر جب انہیں محسوس ہوا ہمارا عذاب''
جب عذاب کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ اب واقعی عذاب آنے والا ہے تو:

﴿اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫﴾ ''تو اس سے بھاگنے لگے۔''

آیت ۱۳ ﴿لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬﴾ ''(اس

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن' باب ما جاء فی فضل القرآن۔ وسنن الدارمی' کتاب فضائل القرآن' باب فضل من قرأ القرآن۔

وقت انہیں کہا گیا:) اب بھاگو مت اور واپس جاؤ اپنے سامانِ تعیش اور محلات کی طرف، شاید کہ وہاں تمہیں پوچھا جائے۔"

شاید وہاں تمہیں اپنا کوئی پُرسانِ حال یا خبر گیری کرنے والا مل جائے۔

آیت ۱۴ ﴿قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝۱۴﴾ "انہوں نے کہا: ہائے ہماری شامت! ہم تو خود ہی ظالم تھے۔"

چونکہ اس وقت تک حقیقت ان پر منکشف ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے بڑی حسرت سے اعتراف کیا کہ حق کو جھٹلا کر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ستم ڈھایا تھا۔

آیت ۱۵ ﴿فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ۝۱۵﴾ "پھر وہ بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے کر دیا انہیں کٹی ہوئی کھیتی اور راکھ کی مانند۔"

حَصِیْد کے معنی کٹی ہوئی کھیتی کے ہیں، جبکہ خَامِدِیْنَ سے مراد یہ ہے کہ وہ بجھی ہوئی آگ کی طرح ہو گئے۔ یعنی ان کی آبادیاں ایسی ویران ہوئیں کہ زندگی کی کوئی رمق وہاں نظر نہ آتی تھی۔

آیات ۱۶ تا ۲۹

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝١٦ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ
لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝١٧ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ
وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝١٨ وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ۝١٩ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ۝٢٠ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ
الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ۝٢١ لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝٢٢ لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ۝٢٣ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ
فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٢٤ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
فَاعْبُدُوْنِ ۝٢٥ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝٢٦ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ۝٢٧ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا
لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝٢٨ وَمَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ
نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝٢٩ ع ۲/۱۹

آیت ۱۶ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ۝۱۶﴾ "اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے مابین ہے، کھیل کے لیے نہیں بنایا ہے۔"

یعنی ہم نے یہ دنیا کھیل تماشے اور شغل کے لیے نہیں بنائی ہے۔ ہماری ہر تخلیق با مقصد اور اٹل قوانین پر مبنی ہے۔ اسی طرح دنیا میں قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں بھی ''سُنّت اللہ'' اور قواعد و ضوابط بالکل غیر مبدّل اور نا قابلِ تغیر ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰﴾ ''اگر ہم چاہتے کہ کوئی کھیل بنائیں تو وہ ضرور ہم اپنے پاس سے بنا لیتے' اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے۔''

آیت ۱۸ ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ﴾ ''بلکہ ہم حق کو دے مارتے ہیں باطل پر تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے' تو جبھی وہ نابود ہو جاتا ہے۔''

یہ تاریخِ انسانی کا قرآنی فلسفہ ہے۔ دوسری طرف ایک نظریہ سپنگلر کا بھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ قوموں کی زندگی ایک فرد کی زندگی سے مشابہ ہے۔ جس طرح ایک بچہ پیدا ہوتا ہے' بچپن گزارتا ہے' جوانی کو پہنچتا ہے' بوڑھا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے' ایسے ہی دنیا میں قومیں اور ان کی تہذیبیں پیدا ہوتی ہیں' ترقی کرتی ہیں' بامِ عروج پر پہنچتی ہیں' اور پھر کمزوریوں اور خرابیوں کے باعث زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں کارل مارکس نے جو Dialectical Materialism کا نظریہ (وضاحت کے لیے بلاحظہ ہو الرعد: ۱۷ کی تشریح) پیش کیا ہے' وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔

بہر حال آیت زیر نظر میں جو فلسفہ دیا گیا ہے اس کے مطابق دنیا میں حق و باطل کی کشمکش مسلسل جاری ہے۔ ایک طرف ابلیس' اس کی نسل اور اس کے ایجنٹ ہیں' جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے نیک بندے' انبیاء و رسل' صدیقین' شہداء اور مؤمنین صادقین ہیں۔ قرآن کے اس فلسفہ کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے: ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

مشیتِ الٰہی سے کبھی کبھی یہ کشمکش دھماکہ خیز ہو کر باقاعدہ ایک معرکے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ طالبانِ حق کی مدد کرتا ہے اور اُن کی طاقت کے ذریعے باطل کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔

حق و باطل کا ایسا ہی ایک بہت خوفناک معرکہ قربِ قیامت کے زمانے میں ہونے والا ہے۔ یہ جنگوں کا ایک طویل سلسلہ ہو گا جس کو عیسائی روایات میں Armageddon جبکہ احادیث میں ''المَلحَمة العُظمٰی'' کا نام دیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے مستقبل کے اس معرکے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

یہاں علامہ اقبال نے لفظ ''تہذیب'' کے ذریعے اسی مخصوص ذہنیت اور سوچ کی طرف اشارہ کیا ہے جس

کے تحت فرعون نے اپنے عوام کو "طَرِیۡقَتِکُمُ الۡمُثۡلٰی" کے نام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف اُبھارنے کی کوشش کی تھی کہ اس وقت تمہارے مثالی تہذیب و تمدن کو بڑا خطرہ درپیش ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کو جب بھی منظور ہوتا ہے کوئی تحریک یا کوئی جمعیت حق کی علمبردار بن کر کھڑی ہو جاتی ہے اور باطل اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں ایسی ہی قوم یا جماعت اللہ کے دست قدرت کی وہ تلوار ہے جس سے وہ باطل کا قلع قمع کرتا ہے: ؎

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب!

لیکن یہ مقامِ رفیع صرف وہی قوم حاصل کر سکتی ہے جو قدم قدم پر خود اپنا احتساب کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو۔

﴿وَلَکُمُ الۡوَیۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ "اور تمہارے لیے تباہی ہے اس کی وجہ سے جو تم لوگ بیان کر رہے ہو۔"

آیت ۱۹ ﴿وَلَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ "اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔"

﴿وَمَنۡ عِنۡدَہٗ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ "اور جو (ملائکہ مقربین) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر (کی بنا پر گریز) نہیں کرتے اور نہ ہی وہ سستی کرتے ہیں۔"

آیت ۲۰ ﴿یُسَبِّحُوۡنَ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ ﴿۲۰﴾﴾ "وہ رات دِن (اس طرح اس کی) تسبیح میں لگے ہوئے ہیں کہ تھکتے نہیں ہیں۔"

آیت ۲۱ ﴿اَمِ اتَّخَذُوۡۤا اٰلِہَۃً مِّنَ الۡاَرۡضِ ہُمۡ یُنۡشِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾﴾ "کیا انہوں نے زمین میں کچھ ایسے معبود بنا لیے ہیں جو نشو و نما دیتے ہیں؟"

کیا ان کا خیال ہے کہ وہ ان باطل معبودوں کی نظر کرم سے دنیا میں خوب پھلیں پھولیں گے اور ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر لیں گے؟

آیت ۲۲ ﴿لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾ "اگر ان دونوں (زمین و آسمان) کے اندر اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتے تو لازماً یہ دونوں فساد سے بھر جاتے۔"

اس کائنات کا نظم و ضبط زبانِ حال سے گواہی دے رہا ہے کہ یہ ایک وحدت (Unitary System) ہے۔ اس کا مدبر و منتظم ایک ہی ہے اور اس کے انتظام میں ایک سے زیادہ آراء کی تعمیل و تنفیذ کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿قُلۡ لَّوۡ کَانَ مَعَہٗۤ اٰلِہَۃٌ کَمَا یَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰی ذِی الۡعَرۡشِ سَبِیۡلًا ﴿۴۲﴾﴾ "آپ (ان سے) کہیے کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحبِ عرش کی طرف کوئی راستہ"۔ اس سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ کوئی بھی ادارہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے اور اگر کسی ادارے کے ایک سے زیادہ سربراہ ہوں گے تو اس کا نظم

ونسق تباہ ہو جائے گا۔ یہی مثال مرد کی قوامیت کی دلیل بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ خاندان جیسا اہم اور حساس ادارہ ایک جیسے اختیارات کے حامل دو سربراہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ سربراہ ایک ہی ہونا چاہیے تو پھر اس کا زیادہ حق دار مرد ہی ہے' کیونکہ قرآن کے فرمان کے مطابق مرد ہی ''قوام'' ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ ؕ﴾ (النساء: ٣٤) ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں''۔ ہمارے ہاں ملکی سطح پر زیادہ تر انتظامی مسائل پارلیمانی نظامِ حکومت میں اختیارات کی ثنویت (duality) کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس نظام میں سربراہِ مملکت اور سربراہِ حکومت کے عہدے الگ الگ ہیں۔ ان دو عہدوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم اصولی طور پر ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ اگر وزیراعظم بااختیار ہو گا تو صدر کے عہدے کی حیثیت لازمی طور پر نمائشی ہو گی اور اگر صدر فعال ہو گا تو وزیراعظم کٹھ پتلی بن کر رہ جائے گا۔ اس کے مقابلے میں صدارتی نظام منطقی اور توحیدی نظام ہے جس میں ایک ہی شخصیت سربراہِ مملکت بھی ہے اور سربراہِ حکومت بھی۔

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾﴾ ''تو اللہ جو عرش کا مالک ہے وہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔''

آیت ۲۳ ﴿لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾ ''وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے جوابدہی نہیں ہو سکتی اور ان سب کی جوابدہی ہو گی۔''

آیت ۲۴ ﴿اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً ؕ﴾ ''کیا انہوں نے اُس کے سوا دوسرے معبود بنا لیے ہیں؟''

﴿قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ ۚ﴾ ''آپؐ کہیے کہ لاؤ اپنی دلیل!''

﴿ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ﴾ ''یہ (قرآن) ذکر ہے ان لوگوں کا بھی جو میرے ساتھ ہیں اور ان کا بھی جو مجھ سے پہلے تھے۔''

﴿بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ ''بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں پہچانتے' اس لیے وہ اعراض کر رہے ہیں۔''

آیت ۲۵ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾﴾ ''اور ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف یہی وحی کرتے تھے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس میری ہی بندگی کرو۔''

آیت ۲۶ ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ رحمٰن نے (کسی کو اپنا) بیٹا بنا لیا۔ وہ پاک ہے (اس سے)' بلکہ وہ اس کے مکرم بندے ہیں۔''

جس کسی کو بھی یہ لوگ اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں' وہ فرشتے ہوں' انبیاء ہوں یا اولیاء اللہ' سب اس کے

مقرّب بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے بندوں کی حیثیت سے اپنے ہاں باعزت مقام عطا کیا ہے: ﴿اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ﴾ (یونس : ۲) ''یقیناً ان کے لیے ہے سچائی کا مرتبہ ان کے رب کے پاس۔''

آیت ۲۷ ﴿لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَھُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''وہ سبقت نہیں کرتے اس سے بات میں' اور وہ اس کے حکم ہی کی تعمیل کرتے ہیں۔''

فرشتے اللہ تعالیٰ کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے احکام کے منتظر رہتے ہیں اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کرتے ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے''

﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور وہ شفاعت نہیں کریں گے سوائے اس کے جس کے لیے وہ راضی ہوگا' اور وہ تو خود اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔''

آیت ۲۹ ﴿وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْهِ جَھَنَّمَ ؕ﴾ ''اور جو کوئی بھی (بالفرض) ان میں سے کہے کہ میں الٰہ ہوں اللہ کے سوا' تو اسے ہم بدلہ دیں گے جہنم کا۔''

﴿کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔''

آیات ۳۰ تا ۴۱

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ
الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ ۠
وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّھُمْ
عَنْ اٰیٰتِھَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ
فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾
کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰکَ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا ھُزُوًا ؕ اَھٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِھَتَکُمْ ۚ وَھُمْ بِذِکْرِ
الرَّحْمٰنِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾
وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا
یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْھِھِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُھُوْرِھِمْ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ تَاْتِیْھِمْ بَغْتَةً

فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ رَدَّهَا وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ۞ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۞ ع ۲

آیت ۳۰ ﴿اَوَلَمۡ يَرَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا ؕ﴾ ''کیا دیکھا نہیں ان کافروں نے کہ آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا!''

یعنی شدید گرمی اور حبس کی صورتِ حال جس میں لوگوں کی جان پر بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کیفیت میں بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ آسمان کے دروازے بھی بند ہیں' زمین کے سوتے بھی خشک ہیں' بارش کا دور دور تک کوئی امکان نہیں' ہر طرف خشک سالی کا راج ہے اور پھر یکا یک اللہ کی رحمت سے یہ صورتِ حال تبدیل ہو جاتی ہے۔ آسمان کے دہانے کھل جاتے ہیں اور بارش کے پانی سے زمین پر نباتاتی اور حیواناتی زندگی کی چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ Big Bang کے بعد مادے کا جو ایک بہت بڑا گولا وجود میں آیا تو وہ ایک یک جا وجود (Homogenous mass) کی صورت میں تھا۔ پھر مادے کے اس گولے میں تقسیم ہوئی' مختلف ستاروں اور سیاروں کے گچھے بنے' کہکشائیں (Galaxies) وجود میں آئیں' سورج اور اس کے سیاروں کی تخلیق ہوئی' اور یوں ہماری زمین بھی پیدا ہوئی۔ گویا اس سارے تخلیقی عمل کا اظہار اس ایک فقرے میں ہو گیا کہ آسمان اور زمین بند تھے' یعنی باہم ملے ہوئے تھے اور ہم نے انہیں کھول دیا' جدا کر دیا۔

﴿وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ ؕ﴾ ''اور ہم نے پانی سے ہر جاندار شے کو بنایا!''

یہاں پر خَلَقْنَا کے بجائے جَعَلْنَا فرمایا۔ زمین کے اوپر زندگی جس کسی شکل میں بھی ہے' چاہے وہ نباتاتی حیات ہو یا حیوانی' ہر جاندار چیز کا مادۂ تخلیق مٹی اور مبدأ حیات پانی ہے۔ مٹی (تُراب) اور پانی مل کر گارا (طِین) بنا۔ پھر یہ طِینٍ لّازب میں تبدیل ہوا۔ پھر اس نے حمأٍ مسنون کی شکل اختیار کی۔ اس کے بعد صلصالٍ مّنْ حمأٍ مسنون کا مرحلہ آیا۔ پھر صلصالٍ کالفخّار بنا۔ (اس سلسلے میں سورۃ الحجر' آیت ۲۶ کی تشریح بھی مدنظر رہے)۔ گویا مٹی سے ہر جاندار چیز کی تخلیق ہوئی اور ان سب کی زندگی کا دارومدار پانی پر رکھا گیا۔ چنانچہ ہر جاندار کے لیے مبدأ حیات پانی ہے۔

﴿اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۞﴾ ''تو کیا (یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے؟''

آیت ۳۱ ﴿وَجَعَلۡنَا فِى الۡاَرۡضِ رَوَاسِىَ اَنۡ تَمِيۡدَ بِهِمۡ ۖ﴾ ''اور ہم نے زمین میں مضبوط پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انہیں لے کر (ایک طرف) جھک نہ جائے''

﴿وَجَعَلۡنَا فِيۡهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۞﴾ ''اور ہم نے اس کے اندر بڑے کشادہ راستے بنائے تاکہ یہ لوگ راہ یاب ہوں۔''

میدانی راستوں کے علاوہ بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کے اندر بھی قدرتی راستے رکھے اور وادیاں

بنائیں تاکہ ایسے علاقوں میں بھی لوگوں کے لیے سفر کرنا ممکن ہو سکے۔

آیت ۳۲ ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا' لیکن یہ لوگ اس (آسمان) کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے۔''

اس سے پہلے یہ مضمون سورۃ الحجر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اسے مزین کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطان مردود سے''۔ یعنی آسمانِ دنیا پر جو ستارے ہیں وہ باعث زینت بھی ہیں' لیکن دوسری طرف یہ شیاطین جن کے لیے میزائل سنٹر بھی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی بھی اپنی حدود سے تجاوز کر کے غیب کی خبروں کی ٹوہ میں عالم بالا کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے اس پر شہابِ ثاقب کی شکل میں میزائل داغا جاتا ہے اور یوں ان شیاطین کی پہنچ کے حوالے سے آسمان کو سَقْفًا مَّحْفُوْظًا کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

اب تک کی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے سَقْفًا مَّحْفُوْظًا کے دو پہلو اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک تو O-Zone Layer کی فراہم کردہ حفاظتی چھتری ہے جس نے پورے کرۂ ارض کو ڈھانپ رکھا ہے اور یوں سورج سے نکلنے والی تمام مضر شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکنے کے لیے یہ فلٹر کا کام کرتی ہے (ماحولیاتی سائنس کے ماہرین آج کل اس کے بارے میں بہت فکر مند ہیں کہ مختلف انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ بتدریج کمزور ہوتی جا رہی ہے)۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری فضا (زمین کے اوپر کرۂ ہوائی) بھی حفاظتی چھت کا کام دیتی ہے۔ خلا میں تیرنے والے چھوٹی بڑی جسامتوں کے بے شمار پتھر (یہ پتھر یا پتھر نما ٹھوس اجسام مختلف ستاروں یا سیاروں میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں ہر وقت خلا میں بکھرے رہتے ہیں) جب کرۂ ہوائی میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی تیز رفتاری کے سبب ہوا کی رگڑ سے جل کر فضا میں ہی تحلیل ہو جاتے ہیں اور یوں زمین ان کے نقصانات سے محفوظ رہتی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ﴾ ''اور وہی ہے جس نے پیدا کیا رات' دن' سورج اور چاند کو۔''

﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''یہ سب کے سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔''

آیت ۳۴ ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لیے دوام نہیں رکھا۔''

﴿اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''تو اگر آپؐ فوت ہو گئے تو یہ لوگ کیا ہمیشہ رہیں گے؟''

آپ ﷺ کے یہ مخالفین ابوجہل' ابولہب وغیرہ ہمیشہ کی زندگیاں لے کر تو نہیں آئے۔ ان سب کو ایک دن مرنا ہے اور ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ﴾ ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ﴾ ''اور ہم آزماتے رہتے ہیں تم لوگوں کو شر اور خیر کے ذریعے سے۔''

اس دنیا میں تمہاری آزمائش کے لیے تم لوگوں کو ہم مختلف قسم کی کیفیات سے دوچار کرتے رہتے ہیں۔ خیر و شر اور خوشی و غم کے بارے میں تم لوگوں کے اپنے پیمانے اور اپنے معیارات ہیں اور اسی مناسبت سے ان کیفیات کے بارے میں تمہارے منفی یا مثبت تاثرات ہوتے ہیں' مگر ضروری نہیں کہ حقیقت بھی تمہارے ہی تاثرات کے مطابق ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ جسے شر سمجھتے ہو وہ حقیقت میں خیر ہو اور جو چیز تمہارے نقطہ نظر سے خیر ہے وہ اصل میں شر ہو — سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا: ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ ''اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے' تم نہیں جانتے'' — بہرحال دنیا میں پیش آنے والے اچھے برے یہ حالات تمہاری آزمائش کے لیے ہیں۔

﴿وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور تم سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ کافر لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

یہ مشرکین مختلف انداز میں آپؐ پر استہزائیہ فقرے کستے ہیں' آپؐ کو دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر اس طرح آپؐ کا تمسخر اڑاتے ہیں:

﴿اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ﴾ ''کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟''

یعنی کہتا ہے کہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور اس طرح ان کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے!

﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور وہ خود رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔''

انہیں تو اپنے معبودوں کا ذکر اچھا لگتا ہے۔ لات و عزیٰ کا ذکر ہو تو یہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دل بجھ جاتے ہیں۔

آیت ۳۷ ﴿خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ﴾ ''انسان بنایا گیا ہے عُجلت سے۔''

یعنی انسان کی خِلقت میں عجلت پسندی رکھی گئی ہے۔ عجلت پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اس حوالے سے یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ انسان کی ذات یا شخصیت کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ مادی' جسمانی یا حیوانی ہے جس کی تخلیق زمین یعنی مٹی سے ہوئی ہے۔ اس مادی وجود میں بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں رکھی گئی ہیں۔ سورۃ النساء کے یہ الفاظ اس حقیقت پر شاہد ہیں: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾﴾ کہ بنیادی طور پر انسان کمزور اور ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی ذات کا دوسرا پہلو روحانی ہے۔ انسانی روح چونکہ نور سے پیدا کی گئی ہے اس لیے اس کا یہ پہلو بہت بلند اور ارفع ہے۔ اسی پہلو کے بارے میں سورۃ التین میں فرمایا گیا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾﴾ ''ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے''۔ گویا اصل انسان تو وہ روح ہی ہے جو انسانی تخلیق کے مرحلہ اوّل (وضاحت کے لیے الانعام: ۹۴ کی تشریح ملاحظہ ہو) میں اَحْسَنِ تَقْوِيْم کی کیفیت

میں پیدا کی گئی۔ اس ''نور'' کو پھر اس انسانی جسم کے اندر رکھا گیا جو مٹی سے بنا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس میں بہت سی کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ وہ فطری اور جبلی طور پر عجلت پسند ہے۔

﴿سَاُورِیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۳۷﴾﴾ ''جلد ہی میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا' پس تم لوگ مجھ سے جلدی نہ مچاؤ۔''

کیا عجب کہ تمہارے عذاب کے بارے میں وعیدوں کے پورا ہونے کا وقت قریب ہی آ لگا ہو۔

آیت ۳۸ ﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر آپؐ سچے ہیں؟''

اس سے مراد عذاب آنے یا معجزہ دکھانے کا وعدہ ہے۔

آیت ۳۹ ﴿لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡہِہِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ وَلَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''کاش! ان کافروں کو معلوم ہوتا (اس وقت کے بارے میں) جب وہ آگ کو ہٹا نہ سکیں گے اپنے چہروں سے اور نہ ہی اپنی پیٹھوں سے' اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔''

آیت ۴۰ ﴿بَلۡ تَاۡتِیۡہِمۡ بَغۡتَۃً فَتَبۡہَتُہُمۡ﴾ ''بلکہ وہ (قیامت) ان پر اچانک آئے گی اور انہیں مبہوت کر دے گی''

یعنی ان کے ہوش کھو دے گی۔ یہ وہی لفظ (ب ہ ت) ہے جو البقرہ: ۲۵۸ میں نمرود کے بارے میں آیا ہے: ﴿فَبُہِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ ؕ﴾ ''تو (یہ سن کر) وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔''

﴿فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ رَدَّہَا وَلَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''تو نہ ان کی استطاعت ہوگی اس (قیامت یا عذاب) کو ٹالنے کی اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت ملے گی۔''

آیت ۴۱ ﴿وَلَقَدِ اسۡتُہۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے جو رسول آئے تھے ان کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا''

لہٰذا آپؐ اس صورتِ حال کو برداشت کیجیے اور صبر کا دامن تھام کر اپنا فرض ادا کرتے رہیے۔

﴿فَحَاقَ بِالَّذِیۡنَ سَخِرُوۡا مِنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''تو پھر گھیر لیا ان میں سے مذاق اڑانے والوں کو اسی (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عذابِ موعود آیا تو ان مذاق اڑانے والوں کو نیست و نابود کر کے نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا کر دیا گیا۔

آیات ۴۲ تا ۵۰

قُلۡ مَنۡ یَّکۡلَؤُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّہَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ ؕ بَلۡ ہُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّہِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۴۲﴾ اَمۡ

لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَاؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ۝۴۳ بَلْ
مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُؕ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا
مِنْ اَطْرَافِهَاؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝۴۴ قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ ۖؗ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا
مَا یُنْذَرُوْنَ۝۴۵ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ۝۴۶
وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔاؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ
مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَاؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ۝۴۷ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً
وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ۝۴۸ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۝۴۹ وَهٰذَا
ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝۵۰ ع

آیت ۴۲ ﴿قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِؕ﴾ ''آپ ان سے پوچھیے کہ کون تمہاری حفاظت کرتا ہے رات دن رحمٰن کی طرف سے؟''

یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تمہارے لیے محافظ (Body guards) مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ مضمون دو مرتبہ اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔ سورۃ الانعام: ۶۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةًؕ﴾ کہ وہ فرشتوں کی صورت میں تمہارے لیے محافظ مقرر کرتا ہے۔ سورۃ الرعد: ۱۱ میں ارشاد ہوا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِؕ﴾ ''اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار) ہیں' وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے''۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ موت سے یا مصائب و حادثات سے خود انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

﴿بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۴۲﴾ ''بلکہ یہ لوگ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔''

آیت ۴۳ ﴿اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَاؕ﴾ ''کیا ان کے ایسے معبود ہیں ہمارے سوا جو اُن کو بچاتے ہیں؟''

﴿لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ۝۴۳﴾ ''وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ ہمارے مقابلے میں ان کی مصاحبت کر سکتے ہیں۔''

یعنی ہمارے مقابلے میں ان کے خود ساختہ معبودوں کی دوستی ان کے کسی کام نہیں آ سکتی۔

آیت ۴۴ ﴿بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُؕ﴾ ''لیکن ہم نے (دنیوی) نعمتیں عطا کیں ان کو بھی اور ان کے آباء و اَجداد کو بھی' یہاں تک کہ ان پر ایک مدت گزر گئی۔''

ہم انہیں مسلسل دنیوی نعمتوں سے نوازتے رہے' یہاں تک کہ وہ ان کے عادی ہو گئے' انہیں اپنی ملکیت سمجھنے لگے اور ان پر خوب اترانے لگے۔

﴿اَفَلَا یَرَوۡنَ اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا مِنۡ اَطۡرَافِہَا ؕ﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں؟''

کیا مشرکین مکہ کو یہ ٹھوس حقیقت نظر نہیں آ رہی کہ اس سرزمین میں ان کا اثر و رسوخ روز بروز کم ہو رہا ہے۔ اسلام کا پیغام مسلسل پھیل رہا ہے۔ مکہ کے اندر سے بھی اس روشنی کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور باہر کے قبائل میں بھی دعوتِ اسلام کا تعارف رفتہ رفتہ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ گویا مشرکین مکہ کے لیے زمین مسلسل سکڑتی چلی جا رہی ہے اور ہر آنے والے دن کے ساتھ اہل ایمان کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان سے ملتے جلتے الفاظ میں یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد میں بھی آ چکا ہے: ﴿اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُہَا مِنۡ اَطۡرَافِہَا ؕ وَاللّٰہُ یَحۡکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکۡمِہٖ ؕ وَہُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۴۱﴾﴾ ''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اس کے کناروں سے؟ اور اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے' کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اس کے حکم کو' اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

﴿اَفَہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''تو کیا (اب بھی وہ سمجھتے ہیں کہ) وہی غالب آنے والے ہیں؟''

یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کیا ان کا خیال ہے کہ اس کش مکش میں وہی جیتیں گے:

آیت ۴۵ ﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُکُمۡ بِالۡوَحۡیِ ۫ۖ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ میں تم لوگوں کو خبردار کرتا ہوں وحی کے ذریعے سے''

﴿وَلَا یَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنۡذَرُوۡنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''اور بہرے نہیں سنتے کسی پکار کو جب انہیں خبردار کیا جاتا ہے۔''

اگر آپ ایک بہرے کو چلا چلا کر خبردار کر رہے ہوں کہ تمہارے پیچھے سے ایک شیر تم پر حملہ آور ہونے جا رہا ہے تو وہ کہاں خود کو اس خطرے سے بچائے گا۔ یہی مثال ان منکرین کی ہے جو دعوتِ حق کی آواز سننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَلَئِنۡ مَّسَّتۡہُمۡ نَفۡحَۃٌ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّکَ لَیَقُوۡلُنَّ یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۴۶﴾﴾ ''اور اگر انہیں آپؐ کے رب کے عذاب کا ایک بھبکا بھی لگ جائے تو فوراً چیخ اٹھیں گے کہ ہائے ہماری شامت' ہم ہی ظالم تھے۔''

یہی لوگ جواب اکڑ اکڑ کر باتیں کرتے ہیں اور آپؐ پر طنز و استہزاء کے تیر برساتے ہیں' عذابِ الٰہی کا ایک جھٹکا بھی نہیں سہہ سکیں گے اور دہائی مچانا شروع کر دیں گے کہ قصوروار ہم خود ہی تھے۔

آیت ۴۷ ﴿وَنَضَعُ الۡمَوَازِیۡنَ الۡقِسۡطَ لِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَیۡئًا ؕ﴾ ''اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کی میزانیں لا کر رکھ دیں گے' پھر کسی جان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

﴿وَاِنۡ کَانَ مِثۡقَالَ حَبَّۃٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَیۡنَا بِہَا ؕ﴾ ''اگر ہو گا کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر

بھی تو اسے ہم لے آئیں گے۔''

﴿ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ ﴾ ''اور حساب لینے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

اس سلسلے میں ہمیں کسی مددگار کی ضرورت نہیں ہوگی۔

آیت ۴۸ ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ اور ہارونؑ کو عطا کی تھی فرقان (کتاب)، روشنی اور نصیحت متقین کے لیے۔''

آیت ۴۹ ﴿ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ ﴾ ''جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے ربّ سے غیب میں (ہونے کے باوجود) اور وہ قیامت (کے تصور) سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ ﴾ ''اور اب یہ بابرکت ذکر (قرآن) ہم نے نازل کیا ہے۔''

اس سے پہلے ہم نے تورات نازل کی جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی تھی، اس میں مؤمنین متقین کے لیے روشنی اور نصیحت بھی تھی، اور اب ہم نے اپنا بابرکت کلام قرآن کی صورت میں نازل کیا ہے۔

﴿ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ﴾ ''تو کیا تم اس کا انکار کر رہے ہو؟''

آیات ۵۱ تا ۷۵

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ
التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ
رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ
لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا
فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝
قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ
اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى
رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝
قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى
اِبْرٰهِيْمَ ۝ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

بٰرَکۡنَا فِیۡہَا لِلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ وَہَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ ؕ وَ یَعۡقُوۡبَ نَافِلَۃً ؕ وَ کُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِیۡنَ ﴿۷۲﴾
وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءَ
الزَّکٰوۃِ ۚ وَ کَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ ﴿ۙ۷۳﴾ وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰہُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا وَّ نَجَّیۡنٰہُ مِنَ الۡقَرۡیَۃِ الَّتِیۡ کَانَتۡ
تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِیۡنَ ﴿ۙ۷۴﴾ وَ اَدۡخَلۡنٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّہٗ مِنَ
الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵

آیت ۵۱ ﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ رُشۡدَہٗ مِنۡ قَبۡلُ وَ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیۡنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''اور (موسیٰؑ سے بھی) پہلے ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی سعادت کی راہ بخشی تھی اور ہم ہر طرح سے اس کی خبر رکھتے تھے۔''

ان آیات میں بڑی عمدگی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؑ کی قوم کے درمیان ہونے والی کش مکش کی تفصیل بیان ہو رہی ہے:

آیت ۵۲ ﴿اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَ قَوۡمِہٖ مَا ہٰذِہِ التَّمَاثِیۡلُ الَّتِیۡۤ اَنۡتُمۡ لَہَا عٰکِفُوۡنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''جب ابراہیمؑ نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے لیے تم لوگ اعتکاف کیے رہتے ہو!''

ذرا ان پتھر کی خود تراشیدہ مورتیوں کی اصلیت اور حقیقت تو بیان کرو جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو اور جن کے گیان دھیان میں لگے رہتے ہو!

آیت ۵۳ ﴿قَالُوۡا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَہَا عٰبِدِیۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء واَجداد کو (اسی طرح سے) ان کی عبادت کرتے پایا تھا۔''

آیت ۵۴ ﴿قَالَ لَقَدۡ کُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمۡ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۴﴾﴾ ''ابراہیمؑ نے کہا: پھر تو تم بھی اور تمہارے آباء واَجداد بھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

آپؑ نے علی الاعلان حق بات سب کے سامنے کہہ دی۔

آیت ۵۵ ﴿قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِیۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''وہ کہنے لگے کہ کیا آپؑ واقعی ہمارے پاس حق لائے ہیں یا محض شغل کر رہے ہیں؟''

یعنی کیا آپؑ اس بات میں واقعی سنجیدہ ہیں اور آپؑ کا یہ دعویٰ ٹھوس علمی حقائق پر مبنی ہے یا ویسے ہی تفریح طبع کے لیے باتیں بنا رہے ہیں؟

آیت ۵۶ ﴿قَالَ بَلۡ رَّبُّکُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ الَّذِیۡ فَطَرَہُنَّ ۫ۖ﴾ ''ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ نہیں، بلکہ فی الواقع تمہارا ربّ وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، جس نے انہیں پیدا کیا ہے''

﴿وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور میں خود بھی اس پر گواہ ہوں!''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ بات کہہ رہا ہوں، مجھے اس میں ذرا بھی شک

نہیں۔ حضور ﷺ کو بھی اپنی دعوت کے سلسلے میں بالکل اسی طرح قطعی الفاظ میں اعلان کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ﴾ (یوسف: ۱۰۸) ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے' میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ' میں خود بھی اور وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں۔''

آیت ۵۷ ﴿وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝﴾ ''اور اللہ کی قسم! میں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ضرور کوئی چال چل کے رہوں گا' جبکہ تم چلے جاؤ گے پیٹھ موڑ کر۔''

جیسے ہندوؤں کے ہاں جنم اشٹمی کا میلہ ہوتا ہے ایسے ہی ان لوگوں کا بھی کوئی تہوار تھا جس میں وہ سب کسی کھلے میدان میں جا کر پوجا پاٹ کرتے تھے۔ جب وہ دن آیا تو ان کے چھوٹے بڑے' مرد عورتیں سب مقررہ مقام پر چلے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ ان کے ساتھ نہیں گئے: ﴿فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ۝﴾ (الصّٰفٰت) ''انہوںؑ نے کہا کہ میری طبیعت ناساز ہے''۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ چنانچہ جب شہر خالی ہو گیا تو آپؑ ایک تیشہ ہاتھ میں لے کر ان کے بت خانے میں گھس گئے:

آیت ۵۸ ﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾ ''تو آپؑ نے ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا' سوائے ان کے بڑے کے' شاید کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔''

آپؑ نے سب سے بڑے بُت کو چھوڑ کر باقی تمام بُتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد آپؑ نے اپنا تیشہ بھی اس بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تاکہ وہ آکر دیکھیں تو سب سے بڑا بت صحیح سالم کھڑا ہو' باقی سب کے سب تیشے کا شکار ہوئے پڑے ہوں' آلہ واردات بھی اسی بڑے کے پاس سے برآمد ہو اور یوں واقعاتی شہادت (circumstancial evidence) کی حد تک اس کے خلاف اِتمامِ حجت بھی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے واپس آکر اپنے بتوں کا حال دیکھا تو:

آیت ۵۹ ﴿قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ''وہ چِلّا اُٹھے: کس نے کیا ہے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ؟ وہ تو یقیناً کوئی بہت ہی ظالم ہے!''

ذرا تصور کریں' آج اگر بنارس یا متھرا (بھارت) میں ایسا کوئی واقعہ رونما ہو جائے تو کیسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ ایسے ہی اس واقعہ سے شہرِ اُر پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔

آیت ۶۰ ﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝﴾ ''کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں (غلط) باتیں کرتے سنا تھا' جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔''

ابراہیمؑ ہی ان کے بارے میں زبان درازی کرتا ہوا سنا گیا تھا کہ ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے' انہیں خواہ مخواہ معبود بنا لیا گیا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ شاید اسی نے یہ حرکت کی ہو!

آیت ۶۱ ﴿قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓي اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝﴾ ''لوگوں نے کہا کہ پھر لاؤ اس کو سب کے سامنے تاکہ وہ گواہی دیں۔''

تا کہ جن لوگوں کے سامنے اس نے گستاخانہ گفتگو کی تھی وہ اسے پہچان کر گواہی دے سکیں کہ ہاں یہی ہے وہ شخص جو ہمارے معبودوں کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کرتا تھا اور جس نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں ضرور ان کے ساتھ کچھ چال چلوں گا۔ چنانچہ جب آپؑ کو سامنے لا کر تصدیق کر لی گئی تو:

آیت ۶۲ ﴿قَالُوْٓا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴾ ''انہوں نے پوچھا: اے ابراہیمؑ! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سب کچھ تم نے کیا ہے؟''

آیت ۶۳ ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ڰ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴾ ''آپؑ نے جواب دیا: بلکہ یہ ان کے اس بڑے نے کیا ہے، تم پوچھ دیکھو ان سے اگر یہ بولتے ہوں۔''

یہ جھوٹ نہیں بلکہ ''توریہ'' کا ایک انداز ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ نہیں سمجھتے تھے کہ میری اس بات کو وہ لوگ سچ سمجھ لیں گے اور وہ لوگ بھی خوب سمجھ رہے تھے کہ ان سے ایسے کیوں کہا جا رہا ہے۔ بہر حال آپؑ کا مقصد انہیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے اور سوچنے پر مجبور کرنا تھا۔

آیت ۶۴ ﴿فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اس پر انہوں نے اپنے اندر ہی اندر سوچا اور (خود کلامی کرتے ہوئے) کہنے لگے کہ یقیناً تم خود ہی ظالم ہو۔''

یہ گویا ان کے ضمیر کی آواز تھی کہ ابراہیمؑ کی بات ہے تو درست! ظالم تو تم خود ہو جو ان بے جان جسموں کو معبود سمجھتے ہو، جو خود اپنا دفاع بھی نہ کر سکے اور اب یہ بتانے سے بھی معذور ہیں کہ ان کی یہ حالت کس نے کی ہے؟

آیت ۶۵ ﴿ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ﴾ ''پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے کر دیے گئے''

ایک لمحے کے لیے دلوں میں یہ خیال تو آیا کہ ابراہیمؑ کی بات درست ہے اور ہم غلط ہیں، مگر جاہلانہ حمیت و عصبیت کے ہاتھوں ان کی عقلیں پھر سے اوندھی ہو گئیں اور پھر سے وہ ان بے جان بتوں کا دفاع کرنے کی ٹھان کر بولے کہ ان سے ہم کیا پوچھیں:

﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ﴾ ''تم تو جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے!''

آیت ۶۶ ﴿قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴾ ''ابراہیمؑ نے کہا: تو کیا تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تو تمہیں کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی تمہارا کچھ نقصان کر سکتی ہیں؟''

آیت ۶۷ ﴿اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''تف ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۶۸ ﴿قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا: جلا ڈالو اسے اور مدد کرو اپنے معبودوں کی! اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔''

چنانچہ انہوں نے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ تیار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا۔

آیت ۶۹ ﴿قُلۡنَا یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ ﴿۶۹﴾﴾ ''ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر۔''

یہاں یہ نکتہ ذہنوں میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ فطرت کے قوانین اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اور اللہ جب چاہے انہیں تبدیل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت ان قوانین سے بالاتر ہے' ان کی پابند نہیں۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ قوانین بہت محکم ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں روز روز تبدیل نہیں کرتا۔ اگر یہ محکم اور مستقل نہ ہوتے تو نہ سائنس کا کوئی تصور ہوتا' نہ کوئی ٹیکنالوجی وجود میں آ سکتی۔ تمام سائنسی ایجادات اور ٹیکنالوجیز طبعی اور کیمیائی تبدیلیوں (Physical and Chemical Changes) کے قوانین کے محکم اور مستقل ہونے کے باعث ہی وجود میں آئی ہیں۔ البتہ یہ سمجھنا کہ اللہ خود بھی ان قوانین کو نہیں توڑ سکتا ایک کھلی حماقت ہے' اور پچھلی صدی میں ہمارا پڑھا لکھا طبقہ اسی حماقت کا شکار رہا۔ سرسید احمد خان نے اسی سوچ کے تحت ہر معجزے کی کوئی نہ کوئی سائنٹفک توجیہہ کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ معجزے کے بجائے فطری عمل کا حصہ (natural phenomenon) نظر آئے۔ مثلاً انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کے پھٹنے کا انکار کرتے ہوئے اس کی تعبیر اس طرح کی کہ یہ سب کچھ مدوجزر کے عمل کے سبب ہوا تھا۔ 'جزر' کے سبب جب سمندر کا پانی پیچھے ہٹا ہوا تھا تو حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکل گئے' مگر جب فرعون اپنے لشکر کے ساتھ گزر رہا تھا تو اس وقت سمندر 'مد' پر آ گیا جس کی وجہ سے وہ سب غرق ہو گئے۔ اس سوچ کے پس منظر میں بہرحال یہ غلط عقیدہ کارفرما ہے کہ قوانینِ فطرت اٹل ہیں اور وہ تبدیل نہیں ہوتے۔ اس کے مقابلے میں درست عقیدہ یہ ہے کہ قوانینِ فطرت محکم' مستقل اور مضبوط ہیں مگر اٹل نہیں ہیں۔ اللہ جب چاہے کسی قانون کو ختم کر دے یا تبدیل کر دے ——— اور اسی کا نام معجزہ ہے۔

آیت ۷۰ ﴿وَ اَرَادُوۡا بِہٖ کَیۡدًا﴾ ''اور انہوں نے ارادہ کیا اُسؑ کے ساتھ ایک چال چلنے کا''

ان الفاظ پر میں ایک طویل عرصے تک غور کرتا رہا کہ اس سارے منصوبے میں ان کی ''چال'' آخر کون سی تھی مگر مجھے کچھ سمجھ نہ آیا۔ پھر یکایک ذہن اس خیال کی طرف منتقل ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہ لوگ درحقیقت ڈرانا چاہتے تھے' جلانا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے آپؑ کو آپؑ کے موقف سے ہٹانے کے لیے انتہائی خوفناک دھمکی دی تھی (حَرِّقُوۡہُ) کہ اسے جلا ڈالو! ان کا خیال تھا کہ ابھی تو یہ بڑے بہادر بنے ہوئے ہیں' بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں' مگر جب انہیں آگ کے ہیبت ناک الاؤ کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا جائے گا تو ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے' اور آپؑ جان بچانے کے لیے توبہ پر آمادہ ہو جائیں گے۔ یوں انہوں نے آپؑ کے خلاف چال چلی مگر یہ چال انہیں الٹی پڑ گئی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

﴿فَجَعَلۡنٰہُمُ الۡاَخۡسَرِیۡنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''لیکن ہم نے انہی کو کر دیا خسارا اٹھانے والے۔''

وہ اپنی چال میں ناکام ہو گئے۔

آیت ۷۱ ﴿وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور ہم ابراہیمؑ کو اور لوطؑ کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں سب جہان والوں کے لیے۔''

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ وہؑ آپؑ پر ایمان لے آئے۔ پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ آپؑ لوگ عراق کے مشرقی علاقے کے راستے سے ہوتے ہوئے شام پہنچے۔ درمیان میں چونکہ شرقِ اردن وغیرہ کا علاقہ ناقابلِ عبور صحرا پر مشتمل تھا اس لیے شام کے شمالی علاقے سے ہوتے ہوئے اور پھر نیچے کی طرف سفر کرتے ہوئے فلسطین پہنچے اور وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔

آیت ۷۲ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ﴾ ''اور ہم نے اس کو اسحاقؑ عطا فرمایا اور یعقوبؑ اس پر مزید۔''

اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو اسحاق علیہ السلام جیسا بیٹا اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا۔

﴿وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴾ ''اور ان سب کو ہم نے صالح بنایا۔''

آیت ۷۳ ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ ''اور ہم نے انہیں امام بنا دیا' جو ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم سے''

یعنی لوگوں کی راہنمائی اور راہبری کرتے تھے۔

﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ﴾ ''اور ہم نے انؑ کی طرف وحی کی نیک کام کرنے' نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی۔''

﴿وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾ ''اور وہ سب کے سب ہماری بندگی کرنے والے تھے۔''

یہاں آپ کو کچھ انبیاء کا تذکرہ اور ان کے اوصاف پر مشتمل آیات کا گلدستہ دیکھنے کو ملے گا۔ اس ضمن میں یہ بھی مدنظر رہے کہ اس سورۃ میں تمام انبیاء کا ذکر انباء الرسل کی بجائے قصص النبیین کے انداز میں ہوا ہے۔

آیت ۷۴ ﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ''اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا فرمایا''

حکم سے حکمت' فہم اور قوتِ فیصلہ مراد ہے۔

﴿وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ﴾ ''اور ہم نے اسے نجات دی اس بستی سے جو گندے کام کرتی تھی۔''

یعنی اس بستی کے لوگ گندے کاموں میں مبتلا تھے۔

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴾ ''یقیناً وہ نہایت برے اور نافرمان لوگوں کی قوم تھی۔''

آیت ۷۵ ﴿وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''اور لوطؑ کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ (ہمارے) صالح بندوں میں سے تھا۔''

آیات ۷۶ تا ۹۴

وَنُوحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ
مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوٗدَ
وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾
فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ
وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا
بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ
وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا
وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ
فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ
عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا
تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ
اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِيْٓ
اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ
اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا
رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع ۶ ۱۸

آیت ۷۶ ﴿وَنُوحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ﴾ ''اور نوحؑ کو بھی (ہم نے اپنی ہدایت بخشی) جب اُسؑ نے دعا کی تھی اس سے پہلے تو ہم نے اس کی دعا قبول کی''

یہ اس دُعا کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ القمر میں نقل ہوئی ہے: ﴿فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾﴾ کہ پروردگار میں تو مغلوب ہو گیا ہوں، اب تو میری مدد فرما اور تو ہی ان کافروں سے انتقام لے۔ آپؑ کی یہ دعا قبول فرمائی گئی اور اس نافرمان قوم کو غرق کر دیا گیا۔

﴿فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾﴾ ''تو ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو بہت بڑے کرب سے۔''

آیت ۷۷ ﴿وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ﴾ ''اور ہم نے اُس کی مدد کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾﴾ ''یقیناً وہ بہت بُرے لوگ تھے' تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔''

آیت ۷۸ ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ﴾ ''اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کو (بھی یہی نعمت عطا فرمائی) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے' جب اس میں گھس گئی تھیں کچھ لوگوں کی بکریاں۔''

کسی شخص نے اپنی کھیتی میں بڑی محنت سے فصل تیار کی تھی مگر کسی دوسرے قبیلے کی بکریوں کے ریوڑ نے کھیت میں گھس کر تمام فصل تباہ کر دی۔ اب یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا۔

﴿وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾﴾ ''اور ہم ان کے فیصلے کے وقت وہاں موجود تھے۔''

آیت ۷۹ ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ﴾ ''تو ہم نے فہم عطا کر دیا اس (فیصلے) کا سلیمانؑ کو۔''

فیصلے کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شہزادے کی حیثیت سے دربار میں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے کا ایک حکیمانہ حل ان کے ذہن میں ڈال دیا۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس مسئلے کا حل یہ بتایا کہ بکریاں عارضی طور پر کھیتی والے کو دے دی جائیں' وہ ان کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے۔ دوسری طرف بکریوں کے مالک کو حکم دیا جائے کہ وہ اس کھیتی کو دوبارہ تیار کرے۔ اس میں ہل چلائے' بیج ڈالے' آبپاشی وغیرہ کا بندوبست کرے۔ پھر جب فصل پہلے کی طرح تیار ہو جائے تو اسے اس کے مالک کے سپرد کر کے وہ اپنی بکریاں واپس لے لے۔

﴿وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ؗ﴾ ''اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا تھا۔''

﴿وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ﴾ ''اور ہم نے مسخر کر دیا تھا داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (مسخر کر دیا تھا)۔''

حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز بہت اچھی تھی۔ اسی لیے لحن داؤدی کا تذکرہ آج بھی ضرب المثل کے انداز میں ہوتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش آواز میں زبور کے مزامیر (اللہ کی حمد کے نغمے) الاپتے تو پہاڑ بھی وجد میں آ کر آپؑ کی آواز میں آواز ملاتے تھے اور اڑتے ہوئے پرندے بھی ایسے مواقع پر ان کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔

﴿وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾﴾ ''اور یہ سب کچھ کرنے والے ہم ہی تھے۔''

ظاہر ہے یہ سب اللہ ہی کی قدرت کے عجائبات تھے۔

آیت ۸۰ ﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ﴾ ''اور ہم نے انہیں تمہارے لیے لباس کی صنعت سکھائی''

یہاں لباس سے مراد جنگی لباس یعنی زرہ بکتر ہے۔ گویا زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور انہیں یہ ہنر براہِ راست سکھایا تھا۔

﴿لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝۸۰﴾ ''تاکہ وہ تمہیں بچائے تمہاری جنگ سے' تو کیا تم شکرگزار بنتے ہو؟''

جنگ کے دوران زرہ بکتر تلوار' نیزے اور تیروں سے ایک سپاہی کی حفاظت کرتی ہے۔

آیت ۸۱ ﴿وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ﴾ ''اور (ہم نے مسخر کر دیا تھا) سلیمانؑ کے لیے تیز چلنے والی ہوا کو' جو اُس کے حکم سے چلتی تھی اس سرزمین کی طرف کہ جس میں ہم نے برکت عطا کی تھی۔''

﴿وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝۸۱﴾ ''اور ہم تمام چیزوں کا علم رکھنے والے ہیں۔''

آیت ۸۲ ﴿وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ﴾ ''اور شیاطین میں سے (بھی ہم نے بہت سوں کو مسخر کر دیا تھا) جو اس کے لیے (سمندروں میں) غوطہ خوری کرتے تھے''

یعنی جنّات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سمندروں میں غوطے لگاتے تھے اور ان کی تہوں سے موتی اور دوسری مفید چیزیں نکال کر لاتے تھے۔

﴿وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ﴾ ''اور وہ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے کام بھی کرتے تھے۔''

﴿وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝۸۲﴾ ''اور ہم ہی ان پر نگران تھے۔''

گویا وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے تو یہ بھی ہماری ہی قدرت کا کمال تھا۔

آیت ۸۳ ﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ﴾ ''اور ایوب (پر بھی ہمارا فضل ہوا) جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا''

حضرت ایوب علیہ السلام بھی جلیل القدر نبی ہیں اور قرآن میں آپؑ کو صابر کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شدید بیماریوں کے ذریعے آپؑ کی آزمائش کی مگر آپؑ ہر حال میں صابر اور شاکر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''صبرِ ایوب'' ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ واضح رہے کہ شکوہ وشکایت اور جزع فزع صبر کے منافی ہے' جس کا اظہار آپؑ نے کبھی نہیں کیا' البتہ دعا صبر کے منافی نہیں ہے۔

﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۸۳﴾ ''کہ مجھے بہت زیادہ تکلیف پہنچی ہے اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۸۴ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ﴾ ''تو ہم نے اُس کی دعا قبول کی اور اُس کو جو تکلیف

تھی اسے دور کر دیا"

آپؑ ایک ایسی بیماری میں مبتلا تھے جس سے آپؑ کی جلد میں تعفّن پیدا ہو جاتا تھا۔ زخموں اور پھوڑوں سے بدبو آتی تھی جس کی وجہ سے آپؑ کے اہل خانہ تک آپؑ کو چھوڑ گئے تھے۔

﴿وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ﴾ "اور ہم نے اسے عطا کیے اُس کے گھر والے اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی۔"

یعنی آپؑ کے اہل خانہ بھی آپؑ کے پاس واپس آ گئے اور آپؑ کو اتنی ہی مزید اولاد بھی عطا فرمائی۔

﴿رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾﴾ "اپنی طرف سے خاص رحمت کے طور پر اور تاکہ نصیحت (یاددہانی) ہو عبادت کرنے والوں کے لیے۔"

آیت ۸۵ ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾﴾ "اور (اسی طرح) اسماعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ (پر بھی ہم نے فضل کیا)۔ وہ سب صابرین میں سے تھے۔"

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر سورۂ مریم کی آیت ۵۶ کے ضمن میں بھی آ چکا ہے کہ آپؑ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اور حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے تھے۔ ان سے قبل حضرت شیث علیہ السلام کی بعثت بھی ہو چکی تھی۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے بارے میں کہیں سے کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں کہ آپؑ کب اور کس علاقے میں مبعوث ہوئے۔ احادیث میں بھی آپؑ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ موجودہ دور کے ایک عالم اور محقق مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا خیال ہے کہ ذوالکفل سے مراد گوتم بدھ ہیں اور یہ کہ گوتم بدھ اللہ کے نبی تھے۔ ان کے اس دعویٰ کے بارے میں یقین سے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس سلسلے میں مولانا کے دلائل میں بہرحال بہت وزن ہے۔ گوتم بدھ کے بارے میں تاریخی اعتبار سے ہمیں اس قدر معلومات ملتی ہیں کہ وہ ریاست "کپل وستو" کے شہزادے تھے۔ مولانا کے مطابق "کپل" ہی دراصل "کِفل" ہے یعنی ہندی کی "پ" عربی کی "ف" سے بدل گئی ہے۔ اس طرح ذوالکفل کا مطلب ہے: "کِفل (کپل) والا"۔ یعنی کپل ریاست کا والی (سدھارکا بدھا یا گوتم بدھا)۔

آج جو عقائد گوتم بدھ سے منسوب کیے جاتے ہیں، ان میں یقیناً بہت کچھ تحریف بھی شامل ہو چکی ہوگی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی آپؑ کے پیروکاروں نے بہت سے من گھڑت عقائد شامل کر لیے ہیں۔ ممکن ہے کہ گوتم بدھ کی اصل تعلیمات الہامی ہی ہوں اور بعد کے زمانے میں ان میں تحریف کر دی گئی ہو۔ بہرحال میں سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں مولانا مناظر احسن گیلانی کے دلائل کافی معقول اور ٹھوس ہیں۔

آیت ۸۶ ﴿وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾﴾ "اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ یقیناً وہ سب صالحین میں سے تھے۔"

آیت ۸۷ ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا﴾ "اور مچھلی والے کو بھی (ہم نے نوازا) جب وہ چل دیا غصے میں بھرا ہوا"

یعنی حضرت یونس علیہ السلام۔ آپؑ کو "مچھلی والا" اس لیے فرمایا گیا ہے کہ آپؑ کو مچھلی نے نگل لیا تھا۔ آپؑ کو شہر

نینوا کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔ آپؑ نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا۔ آپؑ نے بار بار دعوت دی' ہر طرح سے تبلیغ و تذکیر کا حق ادا کیا' مگر اس قوم نے آپؑ کی کسی بات کو نہ مانا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپؑ حمیتِ حق کے جوش میں قوم سے برہم ہو کر ان کو عذاب کی خبر سنا کر وہاں سے نکل آئے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر آپؑ سے ایک ''سہو'' سرزد ہو گیا کہ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت آنے سے پہلے ہی اپنے مقامِ بعثت سے ہجرت کر لی' جبکہ اللہ کی باقاعدہ اجازت کے بغیر کوئی رسول اپنے مقامِ بعثت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اسی اصول اور قانون کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تمام مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی' مگر آپؐ نے خود اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ اس کی اجازت نہیں مل گئی۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے قوانین بہت سخت ہیں اور اللہ کے مقرب بندوں کا معاملہ تو اللہ کے ہاں خصوصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان آیات کا مطالعہ اور ترجمہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ معاملہ اللہ عزوجل اور اس کے ایک جلیل القدر رسولؑ کے مابین ہے۔ اسے ہم الفاظ کے بظاہر مفہوم پر محمول نہیں کر سکتے۔ حضرت یونس علیہ السلام وہ رسول ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یونس ابن متیٰؑ پر بھی فضیلت نہ دو''۔ بہرحال حضرت یونس علیہ السلام حمیتِ حق کے باعث اپنی قوم پر غضبناک ہو کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ ''اور اُس نے گمان کیا کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکیں گے''

واللہ اعلم! یہ الفاظ بہت سخت ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ' یونس علیہ السلام فی الواقع ایسا سمجھتے تھے کہ وہ بستی سے نکل کر گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہی نکل گئے' بلکہ آپؑ کے طرزِ عمل سے یوں لگتا تھا۔ یعنی صورت حال ایسی تھی کہ دیکھنے والا یہ سمجھ سکتا تھا کہ شاید آپؑ نے ایسا سمجھا تھا کہ اللہ ان کو پکڑ نہیں سکے گا' لیکن ظاہر ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں کہ حضرت یونسؑ کے دل میں ایسا کوئی خیال گزرا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کامل بندوں کی ادنیٰ ترین لغزش کا ذکر بھی بہت سخت پیرایہ میں کرتا ہے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے کاملین کی تنقیص نہیں ہوتی' بلکہ جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے کہ اتنے بڑے ہو کر ایسی چھوٹی سی فروگزاشت بھی کیوں کرتے ہیں! ع ''جن کے رُتبے ہیں سوا' اُن کی سوا مشکل ہے!''

﴿فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ﴾ ''پس اُس نے (اللہ تعالیٰ کو) تاریکیوں کے اندر پکارا''

آپؑ اپنے علاقے سے نکلنے کے بعد ایک کشتی میں سوار ہوئے اور وہاں ایسی صورت حال پیدا ہوئی کہ آپؑ کو دریا میں چھلانگ لگانا پڑی اور ایک بڑی مچھلی نے آپؑ کو نگل لیا۔ مچھلی کے پیٹ اور قعرِ دریا کی تاریکیوں میں آپؑ تسبیح کرتے اور اللہ کو پکارتے رہے:

﴿اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ ''کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تُو پاک ہے اور یقیناً میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔''

اے اللہ! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے' میں خطا کار ہوں' تو مجھے معاف کر دے! یہ آیت ''آیت کریمہ'' کہلاتی ہے۔ روایات میں اس آیت کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں۔ کسی مصیبت یا پریشانی کے وقت یہ دعا صدقِ دل سے مانگی جائے تو کبھی قبولیت سے محروم نہیں رہتی۔

آیت ۸۸ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ﴾ ''تو ہم نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور اُسے غم سے نجات دی۔''

﴿وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۸۸﴾ ''اور اسی طرح ہم نجات دیا کرتے ہیں اہل ایمان کو۔''

یعنی یہ معاملہ حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جو اہل ایمان بھی ہم کو اسی طرح پکاریں گے ہم ان کو مصائب سے نجات دیں گے۔

آیت ۸۹ ﴿وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ﴾ ''اور زکریاؑ کو' جب اُس نے پکارا اپنے رب کو''

اس بارے میں تفصیل سورۂ مریم میں گزر چکی ہے۔

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۸۹﴾ ''پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ' اور یقیناً تُو ہی بہترین وارث ہے۔''

اے میرے پروردگار! مجھے کوئی ایسا وارث عطا فرما جو میرے اس مشن کو زندہ رکھ سکے۔

آیت ۹۰ ﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ﴾ ''تو ہم نے اُس کی دعا قبول فرمائی اور اسے' یحییٰ علیہ السلام (جیسا بیٹا) عطا فرمایا اور اس کی بیوی کو اُس کے لیے صحت مند بنا دیا۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ﴾ ''یقیناً یہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں میں بہت جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے رغبت اور خوف سے۔''

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ بین الخوف والرجاء (خوف اور امید کے درمیان) والا ہوتا تھا۔ اللہ کے مواخذے سے ڈرتے بھی تھے اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے تھے۔

﴿وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۹۰﴾ ''اور وہ سب ہمارے سامنے عاجزی اختیار کرنے والے تھے۔''

اوصافِ انبیاءؑ کے اس خوبصورت گلدستے کے آخر میں اب حضرت مریم (سلامٌ علیہا) کا ذکر آ رہا ہے۔

آیت ۹۱ ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ ''اور وہ خاتون جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی''

یعنی پوری طرح سے پاک دامن رہیں۔

﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾ ''تو ہم نے اس میں پھونک دیا اپنی روح سے''

یعنی حرفِ ''کُن'' بیٹے کی پیدائش کا ذریعہ بن گیا۔

﴿وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۹۱﴾ ''اور ہم نے اُسے اور اُس کے بیٹے کو ایک نشانی بنا دیا تمام جہان والوں کے لیے۔''

آیت ۹۲ ﴿اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''یقیناً یہ تمہاری امت' ایک ہی امت ہے''

اُمتِ ابراہیمؑ' امتِ اسماعیلؑ' اُمتِ موسٰیؑ' اُمتِ عیسٰیؑ' اُمتِ محمد ﷺ اور دوسرے تمام انبیاء کی اُمتیں بنیادی طور پر ایک ہی دین کی پیروکار تھیں اور یوں تمام انبیاء اور ان کے پیروکار گویا ایک ہی امت کے افراد تھے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرۃ' آیت ۲۱۳ میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ یعنی شروع میں تمام انسان ایک ہی امت تھے اور ایک ہی دین کے ماننے والے تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی اپنی سوچ اور اپنے اپنے مفادات کے مطابق صراطِ مستقیم میں سے پگڈنڈیاں نکال لیں' مختلف گروہوں نے نئے راستے بنا لیے اور ان غلط راستوں پر وہ اتنی دور چلے گئے کہ اصل دین مسخ ہو کر رہ گیا اور اب ان مختلف گروہوں کے نظریات کی یہ مغائرت اس حد تک بڑھ چکی ہے ؏ ''کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!''

یعنی آج بہت سے مذاہب کی اصلی شکل کو پہچاننا بھی ممکن نہیں رہا۔ ان کے بگڑے ہوئے عقائد کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ کبھی ان کا تعلق بھی دینِ حق سے تھا۔ بہرحال حقیقت یہی ہے کہ تمام انبیا و رسل علیہم السلام کا تعلق ایک ہی امت سے تھا۔ وہ سب ایک ہی اللہ کو ماننے والے تھے اور سب ایک ہی دین لے کر آئے تھے' البتہ مختلف انبیاء کی شریعتوں کے تفصیلی احکامات میں باہم فرق پایا جاتا رہا ہے۔ یہ مضمون مزید وضاحت کے تحت سورۃ الشوریٰ میں آئے گا۔

﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝۹۲﴾ ''اور میں ہی تم سب کا رب ہوں' لہٰذا تم لوگ میری ہی بندگی کرو!''

آیت ۹۳ ﴿وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ﴾ ''اور انہوں نے اپنے معاملے کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔''

بقول اقبالؔ:

اُڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

یہ مضمون سورۃ الحجر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝۹۰ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۲﴾ ''(یہ اسی طرح کی تنبیہہ ہے) جس طرح ہم نے ان تفرقہ بازوں کی طرف بھیجی تھی۔ جنہوں نے اپنے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تو (اے محمد ﷺ) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے''۔ اس کیفیت کی عملی تصویر آج اُمتِ مُسلمہ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آج ہمارے ہاں صورتِ حال یہ ہے کہ ہر جماعت' گروہ یا مسلک کے پیروکاروں نے قرآن کا کوئی ایک موضوع اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک بس اسی کی اہمیت ہے اور وہی کُل دین ہے۔ مثلاً ایک گروہ قرآن میں سے چُن چُن کر صرف ان آیات کو اپنی تحریر و تقریر کا موضوع بناتا ہے جن میں حضور ﷺ کی رفعتِ شان اور محبت کا تذکرہ ہے۔ گویا انہوں نے قرآن کا صرف وہ حصہ اپنے لیے الاٹ کرا لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الکہف: ۱۱۰) اور اس سے ملتے جلتے مضامین کی آیات پر ڈیرہ ڈال کر حضور ﷺ کی بشریت کو نمایاں کرنے اور مشرکانہ اوہام کی نفی کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اگر کوئی

گروہ اولیاء اللہ اور صوفیاء سے عقیدت کا دعوے دار ہے تو ان کی ہر گفتگو اور تقریر کا محور ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ (یونس) ہی ہوتا ہے۔ الغرض ہر گروہ کے ہاں کتاب اللہ کی چند آیات پر زور ہے اور باقی تعلیمات کی طرف کوئی توجہ نہیں۔ چنانچہ آج کے اس دور میں قرآن کو ایک وحدت کی حیثیت سے پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے' جس کے لیے ہر صاحبِ علم کو استطاعت بھر کوشش کرنی چاہیے۔

﴿کُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''یہ سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ ۚ﴾ ''تو جو کوئی بھی نیک عمل کرے گا اور وہ مؤمن بھی ہوگا تو اس کی سعی وکوشش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔''

اللہ تعالیٰ ''الشّکور'' (قدردان) ہے۔ اگر کسی کے دل میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت موجود ہے تو اس کے اخلاص اور ایثار کے مطابق اس کے ہر نیک عمل کی جزا دی جائے گی۔ ایسے کسی شخص کے چھوٹے سے عمل کی بھی ناقدری نہیں کی جائے گی۔

رہے وہ لوگ جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے لیکن نیکی اور بھلائی کے مختلف کام بھی کرتے ہیں تو اللہ کو ان کے ایسے کسی عمل سے کوئی سروکار نہیں۔ بہرحال جو کوئی بھی نیکی کا کوئی کام اللہ کی رضا اور آخرت کے اجر کی نیت کے بجائے محض دکھاوے یا کسی اور غرض کی بنا پر کرے گا تو اسے اس کا کوئی اجر آخرت میں نہیں ملے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص الیکشن لڑنا چاہتا ہے اور اس کے لیے گھر گھر جا کر خیرات بانٹ رہا ہے تو اس کے اس عمل کے پیچھے اس کا خاص مقصد اور مفاد ہے نہ کہ اللہ کی رضا۔ لہٰذا اللہ کے ہاں ایسا کوئی بھی عمل قابل قبول نہیں ہے۔

﴿وَاِنَّا لَہٗ کٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾﴾ ''اور ہم اُس کے لیے (اس کے اعمال کو) لکھ رہے ہیں۔''

خالص ہماری رضا کے حصول کے لیے یا ہمارے دین کی سربلندی کے لیے جو جہاں اور جب کوئی عمل انجام پا رہا ہے ہم اسے اپنے ہاں لکھ رہے ہیں تا کہ ایسے ہر ایک عمل کا پورا پورا اجر دیا جائے۔

آیات ۹۵ تا ۱۱۲

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ
وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّکُمْ وَمَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَھَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ کَانَ ھٰٓؤُلَآءِ اٰلِھَۃً مَّا
وَرَدُوْھَا ۭ وَکُلٌّ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّھُمْ فِیْھَا لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ
سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا ۚ وَھُمْ فِیْ مَا
اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ۭ ھٰذَا

يَوۡمُكُمُ الَّذِيۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ يَوۡمَ نَطۡوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ
اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا عَلَيۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ۝ وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ
الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوۡنَ ۝ اِنَّ فِيۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِيۡنَ ؕ ۝ وَمَاۤ
اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّمَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ
مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِيۡۤ اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا
تُوۡعَدُوۡنَ ۝ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ۝ وَاِنۡ اَدۡرِيۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ
لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ۝ قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا
تَصِفُوۡنَ ۝ ع ۱۹

آیت ۹۵ ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۝۹۵﴾ ''اور حرام ہے ہر اُس بستی پر جس کو ہم نے ہلاک کیا کہ (وہ لوٹ آئیں) اب وہ لوٹنے والے نہیں ہیں۔''

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جن بستیوں پر اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا تھا' وہاں کے لوگ نبی یا رسول کے آنے کے بعد بھی کفر وشرک سے لوٹنے والے نہیں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اتمامِ حجت کے لیے رسول تو بھیج دیتا تھا' لیکن اس کو خوب معلوم تھا کہ کفر وشرک سے ان لوگوں کے رجوع کرنے اور ایمان لانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ کے عذاب سے جو بستی ایک دفعہ برباد ہو گئی پھر اس کے دوبارہ آباد ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

آیت ۹۶ ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتۡ يَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ وَهُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ يَّنۡسِلُوۡنَ ۝۹۶﴾ ''یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یاجوج اور ماجوج' اور وہ ہر اونچائی کے اوپر سے پھسلتے ہوئے چلے آئیں گے۔''

قرآن میں یاجوج اور ماجوج کا ذکر اس آیت کے علاوہ سورۃ الکہف میں بھی آیا ہے۔ سورۃ الکہف کے مطالعے کے دوران اس موضوع پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ یاجوج اور ماجوج کی یلغار سے بچاؤ کے لیے ذوالقرنین کی تعمیر شدہ دیوار سے متعلق بہت واضح معلومات دنیا کے سامنے آ چکی ہیں۔ دنیا کے نقشے میں ''دربند'' وہ جگہ ہے جہاں پر وہ دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ دیوار اب وہاں بالفعل تو قائم نہیں' مگر اس کے واضح آثار اس جگہ پر موجود ہیں۔ ان آثار سے دیوار کی dimensions کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔

آیت زیر نظر سے واضح ہوتا ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں یاجوج اور ماجوج کا سیلاب ایک بار پھر آنے والا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے دوران یورپی اقوام کی یلغار (colonization) بھی اس آیت کا مصداق ہے جس کے نتیجے میں انہوں نے پورے ایشیا اور افریقہ پر بتدریج قبضہ جما لیا تھا۔ یعنی ایک ہی وقت میں فرانسیسی' ولندیزی اور برطانوی اقوام نے ملایا' انڈونیشیا' ہندوستان سمیت پورے ایشیا اور افریقہ کو غلام بنا لیا تھا۔ یہ تمام لوگ سکنڈے نیوین ممالک سے اتری ہوئی اقوام

کی نسل سے تھے‘ جن کو Nordic Races کہتے ہیں اور یورپ کے White Anglo Saxons لوگ بھی انہیں کی اولاد سے ہیں۔ دراصل یہی وہ اقوام ہیں جو مختلف ادوار میں مہذّب دنیا پر حملہ آور ہو کر ظلم و ستم اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتی رہی ہیں۔ علامہ اقبال نے بھی اپنے اس شعر میں یورپی اقوام کے اس نو آبادیاتی استعمار (colonization) کو یاجوج اور ماجوج کے تسلط سے تعبیر کیا ہے: ؎

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ یَنْسِلُوْن!

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بظاہر ان اقوام کی افواج کو ان مقبوضہ ممالک سے نکلنا پڑا‘ لیکن بالواسطہ طور پر وہ اپنے کٹھ پتلی اداروں اور افراد کے ذریعے ان ممالک پر مسلسل اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ورلڈ بینک‘ آئی ایم ایف اور بہت سے دیگر ملٹی نیشنل ادارے ان کے آلۂ کار ہیں۔

البتہ احادیث میں قربِ قیامت کے زمانے کے حالات و واقعات کی جو تفصیل ملتی ہے اس کے مطابق قیامت سے قبل ایک دفعہ پھر یاجوج اور ماجوج کا سیلاب آئے گا۔ ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ قربِ قیامت کے زمانے میں ایک بہت خوفناک جنگ (احادیث میں اس کا نام اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰی‘ جبکہ عیسائی روایات میں Armageddon بتایا گیا ہے) ہو گی جس میں یہودی اور عیسائی مسلمانوں کے مقابل ہوں گے۔ فلسطین‘ شام اور مشرقِ وسطیٰ کا علاقہ بنیادی طور پر میدانِ جنگ بنے گا‘ جس کی وجہ سے اس علاقے میں بہت بڑی تباہی پھیلے گی۔ اسی زمانے میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہو گا۔ امام مہدی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اس سے پہلے خراسان اور مشرقی ممالک میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو گی اور ان علاقوں سے مسلمان افواج مشرقِ وسطیٰ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لیے جائیں گی۔ اس جنگ میں بالآخر فتح مسلمانوں کی ہو گی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معجزانہ تائید ہو گی‘ جس سے آپؑ یہودیوں کو ختم کر دیں گے۔ آپؑ کی آنکھوں میں ایک خاص تاثیر (آج کی لیزر ٹیکنالوجی سے بھی مؤثر) ہو گی‘ جس کی وجہ سے آپؑ کی نگاہ پڑتے ہی یہودی پگھلتے چلے جائیں گے۔ پھر آپؑ دجال (جو مسیح ہونے کا جھوٹا دعوے دار ہو گا) کو قتل کریں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دجال بھاگنے کی کوشش میں ہو گا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس کو مقامِ لُدّ پر جا لیں گے اور قتل کر دیں گے۔ (واضح رہے کہ Lydda اسرائیل کا سب سے بڑا ایئر بیس ہے۔)

ان سب واقعات کے بعد یاجوج اور ماجوج کے سیلاب کی شکل میں ایک دفعہ پھر دنیا پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔ آیت زیرِ نظر میں یاجوج اور ماجوج کی یلغار کے راستوں (routes) کے لیے لفظ ''حدب'' استعمال ہوا ہے‘ جس کے معنی اونچائی کے ہیں۔ مندرجہ بالا آراء کے مطابق جن اقوام پر یاجوج اور ماجوج کا اطلاق ہوتا ہے ان سب کے علاقے ہمالیہ اور وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلوں کے شمال میں واقع ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ لوگ ان پہاڑی سلسلوں کو عبور کرتے ہوئے جنوبی علاقوں پر یلغار کریں اور یوں ''مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ'' کے الفاظ کی عملی تعبیر کا نقشہ دنیا کے سامنے آ جائے۔

آیت ۹۷ ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾ ''اور قریب آ لگے گا

وہ سچا وعدہ‘ تو اُس وقت کافروں کی نگاہیں پتھرا جائیں گی۔“

انتہائی خوف کی وجہ سے انسان کی آنکھ حرکت کرنا بھول جاتی ہے۔ کفار و مشرکین قیامت کے دن اسی کیفیت سے دوچار ہوں گے۔

﴿یٰوَیْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝۹۷﴾ ”(وہ کہیں گے) ہائے ہماری شامت! ہم تو اس کی طرف سے غفلت میں ہی رہے‘ بلکہ ہم خود اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔“

ہم آخرت کا انکار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے ذریعے تمام خبریں مل چکی تھیں لیکن ہم نے غفلت اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا اور اس طرف کبھی توجہ ہی نہ کی۔

آیت ۹۸ ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸﴾ ”یقیناً تم لوگ اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن بنو گے۔ تمہیں اس میں پہنچ کر رہنا ہے۔“

آیت ۹۹ ﴿لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۹۹﴾ ”اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس (جہنم) میں داخل نہ ہوتے۔ اور وہ سب کے سب اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔“

آیت ۱۰۰ ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّهُمْ فِیْهَا لَا یَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰﴾ ”انہیں اس میں چیخنا چلّانا ہوگا‘ اور وہ اس میں کچھ سن نہیں سکیں گے۔“

ان کے معبود جو ان کے ساتھ ہی جل رہے ہوں گے‘ وہ ان کی اس چیخ و پکار کو سن نہیں پائیں گے۔

آیت ۱۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی ۙ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے“

﴿اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝۱۰۱﴾ ”وہ اس سے دُور رکھے جائیں گے۔“

آیت ۱۰۲ ﴿لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ﴾ ”وہ اس کی آہٹ تک نہیں سنیں گے۔“

سورۂ مریم کی آیت ۷۱ ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ﴾ کے مطابق ایک دفعہ جہنم کا مشاہدہ تو سب کو کرایا جائے گا‘ لیکن پھر اس کے بعد اس کو اہل جنت سے بہت دور کر دیا جائے گا۔

﴿وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۲﴾ ”اور وہ اپنی دل پسند خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔“

تمام مرغوباتِ نفس اہل جنت کو فراہم کر دی جائیں گی اور وہ اس کیفیت میں ہمیشہ رہیں گے۔

آیت ۱۰۳ ﴿لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾ ”وہ بڑی گھبراہٹ انہیں پریشان نہیں کرے گی“

قیامت کی صورت حال بہت ہی بھیانک ہو گی۔ اگلی سورت (سورۃ الحج) کے آغاز میں قیامت کی ہولناک کیفیت کا ذکر یوں کیا گیا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝۱﴾ ”اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ قیامت کا زلزلہ یقیناً بہت بڑی چیز ہے“۔ لیکن آیت زیر نظر میں یہ

خوشخبری دی گئی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کو اس سے کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں ہوگی۔

''فزع اکبر'' سے مراد یہاں صرف قیامت کے دن کی سختیاں ہی نہیں بلکہ زمانۂ قربِ قیامت کی سختیاں بھی ہیں۔ اس صورتِ حال کا ذکر احادیث میں کافی تفصیل سے ملتا ہے۔ اِن تفصیلات کے مطابق قربِ قیامت کے زمانہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں اور یہودیوں کے خلاف ایک بہت خوفناک جنگ لڑنا ہوگی۔ اس جنگ کے کئی مراحل ہوں گے۔ مسلمانوں کو اس میں بہت بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا' لیکن اللہ کی خصوصی مدد مسلمانوں کے شاملِ حال ہوگی۔ اللہ کی یہ مدد ظاہری اور مادی اسباب کی صورت میں بھی سامنے آئے گی۔ انہی اسباب میں سے ایک سبب سرزمین عرب میں ایک مجدد امام مہدی کا ظہور بھی ہوگا۔ پھر جب حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو مسلمان حضرت مسیحؑ اور امام مہدی کی قیادت میں عیسائیوں اور یہودیوں کے اتحاد کا مقابلہ کریں گے۔ اس سے پہلے خراسان اور افغانستان کے علاقوں میں (میرے اندازے کے مطابق اس میں پاکستان کا علاقہ بھی شامل ہوگا) اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی اور اس حکومت کی طرف سے مذکورہ جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے افواج بھیجی جائیں گی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد آزمائش کا آخری مرحلہ یاجوج اور ماجوج کی یلغار کی صورت میں سامنے آئے گا۔ اس کے بعد اسلام کا غلبہ ہوگا اور پوری دنیا میں خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو جائے گی' جو لگ بھگ چالیس سال (مختلف روایات میں مختلف مدت مذکور ہے) تک رہے گی۔ یہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی اُمت کا پانچواں دور ہوگا' جس کی خبر احادیث میں دی گئی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا' فَيَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ثُمَّ سَكَتَ (۱)

''دورِ نبوت تم میں اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا اس کو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کی طرز پر خلافت کا دَور ہوگا' پھر وہ دَور رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا' پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا۔ پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہوگی۔ وہ دور بھی اُس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا' پھر جب وہ اس کو ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی' وہ رہے گی جب تک اللہ چاہے گا' پھر وہ اس کو ختم کر دے گا جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا۔ پھر نبوت کے طرز پر دوبارہ خلافت قائم ہوگی''۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

اس حدیث کی رو سے پہلا دور دورِ نبوت' دوسرا دور دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ' تیسرا دور ظالم ملوکیت کا

(۱) مسند احمد' كتاب اول مسند الكوفيين' باب حديث النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ' ح ۱۷۶۸۰۔

دور‘ چوتھا غلامی والی ملوکیت کا دور‘ جبکہ پانچواں اور آخری دور پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا ہے۔ اس خلافت کی خبر آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی دی ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا‘ وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا)) (۱)

”اللہ تعالیٰ نے مجھے پوری زمین کو لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھا دیا۔ چنانچہ میں نے اس کے سارے مشرق بھی دیکھ لیے اور تمام مغرب بھی۔ اور یقین رکھو کہ میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر (یا سکیڑ کر) دکھائے گئے۔“

اسی طرح حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ ـــــ اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا)) ـــــ قُلْتُ: ”فَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ“ (۲)

”روئے ارضی پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر باقی رہے گا نہ کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ جس میں اللہ اسلام کو داخل نہیں کر دے گا‘ خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں ـــــ (یعنی) یا لوگ اسلام قبول کر کے خود بھی عزت کے مستحق بن جائیں گے یا اسلام کی بالادستی تسلیم کر کے اس کی فرماں برداری قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“ میں (راوی) نے کہا: تب تو سارے کا سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے گا۔“

بہرحال قرآن میں موجود ”بین السطور“ اشاروں اور احادیث میں وارد صریح پیشین گوئیوں کے مطابق قیامت سے پہلے ان واقعات کا رونما ہونا طے ہے‘ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ واقعات کے اس سلسلے کا آغاز کب ہو گا۔

اس کے بعد قیامت کا مرحلہ ہو گا‘ لیکن قیامِ قیامت سے قبل ایک خوشگوار ہوا چلے گی جس سے تمام اہلِ ایمان پر موت طاری ہو جائے گی۔ اس مرحلے کے بعد صرف فُسّاق وفُجّار ہی دنیا میں باقی رہ جائیں گے اور انہی لوگوں پر قیامت قائم ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ)) (۳)

”قیامت صرف شریر لوگوں پر ہی آئے گی۔“

”الفزع الاکبر“ اور ”زلزلۃ الساعۃ“ کی سختیوں کا سامنا بھی انہی لوگوں کو کرنا ہو گا‘ جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو قیامت سے پہلے سکون واطمینان کی موت دے کر اس دن کی سختیوں اور ہولناکیوں سے بچا لے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الفتن واشراط الساعۃ‘ باب ھلاک ھذہ الامۃ بعضھم ببعض۔

(۲) مسند احمد‘ کتاب باقی مسند الانصار‘ باب حدیث المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ‘ ح۲۲۶۹۷۔

(۳) صحیح مسلم‘ کتاب الفتن واشراط الساعۃ‘ باب قرب الساعۃ۔

﴿وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''اور فرشتے ان سے ملاقاتیں کریں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

آج آپ لوگوں کو انعامات سے نوازا جائے گا' آپ کی قدر افزائی ہوگی' خلعتیں پہنائی جائیں گی اور اعلیٰ درجے کی مہمان نوازی ہوگی۔

آیت ۱۰۴ ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ﴾ ''جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے جیسے لپیٹا جاتا ہے کاغذوں کا طومار۔''

یہاں پر ''السَّمٰوٰت'' (جمع) کے بجائے صرف السَّمَآء (واحد) استعمال ہوا ہے' جس سے اس رائے کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ یہ صرف آسمانِ دنیا کے لپیٹے جانے کی خبر ہے اور یہ کہ قیامت کے زلزلے کا عظیم واقعہ: ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾﴾ (الحج) صرف ہمارے نظامِ شمسی کے اندر ہی وقوع پذیر ہوگا۔ اسی نظام کے اندر موجود کُرّے آپس میں ٹکرائیں گے: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾﴾ (القیامہ) اور یوں یہ پورا نظام تہ و بالا ہو جائے گا۔ فرمایا کہ اُس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کے طومار (scrolls) لپیٹے جاتے ہیں۔

﴿كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ﴾ ''جیسے ہم نے پہلی مرتبہ ابتدا کی تھی (ویسے ہی) ہم اس کا اعادہ کریں گے۔''

اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے Theory of the Expanding Universe کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے۔ اس نظریہ (Theory) کے مطابق یہ کائنات مسلسل وسیع سے وسیع تر ہو رہی ہے۔ اس میں موجود ہر کہکشاں مسلسل چکر لگا رہی ہے اور یوں ہر کہکشاں کا دائرہ ہر لحظہ پھیلتا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے آیت زیر نظر کے الفاظ سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے لیے کائنات کے پھیلنے کے اس عمل کو الٹا دیا جائے گا' اور اس طرح یہ پھر سے اسی حالت میں آ جائے گی جہاں سے اس کے پھیلنے کے عمل کا آغاز ہوا تھا۔ اس تصور کو سمجھنے کے لیے گھڑی کے ''فنر'' کی مثال سامنے رکھی جا سکتی ہے' جس کا دائرہ اپنے نقطۂ ارتکاز کے گرد مسلسل پھیلتا رہتا ہے' لیکن جب اس میں چابی بھری جاتی ہے تو یہ پھر سے اسی نقطۂ ارتکاز کے گرد لپٹ کر اپنی پہلی حالت پر واپس آ جاتا ہے۔

﴿وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے۔ ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''اور ہم نے لکھ دیا تھا زبور میں نصیحت کے بعد کہ اس زمین کے وارث ہوں گے ہمارے نیک بندے۔''

الفاظ کے مفہوم کے مطابق اس وراثت کی دو امکانی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت سے پہلے اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آ جائے گا' اللہ کے نیک بندوں کی حکومت تمام روئے زمین پر قائم ہو جائے گی اور یوں وہ پوری زمین کے مالک یا وارث بن جائیں گے۔ دوسری صورت یہ ہوگی کہ قیامِ قیامت کے بعد اسی زمین کو جنت

میں تبدیل کر دیا جائے گا اور اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُزُل) یہیں پر ہوگی (مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو تشریح سورۂ ابراہیم: ۴۸)۔ اور یوں اللہ کے نیک بندے جنت کے وارث بنا دیے جائیں گے۔ اس مفہوم کے مطابق یہاں زمین سے مراد جنت کی زمین ہوگی۔

آیت ۱۰۶ ﴿اِنَّ فِیۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی خبر ہے (اللہ کی) بندگی کرنے والوں کے لیے۔''

آیت ۱۰۷ ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو مگر تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

یعنی آپؐ کی بعثت صرف جزیرہ نمائے عرب تک محدود نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے عملی طور پر غلبے کے بعد آپؐ کی بعثت کا مقصد پورا ہو چکا ہوتا' مگر آپ ﷺ تو تمام اہلِ عالم کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کی بعثت کا مقصد قرآن میں تین مقامات (التوبہ: ۳۳' الفتح: ۲۸ اور الصّف: ۹) پر ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا الہدیٰ اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ اسے غالب کر دے تمام ادیان پر''۔ گویا آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد تب پورا ہوگا جب دینِ اسلام کُل روئے زمین پر غالب ہو جائے گا۔ اسی مضمون کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے: ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

نورِ توحید کا اتمام یعنی اسلام کا بطور دین کلی غلبہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک تو حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں دین اسلام کے اس اقتدار کو مزید وسعت دینے کا سلسلہ بڑی شد و مد سے شروع ہوا مگر دورِ عثمانی میں ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے سازش کے ذریعے عالم اسلام میں ''الفتنة الکبریٰ'' کھڑا کر دیا۔ اس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور پھر مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے نتیجے میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان ایک دوسرے کی تلواروں سے ہلاک ہو گئے۔ اس فتنہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ نہ صرف غلبہ اسلام کی مزید تصدیر و توسیع کا عمل رک گیا' بلکہ بعض علاقوں سے مسلمانوں کو پسپائی بھی اختیار کرنا پڑی۔ حضور ﷺ کی بعثت چونکہ تا قیامِ قیامت کُل روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اور آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ''اِظہارِ دین الحق'' (دینِ حق کا غلبہ) ہے' اس لیے یہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتی جب تک آپ ﷺ کی بعثت کا یہ مقصد بہ تمام و کمال پورا نہ ہو اور دینِ اسلام کُل عالمِ انسانی پر غالب نہ ہو جائے۔ اس کا صغریٰ و کبریٰ قرآن سے ثابت ہے' اور اس کی تفصیلات کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

آیت ۱۰۸ ﴿قُلۡ اِنَّمَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''(اے

نبی ﷺ!) آپ ان کو بتایئے کہ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے‘ تو کیا تم (اس کی) فرمانبرداری اختیار کرتے ہو؟‘‘

آیت ۱۰۹ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ﴾ ’’پھر اگر یہ لوگ منہ موڑ لیں تو کہہ دیجیے کہ میں نے تو تم سب کو یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔‘‘

میں نے تم سب لوگوں تک برابر اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ میں نے تمہارے سرداروں پر بھی اتمامِ حجت کر دیا ہے اور عوام کے سامنے بھی حق واضح انداز میں پیش کر دیا ہے۔ الغرض تمہارے معاشرے کا کوئی چھوٹا‘ کوئی بڑا‘ کوئی امیر اور کوئی غریب فرد ایسا نہیں جس تک میری یہ دعوت نہ پہنچی ہو۔ لہٰذا جو کام اللہ نے میرے ذمے لگایا تھا میں نے اپنی طرف سے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۹﴾ ’’اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دُور۔‘‘

تم لوگوں کو جو وعید سنائی جا رہی ہے‘ جس عذاب یا قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے متعلق تم لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے‘ اس کے بارے میں کوئی ’’ٹائم ٹیبل‘‘ میں تم لوگوں کو نہیں دے سکتا۔ میں نہیں جانتا کہ اللہ کا وہ وعدہ کب پورا ہوگا‘ البتہ یہ بات طے ہے کہ اپنے کرتوتوں کے نتائج وعواقب بہرحال تم لوگوں کو بھگتنے ہوں گے۔

قیامت کے وقوع پذیر ہونے کے بارے میں قطعی علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے‘ البتہ قرآن میں جابجا قیامت اور آثارِ قیامت کے بارے میں اشارے ملتے ہیں۔ احادیث نبویہؐ کی کتاب الملاحم‘ کتاب اشراط الساعة اور کتاب الفتن کے اندر بھی قربِ قیامت کے زمانہ کے حالات وواقعات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں سابقہ الہامی کتب کے اندر بھی بہت سی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کتب میں بڑی حد تک ردّ و بدل کر دیا گیا ہے‘ لیکن ان کی بعض عبارات اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود ہیں۔ ان پیشین گوئیوں کے حوالے سے بائبل کی آخری کتاب Book of Revelation بھی بہت اہم ہے جو حضرت یوحنا (John) کے مکاشفات پر مشتمل ہے‘ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پیغمبر (یوحنا: John the Baptist) کے ہم نام تھے۔ ماضی قریب کی شخصیات میں Nostradamous‘ نعمت شاہ ولی‘ گاندھی جی (ان کی ذاتی ڈائری کی دریافت کے بعد یہ پیشین گوئیاں سامنے آئی ہیں) اور وائن برگر کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ اس سب کچھ کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا پر بہت مشکل حالات آنے والے ہیں۔ آثار وقرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں‘ لیکن اس کے وقوع کے بارے میں قطعی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝۱۱۰﴾ ’’یقیناً وہی جانتا ہے بلند آواز سے کہی گئی بات کو بھی اور اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو۔‘‘

آیت ۱۱۱ ﴿وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۱۱۱﴾ ’’اور میں نہیں جانتا‘ شاید کہ (اس تاخیر

میں) تمہارے لیے کوئی آزمائش ہو اور کچھ مدت تک تمہیں فائدہ (اٹھانے کی مہلت) دینا مقصود ہو۔''

شاید اس عذابِ موعود کے واقع ہونے میں تاخیر کی وجہ یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں کچھ عرصہ اور رہنے بسنے کی مہلت دے کر تم لوگوں کو مزید آزمانا چاہتا ہو اور اس کے لیے وہ تم لوگوں کو مزید Fresh lease of existance عطا کر دے۔ لیکن بالآخر ہو گا وہی جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عذاب کا آنا ایک شدنی امر ہے اور وہ آ کر رہے گا۔

آیت ۱۱۲ ﴿قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ﴾ ''رسولؐ نے کہا: پروردگار! اب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے۔''

چونکہ کفار کے ساتھ کش مکش اور ردّ وکدح کا سلسلہ بہت طوالت اختیار کر گیا تھا' اس لیے خود حضور ﷺ بھی چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اب آخری فیصلہ آ جانا چاہیے۔

﴿وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴾ ''اور ہمارا رب رحمٰن ہے' جس سے مدد طلب کی جاتی ہے اُن باتوں کے خلاف جو تم بنا رہے ہو۔''

اس فرمان کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں۔ گویا حضور ﷺ مشرکین کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ اے گروہِ منکرین! تم لوگوں کی مخالفت' ہٹ دھرمی اور سازشوں کے خلاف میں اپنے پروردگار سے مدد کا طلب گار ہوں جو مجھ پر بہت مہربان ہے۔ چنانچہ پچھلے کئی برس سے جو رویہ تم لوگ میرے خلاف' میری دعوت کے خلاف اور میرے پیروکاروں کے خلاف اپنائے بیٹھے ہو وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ یقیناً ہماری مدد فرمائے گا اور تم لوگوں کو تمہارے کرتوتوں کی قرار واقعی سزا دے گا۔

بارك اللّٰه لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وايّاكم بالآيات والذّكر الحكيم○○

بیان القرآن

سُورَۃُ الحَجّ

(۲۲)

سُورۃ الحَجّ

تمہیدی کلمات

سورۃ الحج کو بعض مفسرین مدنی سورت مانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں منافقین کا ذکر بھی ہے اور جہاد و قتال کے احکام بھی ہیں، اور یہ دونوں موضوعات مدنی سورتوں میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سورت کی بعض آیات کی سورۃ البقرۃ (مدنی) کی آیات کے ساتھ بہت گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس ضمن میں مجھے ان مفسرین سے اتفاق ہے جو اسے مکی سورت قرار دیتے ہیں۔ البتہ اس کی کچھ آیات یا تو سفرِ ہجرت کے دوران نازل ہوئیں یا حضور ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد (مطالعہ کے دوران متعلقہ آیات کی نشان دہی کی جائے گی)۔ یہی وجہ ہے کہ یہ آیات مکی آیات سے مختلف نظر آتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۰

یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ ۝۱ یَوۡمَ تَرَوۡنَہَا تَذۡہَلُ کُلُّ
مُرۡضِعَۃٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَ تَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَہَا وَ تَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَ مَا ہُمۡ
بِسُکٰرٰی وَ لٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیۡدٌ ۝۲ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ یَتَّبِعُ
کُلَّ شَیۡطٰنٍ مَّرِیۡدٍ ۝ۙ۳ کُتِبَ عَلَیۡہِ اَنَّہٗ مَنۡ تَوَلَّاہُ فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ وَ یَہۡدِیۡہِ اِلٰی عَذَابِ
السَّعِیۡرِ ۝۴ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّنَ الۡبَعۡثِ فَاِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ
نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ مِنۡ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّ غَیۡرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمۡ ؕ وَ نُقِرُّ فِی الۡاَرۡحَامِ
مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخۡرِجُکُمۡ طِفۡلًا ثُمَّ لِتَبۡلُغُوۡۤا اَشُدَّکُمۡ ۚ وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی
وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡئًا ؕ وَ تَرَی الۡاَرۡضَ
ہَامِدَۃً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہَا الۡمَآءَ اہۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ وَ اَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَہِیۡجٍ ۝۵ ذٰلِکَ
بِاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّہٗ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝ۙ۶ وَّ اَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا
رَیۡبَ فِیۡہَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ۝۷ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ﴿۸﴾ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ
وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
ع ۸ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ۧ

آیت ۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①﴾ ''اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اپنے رب کا' یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہوگا۔''

سورۃ الانبیاء کا اختتام ''الفزع الاکبر'' (قیامت کی عظیم پریشانی) کے تذکرے پر ہوا تھا۔اب سورۃ الحج کا آغاز بھی اسی کیفیت کے ذکر سے ہو رہا ہے۔

آیت ۲ ﴿يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ﴾ ''جس دن تم اُس کو دیکھو گے' اس دن (حال یہ ہوگا کہ) بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی جسے وہ دودھ پلاتی تھی''

ماں کی ممتا کا جذبہ ضرب المثل ہے۔ایک ماں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنے بچے کی حفاظت کرتی ہے اور اس پر کسی صورت آنچ نہیں آنے دیتی۔اپنے بچے سے محبت کا یہ جذبہ حیوانوں میں بھی اسی شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔البتہ قیامت کا دن ایسا سخت ہوگا کہ اس کے خوف و ہراس کے باعث دودھ پلانے والی مائیں' چاہے وہ انسان ہوں یا حیوان' اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی۔

﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا﴾ ''اور (دہشت کا عالم یہ ہوگا کہ) ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا''

﴿وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②﴾ ''اور تم دیکھو گے لوگوں کو جیسے وہ نشے میں ہوں' حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے' بلکہ اللہ کا عذاب ہی بہت سخت ہے۔''

وہ گھڑی ایسی خوف ناک ہوگی کہ اس کی دہشت سے لوگ بے سدھ پڑے نظر آئیں گے۔بہر حال حدیث میں واضح طور پر یہ خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمنین صادقین بندوں کو اس دن کی سختیوں سے دور رکھیں گے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!

آیت ۳ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی علم کے' اور وہ پیروی کر رہے ہوتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔''

آج کے نام نہاد مذہبی سکالرز اور دانشور بھی اس آیت کا مصداق ہیں' جو عملی طور پر غیر مسلم مغربی تہذیب کی نقالی کرتے نظر آتے ہیں۔یہ لوگ ذہنی طور پر مغربی افکار و نظریات سے مرعوب ہیں اور ان نظریات کا ہر طریقے سے پرچار کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حدیث کی ضرورت و اہمیت کے سرے سے منکر ہیں۔ان کی روشن خیالی انہیں باور کراتی ہے کہ قرآنی احکام صرف ایک زمانے تک قابل قبول تھے اور انسان کے لیے ہمیشہ ان کا پابند رہنا ممکن نہیں۔لہٰذا نئے زمانے کی ضروریات کے مطابق قرآنی آیات کو (معاذ اللہ!) over rule

کر کے اجتہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن ایک ایسے ہی پاکستانی سکالر تھے' جو McGill یونیورسٹی (مانٹریال' کینیڈا) سے فارغ التحصیل تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ قرآن آنحضور ﷺ کا کلام بھی ہو سکتا ہے اور اللہ کا بھی۔ اسی قبیل کے ایک ایرانی سکالر سید حسین نصر بھی ہیں۔ ایسے لوگ یہودی اداروں سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرتے ہیں اور پھر ساری عمر یہودیوں سے حقِ وفاداری نبھانے میں لگے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وائٹ ہاؤس سے بھی خصوصی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

آیت ۴ ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ﴾ ''اس (شیطان) کے بارے میں تو لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی بھی اس کی دوستی اختیار کرے گا' وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا''

﴿وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۴﴾ ''اور اس کو پہنچا کر رہے گا دوزخ کے عذاب تک۔''

آیت ۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ ''اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں شک ہے تو (ذرا غور کرو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا''

انسانی جسم کی اصل مٹی ہے۔ اس کی غذا بھی نباتات اور معدنیات کی شکل میں مٹی ہی سے آتی ہے۔ اگر وہ کسی جانور کا گوشت کھاتا ہے تو اس کی پرورش بھی مٹی سے حاصل ہونے والی غذا سے ہی ہوتی ہے۔

﴿ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ ''پھر نطفے سے''

اور یہ مادہ بھی اسی جسم کی پیداوار ہے جو مٹی سے بنا اور مٹی سے فراہم ہونے والی غذا پر پلا بڑھا۔

﴿ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ﴾ ''پھر علقہ سے''

عام طور پر ''علقہ'' کا ترجمہ ''جما ہوا خون'' کیا جاتا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس لفظ کی وضاحت سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴ کے ضمن میں آئے گی۔

﴿ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ﴾ ''پھر گوشت کے لوتھڑے سے' واضح شکل والا اور غیر واضح شکل والا''

پہلے مرحلے میں اس لوتھڑے پر کسی قسم کے کوئی نشانات نہیں تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مختلف مقامات پر نشانات بننے لگے۔ بازوؤں اور ٹانگوں کی جگہوں پر دو دو نشانات بنے اور اسی طرح دوسرے اعضاء کے نشانات بھی اُبھرنا شروع ہوئے۔

﴿لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ﴾ ''تا کہ ہم کھول کھول کر بیان کر دیں تمہارے لیے''

تا کہ رحم مادر میں انسانی جنین پر گزرنے والے مختلف مراحل کے بارے میں پوری وضاحت کے ساتھ تم لوگوں کو بتا دیا جائے۔ تعارفِ قرآن (بیان القرآن' جلد اوّل) کے باب پنجم میں علم جنین (Embryology) کے ماہر سائنسدان کیتھ ایل مور (کینیڈا) کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس مضمون پر اس شخص کی ٹیکسٹ بکس دنیا بھر میں مستند مانی جاتی ہیں اور یونیورسٹی کی سطح تک پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ قرآن نے رحم مادر میں جنین کے مختلف مراحل کو جس طرح بیان کیا ہے اس موضوع پر دستیاب معلومات کی اس سے بہتر تعبیر ممکن نہیں ہے۔ مزید برآں وہ

اس امر پر حیرت کا اظہار بھی کرتا ہے کہ صدیوں پہلے قرآن میں ان مراحل کا درست ترین تذکرہ کیونکر ممکن ہوا۔

﴿وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ’’اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں رحموں کے اندر جو ہم چاہتے ہیں ایک وقت معین تک‘‘

یعنی رحم کے اندر حمل ویسا ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ یہ فیصلہ صرف وہی کرتا ہے کہ وہ بچہ مذکر ہوگا یا مؤنث‘ ذہین وفطین ہوگا یا کند ذہن‘ خوبصورت ہوگا یا بدصورت‘ تندرست وسالم ہوگا یا بیمار ومعذور۔ اس معاملے میں کسی کی خواہش یا کوشش کا سرے سے کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس مضمون کے بارے میں سورۃ المؤمنون کے پہلے رکوع میں مزید تفصیل بیان ہوگی۔

﴿ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ﴾ ’’پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں چھوٹے سے بچے کی صورت میں‘ پھر تم پہنچتے ہو اپنی جوانی کو۔‘‘

﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا﴾

’’اور تم میں وہ بھی ہیں جو پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو نکمّی عمر تک لوٹائے جاتے ہیں‘ کہ اُسے کچھ بھی علم نہ رہے سب کچھ جاننے کے بعد۔‘‘

’’اَرْذَلِ الْعُمُر‘‘ کی کیفیت سے حضورﷺ نے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔ بڑھاپے میں بعض اوقات ایسا مرحلہ بھی آتا ہے کہ انسان demencia کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اس کی ذہنی صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں‘ یادداشت زائل ہو جاتی ہے اور وہی انسان جو اپنے آپ کو کبھی سقراط اور بقراط کے برابر سمجھتا تھا‘ بچوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے۔ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کیفیت کو پہنچنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھا لے۔ میں نے ذاتی طور پر مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کو بڑھاپے کی اس کیفیت میں دیکھا ہے۔ آخری عمر میں ان کی کیفیت ایسی تھی کہ نہ زندوں میں تھے‘ نہ مُردوں میں۔ دیکھنے والے کے لیے مقامِ عبرت تھا کہ ایک ایسا شخص جو اعلیٰ درجے کا خطیب تھا اور اس کے قلم میں بلا کا زور تھا‘ عمر کے اس حصے میں بے چارگی وبے بسی کی تصویر بن کر رہ گیا تھا اور اپنے پاس بیٹھے لوگوں کو پہچاننے سے بھی عاجز تھا۔ میں اس زمانے میں انہیں ملنے کے لیے ان کے پاس جاتا تھا مگر ایک حسرت لے کر واپس آ جاتا تھا۔

مولانا صاحب کی تفسیر ’’تدبر قرآن‘‘ بلاشبہ بہت اعلیٰ پائے کی تفسیر ہے۔ اس میں انہوں نے ’’نظام القرآن‘‘ کے حوالے سے اپنے استاد حمید الدین فراہیؒ کی فکر اور ان کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ میں نے ذاتی طور پر اس تفسیر سے بہت استفادہ کیا ہے‘ لیکن مجھے مولانا سے بہت سی باتوں میں اختلاف بھی تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ رجم کی سزا سے متعلق رائے دینے میں ان سے بہت بڑی خطا ہوئی ہے۔ (وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النور‘ تشریح آیت ۲) اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ مولانا کا ذکر ہوا ہے تو ان کے لیے دعا بھی کیجیے: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ وَاَدْخِلْہُ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْہُ حِسَابًا یَسِیْرًا۔ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَہٗ وَاَکْرِمْ مَنْزِلَہٗ وَاَلْحِقْہُ بِعِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ۔ آمین یا ربَّ العالَمین!

زیرِ نظر آیت کے الفاظ پر دوبارہ غور کریں۔ یہاں انسانی زندگی کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر بعث بعد الموت کے منکرین کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ ہماری قدرت کا مشاہدہ کرنا چاہو تو تم اپنی زندگی اور اس کے مختلف مراحل پر غور کرو۔ دیکھو! تمہاری ابتدا مٹی سے ہوئی تھی۔ اس مٹی سے پیدا ہو کر تم لوگ کس کس منزل تک پہنچتے ہو' اور پھر آخر مر کر دوبارہ مٹی میں مل جاتے ہو۔ جس اللہ نے تمہیں یہ زندگی بخشی' تمہیں بہترین صلاحیتوں سے نوازا' جس کی قدرت سے انسانی زندگی کا یہ پیچیدہ نظام چل رہا ہے' کیا تم اُس کی قدرت اور خلاقی کے بارے میں شک کر رہے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا۔ اپنی زندگی کی اس مثال سے اگر حقیقت تم پر واضح نہیں ہوئی تو ایک اور مثال پر غور کرو:

﴿وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ ''اور تم دیکھتے ہو زمین کو خشک (اور ویران)' پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلاتی ہے اور اُبھرتی ہے''

اھتزاز کے معنی حرکت اور جنبش کرنے کے ہیں۔ اسی سے لفظ تَهْتَزُّ سورۃ النمل' آیت ۱۰ اور سورۃ القصص' آیت ۳۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے بارے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جب اپنا عصا زمین پر رکھا تو اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے چلنے لگا۔ چنانچہ یہاں ''اِهْتَزَّتْ'' کا مفہوم یہ ہے کہ بارش کے اثرات سے زمین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی' مردہ زمین یکایک زندہ ہوگئی اور اس میں حرکت پیدا ہوگئی۔ مختلف نباتات کی ان گنت کونپلیں جگہ جگہ سے زمین کو پھاڑ کر باہر نکلنا شروع ہوگئیں اور پھر وہ سبزہ لمحہ بہ لمحہ نشو ونما پانے لگا۔

﴿وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵﴾ ''اور قسم قسم کی تروتازہ چیزیں اُگا دیتی ہے۔''

نباتات کی زندگی کا دورانیہ (cycle) بہت مختصر ہوتا ہے' اس لیے تم اکثر اس کا مشاہدہ کرتے ہو۔ اپنے اسی مشاہدے کی روشنی میں تم لوگ اگر اپنی زندگی کے شب و روز کا جائزہ لو گے تو تمہیں انسانی اور نباتاتی زندگی میں گہری مشابہت نظر آئے گی۔ مردہ زمین میں زندگی کے آثار پیدا ہونے' نباتات کے اگنے' نشوونما پانے' پھولنے پھلنے اور سوکھ کر پھر بے جان ہو جانے کا عمل گویا انسانی زندگی کے مختلف مراحل مثلاً پیدائش' پرورش' جوانی' بڑھاپے اور موت ہی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس میں صرف دورانیے کا ہی فرق ہے۔ نباتاتی زندگی کا دورانیہ چند ماہ کا ہے جبکہ انسانی زندگی کا دورانیہ عموماً پچاس' ساٹھ' ستر یا اسی سال پر مشتمل ہے۔

آیت ۶ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ ''یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے''

اللہ تعالیٰ کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

﴿وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶﴾ ''اور یہ کہ وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے (یا کرے گا) اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

بارش کے پانی سے مردہ زمین کے یکایک زندہ ہو جانے کا منظر تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دن تم لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرے گا۔

آیت ۷ ﴿وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷﴾ ''اور یہ کہ قیامت

آ کر رہے گی اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں۔''

بعث بعد الموت کا یہ واقعہ لازماً ہو کر رہے گا۔

آیت ۸ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے حالانکہ نہ اُس کے پاس علم ہے نہ کوئی ہدایت ہے اور نہ کوئی روشن کتاب ہے۔''

ایسے لوگ بغیر کسی علمی دلیل اور الہامی رہنمائی کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔

آیت ۹ ﴿ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''(تکبر سے) اپنی کروٹ موڑ کر (چل دیتا ہے) تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کرے۔''

﴿لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹﴾ ''اُس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اُسے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

آیت ۱۰ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰﴾ ''(اور اسے کہا جائے گا کہ) یہ سب کچھ تیرے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہے اور یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

آیات ۱۱ تا ۲۴

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ
فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝۱۱ يَدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۲ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ
اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝۱۳ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۱۴ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ
لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ
يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝۱۵ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۝۱۶
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ
اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۷ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ
يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ
وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

السجدۃ
مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ؕ۝۱۸ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝۱۹ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ
وَالْجُلُوْدُ ؕ۝۲۰ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝۲۱ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا
فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۲۲ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ ع
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا
حَرِيْرٌ ۝۲۳ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚۖ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝۲۴

آیت ۱۱ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر۔''

انسانی دل کے اس روگ کی نشان دہی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۰ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''ان کے دلوں میں مرض ہے''۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق کا ساتھ دینا تو چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کو تیار نہیں۔ وہ گہرے پانی میں جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے کنارے پر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مبادا کہ اس سفر میں کوئی گزند پہنچ جائے یا کوئی مالی نقصان اٹھانا پڑ جائے۔ وہ لوگ بڑی چالاکی کے ساتھ اس قسم کے سب خطرات سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھ کر حق کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں، لیکن اس راستے میں ایسا طرزِ عمل قابل قبول نہیں ہے۔ یہ تو سراسر قربانی کا راستہ ہے۔ اس راستے میں اپنی جان اور اپنے مال کو بچا بچا کر رکھنے والے فرزانوں کی نہیں بلکہ قدم قدم پر قربانیاں دینے والے دیوانوں کی ضرورت ہے۔ اسی فلسفے کو اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ' ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں!

ایسے لوگوں کے مقابلے میں دوسری طرف کچھ وہ لوگ ہیں جو حق کو قبول کرتے ہی یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے منجدھار میں کود پڑتے ہیں: ع ''ہر چہ بادا باد' ما کشتی در آب انداختیم!'' کہ اب جو ہو سو ہو' ہم تو حق کی اس کشتی میں سوار ہو کر اسے دریا میں ڈال چکے ہیں۔ اب یہ تیرے گی تو ہم بھی تیریں گے اور اگر اس راستے میں ہماری جان بھی چلی جائے تو ہم اس قربانی کے لیے بھی تیار ہیں۔

﴿فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ﴾ ''تو اگر اُسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس پر مطمئن رہتا ہے۔''

﴿وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ﴾ ''اور اگر اسے کوئی آزمائش آ جائے تو اپنے منہ کے بل اُلٹا پھر جاتا ہے۔''

ایسے لوگ موافق حالات میں تو ہر کام میں اہل ایمان کے ساتھ شریک رہتے ہیں، لیکن اگر کہیں اللہ کی راہ

میں نکلنے کا مرحلہ آجائے یا کسی اور قربانی کا تقاضا ہو تو چپکے سے واپسی کی راہ لے لیتے ہیں۔

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ﴾ ''وہ خسارے میں رہا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪﴾ ''یہی تو کھلا خسارہ ہے۔''

یہ بہت ہی نمایاں اور واضح تباہی ہے۔

اس آیت میں منافقانہ کردار کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس سورت میں جہاد کا ذکر بھی ملتا ہے۔ منافقت اور جہاد چونکہ مدنی سورتوں کے موضوعات ہیں اس لیے سورۃ الحج کو بعض مفسرین مدنی سورت مانتے ہیں' لیکن میرے نزدیک یہ مکی ہے۔ تفسیر طبری میں منقول حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ اس سورت کی کچھ آیات (٣٨ تا ٤١) اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان آیات کو ''برزخی آیات'' کہنا چاہیے۔ اس کے علاوہ سورۃ الحج کو اس بنا پر بھی مدنی سمجھا جاتا ہے کہ اس کی بعض آیات کی سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے ساتھ گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت ١٤٣ اور سورۃ الحج کی آخری آیت میں ''شہادت علی الناس'' کا مضمون بالکل ایک جیسے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ اسی طرح زیر نظر آیت میں منافقین کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ اس کیفیت سے بہت مشابہت رکھتی ہے جس کا نقشہ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں کھینچا گیا ہے کہ جب بجلی چمکتی ہے تو یہ لوگ کچھ چل پھر لیتے ہیں لیکن جب اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ بہرحال مدینہ میں حضور ﷺ کے سامنے منافقین کا بالکل وہی حال تھا جس کی تصویر سورۃ البقرۃ کی مذکورہ تمثیل اور زیر مطالعہ آیت میں دکھائی گئی ہے۔ جب کسی جنگ یا کسی مہم کا تقاضا نہ ہوتا تو یہ لوگ حضور ﷺ کی محفل میں باقاعدگی سے حاضر ہوتے اور بڑے بڑے دعوے کرتے' مگر جونہی کسی قربانی کا مرحلہ آتا تو گویا اوندھے منہ گر پڑتے تھے۔ دعا کریں کہ اللہ ہمیں اس بیماری سے بچائے اور اقامت دین کی جدوجہد میں پورے خلوص کے ساتھ ہمہ تن اور ہمہ وجوہ اپنے آپ کو جھونک دینے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یاربّ العالمین!)

آیت ١٢ ﴿يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ﴾ ''وہ پکارتا ہے اللہ کے سوا اُن کو جو نہ اسے کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں۔''

﴿ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫﴾ ''یہی ہے بہت دور کی گمراہی۔''

آیت ١٣ ﴿يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ﴾ ''وہ پکارتا ہے اس کو جس کا ضرر اس کے نفع سے قریب تر ہے۔''

اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کا درجہ دے کر پکارے گا تو اس سے اس کو کچھ نفع تو ملنے والا نہیں ہے البتہ اس سے نقصان اسے بہرحال مل کر رہے گا۔

﴿لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬﴾ ''بہت ہی بُرا ہے وہ مددگار اور بہت ہی بُرا ہے وہ رفیق۔''

آیت ١٤ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ﴾

’’یقیناً اللہ داخل کرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے‘ اُن باغوں میں جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ﴾ ’’یقیناً اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔‘‘

اُس کے اختیارات غیر محدود ہیں۔ وہ جو چاہے کر گزرتا ہے۔

آیت ۱۵ ﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ’’جس شخص کو یہ گمان ہو کہ اللہ ہرگز اس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور آخرت میں‘‘

﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ﴾ ’’تو اسے چاہیے کہ وہ ایک رسّی آسمان کی طرف تانے‘ پھر اسے کاٹ دے‘‘

﴿فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ﴾ ’’پھر دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس چیز کو دور کر دیتی ہے جو اسے غصہ میں لاتی ہے!‘‘

یہ آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور مختلف مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں اس کی تعبیر کی ہے۔ میرے نزدیک ’’موضح القرآن‘‘ میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی تعبیر سب سے بہتر ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو پورے اخلاص کے ساتھ ہمہ وقت دین کی خدمت میں مصروف ہے اور اس رستے میں آنے والی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اللہ سے مسلسل امید رکھتا ہے کہ آج نہیں تو کل‘ کل نہیں تو پرسوں اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ لیکن خدانخواستہ کسی مرحلے پر اگر وہ اللہ کی مدد سے مایوس ہو جائے تو اس کی یہ کیفیت اس کے لیے ناکامی کا باعث بن جائے گی۔ چنانچہ اللہ کے راستے میں جدوجہد کرنے والوں کو ع ’’پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ‘‘ کے مصداق کبھی بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے اور اللہ کی مدد سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ سورۃ الزمر کی آیت ۵۳ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اگر کسی خوش قسمت انسان کو اللہ کے رستے میں جدوجہد کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے تو اسے اللہ کے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی چاہیے۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے فیصلے اس کی اپنی مشیت کے مطابق ہوتے ہیں اور اس کی مشیت میں بندوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ بندوں کو تو بس یہ چاہیے کہ وہ اپنے اپنے حصے کی کوشش کریں اور اس کے وعدوں پر پختہ یقین رکھیں۔ جیسے اس کے بہت سے وعدوں میں سے ایک خوش کن وعدہ یہ بھی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ۶۹) ’’اور جو لوگ ہماری راہ میں جِدّوجُہد کریں گے‘ ہم لازماً انہیں اپنے راستے دکھائیں گے‘‘۔ چنانچہ داعیانِ حق کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اس کے حضور یوں التجا کرتے رہنا چاہیے: ﴿اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ (آل عمران) ’’یقیناً تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا‘‘۔ ہمیں یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ تو اپنا وعدہ پورا نہیں کرے گا‘ بلکہ ہمیں یہ فکر دامن گیر ہے کہ ہم تیرے وعدوں کا مصداق بننے میں کامیاب ہوں گے یا نہیں۔ اس کے لیے جو شرائط مطلوب ہیں وہ شرائط ہم پوری کر بھی سکیں گے یا نہیں!

آیت زیرِ نظر میں یہ نکتہ سمجھانے کے لیے ایک شخص کی مثال دی گئی ہے جس نے اپنے اوپر ایک رسی (اللہ کی طرف سے امید) کو تھاما ہوا ہے۔ وہ شخص اگر کسی مرحلے پر مایوس ہو کر خود ہی رسی کو چھوڑ دے گا تو وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ جیسے ایک حدیث میں قرآن کو اللہ کی رسی قرار دیا گیا ہے☆ ایسے ہی اللہ کی امید بھی ایک معنوی رسی ہے جو ہمیں اللہ کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے ہے۔ جب تک یہ رسی ہمارے ہاتھ میں رہے گی اللہ سے ہمارا تعلق قائم رہے گا اور ہمارے لیے ایک سہارا موجود رہے گا۔ اگر ہم اس رسی کو کاٹ دیں گے یعنی اللہ سے اپنی اُمید منقطع کر لیں گے تو اس مضبوط سہارے کو گویا خود ہی اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیں گے۔ ایسا کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ ہم بے یار و مددگار ہو جائیں گے (زمین پر اوندھے منہ گر جائیں گے)۔ چنانچہ اس آیت کے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی نصرت کی امید اور اس کے وعدوں پر یقین رکھو، یہ تمہارے لیے بہت مضبوط سہارا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ⑯﴾ ’’اور اسی طرح ہم نے نازل کیا ہے اس (قرآن) کو روشن نشانیوں کی شکل میں، اور یہ کہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔‘‘

اس کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہے کہ ’’اللہ ہدایت دیتا ہے اُس کو جو (ہدایت حاصل کرنا) چاہتا ہے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ﴾ ’’یقیناً وہ لوگ جو (محمد ﷺ پر) ایمان لائے ہیں اور جو یہودی، مجوسی اور عیسائی ہیں، اور جن لوگوں نے شرک کی روش اختیار کی ہے‘‘

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰﴾ ’’یقیناً اللہ فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘

یعنی ہر چیز اور ہر انسان کے دل کی کیفیت اُس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

آیت ۱۸ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ ’’کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ کے سامنے سربسجود ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں‘‘

﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ﴾ ’’اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور لوگوں میں سے بھی بہت سارے۔‘‘

انسانوں کے علاوہ باقی تمام مخلوقات قانونِ خداوندی اور تکوینی نظام کے اصول و ضوابط کی پابند اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں مصروفِ عمل ہیں، البتہ اس سلسلے میں انسانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ سب کے سب ایک سے نہیں ہیں۔ انسانوں کو جو محدود آزادی ملی ہے اس سے فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ اللہ سے بغاوت

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ)) ’’اللہ کی کتاب ہی اللہ کی وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔‘‘ (الجامع الصغیر للسیوطی، ح: ۶۲۲۰۔ السلسلة الصحیحة للألبانی، ح: ۲۰۲۴۔ راوی: ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ)

کر دیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسری چیزوں مثلاً سورج‘ چاند اور درختوں تک کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو ہدایت اور اپنی معرفت عطا فرماتا ہے وہ صرف اسی کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔

﴿وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ﴾ ’’اور بہت سے (انسان) ایسے ہیں جو عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔‘‘

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ﴾ ’’اور جس کو اللہ ہی رسوا کر دے پھر اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔‘‘

اللہ نے تو انسان کو ’’خلیفة الله فی الارض‘‘ کا مقام عطا کیا تھا‘ اسے مسجودِ ملائک بنایا تھا۔ اب اگر کوئی انسان اپنے آپ کو خود ہی اس مقام رفیع سے نیچے گرا دے اور مخلوق کے سامنے اپنا سر جھکا کر خود کو ذلیل و رسوا کر لے تو اسے تکریم انسانی کیونکر حاصل ہوگی!

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۞۱۸﴾ ’’یقیناً اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔‘‘

اس آیت کے اندر مختلف چیزوں کے تذکرے میں اوپر سے نیچے کی طرف ایک خوبصورت ترتیب و تدریج پائی جاتی ہے۔ سورج سب سے بڑا ہے‘ اس کے بعد چاند‘ اس کے بعد ستارے جو بظاہر چاند سے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ پھر نیچے زمین پر پہاڑ سب سے بلند ہیں‘ پھر درخت‘ پھر چوپائے اور آخر پر انسان۔

آیت ۱۹ ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ﴾ ’’یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔‘‘

یہ سورت چونکہ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی تھی‘ اس لیے ان گروہوں سے مکہ کے دو گروہ مراد ہیں۔ یعنی ایک مؤمنین کا گروہ جو حضور ﷺ پر ایمان لا چکا تھا اور دوسرا وہ گروہ جو اب تک آپ ﷺ کی مخالفت پر اڑا ہوا تھا۔ (قبل ازیں آیت ۱۱ کے ضمن میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ سورۃ الحج مکی سورت ہے‘ البتہ اس کی کچھ آیات ایسی ہیں جو سفر ہجرت کے دوران نازل ہوئیں تھیں۔)

﴿فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ﴾ ’’تو جو لوگ انکار کر رہے ہیں ان کے لیے آگ کے کپڑے قطع کیے جائیں گے۔‘‘

کپڑے کو قطع کرنے کا ذکر کر کے لباس تیار کرنے کے عمل کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی جس طرح درزی پہلے مطلوبہ ناپ کے مطابق کپڑے کو کاٹتا ہے اور پھر لباس تیار کرتا ہے اسی طرح منکرین حق کے لیے جہنم کی آگ سے لباس تیار کیے جائیں گے۔

﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۞۱۹﴾ ’’ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔‘‘

آیت ۲۰ ﴿يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۞۲۰﴾ ’’اس سے جو کچھ ان کے پیٹوں کے اندر ہے سب

گل جائے گا اور ان کی کھالیں بھی۔''

آیت ۲۱ ﴿ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝۲۱ ﴾ ''اور ان (کی سرکوبی) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔''

آیت ۲۲ ﴿ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ ﴾ ''جب بھی وہ چاہیں گے کہ اس میں سے نکل جائیں غم کے مارے' تو انہیں اسی میں واپس لوٹا دیا جائے گا۔''

﴿ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۲۲ ﴾ ''اور (ان سے کہا جائے گا کہ) چکھو اب مزہ اس جلانے والے عذاب کا۔''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے انکار کی پاداش میں اب یہ عذاب ہمیشہ کے لیے تمہارا مقدر ہے۔ اب تم نے اسی میں رہنا ہے۔ منکرین کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اب دوسرے گروہ یعنی اہل ایمان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''یقیناً اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''

﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝۲۳ ﴾ ''پہنائے جائیں گے اس (جنت) میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی' اور اس میں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔''

دنیا میں ریشم پہننا مردوں کے لیے حرام ہے مگر جنتیوں کے لباس خصوصی طور پر ریشم سے تیار کیے جائیں گے۔ اوپر والا لباس باریک ریشم کا ہوگا جبکہ اس کے نیچے گاڑھے ریشم کا۔

آیت ۲۴ ﴿ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ ﴾ ''اور ان کی راہنمائی کر دی گئی ہے بہترین بات کی طرف''

یہاں بہترین بات سے مراد کلمہ طیبہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہو سکتا ہے یا پھر یہ کلمہ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

﴿ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝۲۴ ﴾ ''اور ان کی راہنمائی کر دی گئی ہے الحمید (اللہ) کی راہ کی طرف۔''

انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے کی ہدایت دی گئی ہے جو سب تعریفوں کے لائق ہے اور وہ اس راستے پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ﴿ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝۸۹ ﴾ (الواقعہ) کے اندر پہنچ جائیں گے۔

آیات ۲۵ تا ۳۳

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ
سَوَآءَ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵ وَاِذْ ع
بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع ۸

یہ دو رکوع مناسک حج کے بارے میں ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے چوبیسویں اور پچیسویں رکوع میں بھی مناسکِ حج کا تذکرہ ہے مگر وہاں پر قربانی کا ذکر نہیں ہوا۔ صرف قبل از وقت سر منڈوانے کی صورت میں کفارے کے طور پر جانور ذبح کرنے (دمِ جنایت) اور حج وعمرہ کو جمع کرنے (قِران یا تمتع) کی صورت میں دمِ شکر کا تذکرہ ہے۔ لیکن یہاں قربانی اور طواف کا خاص طور پر ذکر ہے۔

آیت ۲۵ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کے راستے سے اور مسجدِ حرام سے''

کفارِ مکہ کی مخالفانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ ہے جن کے باعث مسلمان نہ صرف جوارِ بیت اللہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے بلکہ ایک عرصے تک حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرنے سے محروم بھی رہے۔

﴿الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ﴾ ''جس کو ہم نے سب لوگوں کے لیے مساوی قرار دیا ہے' خواہ اس میں مقیم ہوں یا باہر سے آنے والے۔''

ان دونوں اقسام کے لوگوں کے لیے ''مقیم'' اور ''آفاقی'' کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ چنانچہ مقیم ہو یا آفاقی حرم کے اندر سب کے حقوق برابر ہیں' کسی کو کسی پر ترجیح یا برتری نہیں دی جاسکتی۔ اب بھی وہاں پر یہ مساوات برقرار ہے۔ باہر سے آنے والا کوئی شخص پہلی صف میں بیٹھا ہو تو اسے کوئی وہاں سے نہیں اٹھا سکتا۔ البتہ کوئی ناجائز طریقے سے اپنے لیے کوئی رعایت حاصل کرلے یا حکومتی سطح پر کسی کو وی آئی پی قرار دے کر دوسروں کے حقوق متاثر کیے جائیں تو یہ الگ بات ہے۔

﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ﴾ ''اور جو کوئی ارادہ کرے اس میں کسی ٹیڑھی راہ کا ظلم کے ساتھ''

بیت اللہ کے اندر جو کوئی اپنی شرارتِ نفس کی بنا پر یا ظلم وناانصافی کی روش پر چلتے ہوئے کسی بے دینی کے ارتکاب' کوئی کجی پیدا کرنے یا لوگوں کو سیدھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا:

﴿نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۲۵﴾ ''اسے ہم مزہ چکھائیں گے دردناک عذاب کا۔''

آیت ۲۶ ﴿وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ﴾ ''اور جب ہم نے معیّن کر دی ابراہیمؑ کے لیے اپنے اس گھر کی جگہ''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نشاندہی کر دی گئی کہ ٹھیک اس جگہ پر بیت اللہ کی تعمیر کی جائے۔ غالباً یہ وہی جگہ تھی جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی۔ بعد میں سیلاب کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی تعمیر شدہ دیواریں گر گئیں اور ان کے آثار بھی ناپید ہو گئے لیکن زمین کے اندر بنیادیں موجود تھیں۔

﴿اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۲۶﴾ ''(اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا' اور میرے اِس گھر کو پاک رکھنا طواف کرنے والوں کے لیے اور قیام' رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔''

یہی مضمون سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں بھی آ چکا ہے: ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵﴾ ''اور عہد لیا ہم نے ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) سے کہ پاک رکھیں میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے''۔ دونوں آیات کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں' صرف یہ فرق ہے کہ سورۃ البقرۃ میں لفظ ''الْعٰكِفِيْنَ'' آیا ہے اور آیت زیر نظر میں اس کی جگہ ''الْقَاۗىِٕمِيْنَ'' استعمال ہوا ہے۔

آیت ۲۷ ﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ ''اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو''

اس حکم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسے اعلان کیا ہوگا' کس طرح لوگوں کو پکارا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پیغام اور پکار کو کہاں کہاں تک پہنچایا ہوگا' یہ معاملہ اللہ اور ان کے درمیان ہے۔

﴿يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝۲۷﴾ ''آئیں گے آپؑ کے پاس لوگ پیدل بھی اور بڑی لاغر اونٹنیوں پر بھی' جو پہنچیں گی دور دراز گہری وادیوں میں سے ہو کر۔''

پہاڑوں کے درمیان کے راستہ کو ''فَجّ'' کہتے ہیں۔ اس سے مکہ کی مضافاتی وادیوں اور گھاٹیوں کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ کی اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دور و نزدیک سے لوگ آئیں گے۔ ان میں پیدل بھی ہوں گے اور سوار بھی۔ وہ دور و نزدیک کے گہرے پہاڑی راستوں کو عبور کرتے ہوئے یہاں پہنچیں گے۔ لاغر اونٹنیوں کے ذکر سے دور دراز کے سفر مراد ہیں کہ طویل سفر کی وجہ سے ان کی اونٹنیاں لاغر ہو چکی ہوں گی۔

آیت ۲۸ ﴿لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ﴾ ''تاکہ وہ حاضر ہوں اپنی منفعت کی جگہوں پر''

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ''اور اللہ کا نام لیں معیّن دنوں میں ان مویشیوں پر جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔''

''اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ'' سے مراد قربانی (۱۰' ۱۱ اور ۱۲ ذوالحجہ) کے دن ہیں۔ یعنی ایامِ نحر میں وہ لوگ اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کریں۔

﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴾ ''تو اس میں سے خود بھی کھاؤ اور خستہ حال محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔''

آیت ۲۹ ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ﴾ ''پھر چاہیے کہ وہ دور کریں اپنے میل کچیل''

اس سے احرام کھول کر نہانا دھونا مراد ہے۔ حج کرنے والوں کے لیے ۱۰ ذوالحجہ کے دن چار افعال ضروری ہیں، یعنی رمی، نحر، حلق اور طواف۔ نحر اور حلق کے بعد احرام کھولو، پھر نہا دھو کر صاف لباس پہنو اور طوافِ زیارت کے لیے جاؤ۔

﴿وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴾ ''اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔''

آیت ۳۰ ﴿ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ﴾ ''یہ سن چکے! اور جو کوئی تعظیم کرے اللہ کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اس کے رب کے نزدیک۔''

اللہ نے جس جس چیز کو محترم ٹھہرایا ہے وہ سب ''حرمات اللہ'' ہیں۔ اس میں خود بیت اللہ اور حرمت والے مہینے بھی شامل ہیں۔ پھر جیسا کہ سورۃ المائدۃ میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ قربانی کے جانور جن کی گردنوں میں قلادے ڈالے گئے ہوں وہ بھی اور خود عازمینِ حج ﴿اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ (آیت ۲) بھی محترم ہیں۔ یہ سب حرمات اللہ ہیں اور ان سب کی تعظیم لازمی ہے۔

﴿وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾ ''اور حلال کر دیے گئے تمہارے لیے تمام چوپائے سوائے اس کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیا گیا ہے''

یعنی خنزیر کے بارے میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ وہ حرام ہے۔ باقی بکری، بھیڑ، گائے، اونٹ وغیرہ کی قربانی دی جاسکتی ہے۔

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ ''تو تم بچو بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹ بات سے۔''

یعنی شرک سے بچنا تمہاری پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ مکہ میں اس وقت بت پرستی عام تھی جو شرک کی بدترین شکل ہے۔

آیت ۳۱ ﴿حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ﴾ ''یکسو ہو جاؤ اللہ کے لیے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے۔''

اللہ کی بندگی میں کسی اعتبار اور کسی پہلو سے شرک کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ حقوق میں، نہ اختیارات میں۔

﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾ ''اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا تو وہ

ایسے ہے جیسے آسمان سے گر پڑا"

شرک کرنے والے انسان کی مثال ایسے ہے جیسے وہ کسی بلندی پر رسّی کی مدد سے لٹکا ہوا تھا تو اس کی رسّی کٹ گئی اور وہ یکدم تیزی سے نیچے آرہا ہے۔

﴿فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾﴾ "تو اسے پرندے اُچک لیں یا ہوا اُڑا پھینکے کسی دور دراز جگہ پر۔"

تو ایسے شخص کی اب کیفیت یہ ہے یا تو وہ باز اور عقاب جیسے شکاری پرندوں کے رحم و کرم پر ہوگا یا پھر تیز ہوا کا کوئی جھونکا اسے کسی کھائی میں پٹخ دے گا۔ مشرک کا ایسا انجام اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ کا دامن چھوڑ کر وہ بے سہارا ہو جاتا ہے، جبکہ توحید پرست شخص ایک مضبوط سہارے پر قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ ابراہیم کی آیت ۲۷ میں فرمایا گیا ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ "ثابت قدم رکھتا ہے اللہ اہلِ ایمان کو قولِ ثابت (کلمۂ توحید) کے ساتھ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔"

آیت ۳۲ ﴿ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾﴾ "یہ سب کچھ (تم نے سن لیا)، اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔"

شعائر کی واحد "شعیرۃ" ہے۔ لغوی اعتبار سے اس لفظ کا تعلق "شعور" سے ہے۔ اس مفہوم میں ہر وہ چیز "شعائر اللہ" میں سے ہے جس کے حوالے سے اللہ کی ذات، اس کی صفات اور اس کی بندگی کا شعور انسان کے دل میں پیدا ہو۔ اسی حوالے سے سورۃ البقرۃ میں صفا اور مروہ کو بھی شعائر اللہ کہا گیا ہے: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ﴾ (آیت ۱۵۸)۔ چنانچہ خود بیت اللہ، مقامِ ابراہیم، صفا اور مروہ سب شعائر اللہ میں شامل ہیں۔

آیت ۳۳ ﴿لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ "تمہارے لیے ان (قربانی کے جانوروں) میں نفع ہے ایک وقتِ معین تک"

یعنی قربانی کے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ مثلاً ان پر سواری کی جاسکتی ہے، ان کی اون وغیرہ کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے، دودھ پیا جاسکتا ہے اور اس طرح کے دوسرے فوائد بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾﴾ "پھر ان کی اصل منزل یہ قدیم گھر ہی ہے۔"

یعنی پھر قربانی کے دن ان جانوروں کو لے جا کر بیت اللہ میں پیش کرنا ہے۔ اصل "مَنحَر" (قربان گاہ) تو بیت اللہ ہی ہے، مگر اسے منیٰ تک وسعت دے دی گئی ہے۔ پرانے زمانے میں قربان گاہ مروہ کی پہاڑی کے پاس ہوا کرتی تھی اور منیٰ کے جس علاقے میں آج کل قربانی کی جاتی ہے وہ بھی دراصل اسی وادی میں شامل ہے جو مروہ سے شروع ہوتی ہے۔

آیات ۳۴ تا ۳۷

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

آیت ۳۴ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ﴾ ''اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک نظام مقرر کیا ہے تاکہ وہ اللہ کا نام لیا کریں ان مویشیوں پر جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔''

﴿فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ﴾ ''تو (جان لو کہ) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے' تو تم اُسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔''

اس کے ہر حکم کو تسلیم کرو اور اس کی مکمل اطاعت قبول کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ایک طرف تو قربانی دی جا رہی ہو اور دوسری طرف حرام خوری بھی جاری ہو۔ حرام کے مال سے ہی قربانی کے جانور خریدے جائیں اور پھر فوٹو بنوا کر اخباروں میں خبریں لگوائی جائیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ اس کو معبود ماننا ہے تو پھر اس کی مکمل اطاعت قبول کرو اور اُس کی حرام کردہ چیزوں میں منہ نہ مارو۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝۳۴﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) بشارت دے دیجیے عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔''

''اِخبات'' کے معنی اپنے آپ کو پست کرنے اور تواضع وانکساری اختیار کرنے کے ہیں۔

آیت ۳۵ ﴿الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں''

یعنی تواضع اختیار کرنے والے لوگوں کی یہ نشانی ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف سے کانپ اٹھتے ہیں۔ یہ مضمون سورۃ الانفال کی دوسری آیت میں بھی آیا ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''مؤمن تو بس وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں۔''

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳۵﴾ ''اور ان کو جو بھی تکلیف پہنچے اس پر صبر کرنے والے اور نماز قائم کرنے والے ہیں' اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ ''اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں سے بنایا ہے''

قربانی کے جانور خاص طور پر اونٹ بھی اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

﴿لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ﴾ ''تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے''

کہ ان کا گوشت تم خود بھی کھاتے ہو اور غرباء کو بھی کھلاتے ہو۔

﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ﴾ ''تو تم ان پر اللہ کا نام لو انہیں صفوں میں کھڑا کر کے۔''

صَوَآفّ ' صافّۃ کی جمع ہے' یعنی صف میں کھڑے ہوئے۔ یہ اونٹوں کی قربانی کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ انہیں قبلہ رو صف بستہ کھڑے کر کے نحر کرو۔ چونکہ اونٹ کو گرا کر ذبح کرنا بہت مشکل ہے' اس لیے کھڑے کھڑے ہی اس کی گردن میں برچھا مارا جاتا ہے۔ اس سے اس کی گردن کی بڑی رگ سے خون کا فوارہ چھوٹتا ہے اور جب زیادہ خون نکل جاتا ہے تو وہ خود بخود نیچے گر پڑتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی دی تھی' جن میں سے تریسٹھ اونٹوں کو آپ ﷺ نے اسی طریقے سے خود اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا تھا۔ حضور ﷺ جونہی ایک اونٹ کو برچھا مارتے تھے اگلا اونٹ فوراً اپنی گردن حاضر کر دیتا تھا۔ گویا آپ ﷺ کے ہاتھوں ذبح ہونا ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا: ؎

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی!

یہ شعور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ اونٹ تو پھر جاندار ہے' اللہ تعالیٰ نے تو ایک سوکھی لکڑی کو ایسا شعور عطا فرما دیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کے فراق میں بے قرار ہو کر رونے لگ پڑی تھی۔ یہ ایمان افروز واقعہ احادیث میں تفصیل سے بیان ہوا ہے' جس کا خلاصہ یوں ہے کہ شروع شروع میں مسجد نبویؐ کے اندر حضور ﷺ جس جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے وہاں کھجور کا ایک خشک تنا موجود تھا۔ آپؐ خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تو اس کے ساتھ ٹیک لگا لیتے۔ بعد میں اس مقصد کے لیے جب منبر بن گیا تو آپؐ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا پسند فرمایا۔ لیکن جب آپؐ پہلے دن منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اس خشک لکڑی سے ایسی آوازیں آنا شروع ہو گئیں جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر رو رہا ہو۔ یعنی وہ خشک لکڑی اپنی محرومی پر رو رہی تھی کہ آج کے بعد اسے حضور ﷺ کی معیت نصیب نہیں ہو گی۔ اس روز سے اس کا نام ''حنانہ'' (رقت والی) پڑ گیا۔ بعد میں اس جگہ پر ایک ستون تعمیر کر دیا گیا' جو ''ستونِ حنانہ'' سے موسوم ہے۔ مولانا رومؒ نے اپنے اس شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے: ؎

فلسفی کو منکرِ حنانہ است از حواسِ انبیاء بیگانہ است

کہ فلسفی کو ''حنانہ'' جیسے معاملہ کی سمجھ نہیں آ سکتی' اس لیے کہ وہ انبیاء کے مقام و مرتبہ سے واقف نہیں ہے۔ وہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی عام لوگوں پر ہی قیاس کرتا ہے۔ ایک عقلیت پسند شخص تو ایسے واقعہ کو تسلیم کرنے سے فوراً انکار کر دے گا۔ سر سید احمد خاں بھلا کیسے تسلیم کرتے کہ ایک سوکھی لکڑی سے رونے کی آواز آ سکتی ہے۔ بہر حال پرانے زمانے میں ایسی باتوں کا انکار فلسفی کیا کرتے تھے' آج کل سائنس دان اور عقلیت پرست دانشوران باتوں کے منکر ہیں۔

﴿ فَاِذَا وَجَبَتۡ جُنُوۡبُهَا ﴾ ’’تو جب ان کے پہلو زمین پر ٹک جائیں‘‘

جب خون بہنے سے اونٹ کمزور ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک طرف کو اپنی کروٹ کے بل زمین پر گر پڑتا ہے۔

﴿ فَكُلُوۡا مِنۡهَا وَاَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَالۡمُعۡتَرَّ ؕ ﴾ ’’تو اب اس میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والے اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ!‘‘

ایسے مواقع پر ان سفید پوش ناداروں کو بھی مت بھولو جو اپنی خودداری اور قناعت کے سبب کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو اپنی محرومی کے ہاتھوں بے قرار ہو کر مانگنے کے لیے آپ کے پاس آ گئے ہیں۔

﴿ كَذٰلِكَ سَخَّرۡنٰهَا لَكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ ﴾ ’’اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم شکر ادا کرو۔‘‘

اونٹ اتنا بڑا جانور ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے اس انداز سے مسخر کر دیا ہے کہ تم اسے برچھا مار کر نحر کر لیتے ہو اور پھر اس کا گوشت کھاتے ہو۔ اس کے لیے تم پر لازم ہے کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو۔

آیت ۳۷ ﴿ لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ ؕ ﴾ ’’اللہ تک نہ تو ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون، لیکن اس تک پہنچتا ہے تمہاری طرف سے تقویٰ۔‘‘

قربانی کا اصل فلسفہ یہی ہے، بلکہ ہر عبادت کا فلسفہ یہی ہے۔ کسی بھی عبادت کا ایک ظاہری پہلو یا ڈھانچہ ہے اور ایک اس کی روح ہے۔ ظاہری ڈھانچہ اپنی جگہ اہم ہے اور وہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر اس عبادت کا بجا لانا ممکن نہیں، لیکن یہ ظاہری پیکر اصل دین اور اصل مقصود نہیں ہے۔ کسی بھی عبادت سے اصل مقصود اس کی روح ہے۔ اسی نکتہ کو علامہ اقبال نے ان اشعار میں واضح کیا ہے:

رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالیؓ نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

اور

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے!

چنانچہ قربانی کا اصل مقصود ہمارے دلوں کا تقویٰ اور اخلاص ہے۔ اللہ کے ہاں جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص قربانی دے رہا ہے وہ اپنی معمول کی زندگی میں اس کی نافرمانی سے کتنا ڈرتا ہے؟ وہ اپنے روزمرہ کے معمولات میں اللہ کے احکام و قوانین کا کس قدر پابند ہے؟ کس قدر وہ اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کر رہا ہے؟ کیا قربانی کے جانور کا اہتمام اس نے رزقِ حلال سے کیا ہے؟ اس قربانی کے پیچھے اس کا جذبۂ اطاعت و ایثار کس قدر کارفرما ہے؟ یہ اور اسی نوعیت کی دوسری شرائط جو قربانی کی اصل روح اور تقویٰ کا تعین کرتی ہیں اگر موجود ہیں تو امید رکھنی چاہیے کہ قربانی اللہ کے حضور قابل قبول ہو گی۔ لیکن اگر یہ سب کچھ نہیں تو ٹھیک ہے آپ نے گوشت کھا لیا، کچھ غریبوں کو بھی اس میں سے حصہ مل گیا، اس کے علاوہ شاید قربانی سے اور کچھ فائدہ حاصل نہ ہو۔

﴿كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ ''اسی طرح اُس نے انہیں تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اللہ کی تکبیر کیا کرو اُس ہدایت پر جو اس نے تمہیں بخشی ہے۔''

مسلمان سال میں دو عیدیں مناتے ہیں۔ ایک عید الفطر ہے جو روزوں کے بعد آتی ہے اور دوسری عید الاضحیٰ جو حج کے ساتھ منسلک ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ سورۃ البقرۃ کے ۲۳ویں رکوع میں روزوں کے ذکر کے بعد بھی بالکل یہی حکم وارد ہوا ہے: ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۱۸۵﴾﴾ ''تا کہ تم لوگ اللہ کی تکبیر بیان کرو اُس ہدایت پر جس سے اس نے تمہیں سرفراز کیا ہے اور تا کہ تم شکر ادا کیا کرو''۔ یعنی دونوں مواقع پر اللہ کی تکبیر بلند کرتے ہوئے اس کی کبریائی کا اظہار کرنے کی خصوصی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی لیے عیدین کی نمازوں کے لیے آتے جاتے تکبیریں پڑھنے کی تاکید احادیث میں ملتی ہے اور عیدین کی نمازوں کے اندر بھی اضافی تکبیریں پڑھی جاتی ہیں۔

﴿وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۳۷﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) محسنین کو بشارت دے دیجیے۔''

محسنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام' ایمان اور تقویٰ کی منزلیں طے کرتے ہوئے درجۂ احسان تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ کی توفیق سے اس درجہ کو حاصل کر لیتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! آمین! ثم آمین!

آیات ۳۸ تا ۴۱

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ ع ۵ / ۱۲

اب ہمیں جن آیات کا مطالعہ کرنا ہے ان میں وارد احکام حضور ﷺ کی دعوت و تحریک کی جدوجہد میں ایک نئے موڑ (turning point) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ وہی آیات ہیں جو ہجرت کے سفر کے دوران میں نازل ہوئی تھیں۔ (قبل ازیں آیت ۱۱ کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا حوالہ گزر چکا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سورت کی کچھ آیات اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئی تھیں) — ان آیات کا مضمون اور مقام و محل اس پہلو سے بھی قابل غور ہے کہ سورۃ البقرۃ کے ۲۳ویں رکوع میں یعنی تقریباً سورت کے وسط میں رمضان المبارک اور روزے کے احکام و فضائل کا ذکر ہے اور اس کے بعد دو رکوع (۲۴واں اور ۲۵واں رکوع) قتال فی سبیل اللہ اور مناسک حج کے احکام پر مشتمل ہیں۔ بالکل اسی طرح یہاں

بھی اس سورت کے تقریباً وسط میں دو رکوع مناسک حج پر مشتمل ہیں اور اس کے فوراً بعد اب قتال فی سبیل اللہ کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے اگرچہ سورۃ البقرۃ اور سورۃ الحج کی باہمی مشابہت بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک بہت اہم حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ ان دونوں مضامین (حج اور قتال فی سبیل اللہ) میں بہت گہرا ربط ہے۔ اس ربط اور تعلق کی وجہ بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ کعبۃ اللہ جو خدائے واحد کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا وہ ان آیات کے نزول کے وقت مشرکین کے زیر تسلط تھا اور توحید کے اس مرکز کو انہوں نے شرک کا اڈّا بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس وقت امت مسلمہ کا پہلا فرضِ منصبی یہ قرار پایا کہ وہ اللہ کے اس گھر کو مشرکین کے تسلط سے واگزار کرا کے اسے واقعتاً توحید کا مرکز بنائے۔ لیکن یہ کام دعوت اور وعظ سے ہونے والا تو نہیں تھا' اس کے لیے طاقت کا استعمال ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں مقامات پر حج بیت اللہ کے احکام کے ساتھ ساتھ قتال فی سبیل اللہ کا تذکرہ ہے۔

آیت ۳۸ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''یقیناً اللہ مدافعت کرے گا اہل ایمان کی طرف سے۔''

اس تحریک میں اب جو نیا دور شروع ہونے جا رہا ہے اس میں مسلح تصادم ناگزیر ہے۔ چنانچہ آیت زیر نظر کا اصل پیغام یہ ہے کہ اس رزم گاہ میں اہل ایمان خود کو تنہا نہ سمجھیں۔ ان کی مدد اور نصرت کے لیے اور ان کے دشمنوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے اللہ ان کی پشت پر موجود ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾﴾ ''اللہ بالکل پسند نہیں کرتا ہر بڑے خیانت کرنے والے' ناشکرے کو۔''

یہ یقیناً مشرکینِ مکہ کا تذکرہ ہے' جو ایک طرف خیانت کی انتہائی حدود کو پھلانگ گئے تو دوسری طرف ناشکری میں بھی ننگ انسانیت ٹھہرے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی وراثت کے امین تھے۔ بیت اللہ گویا ان لوگوں کے پاس ان بزرگوں کی امانت تھی۔ یہ گھر تو تعمیر ہی اللہ کی عبادت کے لیے ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی گواہی ان الفاظ میں دی تھی: ﴿رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ (ابراھیم:۳۷) کہ پروردگار! میں اپنی اولاد کو اس گھر کے پہلو میں اس لیے بسانے جا رہا ہوں کہ یہ لوگ تیری عبادت کریں۔ پھر آپؑ نے اپنے اور اپنی اولاد کے لیے یہ دعا بھی کی تھی: ﴿وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾﴾ (ابراھیم) کہ پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی کی لعنت سے بچائے رکھنا۔ چنانچہ مشرکینِ مکّہ نے اللہ کے اس گھر اور توحید کے اس مرکز کو شرک سے آلودہ کر کے اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی نہیں کی تھی بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی متبرک امانت میں خیانت کا ارتکاب بھی کیا تھا۔

دوسری طرف یہ لوگ اپنے کرتوتوں سے اللہ کی ناشکری کے مرتکب بھی ہوئے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مکہ کو جو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ بیت اللہ کی وجہ سے ہے۔ وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف تھے کہ مشرق و مغرب کے درمیان تجارتی میدان میں ان کی اجارہ داری خانہ کعبہ ہی کے طفیل قائم ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شام (موسم گرما) اور یمن (موسم سرما) کے درمیان ان کے قافلے قبائلی حملوں اور روایتی لوٹ مار سے محفوظ رہتے تھے تو صرف اس لیے کہ وہ بیت اللہ کے متولی تھے۔ یہی وہ حقائق تھے جن کی

طرف ان کی توجہ سورۃ القریش میں دلائی گئی ہے: ﴿لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ② فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ④﴾ ''قریش کو مانوس کرنے کے لیے! انہیں سردیوں اور گرمیوں کے سفر سے مانوس کرنے کے لیے! پس انہیں چاہیے کہ وہ (اس سب کچھ کے شکر میں) اس گھر کے رب کی بندگی کریں' جس نے انہیں بھوک میں کھانا کھلایا' اور خوف میں امن بخشا۔''

مگر اس سب کچھ کے باوجود انہوں نے ناشکری کی انتہا کر دی۔ انہوں نے اللہ کی بندگی کے بجائے بُت پرستی اختیار کی اور بیت اللہ کو توحید کا مرکز بنانے کے بجائے اسے بُت خانے میں تبدیل کر دیا۔ اس پس منظر کو ذہن نشین کر کے آیت زیر نظر کا مطالعہ کیا جائے تو سیاق و سباق بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وہ خائن اور ناشکرے لوگ کون ہیں جنہیں اللہ پسند نہیں کرتا۔

آیت ۳۹ ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ﴾ ''اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کی گئی ہے' اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔''

سالہا سال سے انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ نت نئے طریقوں سے انہیں ستایا جا رہا تھا۔ انہیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اب تک اللہ تعالیٰ نے ایک حکم کے ذریعے ان کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ یہ حکم اگرچہ وحی جلی کی صورت میں قرآن میں نہیں آیا مگر سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ کے الفاظ میں تصدیق کی گئی ہے کہ انہیں اپنے ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وحی خفی کے ذریعے حضور ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے تمام اہل ایمان کو اس سے مطلع فرما دیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے' تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے' تمہیں زندہ بھون کر کباب کر دیا جائے' تم لوگ جواب میں ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔ بہرحال اب تک تو یہ حکم تھا' مگر اب ان کے ہاتھ کھولے جا رہے ہیں۔ اب انہیں اجازت دی جا رہی ہے کہ آئندہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ㊴﴾ ''اور یقیناً اللہ ان کی نصرت پر قادر ہے۔''

تاکیداً یہاں پھر فرما دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھیں' یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے اور وہ ضرور ان کی بھرپور مدد فرمائے گا۔

آیت ۴۰ ﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ ''وہ لوگ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے''

یعنی مہاجرین جنہیں اپنے اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

﴿اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ﴾ ''صرف اس (جرم) پر کہ انہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے!''

ان کا جرم بس یہ تھا کہ وہ اہل مکہ کے باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کو اپنا رب اور معبود مانتے تھے جس کی پاداش میں انہیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ ''اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے دُور نہ کرتا رہتا''

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۱ میں بھی آ چکا ہے۔ وہاں پر مشرک بادشاہ جالوت کے ساتھ حضرت طالوت کی جنگ کا ذکر کرنے کے بعد یہ اصول بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً زمین کی صفائی کرتا رہتا ہے۔ فاسد لوگ ہوں یا فاسد تہذیب وثقافت' جب ان کا فساد زمین میں ایک حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے اسے کسی دوسری طاقت کے ذریعے نیست و نابود کر دیتا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت میں فرمایا گیا کہ اگر اللہ ایسے نہ کرتا تو: ﴿لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ زمین میں ہر طرف فساد ہی فساد ہوتا۔ البتہ یہاں اس بگاڑ یا فساد کے ایک دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

﴿لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ﴾ ''توڑھا دیے جاتے ساری خانقاہیں' گرجے' کنیسے اور مسجدیں' جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔''

صَلَوٰتٌ' صلوٰۃ کی جمع ہے۔ صَلَوتَا عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس سے مراد یہودیوں کے عبادت خانے (Synagogues) ہیں۔ دراصل عبرانی اور عربی زبانوں میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یا تو ان کا آپس میں ماں بیٹی کا رشتہ ہے یا پھر دونوں سگی بہنیں ہیں۔ یعنی یا تو عربی زبان عبرانی سے نکلی ہے اور یا یہ دونوں کسی ایک زبان کی شاخیں ہیں۔ چنانچہ ان دونوں میں بہت سے الفاظ باہم مشابہ ہیں۔ مثلاً عربی کے لفظ ''سلام'' کی جگہ عبرانی میں ''شولوم'' بولا جاتا ہے۔ اسی طرح عبرانی کے ''یوم کپور'' کو عربی میں ''یومِ کفّارہ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی لفظ ''یوم'' تو جوں کا توں ویسے ہی ہے جبکہ ''کپور'' اور ''کفارہ'' میں بنیادی فرق ''پ'' اور ''ف'' کا ہے۔ عربی میں چونکہ ''پ'' نہیں ہے اس لیے اکثر زبانوں کی ''پ'' کی آواز عربی میں آ کر ''ف'' سے بدل جاتی ہے۔ جیسے اس سے پہلے سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۵ کے تحت ''ذوالکِفل'' کے حوالے سے ہندی کے لفظ ''کپل'' کا عربی کے ''کِفل'' کی صورت اختیار کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ بہر حال عبرانی اور عربی زبانوں کے الفاظ اور ان کی اصطلاحات میں اکثر مشابہت پائی جاتی ہے۔

تو اگر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا' یعنی مفسد قوتوں کو نیست و نابود نہ کرتا رہتا تو دنیا میں تمام مذاہب کی جتنی بھی عبادت گاہیں ہیں وہ سب کی سب منہدم کر دی جاتیں۔ ظاہر ہے یہ تمام عبادت گاہیں اپنے اپنے وقت میں ایک اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی تھیں۔

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ﴾ ''اور اللہ لازماً اُس کی مدد کرے گا جو اُس کی مدد کرے گا۔''

ان الفاظ میں اہل ایمان کے لیے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے۔ لہٰذا آیت کا یہ ٹکڑا ہر مسلمان کو ازبر ہونا چاہیے۔ اس عبارت میں تاکید کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں انتہائی تاکید کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔ فعل مضارع سے پہلے لام مفتوح (زبر کے ساتھ) بھی حرفِ تاکید ہے' جبکہ آخر میں نون مشدّد سے معنی میں مزید تاکید پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اَفْعَلُ کے معنی ہیں کہ میں یہ کروں گا' لیکن لَاَفْعَلَنَّ کے معنی ہوں گے کہ میں یہ لازماً کر کے رہوں گا۔

لیکن اس سلسلے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہ یک طرفہ معاملہ نہیں ہے' بلکہ یہ وعدہ مشروط ہے۔ تم

اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا! جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۲ میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ ”کہ تم مجھے یاد رکھو‘ میں تمہیں یاد رکھوں گا“۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ تم لوگ اللہ کے باغیوں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھاؤ‘ تمہاری وفاداریاں اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہوں اور پھر بھی تم چاہو کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ اس سلسلے میں اسی سورت کی آیت ۱۵ کا مضمون بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے‘ جس میں اللہ کی مدد پر بندۂ مؤمن کے پختہ یقین کا معاملہ زیر بحث آیا ہے۔ دراصل یہ بندۂ مؤمن کا ”یقین“ ہی ہے جو اس کے صبر واستقامت اور ثبات واستقلال کے لیے سہارا فراہم کرتا ہے۔ اور اگر دل میں یقین کی جگہ بے یقینی ڈیرے جما لے اور اس بے یقینی کے ہاتھوں نصرتِ الٰہی کی اُمید کی رسی ہی کٹ جائے تو پھر ایسے شخص کے لیے دنیا میں اور کوئی سہارا نہیں رہتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰﴾ ”یقیناً اللہ طاقتور ہے‘ زبردست ہے۔“

یعنی اللہ نے تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے تو جان لو کہ وہ زبردست طاقت کا مالک اور ہر وقت‘ ہر جگہ تمہاری مدد پر پوری طرح قادر ہے۔

آیت ۴۱ ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ ”وہ لوگ کہ اگر انہیں ہم زمین میں تمکّن عطا کر دیں تو“

”تمکّن“ کا ذکر اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے سورۂ یوسف کی آیت ۲۱ اور ۵۶ میں بھی آ چکا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں تمکّن عطا کیا“۔ تو اپنے ان مؤمن بندوں کو اگر ہم کسی خطۂ زمین کا اختیار واقتدار عطا کریں گے تو ان کا لائحہ عمل کیا ہو گا؟

﴿اَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ ”وہ نماز قائم کریں گے“

مؤمنین کو اگر کسی ملک پر حکومت کرنے کا اختیار ملے گا تو وہ اپنی پہلی ترجیح کے طور پر نماز کا نظام قائم کریں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچتے ہی جمعہ کے قیام کا اہتمام فرمایا اور اقامتِ صلوٰۃ کے لیے ترجیحی بنیادوں پر مسجد نبوی کی تعمیر کی۔

﴿وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ ”اور زکوٰۃ ادا کریں گے“

پھر زکوٰۃ کا باقاعدہ نظام قائم کیا جائے گا تاکہ معاشرے کے پس ماندہ طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی کفالت کا بندوبست ہو سکے۔

﴿وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور وہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔“

﴿وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱﴾ ”اور تمام امور کا انجام تو اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔“

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ آیات سفر ہجرت کے دوران میں نازل ہوئی تھیں تو ان میں سے خصوصی طور پر یہ آیت حضور ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد کی صورت حال کے لیے ایک منشور (manifesto) کا درجہ رکھتی ہے۔ چونکہ عنقریب مدینہ میں آپ ﷺ کا ورود ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت سے ہونے والا تھا اور مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ کو اختیار واقتدار ملنے والا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیشگی بتا دیا کہ اس صورت حال میں آپ ﷺ کی ترجیحات کیا ہوں گی۔ چنانچہ جس طرح آج کل ہر سیاسی پارٹی الیکشن سے پہلے اپنا منشور جاری کرتی

ہے کہ حکومت ملنے کی صورت میں ہماری ترجیحات کیا ہوں گی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو ہمیشہ کے لیے ایک منشور عطا کر دیا ہے کہ کسی ملک میں اقتدار ملنے کی صورت میں انہیں کون کون سے امور ترجیحی بنیادوں پر انجام دینے ہوں گے۔

یہ وہ خاص آیات (۳۸ تا ۴۱) ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگ اس سورت کو مدنی سورت سمجھتے ہیں' البتہ درست موقف یہی ہے کہ یہ آیات یا تو اثنائے سفرِ ہجرت میں نازل ہوئیں یا نبی اکرم ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد۔ لیکن انہیں مضامین حج کی مناسبت سے اس مکی سورت میں اس مقام پر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد اگلی آیت سے دوبارہ مکی انداز کے مضامین کا آغاز ہو رہا ہے۔

آیات ۴۲ تا ۴۸

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع ۶ / ۱۳

آیت ۴۲ ﴿وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو ان سے پہلے قومِ نوحؑ' قومِ عاد اور قومِ ثمود کے لوگ بھی (رسولوںؑ کو) جھٹلا چکے ہیں۔''

آیت ۴۳ ﴿وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور ابراہیمؑ کی قوم اور لوطؑ کی قوم بھی (رسولوںؑ کی تکذیب کر چکی ہے)۔''

آیت ۴۴ ﴿وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى﴾ ''اور مدین کے لوگ بھی (اپنے پیغمبر کو جھٹلا چکے ہیں) اور موسیٰؑ کی بھی تکذیب ہو چکی ہے''

﴿فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾﴾ ''تو میں نے ان کافروں کو کچھ ڈھیل دی' پھر میں نے ان کو پکڑ لیا' تو کیسی رہی میری پکڑ؟''

ان اقوام کے انجام سے متعلق تفصیلات قرآن میں بار بار بیان ہوئی ہیں۔

آیت ۴۵ ﴿فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ ظالم تھیں''

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جس جس بستی کو ہلاک کیا ان کے باسی مجرم اور گناہگار تھے۔ جب بھی کوئی بستی کفر و شرک اور دوسرے گناہوں کے سبب معصیت اور برائی کا مرکز بن جاتی تو اس کا وجود معاشرے کے لیے خطرے کی علامت بن جاتا۔ چنانچہ جس طرح انسانی جسم کا کوئی حصہ گل سڑ کر متعفّن مواد سے بھر جائے تو باقی جسم کو محفوظ رکھنے کے لیے اس حصے یا عضو کو کاٹ پھینکنا ناگزیر ہو جاتا ہے' بالکل اسی طرح اللہ کی مشیت سے ہر ایسی بستی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

﴿فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا﴾ ''تو وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر''

﴿وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ﴾ ''اور کتنے ہی ناکارہ کنویں (بند پڑے ہیں)''

ان تباہ ہونے والی بستیوں میں کتنے کنویں ہوں گے جو کسی وقت بڑی محنت سے کھودے گئے ہوں گے۔ اپنے اپنے وقت پر ان کنوؤں پر پانی بھرنے والے لوگوں کے کیسے کیسے جمگھٹے رہا کرتے ہوں گے' مگر اب وہ کنویں ویران و معطل پڑے ہیں۔

﴿وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾﴾ ''اور کتنے ہی مضبوط بنائے ہوئے محل (بھی ویران پڑے ہیں)۔''

ان قوموں کے گچ کاری کیے گئے مضبوط اور عالی شان محل اب کھنڈرات میں تبدیل ہوئے پڑے ہیں۔ سپین میں جا کر الحمرا کو دیکھو! کبھی یہ محل مسلمان فرمانرواؤں کا مسکن تھا' آج اس کی کیا کیفیت ہے؟ قرطبہ کی عالی شان مسجد کو دیکھو! جہاں اب نہ کوئی سجدہ کرنے والا ہے اور نہ وہاں کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہے۔

[بِئْرٍ اور قَصْرٍ ، قَرْيَةٍ پر عطف ہیں۔]

آیت ۴۶ ﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ﴾ ''تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ ہوتے ان کے دل جن سے یہ سمجھتے!''

اگر یہ لوگ عقل اور سمجھ سے کام لیتے تو پیغمبروں کو جھٹلانے والی قوموں کی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھ کر عبرت پکڑتے اور اصل بات کی تہہ تک پہنچتے۔ اس آیت میں ایک بہت اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ یہاں لفظ ''قلب'' کے ساتھ عقل اور سمجھنے کے تعلق کی بات ہوئی ہے۔ یہ بات کئی دفعہ اس سے پہلے بھی میں دہرا چکا ہوں کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے۔ اس مرکب کی ایک اکائی تو اس کا جسم ہے جو خالص ایک حیوانی وجود ہے۔ اس وجود میں حیوانوں کی تمام تر خصوصیات (faculties) موجود ہیں۔ اس لحاظ سے انسان گویا اعلیٰ ترین حیوان ہے' یعنی اپنے جسم کی ساخت کے اعتبار سے وہ تمام حیوانوں سے افضل ہے۔ لیکن اپنے اس حیوانی وجود کے ساتھ ساتھ انسان اپنا ایک روحانی وجود بھی رکھتا ہے' جو اس کے حیوانی وجود سے علیحدہ اور مستقل بالذات

وجود ہے۔ انسان کے ان دونوں وجودوں کے ملاپ اور امتزاج کی ترکیب اور کیفیت کے متعلق ہم کچھ بھی ادراک نہیں رکھتے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ انسانی وجود کے اندر جو ''جان'' (life) ہے وہ کہاں ہے؟ کیا یہ جان دل میں ہے؟ لیکن دل تو آج کل بدل بھی دیا جاتا ہے اور جان وہیں کی وہیں رہتی ہے۔ تو کیا یہ جان دل سے متعلق ہے یا دماغ سے متعلق؟ حقیقت بہر حال یہی ہے کہ اس کے متعلق ہم واقعی نہیں جانتے۔ تو جب ہم جان کے متعلق ہی کچھ نہیں جانتے تو اس سے آگے بڑھ کر ''روح'' کے متعلق ہم کیا جان سکتے ہیں کہ انسان کی روح اس کے جسم کے اندر کس طور سے صحبت پذیر ہے؟ ؎

اتّصالے بے تکیّف بے قیاس! ہست ربّ النّاس را با جانِ ناس

انسان کے حیوانی اور روحانی وجود میں باہم مصاحبت اور اتصال تو ہے' لیکن اس کی نوعیت واقعتاً کیا ہے؟ بقول شاعر یہ مصاحبت اور اتصال ''بے تکیف و بے قیاس'' ہے۔ نہ اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے کسی اور چیز پر قیاس کیا جا سکتا ہے' لیکن انسان کے دو علیحدہ علیحدہ وجود بہر حال موجود ہیں۔ ان میں سے اس کا روحانی وجود بہت پہلے عالم ارواح میں پیدا کیا گیا تھا' جس کا حوالہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۴ میں اس طرح آیا ہے: ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ جبکہ ہر انسان کے مادی یا جسمانی وجود کی پیدائش اس دنیا یا عالم خلق کے اندر اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے۔

اس ساری تفصیل میں سیاق وسباق کے حوالے سے سمجھنے کی اصل بات یہ ہے کہ انسان کے دونوں وجودوں میں سے ہر وجود کی اپنی اپنی صلاحیتیں اور اپنے اپنے ذرائع علم ہیں۔ روح کی اپنی عقل' اپنی بصارت اور اپنی سماعت ہے' جبکہ حیوانی وجود کی اپنی عقل ہے' اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں حیوانی وجود ہی کے حواس کا ذکر ہے: ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝۳۶﴾۔ سورۂ بنی اسرائیل کے مطالعے کے دوران اس آیت کے تحت حیوانی وجود کے ذرائع علم سے متعلق تفصیلاً گفتگو ہو چکی ہے۔ اب آیت زیر نظر میں روحانی وجود کے ذرائع علم کی بات ہو رہی ہے۔ اس کو مختصراً یوں سمجھ لیں کہ روح دیکھتی بھی ہے' سنتی بھی ہے اور سمجھتی بھی ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے یہاں فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں کے دل ہوتے جن سے یہ بات سمجھتے!

﴿اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ﴾ ''یا (ہوتے ان کے) کان جن سے یہ سنتے!''

﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ۝۴۶﴾ ''تو اصل میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں' بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔''

ذرا غور کریں' یہ کون سا اندھا پن ہے؟ دراصل یہی وہ اندھا پن تھا جو ابوجہل' ابولہب اور ولید بن مغیرہ جیسے لوگوں کو لاحق تھا۔ ان کی آنکھیں تو اندھی نہیں تھیں' لیکن ان کے دل مکمل طور پر اندھے ہو چکے تھے۔ ان کی روحوں پر دُنیوی اغراض' ہٹ دھرمیوں اور عصبیتوں کے غلیظ پردے پڑ چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی روحیں نہ دیکھ سکتی تھیں' نہ سن سکتی تھیں اور نہ سمجھ سکتی تھیں۔ ایسے لوگوں کا دیکھنا اور سننا صرف حیوانی سطح کا دیکھنا اور سننا ہوتا

ہے۔ جیسے تیزی سے گزرتی ہوئی کار کو دیکھ کر انسان بھی ایک طرف ہو جاتا ہے اور کُتا بھی اس سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔ اس حوالے سے انسان اور کُتّے کے دیکھنے میں کوئی فرق نہیں۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ اپنی ان صلاحیتوں کے اعتبار سے حیوانوں کی سطح سے ترقی کر کے انسانی مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اسی نکتہ کو اقبال جیسے صاحبِ نظر نے یوں بیان کیا ہے: ''دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!'' کہ ذرا دوسری طرح کا دیکھنا سیکھو اور دوسرے انداز کا سننا سیکھو!

قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے عذابِ الٰہی کی زد میں آنے والی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرا کرتے تھے۔ وہ لوگ ان کھنڈرات کو دیکھتے تو تھے لیکن وہ یہ سب کچھ حیوانی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ نہ وہ ان سے کوئی سبق حاصل کرتے تھے' نہ عبرت پکڑتے تھے۔ انسان کی یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں آیت زیرِ مطالعہ میں فرمایا گیا ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ اس لیے کہ روح کا مسکن قلب ہے۔ ہم یہ تو نہیں سمجھ سکتے کہ اس ملاپ کی نوعیت اور کیفیت کیا ہے اور نہ ہی ہم دل کے اندر کسی طریقے سے روح کے اثرات کا کھوج لگا سکتے ہیں' کیونکہ وہ ایک غیر مرئی چیز ہے' لیکن انسان کے حیوانی وجود کے اندر روح کا تعلق بہرحال اس کے ''قلب'' کے ساتھ ہی ہے۔

آیت ۴۷ ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ عذاب کے بارے میں آپ سے جلدی مچا رہے ہیں' اور اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا۔''

عذاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سب وعدے ہر صورت میں پورے ہوں گے اور ان لوگوں پر عذاب آ کر رہے گا۔ البتہ یہ عذاب کب آئے گا؟ کس شکل میں آئے گا؟ اس کے بارے میں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اس نے ایسی تمام معلومات خفیہ رکھی ہیں۔ سورۃ الانبیاء میں اس موضوع سے متعلق حضور ﷺ سے یوں اعلان کرایا گیا: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۱۰۹﴾ ''اور میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم لوگوں سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا کچھ عرصے بعد آئے گا۔''

﴿وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۴۷﴾ ''اور یقیناً ایک دن آپؐ کے رب کے نزدیک ایک ہزار برس کی طرح ہے اُس حساب سے جو گنتی تم کرتے ہو۔''

دنیا میں عام انسانی حساب کے مطابق ایک ہزار برس کا عرصہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے۔ سورۃ السجدۃ میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۵﴾ ''اللہ آسمان سے زمین تک کے ہر معاملے کی تدبیر کرتا ہے' پھر یہ چڑھتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ہے ایک ہزار سال' جیسے تم لوگ گنتے ہو''۔ یہ ''تدبیرِ اَمر'' دراصل اللہ تعالیٰ کے ان تین کاموں میں سے ایک ہے جن کے متعلق قبل ازیں سورۂ یونس کی آیت ۳ کے تحت (جلد چہارم) شاہ ولی اللہ ؒ کی تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے حوالے سے بتایا جا چکا ہے' یعنی ابداع'

خلق اور تدبیر۔ چنانچہ اس تیسرے کام (تدبیر) کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو طرح طرح کے احکام دیے جاتے ہیں اور پھر فرشتوں کے ذریعے سے ہی ان احکام کی تنفیذ (execution) ہوتی ہے۔ اس منصوبہ بندی میں اللہ کے ہاں ایک دن کا عرصہ انسانی گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ مضمون چونکہ بہت واضح الفاظ کے ساتھ قرآن میں دو مرتبہ آیا ہے اس لیے یہ معاملہ ''متشابہات'' میں سے نہیں بلکہ ''محکمات'' کے درجے میں ہے۔

آیت ۴۸ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں کہ میں نے انہیں ڈھیل دی تھی لیکن وہ گناہ گار تھیں''

﴿ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۴۸﴾ ''پھر میں نے ان کو پکڑ لیا' اور (سب نے) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

آیات ۴۹ تا ۵۷

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۴۹ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۵۰ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۵۱ وَمَآ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ
اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۵۲ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۵۳
وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵۴ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ
حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۵۵ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۵۶ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۵۷ ع ۹/۱۴

آیت ۴۹ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۴۹﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ اعلان کر دیجیے کہ میں تو تمہارے لیے بس ایک واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔''

کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی اسی لیے ہے کہ میں تم لوگوں کو آنے والی زندگی کے مراحل کی تمام تفصیلات سے واضح طور پر خبردار کر دوں۔

آیت ۵۰ ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۵۰﴾ ''تو جو لوگ ایمان

لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لیے (اللہ کی طرف سے) مغفرت اور بہت باعزت روزی ہے۔"

آیت ۵۱ ﴿وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۵۱﴾ "اور جو لوگ ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی تگ و دو کرتے ہیں وہی ہیں جو جہنم والے ہیں۔"

یعنی وہ لوگ جن کی ساری بھاگ دوڑ اور تگ و دو اللہ تعالیٰ کی آیات کو ناکام اور غیر مؤثر بنانے، گویا اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی منصوبہ بندی کی راہ میں روڑے اٹکانے میں ہے وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

آیت ۵۲ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ﴾ "اور ہم نے نہیں بھیجا آپؐ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی، مگر یہ کہ جب اُس نے خود کوئی خیال باندھا تو شیطان نے اُس کے خیال میں خلل اندازی کی۔"

لفظ "تمنا" اردو میں بھی مستعمل ہے۔ لغوی اعتبار سے اس مادہ میں آرزو اور خواہش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی جس طرح ایک عام آدمی سوچتا ہے، خواہش کرتا ہے اور مختلف امور میں منصوبہ بندی کرتا ہے اسی طرح نبیؑ اور رسولؑ بھی سوچتا ہے اور منصوبہ بندی کرتا ہے۔ مثلاً ابوطالب کی وفات کے بعد جب ابولہب بنو ہاشم کا سردار بن گیا اور اس کی ذاتی دشمنی کے باعث آپ ﷺ کو اپنے قبیلے کی پشت پناہی حاصل نہ رہی تو آپؐ نے سوچا کہ اب کیا کروں؟ (ع "کس طرف جاؤں، کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں!") چنانچہ ان حالات میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن وہاں سے کوئی مثبت جواب نہ ملا اور آپؐ کو بظاہر ناکام لوٹنا پڑا۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق وہ دن آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دن (یومِ اُحد سے بھی زیادہ سخت) ثابت ہوا۔ بہرحال آپ ﷺ نے منصوبہ بندی بھی کی اور اس کے مطابق کوشش بھی کی۔ یہ الگ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ سعادت اہلِ طائف کے بجائے اہلِ یثرب کی قسمت میں لکھی گئی تھی۔ تو جب کوئی نبی اپنی منصوبہ بندی کرتا ہے تو شیطان اپنی طرف سے ان کے خیال میں کچھ نہ کچھ خلل ضرور ڈالتا ہے۔

عصمتِ انبیاء کے بارے میں تمام اہل ایمان چونکہ بہت حساس ہیں اس لیے آیت زیر مطالعہ کے الفاظ سے جو مفہوم بظاہر سامنے آتا ہے وہ گویا ہر مسلمان کے حلق میں پھنس جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کی تفسیر وتشریح میں بہت سی دور ازکار تاویلات بھی لائی گئی ہیں۔ بہرحال میرے خیال میں یہ بالکل سیدھا سادہ مسئلہ ہے۔ اس کو یوں سمجھیں کہ کسی رسول یا نبی کی شخصیت اور خواہشات وتعلیمات کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو براہِ راست وحی الٰہی کے تابع ہے۔ اس پہلو سے متعلق معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے سے براہِ راست واضح ہدایات ملتی رہتی ہیں۔ ان ہدایات یا احکام میں کسی خطا یا غلطی کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی اس میں شیطان یا شیطانی قوتیں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکتی ہیں۔

دوسری طرف نبیؑ کی شخصیت کا ایک ذاتی اور نجی پہلو بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ نبیؑ کی کوئی ذاتی شخصیت یا سوچ ہوتی ہی نہیں، بلکہ بہت سے معاملات میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کو ایک حکم دے دیا جاتا ہے اور اس حکم پر عمل کرنے کے بارے میں نبیؑ خود سوچتا ہے، خود منصوبہ بندی کرتا ہے اور خود فیصلہ کرتا ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کو

ایک حکم دے دیا گیا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾(۲۱۴) (الشعراء) کہ آپ ﷺ تبلیغ شروع کیجیے اوراس سلسلے میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبر دار کیجیے۔ اس حکم کی تعمیل کے لیے حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک ضیافت کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے بنو ہاشم کے تمام مَردوں کو مدعو کیا اور سب کو کھانا کھلایا۔ آپ ﷺ نے ان تک اپنا دعوتی پیغام پہنچانے کے لیے یہی طریقہ مناسب خیال کیا۔ گویا ایسے کسی حکم پر عمل کے لیے جزئیات کی منصوبہ بندی کرنے کا تعلق نبیؑ کے ذاتی اجتہاد سے ہے۔ چنانچہ ان تدبیری معاملات کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو براہِ راست وحی کی ہدایت کا ہوتا ہے۔

اس فرق کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت اچھی طرح سمجھتے تھے اور اس کی بہت سی عملی مثالیں بھی ہمیں سیرت سے ملتی ہیں۔ مثلاً غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ایک جگہ کی تخصیص فرما کر حکم دیا کہ لشکر کا کیمپ اس جگہ پر لگایا جائے۔ اس پر کچھ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر اس جگہ کے انتخاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم ہے تو سرِ تسلیم خم ہے! لیکن اگر یہ آپؐ کی رائے ہے تو ہمیں بھی اپنی رائے پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے نہ صرف انہیں رائے دینے کی اجازت دی بلکہ ان کی رائے کو قبول بھی فرمایا اور لگے لگائے کیمپ کو اکھاڑ کر ان کی تجویز کردہ جگہ پر لگانے کا حکم دیا۔ یہ چونکہ حضور ﷺ کی ذاتی تدبیر تھی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں اختلاف کی گنجائش محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنے عملی تجربات کی روشنی میں رائے دی۔ دوسری طرف اگر یہ فیصلہ وحی کی روشنی میں کیا گیا ہوتا تو کیمپ کے اکھاڑے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔

اسی طرح ''تابیرِ نخل'' کے معاملے کی مثال بھی بہت واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں پر کھجور کے درختوں کو بار آور کرنے کے لیے زیرہ پوشی کا مصنوعی طریقہ (artificial pollination) اختیار کیا جاتا تھا' یعنی نر درخت کے پھولوں کو مادہ درخت کے پھولوں پر جھاڑا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو یہ عمل کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو شاید بہتر ہو! آپ ﷺ کے ایسا فرمانے پر لوگوں نے اس سال وہ عمل نہ کیا تو اس کے نتیجے میں فصل واضح طور پر کم ہوئی۔ اس پر ان لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس سال ہم نے تابیرِ نخل کے مروّجہ طریقے پر عمل نہیں کیا تو ہماری فصل کم ہوئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ))[۱] یعنی آپ لوگ اپنے دُنیوی امور کے بارے میں مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محدثین عظام پر اپنی خصوصی رحمتیں' برکتیں اور نعمتیں نازل فرمائے۔ ان لوگوں کی محنتوں اور کوششوں سے حضور ﷺ کی احادیث محفوظ ہوئیں اور پھر ہم تک پہنچ کر ہماری راہنمائی کا ذریعہ بنیں۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مقصد اور مفہوم یہی ہے کہ دُنیوی معاملات کے مختلف شعبوں میں تم لوگوں کو ایسے تجربات حاصل ہیں جو مجھے حاصل نہیں اور میں تم لوگوں کو ان معاملات میں تعلیم دینے کے لیے مبعوث بھی نہیں ہوا۔ میں تم لوگوں کو زراعت کے اصول سکھانے کے لیے نہیں آیا۔ میں تو تم لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے آیا ہوں اور یہی میری رسالت کا بنیادی مقصد اور موضوع ہے۔ چنانچہ رسالت سے متعلق امور میں آپ لوگوں

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب وجوب امتثال ما قاله شرعا دون ما ذكره من معايش۔

کے لیے میرا اتباع لازمی ہے‘ لیکن دنیوی معاملات تم لوگ اپنے تجرباتی علم کی بنیاد پر ہی انجام دو۔ اگر دیکھا جائے تو اہلِ مدینہ کا تابیرِ نخل سے متعلق مذکورہ عمل سائنسی اصولوں پر مبنی تھا۔ سائنس کی بنیاد تجربات پر رکھی گئی ہے اور سائنسی علوم کا ارتقاء (development) بھی تجربات کے ذریعے سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ فرما کر حضور ﷺ نے تجرباتی یا سائنسی علوم کی گویا حوصلہ افزائی فرمائی کہ اپنے دُنیوی معاملات کو تم لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہو اور یہ کہ ان امور کو تم لوگ اپنے تجرباتی علم کی بنیاد پر ہی انجام دیا کرو۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبیؑ یا رسولؑ کی وہ تعلیمات اور وہ ہدایات جو براہِ راست وحی الٰہی کے تابع ہوں ان میں نہ تو کسی قسم کی خطا کا امکان ہے اور نہ ہی ان کے اندر شیطانی قوتوں کی در اندازی کا کوئی احتمال ہے‘ لیکن عام دنیوی امور اور ان کی جزئیات کے بارے میں فیصلے کرتے ہوئے جہاں ایک نبی یا رسول اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لے رہا ہو وہاں پر کسی خطا یا شیطانی خلل اندازی کا امکان موجود رہتا ہے۔ میری یہ توجیہہ ''موضح القرآن'' میں بیان کردہ شاہ عبدالقادرؒ کی رائے کے قریب ترین ہے‘ لہٰذا مجھے اس پر پورا اطمینان ہے۔

﴿فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ﴾ ''تو اللہ منسوخ کر دیتا ہے اسے جو کچھ شیطان نے ڈالا ہوتا ہے‘ پھر اللہ اپنے فیصلوں کو پختہ کر دیتا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٥٢﴾﴾ ''اور اللہ سب کچھ جاننے والا‘ کمال حکمت والا ہے۔''

آیت ۵۳ ﴿لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''تاکہ وہ شیطان کی طرف سے کی گئی آمیزش کو فتنہ بنا دے ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں مرض ہو‘ اور جن کے دل سخت ہو چکے ہوں۔''

﴿وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿٥٣﴾﴾ ''اور یقیناً ظالم لوگ مخالفت اور دشمنی میں بہت دور جا چکے ہیں۔''

آیت ۵۴ ﴿وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ وہ لوگ جان جائیں جنہیں علم دیا گیا ہو‘ کہ یقیناً یہ حق ہے آپؐ کے رب کی طرف سے''

ایسے لوگ کسی بھی معاملے میں اللہ کے فیصلے پر پورے شرحِ صدر کے ساتھ ایمان اور یقین رکھتے ہیں۔

﴿فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''تو وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دل اُس (اللہ) کے آگے جھک جائیں۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٥٤﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ اہلِ ایمان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔''

یعنی مخلص اہلِ ایمان سے کسی وقت اگر کہیں کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا رخ پھیر کر درست سمت کی طرف موڑ دیتا ہے۔

آیت ۵۵ ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ﴾ ''اور کافر تو اس بارے میں ہمیشہ شک وشبہ میں ہی رہیں گے''

ان کے شکوک وشبہات تو کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

﴿حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ﴾ ''یہاں تک کہ یا تو ان پر قیامت اچانک آن دھمکے یا ایک بانجھ دن کا عذاب ان پر مسلط ہو جائے۔''

''بانجھ دن'' سے مراد ایسا دن ہے جو ہر خیر سے خالی ہو۔ یعنی وہ دن جس میں کسی قوم کی بربادی کا فیصلہ ہو جائے۔

آیت ۵۶ ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''اُس دن بادشاہی صرف اللہ کی ہوگی۔ وہی ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔''

کائنات کا حاکم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کائنات میں ہر جگہ، ہر وقت اسی کا حکم چل رہا ہے، لیکن آج اس حقیقت پر کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں ہمیں ڈرامے کے کرداروں کی طرح چھوٹے چھوٹے بادشاہ، فرمانروا، سردار وغیرہ بھی مقتدر اور بااختیار نظر آتے ہیں، لیکن جب قیامت کا دن آئے گا تو یہ سب پردے اٹھ جائیں گے۔ اس دن تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ﴾ (المؤمن:۱۶) ''آج کے دن بادشاہی کس کی ہے؟'' اور پھر خود ہی جواب دیا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ''صرف اُس اللہ کی جو واحد ہے، قہار ہے!''

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ ''تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے وہ نعمتوں والے باغات میں ہوں گے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔''

آیات ۵۸ تا ۶۴

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ
لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ
وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ
اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ ع ۸ / ۱۵

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں''
ہجرت کا یہ مضمون یہاں پر موقع محل کی مناسبت سے آیا ہے۔ یہ مکی دور کے آخری زمانے کی سورت ہے اور جس طرح ہجرت سے متصلاً بعد سورۃ البقرۃ کا نزول ہوا اسی طرح ہجرت سے متصلاً قبل سورۃ الحج نازل ہوئی۔

﴿ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ﴾ ''پھر وہ قتل ہو گئے یا فوت ہو گئے (دونوں صورتوں میں) اللہ ان کو لازماً رزقِ حسنہ عطا فرمائے گا۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۵۸﴾ ''اور یقیناً اللہ ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔''

آیت ۵۹ ﴿لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ﴾ ''وہ لازماً ان کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جس سے وہ راضی ہو جائیں گے۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝۵۹﴾ ''اور اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا' تحمل کرنے والا ہے۔''

آیت ۶۰ ﴿ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ﴾ ''یہ تو ہے ہی! اور جو شخص بدلہ لے اسی قدر جس قدر اس پر زیادتی کی گئی''

﴿ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ﴾ ''پھر اس پر مزید زیادتی کی جائے تو اللہ لازماً اُس کی مدد کرے گا۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰﴾ ''یقیناً اللہ معاف فرمانے والا' بخشنے والا ہے۔''

یعنی مسلمانوں پر اس سے قبل جو زیادتیاں ہو چکی ہیں اب وہ ان کا بدلہ لے سکتے ہیں' اور پھر مزید کسی زیادتی کی صورت میں بھی اللہ ان کی مدد فرمائے گا۔

آیت ۶۱ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ''اور یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے''

یعنی اس کائنات کا پورا نظام عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ رات دن کا یہ الٹ پھیر اس نظام کے اندر موجود اعتدال و توازن کی ایک مثال ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کا یہ نظام ایسے ہی چل رہا ہے جیسے کہ اسے چلنا چاہیے۔ اس نظام کو درست رکھنے کے لیے قدرت کی طرف سے جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں ان سے متعلق قبل ازیں آیت ۴۰ میں ایک راہنما اصول بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے نظام میں ظالم اور مفسد قوتوں کو مستقلاً برداشت نہیں کرتا اور دوسری قوتوں کے ذریعے انہیں نیست و نابود کرتا رہتا ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ﴾ ''اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں کے ذریعے دور نہ کرتا رہتا' تو ڈھا دیا جاتا خانقاہوں' گرجوں' معبدوں اور مسجدوں کو' جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے''۔ چنانچہ جس طرح اللہ تعالیٰ انسانی معاشرے کے نظام کو عدل پر قائم رکھنے کے لیے انتظامات کرتا ہے اسی طرح اس نے کائناتی اور آفاقی نظام کو بھی ٹھیک چلانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ۝۶۱﴾ ''اور یہ کہ اللہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے۔''
اللہ کی ذات برحق ہے‘ جس کا حق ہونا قطعی اور یقینی ہے۔

﴿وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴿۶۲﴾﴾ ''اور یہ کہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں اُس کے سوا وہ سب باطل ہے‘ اور یہ کہ یقیناً اللہ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ﴿۶۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ باریک بین اور بہت باخبر ہے۔''
یہاں پر ''لطیف'' کے یہ معنی بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ خفیہ تدبیریں کرنے والا ہے۔

آیت ۶۴ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔''

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴿۶۴﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ بے نیاز‘ اپنی ذات میں خود حمید ہے۔''
اسے کوئی احتیاج نہیں‘ وہ ستودہ صفات ہے‘ اپنی ذات میں خود محمود ہے‘ اسے کسی حمد کی ضرورت نہیں۔

آیات ۶۵ تا ۷۲

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ
اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ
ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا
يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ
اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ
يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا
الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ
اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع ۹/۸/۱۶

آیت ۶۵ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے زمین کی سب چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے''

یعنی تمہاری خدمت گزاری اور تمہاری ضروریات کی بہم رسانی میں لگا دیا ہے۔

﴿وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ﴾ ''اور کشتی کو جو چلتی ہے سمندر میں اُس کے حکم سے!''

﴿وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ ''اور وہ تھامے ہوئے ہے آسمان کو کہ وہ گر نہ جائے زمین پر مگر اُس کے حکم سے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾﴾ ''یقیناً اللہ انسانوں کے ساتھ بہت ہی شفیق ہے' بہت مہربان ہے۔''

آیت ۶۶ ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا۔''

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾﴾ ''یقیناً انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔''

یعنی پہلے تم مُردہ تھے اور اس نے تمہیں زندہ کیا۔ یہ آیت سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے گہری مشابہت رکھتی ہے: ﴿کَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ دونوں آیات کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں۔ صرف سورۃ البقرۃ کے ''كُنْتُمْ اَمْوَاتًا'' کے الفاظ کو زیر مطالعہ آیت میں دہرایا نہیں گیا۔ مضمون دونوں آیات کا بہرحال ایک ہی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی ارواح کو عالم ارواح میں پیدا کیا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟) لینے کے بعد سب کو سلا دیا' بالکل اسی طرح جیسے آج کسی چیز کو کولڈ سٹوریج میں رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ تمام انسانوں کی پہلی موت تھی۔ اس کے بعد جب کسی روح کا رحم مادر میں کسی جنین کے ساتھ ملاپ ہوتا ہے تو یہ اس روح یا اس انسان کا احیائے اول ہے۔ پھر دنیوی زندگی کے بعد جب اسے موت آئے گی تو یہ اس کا ''اماتۃ ثانیہ'' ہوگا اور جب اسے قیامت کو اٹھایا جائے گا تو وہ احیائے ثانی ہوگا۔ اس مضمون کا ذروۂ سنام (climax) سورۃ غافر (المؤمن) کی آیت ۱۱ میں آئے گا۔

آیت ۶۷ ﴿لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ﴾ ''ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی (اور عبادت) کے طریقے مقرر کر دیے ہیں جن کی وہ پیروی کرتے ہیں' تو انہیں آپ سے اس معاملے میں جھگڑنا نہیں چاہیے''

یعنی بنی اسرائیل کے لیے قربانی کا طریقہ اور تھا' بنی اسماعیل کسی اور طریقے سے قربانی کرتے تھے' جبکہ مسلمانوں کو ان دونوں سے مختلف طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہ ہر اُمت کی اپنی اپنی شریعت کا معاملہ ہے' اس میں جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے آیت ۳۴ میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور ہر اُمت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ بنایا ہے تا کہ وہ اللہ کا نام لیا کریں ان

مویشیوں پر جو اُس نے انہیں عطا کیے ہیں۔تو (جان لو کہ) تمہارا معبود ایک ہی ہے' چنانچہ تم اس کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔اور (اے نبی ﷺ) بشارت دے دیجیے عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔''

﴿وَادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ ؕ اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۶۷﴾﴾ ''اور آپؐ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے۔یقیناً آپؐ ہدایت کے سیدھے راستے پر ہیں۔''

آیت ۶۸ ﴿وَاِنۡ جٰدَلُوۡکَ فَقُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپؐ سے جھگڑیں تو آپؐ کہیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔''

میرے پاس جو ہدایت میرے رب کی طرف سے آئی ہے میں اس کی پیروی کر رہا ہوں۔اگر آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ میرے مقابلے میں آپ زیادہ حق پر ہیں تو آپ جانیں اور آپ کا رب جانے۔

آیت ۶۹ ﴿اَللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''اللہ فیصلہ کر دے گا تمہارے مابین قیامت کے دن ان تمام چیزوں کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۷۰ ﴿اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان میں اور زمین میں ہے؟''

﴿اِنَّ ذٰلِکَ فِیۡ کِتٰبٍ ؕ﴾ ''یقیناً یہ سب کچھ ایک کتاب میں (درج) ہے۔''

یہ وہی کتاب ہے جسے ''اُمّ الکتاب'' بھی کہا گیا ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کی کتاب۔

﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷۰﴾﴾ ''یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

تمہیں یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک چیز کا علم کیسے رکھتا ہے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے۔

آیت ۷۱ ﴿وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ سُلۡطٰنًا﴾ ''اور وہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جن کے بارے میں اُس نے کوئی سند نہیں اتاری''

اگرچہ وہ اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں' جن کے بارے میں ان کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔

﴿وَّمَا لَیۡسَ لَہُمۡ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ﴾ ''اور انہیں اس کا کچھ علم بھی نہیں۔''

نہ صرف یہ کہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کوئی سند نہیں بلکہ کوئی اثری ثبوت' کوئی عقلی بنیاد اور کوئی منطقی دلیل بھی ان کے پاس ان من گھڑت معبودوں کی پرستش کے لیے نہیں ہے۔

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۷۱﴾﴾ ''اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''

آیت ۷۲ ﴿وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡمُنۡکَرَ ؕ﴾ ''اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ہماری روشن آیات تو تم دیکھتے ہو ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار۔''

اللہ عزوجل کا کلام سن کر خوشی سے کھل اٹھنے کی بجائے ان کے چہروں پر بیزاری اور ناگواری کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

﴿يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ﴾ ''قریب ہوتے ہیں کہ ٹوٹ پڑیں ان پر جو ان کو ہماری آیت پڑھ کر سناتے ہیں۔''

﴿قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے: کیا میں تمہیں اس سے بدتر چیز کی خبر دوں؟''

یعنی جس قدر ناگواری تمہیں اس وقت ہو رہی ہے اور جس قدر سختی تم پر اس وقت بیت رہی ہے جب تمہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں' کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس سے بڑھ کر ناگوار اور سخت چیز تمہارے لیے کیا ہوگی؟

﴿اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾﴾ ''وہ ہے آگ! جس کا وعدہ کیا ہے اللہ نے کافروں سے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

آیات ۷۳ تا ۷۸

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰

اس سورۂ مبارکہ کا آخری رکوع اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اسی اعتبار سے یہ ہمارے ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب'' میں بھی شامل ہے۔ چنانچہ اس رکوع کے مطالعہ سے پہلے میں ''منتخب نصاب'' اور اس کی غرض و غایت کے حوالے سے بھی چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

الحمدللہ! ہم نے ''رجوع الی القرآن'' کی جو تحریک شروع کر رکھی ہے اور اللہ کی توفیق سے اب تک میں اس میں اپنی زندگی کے ۳۵ سال صرف کر چکا ہوں (واضح رہے کہ یہ دروس جن پر ''بیان القرآن'' مشتمل ہے ۱۹۹۸ء کے ہیں)۔ اسی تحریک کی کوکھ سے تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت نے جنم لیا ہے' ہماری اس دعوت ''رجوع

اِلی القرآن'' کی بنیاد ''مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب'' ہے۔ اس منتخب نصاب کو میں نے ذریعہ بنایا ہے لوگوں کو قرآن سے متعارف کرانے کا اور ایک مسلمان پر دین کی طرف سے جو بنیادی فرائض عائد ہوتے ہیں ان فرائض کا ایک جامع تصور ان کے سامنے رکھنے کا۔ یعنی دین کے وہ فرائض جن کے بارے میں ہم سے قیامت کے دن باز پرس ہونی ہے ان کا ایک صحیح تصور مختصر الفاظ میں ہمارے سامنے آ جائے۔ جہاں تک نماز' روزہ وغیرہ کا تعلق ہے' اس کے بارے میں تو سب جانتے ہیں کہ وہ بنیادی فرائض میں سے ہیں' لیکن کیا ہم پر اس کے علاوہ بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں؟ کیا ہم کچھ اور امور میں بھی مسئول ہیں؟ کیا بحیثیت مسلمان اس سے بڑھ کر کچھ مزید بھی ہماری ذمہ داری ہے؟ ان سب سوالات کے جوابات اس منتخب نصاب کے مطالعے میں موجود ہیں۔ یہ نصاب تقریباً دو پاروں کے برابر ہے۔ یعنی حجم کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کا ۱/۱۵ واں حصہ ہے۔

قرآن مجید کے اب تک کے مطالعے (بیان القرآن) کے دوران ہم منتخب نصاب کے کچھ حصوں کا مطالعہ بھی کر آئے ہیں' لیکن چونکہ اس نصاب میں زیادہ تر آیات اور سورتیں قرآن حکیم کے نصف ثانی بلکہ آخری حصے سے شامل ہوئی ہیں' اس لیے زیادہ تر مقامات کا مطالعہ ابھی باقی ہے۔ اگرچہ ان مقامات اور اسباق کا انتخاب کرتے ہوئے یہ بات میرے ذہن میں نہیں تھی کہ قرآن کے کس حصے سے کتنا حصہ منتخب کیا جائے' لیکن عملی طور پر قرآن کے آخری حصے سے زیادہ آیات منتخب ہوئی ہیں۔ اس صورت حال کی ایک بہت خوبصورت مشابہت حروفِ مقطعات کے ساتھ ہے جس کی طرف آج اچانک میرا ذہن منتقل ہوا ہے اور وہ یہ کہ عربی کے ۲۸ یا ۲۹ حروف تہجی کی جو تختی ہے اس کے نصف اول میں سے بہت کم حروف ہیں جو حرف مقطعات میں شامل ہوئے ہیں' جبکہ اس تختی کے نصف ثانی میں سے بہت سے حروف ہیں جو حروف مقطعات میں آئے ہیں۔ یہ تو بہرحال ایک اضافی نکتہ تھا۔ اس وقت منتخب نصاب کے عمومی تعارف اور اس میں سورۃ الحج کے آخری رکوع کی اہمیت کے حوالے سے بات ہو رہی ہے۔

اس منتخب نصاب کے کل چھ حصے ہیں۔ پہلا حصہ ''جامع اسباق'' پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز سورۃ العصر سے ہوتا ہے جو قرآن حکیم کی ایک مختصر مگر انتہائی جامع سورت ہے۔ اس میں انسان کی نجاتِ اُخروی کے چار لوازم یعنی ایمان' عمل صالح' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد پہلے حصے میں قرآن کے تین ایسے جامع مقامات شامل کیے گئے ہیں جن میں نجات کے انہیں چاروں لوازم کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔ پہلے حصے کا دوسرا درس سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ (آیت البر) پر مشتمل ہے جس میں نیکی کی حقیقت پر تفصیلی بحث ہوئی ہے کہ یوں تو ہر شخص اپنے ذہن میں نیکی کا ایک اپنا تصور رکھتا ہے لیکن اصل اور جامع نیکی کون سی ہے؟ نیکی کی روح کیا ہے؟ اس کی جڑ اور بنیاد کیا ہے؟ اس کا سب سے اونچا مقام کیا ہے؟ اور اس کا مقام مطلوب کون سا ہے؟

حصہ دوم میں ایمان سے متعلق مباحث ہیں کہ ایمان کیا ہے اور یہ کیسے وجود میں آتا ہے؟ اس حصے کے دروس میں سورۃ الفاتحہ کا درس' سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات کا درس اور سورۃ النور کے پانچویں رکوع کا درس شامل ہیں۔ اس نصاب کا تیسرا حصہ اعمالِ صالحہ کے بارے میں ہے۔ اس میں انفرادی و اجتماعی سطح پر اور پھر معاشرتی و ریاستی سطح پر اعمالِ صالحہ کی اہمیت' کیفیت' ضرورت وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاشرتی سطح پر اعمالِ

صالحہ کی تفصیلات کے سلسلے میں سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کا اہم درس بھی اس حصے میں شامل ہے۔ (ان آیات میں جو احکام مذکور ہیں وہ تورات کے ''احکامِ عشرہ'' یعنی Ten Commandments کی قرآنی تشریح وتعبیر کا درجہ رکھتے ہیں۔)

منتخب نصاب کے چوتھے حصے کا پہلا درس سورۃ الحج کے اس رکوع پر مشتمل ہے جو اَب ہمارے زیر مطالعہ آ رہا ہے۔ گویا اس کی جگہ منتخب نصاب کے عین وسط میں ہے۔ قرآن کی دعوت کے اعتبار سے یہ قرآن حکیم کا جامع ترین مقام ہے۔ اس میں قرآنی دعوت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی ایک دعوتِ عمومی اور دوسری دعوتِ خصوصی۔ قرآن کی دعوتِ عمومی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ہے۔ کوئی فرد دنیا کے کسی گوشے یا کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو' کسے باشد! وہ قرآن کی اس دعوت کا مخاطب ہے۔ یہ عمومی دعوت دراصل ایمان کی دعوت ہے۔ چونکہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ (سبا:۲۸) اس لیے ایمان کی یہ دعوت تمام انسانوں کے لیے ہے کہ لوگو! اللہ پر ایمان لاؤ' رسول پر لاؤ' آخرت' بعث بعد الموت' جنت اور دوزخ پر ایمان لاؤ! یہ پہلے درجے کی دعوت ہے اور پہلے درجے میں صرف ماننے کی دعوت ہی دی جاسکتی ہے۔ اس درجے پر عمل (نماز' روزہ وغیرہ) کی دعوت نہیں دی جاسکتی' کیونکہ جو انسان اللہ' رسول اور قرآن کو نہیں مانتا اس کے لیے نماز اور روزہ کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے!

اس کے بعد خصوصی دعوت کا درجہ ہے اور اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو پہلی دعوت یعنی دعوتِ ایمان پر لبیک کہتے ہیں۔ یعنی جو لوگ دعوتِ ایمان کو قبول کریں گے انہیں دعوتِ عمل کے ذریعے ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی ضرورت واہمیت سے آگاہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اس رکوع کی چھ آیات میں دعوتِ قرآنی کے ان دونوں (عمومی اور خصوصی) درجوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی چار آیات میں ''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ'' کے الفاظ سے پوری بنی نوعِ انسان کو خطاب کیا گیا ہے' جبکہ آخری دو آیات میں ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' کے الفاظ کے ساتھ اہل ایمان کو دعوتِ عمل دی گئی ہے۔

آیت ۷۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ ؕ﴾ ''اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے' پس اسے ذرا توجہ سے سنو!''

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ ؕ﴾ ''یقیناً (تمہارے وہ معبود) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ایک مکھی بھی تخلیق نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔''

چونکہ اس کے مخاطبِ اوّل مکہ کے بُت پرست تھے اس لیے انہیں شعور دلانے کے لیے ان کے بُتوں کی مثال دی گئی ہے کہ خانہ کعبہ میں سجائے گئے تمہارے یہ تین سو ساٹھ بُت مل کر بھی کوشش کرلیں تب بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ یہ وہی انداز ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے بُتوں کی بے بسی ظاہر کرنے کے لیے اپنایا تھا۔ آپؑ نے بُتوں کو توڑ کر ان کے پجاریوں کو اپنے گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

﴿وَاِنۡ یَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَیۡـًٔا لَّا یَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ؕ﴾ ''اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اس سے وہ چیز چھڑا نہیں سکتے۔''

یعنی مکھی کو تخلیق کرنا تو بہت دور کی بات ہے' یہ تو اپنے اوپر سے مکھی کو اڑا بھی نہیں سکتے۔ اگر کوئی مکھی ان کے سامنے پڑے ہوئے حلووں مانڈوں میں سے کچھ لے اڑے تو اس سے وہ چیز واپس بھی نہیں لے سکتے۔

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ ﴿۷۳﴾﴾ ''کس قدر کمزور ہے طالب بھی اور مطلوب بھی!''

اس مضمون پر یہ جملہ اس قدر جامع ہے کہ قرآن مجید کے نظریۂ توحید کا عملی لُبِّ لُباب ان تین الفاظ میں سما گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر باشعور انسان کا ایک نصب العین' آئیڈیل یا آدرش ہوتا ہے' جس کے حصول کے لیے وہ دن رات بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ انسان کی شخصیت اور اس کا آئیڈیل آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کے لیے معیار اور کسوٹی فراہم کرتے ہیں۔ کسی انسان کا معیار اس کے آئیڈیل سے پہچانا جاتا ہے اور کسی آئیڈیل کا معیار اس کے چاہنے والے کے معیار سے پرکھا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کا آئیڈیل گھٹیا ہے تو لازماً وہ انسان خود بھی اسی سطح پر ہوگا اور اگر کسی کا آئیڈیل اعلیٰ ہوگا تو وہ خود بھی اعلیٰ شخصیت کا مالک ہوگا۔ اس اصول پر ان لوگوں کے ذہنوں کے معیار اور سوچوں کی سطح کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو پتھر کے بتوں کو اپنے معبود سمجھ کر ان کے آگے جھکتے ہیں۔ جس طالب کا مطلوب اور آئیڈیل ایک ایسا بے جان مجسمہ ہے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی تک کو نہیں اڑا سکتا' اس کی اپنی شخصیت کا کیا حال ہوگا: ع ''قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا!''

یہ مضمون ذرا مختلف انداز میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۵ میں اس طرح آ چکا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ کَحُبِّ اللّٰهِ ؕ﴾ کہ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مدِّ مقابل کچھ معبود بنا کر ان سے ایسے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ اس کے برعکس توحید کا سبق تو یہ ہے: لَا مَحۡبُوۡبَ اِلَّا اللّٰه! لَا مَقۡصُوۡدَ اِلَّا اللّٰه! لَا مَطۡلُوۡبَ اِلَّا اللّٰه! یعنی انسان کا محبوب ومقصود و مطلوب صرف اور صرف اللہ ہے۔ باقی کوئی شے مطلوب ومقصود نہیں ہے' باقی سب ذرائع ہیں۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے اور اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے مختلف ذرائع سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اس سلسلے میں توحید کا تقاضا یہی ہے کہ ان سب چیزوں کو ذرائع کے طور پر استعمال ضرور کریں مگر انہیں اپنا مطلوب ومقصود نہ بنائیں۔ نہ کھیتی کو' نہ دکان کو' نہ کسی ہنر کو' نہ کسی پیشے کو' نہ کسی رشتہ دار' اور نہ اولاد کو! یہ ہے توحید کا لُبِّ لُباب!

جو شخص توحید کے اس تصور تک نہیں پہنچ سکتا اور اللہ کی معرفت اس انداز میں حاصل نہیں کر سکتا' اس کے ذہن کی پستی اسے اللہ کو چھوڑ کر طرح طرح کی چیزوں کی پرستش کرنا سکھاتی ہے اور پھر اسی ڈگر پر چلتے ہوئے کوئی وطن پرست ٹھہرتا ہے تو کوئی قوم پرست قرار پاتا ہے۔ کوئی دولت کی دیوی کا پجاری بن جاتا ہے تو کوئی اپنے نفس کو معبود بنا کر اپنے ہی حریم ذات کے گرد طواف شروع کر دیتا ہے۔ ع ''اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!''

آیت ۷۴ ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ؕ﴾ ''انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا۔''

ایسے لوگ اللہ کی کماحقہٗ معرفت حاصل نہ کر سکے اور جلال و جمالِ الٰہی کی کوئی جھلک نہ دیکھ سکے اور یوں دنیا

اور اس کی چیزوں کو اصل مطلوب و مقصود سمجھ کر اس عروسِ ہزار داماد کے عاشق بن بیٹھے!

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾﴾ ”یقیناً اللہ بہت طاقت والا' سب پر غالب ہے۔“

آیت ۷۵ ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ﴾ ”اللہ چُن لیتا ہے اپنے پیغامبر فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی۔“

﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔“

یہاں رسالت کے دونوں واسطوں کا ذکر کر دیا گیا ہے جس میں ایک ”رسولِ ملک“ ہے اور دوسرا ”رسولِ بشر“ ہے۔ چنانچہ فرشتوں میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چنا گیا اور انسانوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو۔ اور یوں رسولِ ملک کے ذریعے رسولِ بشر تک پیغام پہنچایا گیا تا کہ وہ اپنے ابنائے نوع تک اسے پہنچا دیں۔

آیت ۷۶ ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔“

﴿وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾﴾ ”اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹا دیے جائیں گے۔“

اس آیت میں آخرت کا ذکر بھی آ گیا اور یوں اس دعوتِ عمومی میں امورِ ثلاثہ یعنی توحید' رسالت اور آخرت کا ذکر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس دعوت میں یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ (آیت ۷۳) کے الفاظ سے نوعِ انسانی کے تمام افراد کو مخاطب کیا گیا ہے۔

اب دوسرے مرحلے کی دعوت ان خصوصی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے اس پہلی دعوت پر لبیک کہا کہ ہم ایک اللہ کو معبود مانتے ہیں' محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہیں' بعث بعد الموت پر بھی یقین رکھتے ہیں اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے فلسفے پر بھی ایمان رکھتے ہیں' وہ لوگ اہل ایمان قرار پائے۔ اب اگلے مرحلے میں انہی لوگوں کو عمل کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس اندازِ دعوت میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اس میں فعلِ امر کا استعمال کیا گیا ہے' یعنی اس دعوت کا انداز حکمیہ ہے۔ پہلی دعوت میں فعل امر کا استعمال صرف مثال سنانے کی حد تک ہوا تھا: ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ﴾ کہ یہ مثال جو بیان کی جا رہی ہے اسے غور سے سنو! لیکن جو لوگ اس دعوت کو مان کر اسلام کے دائرہ میں آ گئے ہیں انہیں اب باقاعدہ حکم دیا جا رہا ہے:

آیت ۷۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ ”اے ایمان کے دعوے دارو! جھک جاؤ اور سر بسجود ہو جاؤ اور اپنے رب کی بندگی کرو“

یہاں صرف اصطلاحی رکوع اور سجدہ ہی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دینے کا حکم ہے۔ اسی طرح ”عبادت“ کے حکم میں بھی ”مکمل بندگی“ کا مفہوم پنہاں ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی!

﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ﴾ ”اور نیک کام کرو“

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ وَاعْبُدُوْا (بندگی کرو!) کے حکم میں تو گویا سب کچھ آ گیا۔ اب اس کے بعد مزید نیک کام کون سے ہیں؟ دراصل ''فعل خیر'' سے یہاں مراد خدمت خلق ہے۔ اس حکم سے مراد یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدمتِ خلق میں لگا دو! اور خدمتِ خلق صرف بھوکے کو کھانا کھلانے تک ہی محدود نہیں بلکہ سب سے بڑی خدمتِ خلق یہ ہے کہ لوگوں کی عاقبت سنوارنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس حکم میں یہ بھی شامل ہے کہ اے اللہ کے بندو! ایمان و عمل کے جو حقائق تم پر منکشف ہو گئے ہیں ان سے دوسرے لوگوں کو بھی روشناس کراؤ' تا کہ وہ جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾﴾ ''تا کہ تم فلاح پاؤ!''

سیاق و سباق کے اعتبار سے یہ بہت اہم بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان کے دعوے دارو! کہیں تم یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ایمان کا اقرار کر لیا تو بس اب فلاح ہی فلاح ہے۔ بس کلمہ پڑھ لیا اور کامیابی ہو گئی۔ نہیں ایسا نہیں! ع ''یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے!'' تم لوگوں نے اس شہادت گاہ میں قدم رکھا ہے تو اب اس کے تقاضے پورے کرو گے تو تب کامیابی ہو گی۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ بس ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اب بیٹھے بٹھائے ہمیں جنت مل جائے گی تو یہ تمہارا اپنا خیال ہے' تمہاری اپنی دل خوش کن تمنا (wishful thinking) ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ﴾ (البقرہ: ۱۱۱) ''یہ ان کی تمنائیں ہیں۔''

امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ سورۃ الحج کی اس آیت کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے' جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ آیتِ سجدہ نہیں ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ آیاتِ سجدہ پر سجدۂ تلاوت کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

آیت ۷۸ ﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ﴾ ''اور جہاد کرو اللہ کے لیے جیسا کہ اُس کے لیے جہاد کا حق ہے۔''

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ﴾ ''اُس نے تمہیں چن لیا ہے''

اب نبوت محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ آئندہ جبرائیلؑ کسی کے پاس وحی لے کر نہیں آئیں گے۔ انہوں نے جو وحی پہنچانی تھی پہنچا دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام محمد ﷺ نے تم لوگوں تک پہنچا دیے ہیں۔ اب ان احکام کو'اس دعوت کو تمام نوعِ انسانی تک پہنچانے کے لیے اللہ نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ تمام انسانوں میں سے تمہیں چُن لیا گیا ہے' اس عظیم الشان مشن کے لیے تمہارا سلیکشن ہو گیا ہے۔ چنانچہ تم اپنے نصیب پر فخر کرو اور اس کام میں لگ جاؤ۔

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ﴾ ''اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ﴾ ''تمہارے جدّ امجد ابراہیمؑ کی ملت۔''

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ﴾ ''اُسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے''

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ''مسلم'' کا خطاب دیا ہے اور تمہارے جدامجد ابراہیم علیہ السلام نے بھی تمہارا یہی نام

رکھا تھا۔ سورۃ البقرۃ' آیت ۱۲۸ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ''پروردگار! ہمیں بھی اپنا فرمانبردار (مسلم) بنا کر رکھیو اور ہماری اولاد سے بھی ایک اُمت مسلمہ اٹھائیو!''

﴿مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا﴾ ''اس سے پہلے بھی (تمہارا یہی نام تھا) اور اس (کتاب) میں بھی ہے''

﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ''تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔''

یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں آیا ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وَسَط بنایا ہے' تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ تم پر گواہ ہو''۔ صرف یہ فرق ہے کہ وہاں پہلے امت کا ذکر ہے اور پھر رسول کا' جبکہ یہاں پہلے رسول اور بعد میں امت کا ذکر ہے۔ پس اے اہل ایمان! اس ذمہ داری کو اچھی طرح سے سمجھ لو اور اب بسم اللہ کرو! قدم آگے بڑھاؤ! اور دیکھو تمہارا سب سے پہلا قدم کون سا اٹھنا چاہیے:

﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ﴾ ''پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور اللہ کے ساتھ چمٹ جاؤ۔''

اللہ تمہارا حمایتی اور پشت پناہ ہے' تم اس کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔

﴿هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾﴾ ''وہ تمہارا مولیٰ ہے' تو کیا ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی اچھا ہے مددگار!''

''مولیٰ'' کے مفہوم میں آقا' حمایتی' پشت پناہ' ملجا و ماویٰ اور مرجع کے معانی شامل ہیں۔

اس رکوع کے مضامین بہت اہم ہیں' اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کے اہم نکات ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیے جائیں۔ اس رکوع میں پہلا سبق توحید سے متعلق ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ ایک انسان کا مطلوبِ حقیقی' محبوبِ حقیقی اور مقصودِ اصلی صرف اور صرف اللہ ہی ہو۔ اس کے بعد دوسرا نکتہ رسالت سے متعلق ہے۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک رسالت کا سلسلہ صرف دو واسطوں پر مشتمل تھا' یعنی رسولِ ملک اور رسولِ بشر۔ لیکن اب دورِ محمدیؐ میں ایک تیسرے واسطے کا اضافہ کیا گیا اور اُمت مسلمہ کو بھی ایک مستقل کڑی کے طور پر رسالت کے سلسلۃ الذہب (سنہری زنجیر) میں منسلک کر دیا گیا ہے۔ اس ذمہ داری کے لیے امت مسلمہ کے انتخاب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس رکوع (آیت ۷۸) میں (هُوَ اجْتَبٰىكُمْ) کے الفاظ سے کیا ہے' جبکہ قبل ازیں آیت ۷۵ میں رسولِ ملک اور رسولِ بشر کے لیے ''اِصطِفاء'' کا لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾۔ اِصْطِفاء اور اِجْتِباء دونوں الفاظ معنی کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور خود حضور ﷺ کے لیے (محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ) بھی مستعمل ہیں۔

اس رکوع کا تیسرا مضمون ''شہادت علی الناس'' کے بارے میں ہے۔ اس ضمن میں سورۃ الحج کی آیت ۷۸ کے الفاظ کی سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے الفاظ سے بہت قریبی مشابہت ہے' بلکہ دونوں مقامات پر الفاظ ایک جیسے ہیں' صرف ترتیب کا فرق ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ کے الفاظ یہ ہیں: ﴿لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ جبکہ سورۃ الحج کی آیت ۷۸ میں الفاظ کی ترتیب یوں ہے: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (مضمون اور الفاظ کے اعتبار سے جو نسبت ان دو آیات کی آپس میں ہے بالکل وہی نسبت سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ کے ان الفاظ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ﴾ کی سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ کے ان الفاظ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ﴾ کے ساتھ ہے۔)

چنانچہ اس اعتبار سے اُمتِ مسلمہ پر شہادت علی الناس اور پیغامِ رسالت کی دعوت و تبلیغ کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے' جس کے بارے میں قیامت کے دن بہت سخت جواب دہی ہوگی۔ اس جواب دہی کے بارے میں سورۃ الاعراف کی یہ آیت بہت واضح ہے: ﴿فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶﴾۔ چنانچہ وہاں اُمتِ مسلمہ سے بحیثیتِ مجموعی جواب طلبی ہوگی کہ تم لوگوں نے اپنی اس ذمہ داری کو کس حد تک نبھایا تھا؟ یعنی جو دین تم لوگوں تک آخری نبی ﷺ کے ذریعے پہنچا تھا کیا تم لوگوں نے اسے پوری نوعِ انسانی تک پہنچا دیا تھا؟ اور اگر یہ ذمہ داری اُمت نے کما حقہ پوری نہیں کی ہوگی تو پوری امت بحیثیتِ مجموعی مجرم قرار پائے گی۔ اور چونکہ آج اُمتِ مسلمہ مجموعی طور پر اپنی اس ذمہ داری کا حق ادا نہیں کر رہی ہے اس لیے اپنے اسی جرم کی پاداش میں اجتماعی طور پر ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ اور بقول علامہ اقبال آج اس کی کیفیت یہ ہے کہ: ع

حمیت نام تھا جس کا ' گئی تیمور کے گھر سے!

دنیا کی ذلت و خواری کی یہی سزا اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ان کے اجتماعی جرائم کی پاداش میں مل چکی ہے' جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾۔ اس لیے کہ اجتماعی جرائم کی سزا قوموں کو دنیا میں ہی دے دی جاتی ہے۔

اُمتِ مسلمہ اجتماعی طور پر تو اس سلسلے میں قصوروار ہے ہی' مگر اُخروی محاسبے کے دوران ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت میں بھی جواب دہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے لیے ہم میں سے ہر شخص کو فکر مند ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے اس فرض کو کس حد تک نبھا رہا ہے اور قیامت کے دن اس نے اس سلسلے میں کیا جواب دینا ہے۔ کیا وہ اپنی دنیا کی زندگی میں صرف دولت کمانے اور جائیدادیں بنانے کے ایک کبھی نہ ختم ہونے والے چکر میں پڑا رہا یا اُس نے دعوتِ قرآن اور تبلیغ دین کے فریضہ کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی اور اپنی دولت' صلاحیتوں اور جان کی قربانیوں کے ذریعے استطاعت بھر اس کام میں بھی اپنا حصہ ڈالا؟

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم ۝۝

بیان القرآن

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن

(۲۳)

سُورۃُ المُؤمِنُون

تمہیدی کلمات

سورۃ المؤمنون مکی سورتوں کے اس سلسلے کی آخری سورت ہے جو سورۂ یونس سے شروع ہوا تھا۔ اس سلسلے یا گروپ میں چودہ مکی سورتیں ہیں اور حجم کے اعتبار سے پورے قرآن میں مکی سورتوں کا یہ سب سے بڑا گلدستہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات ۱ تا ۱۱

الجزء الثامن عشر (۱۸)

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اس سورت کی ابتدائی گیارہ آیات مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے تیسرے حصے میں شامل ہیں۔ اس حصے کے دروس میں اعمالِ صالحہ کی تفصیلات ایک خاص تدریج سے زیر بحث آئی ہیں۔ اس تدریج میں سب سے پہلی ترجیح تو فرد اور اس کے اعمال کی ہے۔ یعنی ایک بندۂ مؤمن کے اعمال انفرادی حیثیت سے صالح اور نیک ہوں اور اس کے سیرت و کردار کی تعمیر بہتر بنیادوں پر استوار ہو۔ چنانچہ اس تیسرے حصے کا پہلا درس سورۃ المؤمنون کی پہلی گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ ان گیارہ آیات میں بندۂ مؤمن کی سیرت کی اساسات بیان کی گئی ہیں۔ یہ بنیادیں ٹھوس اور پختہ ہوں گی تو سیرت کی عمارت بھی مضبوط ہوگی۔ چنانچہ اس تیسرے حصے میں قرآن حکیم کے مختلف مقامات کے دروس کی مدد سے اعمال صالحہ کے مباحث کو تدریجاً آگے بڑھایا گیا ہے کہ مضبوط اور نیک سیرت کے حامل افراد سے جب خاندان وجود میں آئے گا تو ان کی عائلی زندگی کا نقشہ کیسا ہوگا۔ نیک اور صالح افراد پر مشتمل معاشرے کے خدوخال کیسے ہوں گے اور پھر معاشرے کی بلند ترین سطح پر یعنی ریاستی معاملات میں ان افراد کے سیرت و کردار کی کرامات کا ظہور کن صورتوں میں ہوگا۔

آیت ۱ ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۱﴾﴾ ''کام نکال لے گئے اہلِ ایمان۔''

اس آیت کا یہ ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مگر خود حضرت شیخ الہندؒ کا کہنا ہے کہ

انہوں نے ''موضح القرآن'' میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ترجمہ ہی اختیار کیا ہے اور اس میں کہیں کہیں زبان کی تبدیلیوں کے علاوہ کوئی اور تبدیلی نہیں کی۔ گویا بنیادی طور پر یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلویؒ کا ہے اور میرے نزدیک لفظ فلح کی اصل روح کے قریب ترین ہے۔ ''فَلَاح'' کا ترجمہ بالعموم ''کامیابی'' سے کیا جاتا ہے' لیکن اس کے مفہوم کو درست انداز میں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ لفظ ''فلاح'' کے حقیقی اور لغوی معنی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے۔ اس مادہ کے لغوی معنی ہیں: ''پھاڑنا''۔ اسی معنی میں کسان کو عربی میں ''فَلّاح'' کہا جاتا ہے' اس لیے کہ وہ اپنے ہل کی نوک سے زمین کو پھاڑتا ہے۔ عربی کی ایک کہاوت ہے: اِنَّ الْحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ یعنی لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔ اس طرح فَلَح کا مفہوم گویا فَلَق کے قریب تر ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۹۵ میں لفظ ''فلق'' اسی مفہوم میں آیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ گٹھلیوں اور بیجوں کو پھاڑنے والا ہے''۔ اس سے اگلی آیت میں یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نمودِ صبح کے حوالے سے اس طرح استعمال ہوا ہے: ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ﴾ یعنی وہ تاریکی کا پردہ چاک کر کے صبح کو نمودار کرنے والا ہے۔ چونکہ فلح اور فلق دونوں قریب المعنی الفاظ ہیں اور دونوں کے معنی پھاڑنا ہے اس لیے آیت زیر نظر میں فلح کا مفہوم سمجھنے کے لیے ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی﴾ کے حوالے سے گٹھلی کے پھٹنے اور اس کے اندر سے کونپلیں برآمد ہونے کے عمل کو ذہن میں رکھیں۔ جس طرح گٹھلی کے اندر پورا پودا بِالقُوّہ (potentially) موجود ہے' اسی طرح انسان کے اندر بھی اس کی انا یا روح اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ موجود ہے۔ اور جس طرح گٹھلی کے پھٹنے (فلق) سے دو کونپلیں برآمد ہوتی ہیں اور پھر ان سے پورا درخت بنتا ہے اسی طرح جب انسانی وجود کے اندر موجود مادیت کے پردے چاک (فلح) ہوتے ہیں تو اس کی انا یا روح بے نقاب ہوتی ہے اور اس کی نشوونما سے اس کی معنوی شخصیت ترقی پاتی ہے۔ انسان کی اسی انا یا روح کو اقبال نے خودی کا نام دیا ہے اور اس کو اُجاگر (develop) کرنے کے تصور پر اپنے فلسفے کی بنیاد رکھی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے خصوصی طور پر آئیڈیل یا آدرش کے فلسفہ کے حوالے سے (اس ضمن میں گزشتہ صفحات میں سورۃ الحج کی آیت ۳۷ کی تشریح بھی مدنظر رہے) اپنی معرکۃ الآراء کتاب The Idealogy of the Future میں اقبال کے فلسفہ خودی کی بہترین تعبیر کی ہے۔

انسان بظاہر ایک مادی وجود کا نام ہے۔ اس وجود میں ہڈیاں ہیں' گوشت ہے اور دیگر اعضاء ہیں۔ لیکن اس مادی وجود کے اندر اس کی انا اور روح بھی ہے جو اس کی اصل شخصیت ہے۔ انسان کہتا ہے میرا ہاتھ' میرا پاؤں' میری آنکھ' میری ٹانگ' میرا سر' میرا جسم! لیکن اس ''میرا'' اور ''میری'' کی تکرار میں ''میں'' کہاں ہے اور کون ہے؟ یہ ''میں'' دراصل انسان کی انا یا روح ہے۔ یعنی انسان کو حیوانوں کے مقابلے میں صرف عقل و شعور کی دولت سے ہی نہیں نوازا گیا بلکہ اسے روحِ ربانی کی نورانیت بھی عطا کی گئی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

دم چیست؟ پیام است! شنیدی نشنیدی؟ در خاکِ تو یک جلوۂ عام است ندیدی؟
دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!!

انسانی جسم کے اندر اس کی روح مادی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ گویا یہ ایک مخفی خزانہ ہے جسے کھود کر

نکالنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس خزانے کو کام میں لانا ہے تو ''فلاحی'' کے عمل سے مادیت کے پردوں کو چاک کرنا ہوگا اور آیت زیر نظر میں قَدْ اَفْلَحَ کے الفاظ اسی مفہوم میں آئے ہیں کہ مؤمنین صادقین نے اپنی روحوں پر پڑے ہوئے مادیت کے پردوں کو چاک کر کے اصل خزانے یعنی روح کو بے نقاب کرنے اور اس کی نشوونما (develop) کرنے کا مشکل کام کر دکھایا ہے۔ جبکہ عام انسان کی تمام تر توجہ اپنے حیوانی وجود پر ہی مرکوز رہتی ہے۔ نہ وہ اپنی روح کی خبر لیتا ہے اور نہ ہی اس کی غذا اور نشوونما کا اہتمام کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے انسان کی روح سسک سسک کر مر جاتی ہے اور اس کا جسم اس کی روح کا مقبرہ بن جاتا ہے۔ بظاہر ایسے شخص کا شمار زندہ انسانوں میں ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مردہ ہوتا ہے۔ مثلاً ابوجہل زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ تھا۔ وہ اندھا اور بہرا تھا' اسی لیے نہ تو وہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کو پہچان سکا اور نہ آپ کی دعوت کو سن سکا۔ اس کے برعکس ایک بندۂ مؤمن ہے جو حقیقت میں زندہ ہے' اس لیے کہ اس کی روح زندہ ہے۔ جیسے کہ سورۃ النحل کی آیت ۹۷ میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ﴾ ''تو ہم ضرور اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی''۔ چنانچہ جو شخص بھی اپنی خودی کے ارتقاء (development of self) اور اپنے کردار کی تعمیر (development of character) کا مشکل کارنامہ سرانجام دے پائے گا وہی حقیقت میں کامیاب قرار پائے گا اور وہی آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے قَدْ اَفْلَحَ کا مصداق ٹھہرے گا۔ اور یہ کامیابی ہر انسان کی پہنچ میں ہے' کیونکہ روح کی دولت تو ہر انسان کو عطا ہوئی ہے۔ ہندی شاعر بھیک کے بقول: ع ''بھیکا بھوکا کوئی نہیں' سب کی گدڑی لال!'' یعنی بھوکا یا نادار کوئی بھی نہیں ہے' ہر انسان کی گٹھڑی میں لعل موجود ہے' بس اس گٹھڑی کی گرہ کھول کر اس ''لعل'' یا دولت کو دریافت کرنے اور اسے کام میں لانے کا فن اسے آنا چاہیے۔ یہی نکتہ اس خوبصورت فارسی شعر میں ایک دوسرے انداز میں پیش کیا گیا ہے:

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن درآ تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن درآ!

یعنی تمہارے اندر بھی ایک مہکتا ہوا چمن موجود ہے' تم اپنے دل کے دروازے سے داخل ہو کر اس چمن کی سیر سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔

اسی حقیقت کو قرآن حکیم میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٢١﴾﴾ (الذّٰریٰت) یعنی خود تمہارے اندر معرفت کا سامان موجود ہے مگر تم لوگ اس سے غافل ہو۔ اپنشد کے ایک جملے کا انگریزی ترجمہ اس طرح ہے:

"Man in his ignorance identifies himself with the material sheeths which encompass his real self."

یعنی انسان اپنی جہالت کے باعث ان مادی غلافوں ہی کو اپنی ذات سمجھ بیٹھتا ہے جو اس کی ذات (انا یا روح) کے گرداگرد لپٹے ہوئے ہیں۔ اور یوں وہ نہ خود کو پہچان پاتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کی معرفت ضروری ہے' جیسے کہ صوفیاء کا قول ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔ دوسرے

لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اپنی ''انا'' (self) سے غافل رہا وہ معرفتِ الٰہی سے بھی محروم رہا۔ یہی نکتہ ہے جو سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا''۔ چنانچہ لفظ فلح کا یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر اس آیت کو پڑھیں تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی شخصیت اور ذات کے مادی غلافوں کو پھاڑ کر اپنی معنوی شخصیت اور روح کو اُجاگر کرنے اور اس کے ذریعے سے عرفانِ ذات اور پھر معرفتِ الٰہی تک پہنچنے جیسے مشکل مراحل اہل ایمان کامیابی سے طے کر لیتے ہیں۔ اور وہ کون سے اہلِ ایمان ہیں:

آیت ۲ ﴿اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲﴾ ''وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔''

کامیاب، بامراد اور فائز المرام اہل ایمان وہ ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے ان کی توجہ رکعتوں کی گنتی پوری کرنے پر ہی مرکوز نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی نمازوں میں عاجزی اور فروتنی اختیار کرتے ہیں۔ ان کی نمازیں حقیقی خشوع و خضوع کا منظر پیش کرتی ہیں۔

آیت ۳ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳﴾ ''اور جو لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔''

یعنی ان کا دوسرا وصف ہے بے کار باتوں سے احتراز کرنا، بچنا، دامن بچائے رکھنا۔ لغو سے مراد گناہ یا معصیت کا کام نہیں، بلکہ ہر ایسا عمل یا کام ہے جو بے فائدہ اور فضول ہو۔ جیسے لوگ محفل جما کر تاش کھیلتے ہیں اور وقت کو ایسے ضائع کرتے ہیں جیسے یہ کوئی بوجھ (liability) ہو اور اسے سر سے اتار پھینکنا ناگزیر ہو۔ انہیں احساس نہیں ہوتا کہ یہ وقت ہی تو انسان کا سب سے بڑا سرمایہ (asset) ہے۔ اس وقت سے فائدہ اٹھا کر ہی انسان اپنی عاقبت کو سنوار سکتا ہے اور جو اس وقت کو فضول میں ضائع کرتا ہے وہ گویا اپنی عاقبت کو ضائع کرتا ہے۔ اس آیت میں مؤمنینِ صادقین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ مہلتِ زندگی کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہیں۔ انہیں زندگی میں ایک ایک لمحے کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ صرف ایک دفعہ ''سبحان اللہ'' کہنے سے اللہ کے ہاں ان کے درجات کس قدر بلند ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنا وقت فضول اور بے مقصد مصروفیات میں ضائع نہیں کرتے۔ وہ زندگی کے ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اسے اپنی شخصیت کی تعمیر اور آخرت کے اجر و ثواب کے حصول کے لیے صرف کرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴﴾ ''اور وہ جو ہر دم اپنے تزکیے کی طرف متوجہ رہنے والے ہیں۔''

یہ کامیاب و بامراد اہل ایمان کا تیسرا وصف بیان ہوا۔ یہاں ''زکوٰۃ'' کا لفظ اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ اپنے لغوی معنی میں آیا ہے اور اس سے مراد تزکیۂ نفس ہے۔ اس لیے کہ یہ ابتدائی مکی دور کی سورت ہے اور اُس وقت تک زکوٰۃ ادا کرنے کا ابھی کوئی تصور نہیں تھا۔ ویسے بھی قرآن حکیم میں زکوٰۃ کے ساتھ عموماً لفظ ''ایتاء'' آتا ہے۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے مؤمن بندے ہمہ وقت، ہمہ تن اپنے نفس کے تزکیے کے لیے کوشاں اور اپنے دامن کے داغ دھبے دھونے کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں۔

آیت ۵ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵﴾ ''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

آیت ۶ ﴿اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ۶﴾ ''سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے' تو ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔''

ان کا چوتھا وصف یہ بیان ہوا کہ وہ صرف جائز طریقے سے اپنی جنسی خواہش پوری کرتے ہیں اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یعنی جنسی جذبہ فی نفسہٖ بُرا نہیں' بلکہ برائی اس کے غلط استعمال میں ہے۔ اسلام کے سوا دوسرے مذاہب میں تجرد کی زندگی بسر کرنا اور اپنے جنسی جذبہ کو' جو فطرت اور جبلّت میں ایک نہایت قوی جذبہ ہے' کچلنا ایک اعلیٰ ترین روحانی قدر قرار دیا جاتا ہے' جبکہ اسلام دینِ فطرت ہے' چنانچہ وہ اس فطری وجبلی جذبہ کو بالکلیہ کچلنے اور دبانے کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ اس کا منشا و مدعا یہ ہے کہ اس جذبہ کی تسکین کے لیے جائز اور حلال راہیں اختیار کی جائیں۔ نکاح کو اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنتوں میں سے ایک سُنّت قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہاں جنسی تسکین کے جائز راستوں کے لیے ''غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ'' کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

آیت ۷ ﴿فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۷﴾ ''تو جو کوئی بھی اس کے علاوہ کچھ چاہے گا تو ایسے لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

اس سلسلے میں جو کوئی حلال اور جائز طریقے سے ہٹ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے گا وہ گناہ اور زیادتی کا مرتکب قرار پائے گا۔

آیت ۸ ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ۸﴾ ''اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں دو وصف بیان ہوئے ہیں۔ یعنی پانچواں وصف امانتوں کی پاسداری اور چھٹا وصف ایفائے عہد۔

آیت ۹ ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ۹﴾ ''اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری محافظت کرتے ہیں۔''

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اس مضمون کا آغاز بھی نماز کے ذکر سے کیا گیا تھا اور اس کا اختتام بھی نماز کے ذکر پر کیا جا رہا ہے۔ آیت ۲ میں کامیاب و بامراد مؤمنین کی پہلی صفت یہ بتائی گئی تھی: ﴿الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۲﴾ کہ وہ لوگ اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ یعنی اس مضمون کے آغاز میں نماز کی باطنی کیفیت کے حسن کا ذکر کیا گیا تھا' جبکہ اختتام پر آیت زیر نظر میں نماز کے نظام کی بات کی گئی ہے کہ سچے اہلِ ایمان نماز پر مداومت کرتے ہیں اور اس کے تمام آداب و قوانین کو کما حقہٗ ملحوظ رکھتے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۱۰﴾ ''یہی لوگ ہیں جو وارث ہوں گے۔''

آیت ۱۱ ﴿الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۱۱﴾ ''وہ وارث ہوں گے ٹھنڈی چھاؤں والے باغات کے' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجۡعَلۡنَا مِنۡهُمۡ ! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجۡعَلۡنَا مِنۡهُمۡ !!

آیات ۱۲ تا ۲۲

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ
خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ
اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَاۗىِٕقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ
غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ڰ وَاِنَّا عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ
لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۗءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي
الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾
وَعَلَيْهَا وَعَلَي الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲۲

اب جو مضمون آ رہا ہے وہ اس سے پہلے سورۃ الحج کی آیت ۵ میں بھی آ چکا ہے' مگر وہاں اختصار کے ساتھ آیا تھا' جبکہ یہاں زیادہ وضاحت اور جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ اس سے سورۃ الحج کے ساتھ اس سورت کی مشابہت کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾﴾ ''ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔''

تلوار کو نیام سے باہر کھینچنے کے عمل کو ''سَلَّ یَسُلُّ'' جبکہ نیام سے باہر نکلی ہوئی ننگی تلوار کو ''مَسْلُوْل'' کہا جاتا ہے۔ کسی بھی چیز کا اصل جوہر جو اس میں سے کشید کیا گیا ہو ''سُلَالَۃ'' کہلاتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی کے جوہر سے تخلیق کیا گیا اور پھر پوری نسل انسانی چونکہ ان کی اولاد تھی اس لیے اپنی تخلیق کے حوالے سے ہر انسان کو گویا اسی مادہ تخلیق یعنی مٹی سے نسبت ٹھہری۔ لیکن میرے نزدیک اس کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ مرد کے جسم میں بننے والا نطفہ دراصل مٹی سے کشید کیا ہوا جوہر ہے۔ اس لیے کہ انسان کو خوراک تو مٹی ہی سے حاصل ہوتی ہے' چاہے وہ معدنیات اور نباتات کی شکل میں اسے براہِ راست زمین سے ملے یا نباتات پر پلنے والے جانوروں سے حاصل ہو۔ اس خوراک کی صورت میں گارے اور مٹی کے جوہر کشید ہو کر انسانی جسم میں جاتے ہیں اور اس سے وہ نطفہ بنتا ہے جس سے بالآخر بچے کی تخلیق ممکن ہوتی ہے۔

آیت ۱۳ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾﴾ ''پھر ہم نے اسے بوند کی شکل میں ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔''

رحم (uterus) کو ایک محفوظ ٹھکانہ قرار دیا گیا ہے' جس کی دیوار بہت مضبوط ہوتی ہے۔ نطفہ رحم مادر میں

پہنچتا ہے اور بیضۂ انثی کے ساتھ مل کر fertilized ovum رحم کی دیوار کے اندر embed ہو جاتا ہے گویا دفن ہو جاتا ہے جیسے بیج زمین کے اندر دفن ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾ ''پھر ہم نے اس نطفہ کو علقہ کی شکل دے دی''

عَلَقه کا ترجمہ عام طور پر ''جما ہوا خون'' ہوتا آیا ہے جو کہ غلط ہے۔ لغوی اعتبار سے عربی مادہ علق (ع ل ق) سے معلق، تعلق، متعلق، علاقہ وغیرہ الفاظ تو مشتق ہیں لیکن اس لفظ کا جمے ہوئے خون کے مفہوم و معانی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ دراصل جس زمانے میں یہ تراجم ہوئے ہیں اس میں نہ تو dissection کا کوئی تصور تھا اور نہ ہی ابھی مائیکروسکوپ ایجاد ہوئی تھی' لہٰذا علم الجنین کے بارے میں تمام تر معلومات کی بنیاد ظاہری مشاہدے پر تھی۔ اور چونکہ ابتدائی ایام کا حمل گرنے کی صورت میں رحم سے بظاہر خون کے لوتھڑے ہی برآمد ہوتے تھے' اس لیے اس سے یہی سمجھا گیا کہ رحم مادر میں انسانی تخلیق کی ابتدائی شکل جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کی سی ہوتی ہے۔ آج جب ہم جنینیات (Embryology) کے بارے میں جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں لفظ ''عَلَقه'' پر غور کرتے ہیں تو اس کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ جدید سائنسی معلومات کے مطابق fertilized ovum ابتدائی مرحلے میں رحم کی دیوار کے اندر جما ہوا (embeded) ہوتا ہے' جبکہ اگلے مرحلے میں وہ اس سے اُبھر کر' bulge out کر کے دیوار کے ساتھ جونک کی طرح لٹکنے لگ جاتا ہے۔ اور یہی دراصل ''علقه'' ہے۔

﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً﴾ ''پھر علقہ کو ہم نے گوشت کا لوتھڑا بنا دیا''

پھر اگلے مرحلے میں یہ ''علقه'' گوشت کے ایک نیم چبائے ہوئے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ ڈاکٹر کیتھ ایل مور (موصوف دورِ حاضر میں علم الجنین پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے اُن کا ذکر بیان القرآن کے حصہ اوّل' تعارفِ قرآن کے باب پنجم میں بھی آ چکا ہے) کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس کی وضاحت کے لیے کچے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور واقعتاً اسے دانتوں سے چبا کر دکھایا کہ دانتوں کے نشان پڑ جانے سے اس گوشت کے ٹکڑے کی جو شکل بنی ہے بعینہٖ وہی شکل اس مرحلے میں ''مُضغة'' کی ہوتی ہے۔

﴿فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا﴾ ''پس ہم نے گوشت کے اس لوتھڑے کے اندر ہڈیاں پیدا کیں' پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا''

اور اس کے بعد ''ثُمَّ'' کے ساتھ چوتھے اور آخری دور کا ذکر ہے:

﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ ''پھر ہم نے اسے ایک اور ہی تخلیق پر اٹھا دیا۔''

آیت کے اس حصے میں معنی کا ایک جہان آباد ہے' مگر اسے بہت کم لوگوں نے سمجھا ہے۔ عام لوگ قرآن کی ایسی بہت سی آیات کو پڑھتے ہوئے بے خبری سے یوں آگے گزر جاتے ہیں جیسے ان میں کوئی خاص بات نہ ہو' مگر جس پر حقیقت منکشف ہوتی ہے اسے کلام اللہ کے ایک ایک حرف کے اندر قیامت مضمر دکھائی دیتی ہے۔ کتنے ہی مفسرین ہیں جو سورۃ الحدید کی تیسری آیت ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ کی تفسیر کیے بغیر آگے گزر گئے ہیں' لیکن امام رازیؒ جب اسے پڑھتے ہیں تو ان کی نظر کسی اور ہی جہان کا نظارہ کرتی ہے' اس کا اظہار

وہ اس طرح کرتے ہیں: اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الْمَقَامَ مَقَامٌ غَامِضٌ عَمِيْقٌ مُهِيْبٌ (جان لو کہ یہ مقام بہت مشکل' بہت گہرا اور بہت پُر ہیبت ہے!) یہ قرآن کا معجزاتی پہلو ہے اور اس کا تعلق دیکھنے والی آنکھ سے ہے۔ بہر حال اِن آیات کو پھر سے پڑھیے اور تخلیق کے مراحل میں ''فَ'' اور ''ثُمَّ'' کے نازک فرق کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ غور کیجیے! یہاں ''ثُمَّ'' کا وقفہ ایک پورے دور کو ظاہر کرتا ہے' جبکہ تخلیقی عمل کے اندرونی مراحل کے بیان کو ''فَ'' سے الگ کیا گیا ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾﴾ یعنی مٹی کے جوہر سے نطفے کی تخلیق ایک مکمل دور ہے۔ ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿١٣﴾﴾ یہ دوسرا دور ہے۔ یعنی نطفے کا قرارِ مکین میں پہنچ کر ایک بیج کی حیثیت سے دفن ہو جانا۔ ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً﴾ یہ تیسرے دور کا ذکر ہے اور اس دور کے اندر تین مراحل ہیں' ہر مرحلے کے ذکر کے ساتھ ''فَ'' کا استعمال ہوا ہے: ﴿فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ﴾۔ اس کے بعد ''ثُمَّ'' کے ساتھ چوتھے اور آخری دور کا ذکر ہے: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ﴾ ''پھر ہم نے اسے ایک اور دوسری مخلوق بنا کھڑا کیا''۔ یعنی اب یہ ایک بالکل نئی مخلوق ہے۔ یہاں ''بالکل نئی مخلوق'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل اس حدیث میں ملتی ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بایں الفاظ نقل ہوئی ہے:

((اِنَّ اَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهٗ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ اِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ......))(۱)

''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس یوم تک نطفہ کی صورت میں' اس کے بعد اتنے ہی روز تک علقہ کی صورت میں' اور اس کے بعد اتنے ہی روز گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے' پس وہ اس میں روح پھونکتا ہے......''

یعنی چالیس دن تک نطفہ' پھر چالیس دن تک علقہ اور اس کے بعد چالیس دن تک مُضغة' ایک سو بیس دن (چار ماہ) میں یہ تین مراحل مکمل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتے ہیں۔ وہ کولڈ سٹوریج (عالمِ ارواح) سے اس کی روح کو لا کر اس مادی جسم کے ساتھ ملا دیتا ہے اور یوں ایک نئی مخلوق وجود میں آجاتی ہے۔ یعنی اب تک وہ ایک حیوانی جسم تھا' لیکن اس روح کے پھونکے جانے کے بعد وہ انسان بن گیا۔ البتہ اس حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں بھی لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ ایک سو بیس دن کے بعد اس جسم میں جان ڈال دی جاتی ہے۔ یعنی روح کو ''جان'' (life) سمجھا گیا ہے۔ گویا چار ماہ تک تخلیقی مراحل سے گزرتا ہوا یہ وجود بے جان تھا؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی یا جان اس میں پہلے دن سے ہی موجود تھی۔ حتیٰ کہ باپ کے نطفے کا خلیہ (spermatozoon) اور ماں کا بیضہ (ovum) بھی اپنی اپنی جگہ پر زندہ وجود ہیں اور ان دونوں کے اختلاط سے وجود میں آنے والا جفتہ (zygote) بھی۔ بہر حال ایک سو بیس دن کے بعد اس جسدِ حیوانی میں ''روح'' پھونکی جاتی ہے' جو ایک نورانی چیز ہے اور وہی اسے حیوان سے انسان بناتی ہے۔ اور اسی تبدیلی یا تخلیقی

---

(۱) صحيح البخارى' كتاب احاديث الانبياء' باب خلق آدم وذريته۔ وصحيح مسلم' كتاب القدر' باب كيفية خلق الآدمى فى بطن امه ......

مرحلے کو آیت زیر نظر میں ''خَلۡقًا اٰخَرَ'' (ایک نئی تخلیق) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ' تمام تخلیق کرنے والوں میں بہترین تخلیق کرنے والا۔''

آیت ۱۵ ﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''پھر اس کے بعد تم لوگ یقیناً مرنے والے ہو۔''

آیت ۱۶ ﴿ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾﴾ ''پھر قیامت کے دن تم لوگ یقیناً اٹھا دیے جاؤ گے۔''

یہ گویا حیاتِ انسانی کے مختلف مراحل کا بہترین اور جامع ترین بیان ہے' جو ان آیات میں ہوا ہے۔ اس موضوع پر یہ قرآن حکیم کا ذروۂ سنام (climax) ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ﴾ ''اور ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے ہیں''

عام طور پر ''سَبۡعَ طَرَآئِقَ'' سے سات آسمان مراد لیے جاتے ہیں۔ ''طرائق'' کے معنی راستوں کے بھی ہیں اور طبقوں کے بھی۔ دوسرے معنی کے مطابق اس سے ''تہہ بر تہہ سات آسمان'' مراد ہیں۔ واللہ اعلم! جب تک انسانی علم کی رسائی اس کی حقیقت تک نہ ہو جائے' اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لحاظ سے یہ آیت متشابہات میں سے ہو گی۔

﴿وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔''

آیت ۱۸ ﴿وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پانی اُتارا ایک اندازے کے مطابق''

زمین پر پانی اسی مقدار میں رکھا گیا ہے جس قدر واقعتاً یہاں اس کی ضرورت ہے۔ اگر اس مقدار سے پانی زیادہ ہو جائے تو روئے زمین سیلاب میں ڈوب جائے اور پوری نوعِ انسانی اس میں غرق ہو جائے۔ اور اگر اس مقدار سے کم ہو تو زمین پر زندگی کا وجود ہی ممکن نہ رہے۔

﴿فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''تو اسے ہم نے زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کو واپس لے جانے پر بھی قادر ہیں۔''

اگر ہم چاہیں تو روئے ارضی سے پانی کا وجود ختم کر دیں اور یوں دنیا میں زندگی کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔

آیت ۱۹ ﴿فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ﴾ ''تو ہم نے اس سے پیدا کیے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات''

﴿لَكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''ان میں تمہارے لیے بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔''

ان میں سے اکثر پھل تمہارے لیے غذا کا کام دیتے ہیں۔

آیت ۲۰ ﴿وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ﴾ ''اور وہ درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو سینا پہاڑ سے نکلتا ہے''

اس سے زیتون کا درخت مراد ہے جو عام طور پر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑی علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

﴿تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَ صِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ۝۲۰﴾ ''وہ تیل بھی لے کر اُگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن بھی۔''

ایک زمانے میں روئے زمین پر وسیع علاقے کی آبادی کا اپنی خوراک کے لیے بنیادی طور پر اسی زیتون پر ہی انحصار تھا اور عام لوگ روغن زیتون میں روٹی کو بھگو کر کھا لیتے تھے۔

آیت ۲۱ ﴿وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ﴾ ''اور یقیناً تمہارے لیے ان چوپایوں میں بھی عبرت کا سامان ہے''

اگر تم سمجھنا چاہو تو ان میں تمہاری ہدایت کے لیے بہت واضح نشانیاں ہیں۔

﴿نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهَا﴾ ''ہم پلاتے ہیں تمہیں اس میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے''

سورۃ النحل میں اس عجوبۂ قدرت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ۝۶۶﴾ ''اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے' ہم پلاتے ہیں تمہیں اُس میں سے جو اُن کے پیٹوں میں ہوتا ہے' گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ' پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار''۔ اگر ہم گائے یا بھینس کا پیٹ چاک کر کے دیکھیں تو اس کے اندر ہمیں گوبر اور خون ہی نظر آئے گا۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ انہی آلائشوں کے اندر سے صاف شفاف دودھ پیدا ہوتا ہے جو انسانوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی اس نعمت اور قدرت پر غور کریں تو بچوں کی نظم کے یہ اشعار بے اختیار زبان پر آ جاتے ہیں: ؎

رب کا شکر ادا کر بھائی — جس نے ہماری گائے بنائی
اُس خالق کو کیوں نہ پکاریں — جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں

﴿وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۝۲۱﴾ ''اور تمہارے لیے ان میں بہت سے فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔''

یہ چوپائے بہت سے کاموں میں تمہاری مدد کرتے ہیں۔ تمہارے ساز و سامان کی نقل و حمل میں تمہارے کام آتے ہیں اور تم اپنی غذا میں پروٹین بھی انہی کے گوشت سے حاصل کرتے ہو۔

آیت ۲۲ ﴿وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡـفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ ۝۲۲﴾ ''اور ان (چوپایوں) پر اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو۔''

چنانچہ ان سب چیزوں اور نعمتوں میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

آیات ۲۳ تا ۵۰

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۲۳ فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يُرِيۡدُ اَنۡ

يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴ اِنْ
هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۲۵ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝۲۶ فَاَوْحَيْنَآ
اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ
كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۲۷ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَي الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ۝۲۹ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝۳۰ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۳۱ۚ
فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۲ۧ وَقَالَ ع
الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا ھٰذَآ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝۳۳ۙ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا
مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۳۴ۙ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ
مُّخْرَجُوْنَ ۝۳۵ۙ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝۳۶ۙ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝۳۷ۙ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُۨ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۳۸ قَالَ
رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝۳۹ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝۴۰ۚ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۗءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۴۲ۭ
مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۴۳ۭ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً
رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۴۴ ثُمَّ
اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۵ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝۴۶ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝۴۷ۚ فَكَذَّبُوْهُمَا
فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝۴۸ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۴۹ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ
وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝۵۰ۧ ع

آیت ۲۳ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ﴾ ’’اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف‘ تو اُس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو‘ تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے اُس کے سوا۔‘‘

﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۲۳﴾ ’’تو کیا تم (اُس کے غضب سے) ڈرتے نہیں ہو؟‘‘

آیت ۲۴ ﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا ھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ﴾ ’’تو کہا اُسؑ کی قوم کے

اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی' یہ کچھ بھی نہیں مگر تمہاری طرح کا ایک بشر''

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے بڑے سرداروں نے اپنے عوام کو تسلی دینے کے لیے ان کے سامنے یہ دلیل اختیار کی کہ یہ نوحؑ بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہی تو ہے اور ایک انسان اللہ کا فرستادہ کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''یہ تمہارے اوپر اپنی فوقیت چاہتا ہے۔''

اس نے اقتدار واختیار اور سرداری حاصل کرنے کے لیے نبوت ورسالت کا یہ ڈھونگ رچایا ہے۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو بھیج دیتا''

اگر اللہ نے اپنا رسول بھیجنا ہوتا تو وہ اپنے فرشتوں میں سے کسی کو بھیجتا۔ اس شخص میں کون سی ایسی خاص بات تھی کہ اللہ نے اسے اس کام کے لیے منتخب کیا ہے؟

﴿ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ ﴾ ''ہم نے اس طرح کوئی بات اپنے پہلے آباء واجداد میں نہیں سنی!''

اس کا یہ دعویٰ بالکل نیا ہے۔ ہم نے ایسی کوئی بات اپنے باپ دادا سے تو نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے بھی کسی کو رسول مبعوث کرتا ہے۔

آیت ۲۵ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ ﴾ ''یہ تو بس ایک ایسا شخص ہے جس کو کچھ جنون لاحق ہو گیا ہے' چنانچہ تم لوگ انتظار کرو اس (کے انجام) کا کچھ وقت کے لیے۔''

آیت ۲۶ ﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ ﴾ ''نوحؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ﴾ ''تو ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری نگرانی اور وحی کی ہدایات کے مطابق ایک کشتی بناؤ''

﴿ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ﴾ ''پھر جب ہمارا حکم آن پہنچے اور تنور اُبل پڑے''

﴿ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾ ''تو اس میں رکھ لینا تمام مخلوق میں سے جوڑے''

ہر قسم کے جاندار' حیوانات وغیرہ میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ کو بھی اس کشتی میں سوار کر لینا تاکہ ان کی نسل محفوظ رہ سکے۔

﴿ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کرا لینا) سوائے ان کے جن کے بارے میں ان میں سے پہلے ہی بات طے ہو چکی ہے۔''

اس استثناء میں آپؑ کی بیوی اور ایک بیٹا شامل تھے' جن کے بارے میں پہلے ہی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ ﴾ ''اور مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے شرک کیا' یقیناً وہ سب غرق کر دیے جائیں گے۔''

آیت ۲۸ ﴿فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''پھر جب تم اور تمہارے سب ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں تو کہنا کہ کُل شکر اُس اللہ کا ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔''

آیت ۲۹ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا﴾ ''اور دعا کرنا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اتاریو برکت والا اتارنا''

پروردگار! ہم تیری مہربانی اور تیرے حکم سے اس کشتی میں سوار ہوئے ہیں۔ ہمیں مستقبل کا کچھ علم نہیں۔ ہم نہیں جانتے اب یہ کشتی ہمیں لے کر کہاں کہاں جائے گی اور کہاں پر جا کر رکے گی۔ یہ معاملہ اب تیرے سپرد ہے۔ ہماری التجا ہے کہ اس کشتی سے ہمارے اترنے کو بھی بابرکت بنا دے۔

﴿وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور یقیناً تو ہی ہے بہترین اتارنے والا۔''

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾ ''یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں اور یقیناً ہم آزمانے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے تحت دنیا میں مختلف لوگوں کو مختلف انداز میں آزماتے رہتے ہیں۔ اس اصول اور قانون کے بارے میں سورۃ الملک کے آغاز میں یوں ارشاد ہوا ہے: ﴿الَّذِىْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (آیت ۲) ''وہی (اللہ) ہے جس نے موت اور حیات کو بنایا ہی اس لیے ہے کہ تمہیں پرکھے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے بہتر کون ہے!''

آیت ۳۱ ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾﴾ ''پھر اُن کے بعد ہم نے ایک اور نسل کو اٹھایا۔''

اس سے مراد قومِ عاد یا قومِ ثمود ہے۔

آیت ۳۲ ﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ ''پس ان میں بھی ہم نے ایک رسولؑ بھیجا انہی میں سے''

یہاں پر نام نہیں بتایا گیا لیکن قرینِ قیاس یہی ہے کہ یہ حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے یا پھر حضرت صالح علیہ السلام کا۔

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ ''(اُسؑ نے بھی یہی کہا) کہ بندگی کرو اللہ کی اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟''

آیت ۳۳ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور کہا اُسؑ کی قوم کے اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور آخرت کی ملاقات کا انکار کیا تھا''

﴿وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ﴾ ''اور جنہیں ہم نے آسودگی عطا کی تھی دنیا کی زندگی میں''

قومِ نوحؑ کے سرداروں کی طرح اس قوم کے بڑے بڑے سرداروں نے بھی اپنے عوام کو اسی منطق سے مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾﴾ ''یہ کچھ بھی نہیں مگر تمہاری طرح کا ایک بشر' وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو' اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔''

آیت ۳۴ ﴿وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٤﴾﴾ ''اور اگر تم لوگ اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت کرو گے تب تو تم بڑا نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔''

ذرا ان سرداروں کی منطق اور دلیل ملاحظہ ہو' یعنی اگر تم لوگ ہماری اطاعت کرو تو درست اور بجا' لیکن اس شخص کا کہنا مانو تو نا قابل قبول! اس لیے کہ ہم پیدائشی سردار ہیں' تمہارے حکمران ہیں' ہمارا حکم تو تمہیں ماننا ہی ماننا ہے۔ ہماری اطاعت تو تم پر لازم ہے ہی' مگر اس شخص کی اطاعت اس لیے نہیں ہو سکتی کہ یہ تمہاری طرح کا انسان ہے۔ یہ دلیل دیتے ہوئے وہ بھول گئے کہ وہ خود کوئی فرشتے نہیں بلکہ اپنے عوام جیسے ہی انسان ہیں اور انسان ہوتے ہوئے ہی وہ اپنے جیسے انسانوں سے اطاعت اور فرمانبرداری کی توقع رکھتے ہیں۔

آیت ۳۵ ﴿اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٥﴾﴾ ''کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم (پھر سے) نکال لیے جاؤ گے؟''

آیت ۳۶ ﴿هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٦﴾﴾ ''ناممکن! بالکل ناممکن ہے یہ بات' جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے!''

آیت ۳۷ ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٣٧﴾﴾ ''یہ کچھ نہیں ہے مگر بس ہماری دنیا کی زندگی (ہی اصل زندگی) ہے' ہم خود ہی مرتے ہیں اور خود ہی زندہ رہتے ہیں' اور ہم (دوبارہ) اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۳۸ ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۣافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ''یہ نہیں ہے مگر ایک ایسا شخص جس نے جھوٹ باندھا ہے اللہ پر''

اس نے اپنی نبوت و رسالت کے بارے میں جھوٹ گھڑ کر اللہ سے منسوب کر دیا ہے۔

﴿وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٨﴾﴾ ''اور ہم اس کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

آیت ۳۹ ﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾﴾ ''اُس (رسولؑ) نے کہا: پروردگار! تو میری مدد فرما اس تکذیب کے مقابلے میں جو انہوں نے میری کی ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿٤٠﴾﴾ ''اللہ نے فرمایا کہ کچھ ہی دیر میں یہ لازماً ہو جائیں گے پچھتانے والے۔''

آیت ۴۱ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ﴾ ''اور ان کو آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے حق کے ساتھ' تو ہم نے بنا دیا انہیں کوڑا کرکٹ۔''

جیسے کھیت سے فصل کٹ جانے کے بعد پیچھے بھوسہ اور خس و خاشاک پڑے رہ جاتے ہیں اسی طرح انہیں

جھاڑ جھنکاڑ اور کوڑے کرکٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔

﴿فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ﴿۴۱﴾﴾ ''تو پھٹکار ہے اُن ظالموں کی قوم پر۔''

آیت ۴۲ ﴿ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِیۡنَ﴿۴۲﴾﴾ ''پھر اُن کے بعد ہم نے اور بہت سی قومیں پیدا کیں۔''

آیت ۴۳ ﴿مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ﴿۴۳﴾﴾ ''کوئی قوم بھی نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکی اور نہ ہی اسے مؤخر کر سکی۔''

آیت ۴۴ ﴿ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا﴾ ''پھر بھیجا ہم نے اپنے رسولوںؑ کو پے در پے۔''

﴿کُلَّمَا جَآءَ اُمَّۃً رَّسُوۡلُہَا کَذَّبُوۡہُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَہُمۡ بَعۡضًا﴾ ''جب بھی کسی قوم کے پاس آیا اُس کا رسول تو انہوں نے اسے جھٹلایا' تو ہم نے بھی ایک کے پیچھے دوسری کو لگا دیا''

ان کی تکذیب کے جواب میں ہم بھی ان قوموں کو یکے بعد دیگرے ہلاک کرتے چلے گئے۔

﴿وَ جَعَلۡنٰہُمۡ اَحَادِیۡثَ﴾ ''اور ہم نے بنا دیا ان کو قصے کہانیاں۔''

ان قوموں کے نام اب دنیا میں کہانیوں اور داستانوں کی حد تک باقی رہ گئے ہیں کہ قومِ مدین فلاں علاقے میں بستی تھی' عامورہ اور سدوم کے شہر فلاں جگہ پر واقع تھے' وغیرہ وغیرہ۔

﴿فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۴۴﴾﴾ ''تو پھٹکار ہے اُس قوم پر کہ جو ایمان نہیں لاتی۔''

آیت ۴۵ ﴿ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی وَ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ ۬ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ﴿۴۵﴾﴾ ''پھر ہم نے بھیجا موسیٰؑ اور اُس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ۔''

آیت ۴۶ ﴿اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا عَالِیۡنَ﴿۴۶﴾﴾ ''فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف' تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ بڑے سرکش لوگ تھے۔''

آیت ۴۷ ﴿فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُہُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ﴿۴۷﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں جبکہ ان کی قوم ہماری محکوم ہے!''

فرعون اور اُس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر ایک اعتراض تو وہی کیا جو حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قومیں اپنے رسولوں کے بارے میں کر چکی تھیں۔ یعنی یہ کہ وہ ہماری طرح کے انسان ہیں۔ لیکن یہاں ایک دوسرا مسئلہ بھی تھا اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا تعلق فرعون کی محکوم قوم سے تھا۔ بنی اسرائیل مصر میں فرعون کے غلام تھے اور وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی غلام قوم کے دو اشخاص اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے دو بدو بات کریں۔

سیاق و سباق کے حوالے سے یہاں پر لفظ ''عبادت'' کے اصل مفہوم کو بھی سمجھ لیں۔ ظاہر ہے کہ اس لفظ کا جو مفہوم آج ہمارے ذہنوں میں ہے بنی اسرائیل اس مفہوم میں فرعون یا اس کی قوم کی عبادت نہیں کرتے تھے' یعنی وہ ان کی پرستش یا پوجا نہیں کرتے تھے' بلکہ وہ ان کی اطاعت کرتے تھے اور یہاں فرعون نے اسی اطاعت کو

لفظ ''عبادت'' سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرعون کے اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قوم ہماری غلام ہے' ہماری اطاعت شعار ہے' ہم ان پر مطلق اختیار رکھتے ہیں' ہم جو چاہیں انہیں حکم دیں اور جیسا قانون ہم چاہیں ان پر لاگو کریں۔ ہم چاہیں تو ان کے لڑکوں کو قتل کرواتے رہیں اور چاہیں تو ان کی بیٹیوں کو زندہ رہنے دیا کریں۔ یہ لوگ ہمارے غلام اور محکوم ہونے کے باعث ہمارے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے۔

آیت ۴۸ ﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ۝۴۸﴾ ''تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا اور ہو گئے ہلاک ہونے والوں میں سے۔''

آیت ۴۹ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۝۴۹﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تا کہ وہ ہدایت پائیں۔''

آیت ۵۰ ﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً﴾ ''اور ہم نے ابنِ مریم (عیسیٰؑ) اور اُس کی والدہ (مریم) کو ایک نشانی بنا دیا''

﴿وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۝۵۰﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کو ایک اونچے ٹیلے پر پناہ دی جو پُرسکون اور چشموں والی جگہ تھی۔''

یہاں جس جگہ کا ذکر ہوا ہے اس کے مقام اور زمانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ اس سے مراد وہی ٹیلا ہے جہاں ایک کھجور کے سایے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ شاید آپؑ کی ولادت کے بعد ماں بیٹا کچھ عرصہ اسی جگہ پر قیام پذیر رہے ہوں۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کی رائے میں یہ کسی اور جگہ کا ذکر ہے۔ اس دوسری رائے کی بنیاد جن معلومات پر ہے ان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اس علاقے میں ہیرودیس بادشاہ کی حکومت تھی جو یہودی تھا۔ جس طرح برصغیر میں انگریزوں کی طرف سے راجوں اور نوابوں کو ان کے علاقوں میں حکمران بنا دیا جاتا تھا اسی طرح رومن شہنشاہ نے اس علاقے میں اس شخص کو بادشاہ مقرر کر رکھا تھا۔ اس کٹھ پتلی بادشاہ کو ایک خواب آیا تھا جس کی بنا پر نجومیوں نے اس کے دل میں یہ وہم ڈال دیا کہ تمہاری سلطنت میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تمہاری ہلاکت کا باعث بنے گا۔ چنانچہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اس کی سلطنت میں جو لڑکا بھی پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ اِن حالات میں حضرت مریم' حضرت عیسیٰؑ کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس یہودی بادشاہ کے انتقال کے بعد اس وقت واپس آئیں جب حضرت عیسیٰؑ دس بارہ سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اس واقعہ کا ذکر بائبل میں بھی ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس روایت کو درست سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اپنی اس جلاوطنی کے دوران مصر میں جس جگہ پر انہوں نے قیام کیا تھا آیت زیرِ نظر میں اس جگہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

آیات ۵۱ تا ۷۷

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۵۱ۭ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ

اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿52﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا
لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿53﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿54﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ
مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿55﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿56﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿57﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿58﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا
يُشْرِكُوْنَ ﴿59﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿60﴾ اُولٰۗىِٕكَ
يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿61﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿62﴾ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ
هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿63﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْــَٔــرُوْنَ ﴿64﴾ لَا تَجْــَٔــرُوا
الْيَوْمَ ۣ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿65﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ
تَنْكِصُوْنَ ﴿66﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ڰ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿67﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَاۗءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ
اٰبَاۗءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿68﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿69﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ
جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿70﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿71﴾ اَمْ تَسْـَٔــلُهُمْ
خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ڰ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿72﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿73﴾
وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿74﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ
مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿75﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ
وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿76﴾ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿77﴾ ع

آیت ۵۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ﴾ ’’اے رسولو! پاکیزہ اور حلال چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔‘‘

﴿اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿51﴾﴾ ’’جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً میں اس سے باخبر ہوں۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ ’’اور یقیناً یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے‘‘

تمام پیغمبروں کا تعلق ایک ہی امت یا جماعت سے ہے۔ بعض روایات کے مطابق انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسولؑ ہیں اور باقی انبیاءؑ۔ ان انبیاءؑ و رسلؑ میں سے بعض کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے جبکہ اکثر کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ سورۃ النساء آیت ۱۶۴ میں اس بارے میں یوں وضاحت فرمائی گئی ہے: ﴿وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ﴾ ’’اور

(بھیجے) وہ رسولؐ جن کا ہم اس سے پہلے آپؐ کے سامنے تذکرہ کر چکے ہیں' اور ایسے رسول بھی جن کے حالات ہم نے آپؐ کے سامنے بیان نہیں کیے۔''

﴿وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝۵۲﴾ ''اور میں تمہارا رب ہوں' بس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو!''

آیت ۵۳ ﴿فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ﴾ ''لیکن لوگوں نے اپنے معاملے کو اپنے مابین تقسیم کر لیا ٹکڑے کر کے۔''

اَمر سے یہاں مراد ''دین'' ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' اور وہ یہودیت' عیسائیت وغیرہ ناموں پر مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔

﴿كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳﴾ ''ہر گروہ کے لوگ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اِترا رہے ہیں۔''

آیت ۵۴ ﴿فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۵۴﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ انہیں چھوڑ دیجیے ان کی مدہوشی میں' ایک وقت تک کے لیے۔''

آیت ۵۵ ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۵۵﴾ ''کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال اور بیٹوں سے مدد دیے جا رہے ہیں۔''

آیت ۵۶ ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۶﴾ ''تو ہم ان کی بھلائی کے لیے کوشاں ہیں؟ (ایسا ہرگز نہیں!) لیکن یہ لوگ جانتے نہیں۔''

ہماری طرف سے اپنے ان نافرمانوں کو مال واولاد جیسی نعمتوں سے نوازتے چلے جانا ان کے ساتھ بھلائی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہی چیزیں ان کے لیے موجبِ عذاب بن جائیں گی۔ سورۃ التوبہ میں یہ فلسفہ اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد سے تعجب نہ ہو' اللہ تو چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے' اور ان کی جانیں نکلیں اسی کفر کی حالت میں''۔ اور سورۃ التوبہ ہی کی آیت ۸۵ میں الفاظ کے بہت معمولی فرق کے ساتھ یہی مضمون پھر سے دہرایا گیا ہے۔

آگے جو آیات آ رہی ہیں ان کا انداز اس سورت کی ابتدائی آیات سے مشابہ ہے۔ سورت کے آغاز میں اکثر آیات اَلَّذِيْنَ یا وَالَّذِيْنَ سے شروع ہوتی ہیں اور ان آیات میں بھی اَلَّذِيْنَ اور وَالَّذِيْنَ کی تکرار ہے۔ گویا جو مضمون آغازِ سورت میں بیان ہوا تھا یہ اس کی دوسری قسط ہے۔ وہاں پر بندۂ مؤمن کی سیرت کی تعمیر اور شخصیت کے ارتقاء کے لیے درکار بنیادی خصوصیات کا ذکر کیا گیا تھا جبکہ یہاں پر مطلوبہ شخصیت وکردار کی پختہ (mature) خصوصیات کی جھلکیاں دکھائی جا رہی ہیں' جن میں زیادہ تر بندۂ مؤمن کی باطنی کیفیات کا تذکرہ ہے۔

آیت ۵۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝۵۷﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔''

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ”اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔“

آیت ۵۹ ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ ”اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔“

شرک کے ردّ اور ابطال کے ضمن میں قرآن حکیم میں بہت تکرار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے کو بار بار سمجھنے کی ضرورت ہے۔ شرک کی اہم اور واضح صورتوں کے بارے میں تو سب جانتے ہیں اور اجتناب بھی کرتے ہیں‘ لیکن اس کی بہت سی مخفی صورتیں بھی ہیں جو ہر دور میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں ☆۔ لہٰذا ایک بندۂ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرک کی مہلک بیماری کے بارے میں اپنے اندر باریک بینی اور دقت نظری کی ایسی صلاحیت پیدا کر لے جس کا اظہار اس شعر میں کیا گیا ہے: ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش　　من اندازِ قدت را می شناسم!

(تو جس انداز کا چاہے لباس زیب تن کر لے‘ میں تجھے تمہارے قد کے انداز سے پہچان لیتا ہوں۔)

یعنی شرک جب بھی اس کے سامنے آئے‘ وہ جس روپ اور جس بھیس میں بھی ہو وہ اس کو پہچان لے۔

آیت ۶۰ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾ ”اور وہ جو دیتے ہیں (اللہ کی راہ میں) تو جو کچھ دیتے ہیں اس طرح دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

یعنی اللہ کی راہ میں وہ حتی المقدور صدقہ وخیرات کرتے رہتے ہیں‘ لیکن اس کے باوجود وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ دوسروں کی مدد کرتے ہوئے وہ انہیں کمتر اور خود کو برتر نہیں سمجھتے‘ بلکہ انہیں یہ خدشہ اور اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں کسی کوتاہی‘ غلطی یا خلوص کی کمی کے باعث ان کا یہ عمل اللہ کے ہاں ردنہ کر دیا جائے۔

آیت ۶۱ ﴿اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں کوشاں ہیں اور ان کے لیے سبقت کرنے والے ہیں۔“

زندگی میں ان کی بھاگ دوڑ نیکیوں اور بھلائیوں کے لیے ہوتی ہے اور اس میدان میں وہ ہمیشہ دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

آیت ۶۲ ﴿وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”اور ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی جان کو مگر اُس کی استطاعت کے مطابق“

یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ آیات: ۲۳۳ اور ۲۸۶‘ سورۃ الانعام آیت: ۱۵۲‘ سورۃ الاعراف آیت: ۴۲ اور سورۃ الطلاق آیت: ۷ میں یہ مضمون ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔

﴿وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ”اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے‘ لہٰذا ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

☆ اس حوالے سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی کتاب ”حقیقت و اقسامِ شرک“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔ (مرتب)

اس سے مراد ہر شخص کا اعمال نامہ اور اس کی زندگی بھر کے اعمال وافعال کی جزئیات وتفصیلات پر مشتمل ریکارڈ ہے۔ اس اعمال نامے کے مطابق انسان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل کا اس کی استطاعت اور صلاحیتوں کے مطابق جائزہ لے کر اس کے لیے جزا اور سزا کا فیصلہ کیا جائے گا۔ آج کمپیوٹر کے دور میں اس تصور کو سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ یوں سمجھ لیں کہ انسان کے جینز (genes) کے بارے میں تمام معلومات (جبلی صلاحیتوں) اور اس کے ماحولیاتی عوامل کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک سپر کمپیوٹر میں موجود ہیں۔ ماحول اور صلاحیتوں کی عطا کلی طور پر اللہ کی دین ہے' اس میں انسان کے اپنے اختیار وانتخاب کا کچھ دخل نہیں۔ جینز اور ماحولیاتی عوامل وغیرہ مل کر انسان کا ''شاکلہ'' تشکیل دیتے ہیں۔ (شاکلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: بیان القرآن حصہ چہارم میں سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۴ کی تشریح۔) اللہ تعالیٰ کا سپر کمپیوٹر ہر شخص کے اعمال کو اس کی شخصیت کے شاکلہ کے ساتھ منطبق کر کے بتائے گا کہ اس کے شاکلہ میں کس عمل کے لیے کتنی استطاعت اور گنجائش تھی اور اس نے کس حد تک اس کی کوشش کی۔ اس حساب کتاب (evaluation) کے بعد یہ کمپیوٹر نتائج کا اعلان کرے گا' جس کے لیے یہاں ''یَنْطِقُ بِالْحَقِّ'' کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الکہف میں اس کیفیت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾﴾ ''اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ' چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو ڈرے ہوئے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا' اور وہ کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو' مگر اس کو محفوظ کر کے رکھا ہے' اور جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا وہ اسے اپنے سامنے موجود پائیں گے' اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔''

آیت ۶۳ ﴿بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾ ''لیکن اُن کے دل اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''

﴿وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''اور ان کے اور بہت سے مشاغل ہیں ان کے سوا جن کے لیے وہ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

اوپر اہل ایمان کے جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے' ان کے مشاغل اور سرگرمیاں ان سے یکسر مختلف ہیں۔ ایسے لوگوں کے پاس دین کی خدمت اور بھلائی کے کاموں کے لیے وقت ہی نہیں ہے۔ انہیں دن رات اپنی دنیا کمانے کی فکر ہے۔ وہ اپنے وقت کا کُل سرمایہ اپنی ساری توانائیوں سمیت خود ساختہ جھوٹے معیارات کو برقرار رکھنے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے لیے کھپا رہے ہیں۔ اس آیت کے مضمون کی روشنی میں ہر شخص کو اپنی مصروفیات کا جائزہ لینا چاہیے کہ اس کی شبانہ روز تگ ودو اور بھاگ دوڑ کا کتنا حصہ دین کے لیے ہے اور کتنا حصہ دنیا کے لیے۔ اگر کسی شخص کی تمام تر کوشش اور ساری محنت ہے ہی دنیا کے لیے' اس کا نصب العین بھی دنیا ہے اور اس نے منصوبہ بندی بھی صرف اسی کے لیے کر رکھی ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ آخرت کی تیاری کرنے کے لیے فرصت کے لمحات اسے کب اور کیسے میسر آئیں گے؟

آیت ۶۴ ﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''یہاں تک کہ جب ہم ان

کے خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چیخیں چلّائیں گے۔‘‘

آیت ۶۵ ﴿لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۖ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ﴾ ’’(ان سے کہا جائے گا) آج مت چیخو چلّاؤ! اب ہمارے ہاں سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔‘‘

آج تمہاری اس چیخ و پکار اور آہ و فریاد کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہاری فریاد سن کر آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں آئے گا۔

آیت ۶۶ ﴿قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ﴾ ’’میری آیات تمہیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں، تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پلٹ جاتے تھے۔‘‘

آیت ۶۷ ﴿مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ﴾ ’’تکبر کرتے ہوئے، پیغمبرؑ کو قصہ گو سمجھتے ہوئے چھوڑ جاتے تھے۔‘‘

اس زمانے میں عربوں کے ہاں قصہ گوئی کا بہت رواج تھا۔ پیشہ ور قصہ گو راتوں کو مجمع جما کر قصے سنایا کرتے تھے۔ یہ عام لوگوں کے لیے تفریح کا ذریعہ تھا اور قصہ گو کے لیے کمائی کا وسیلہ۔ اسی طرح کے قصہ گو ہندوستان میں راجپوتوں کے ہاں بھی پائے جاتے تھے جو ان کے لیے راتوں کو محفلیں سجاتے تھے۔ چنانچہ اس پس منظر میں مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے رسول ﷺ کو بھی قصہ گو سمجھ رکھا ہے کہ آپؐ کی بات سننا یا نہ سننا تمہارے لیے برابر ہے؟ اور تم سمجھتے ہو کہ آپؐ کی بات ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ تم لوگوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ فیصلہ کن کلام ہے: ﴿وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل) ’’اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے، اور (اے نبی ﷺ) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا‘‘۔ آئندہ اسی کلام کے ترازو میں قوموں کی قسمتیں تولی جائیں گی، اسی کے سہارے لوگ کامیاب و کامران ہوں گے اور اس کو چھوڑ کر ناکامیوں اور محرومیوں کے گڑھوں میں گریں گے۔ اس سلسلے میں نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان بہت واضح اور دوٹوک ہے: ((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))(1) ’’اللہ اسی کتاب کی بدولت قوموں کو اُٹھائے گا اور اس (کو چھوڑنے) کے باعث قوموں کو گرائے گا۔‘‘

آیت ۶۸ ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ’’تو کیا ان لوگوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا؟ یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی ہے جو ان کے اگلے آباء و اَجداد کے پاس نہیں آئی تھی؟‘‘

تو کیا وحی کا نازل ہونا اور رسولؑ کا من جانب اللہ مبعوث ہونا انہیں اس لیے عجیب لگ رہا ہے کہ ان کے باپ دادا یعنی بنو اسماعیلؑ پر اس سے پہلے کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی ان کی طرف اس سے پہلے کوئی نبیؑ آیا تھا؟

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه......

آیت ۶۹ ﴿اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝۶۹﴾ ’’کیا انہوں نے اپنے رسولؐ کو پہچانا نہیں‘ تو اس لیے وہ اسؐ سے مغائرت محسوس کرتے ہیں!‘‘

آیت ۷۰ ﴿اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ﴾ ’’یا وہ کہتے ہیں کہ ان پر کچھ جنون کا اثر ہے!‘‘

کیا وہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ پر آسیب کا اثر ہے یا آپؐ کو جنون ہو گیا ہے۔

﴿بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۝۷۰﴾ ’’بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں‘ لیکن ان کی اکثریت حق کو ناپسند کرنے والی ہے۔‘‘

آیت ۷۱ ﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ﴾ ’’اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان و زمین اور جو کوئی ان کے اندر ہیں سب بگڑ جاتے۔‘‘

اگر حق کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین و آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ حق ان لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں ڈھل سکتا‘ بلکہ انہیں خود کو حق کے مطابق ڈھالنا ہوگا اور اس کی پیروی کرنا ہوگی۔

﴿بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۷۱﴾ ’’بلکہ ہم تو ان کے پاس ان کی نصیحت لائے ہیں تو وہ اپنی ہی نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔‘‘

آیت ۷۲ ﴿اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیْرٌ ۖ وَّهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۝۷۲﴾ ’’کیا آپؐ ان سے کوئی خراج (اجر) مانگ رہے ہیں؟ تو آپؐ کے رب کا اجر بہت بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔‘‘

دراصل یہاں ان الفاظ میں خطاب حضور ﷺ سے نہیں ہے بلکہ مشرکینِ مکہ سے ہے کہ عقل کے اندھو ذرا سوچو تو! تمہارے شاعر اور قصہ گو تو تم لوگوں سے اجر و انعام چاہتے ہیں۔ مگر تم نے محمد (ﷺ) کی زبان سے کبھی ایسی کوئی بات سنی ہے؟ کبھی آپؐ نے اپنی اس خدمت کے عوض تم سے کوئی اجرت طلب کی ہے؟ ان کو تو ان کے رب کی طرف سے جو اجر و انعام ملنے والا ہے وہ پوری دنیا کے خزانوں سے بہتر ہے۔

آیت ۷۳ ﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝۷۳﴾ ’’اور یقیناً آپؐ انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔‘‘

آیت ۷۴ ﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ۝۷۴﴾ ’’اور یقیناً جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ اس راستے سے انحراف کرتے ہیں۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۝۷۵﴾ ’’اور اگر ہم ان پر رحم فرمائیں اور ان کو جو تکلیف ہے وہ رفع کر دیں تو ضرور وہ بڑھتے چلے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر۔‘‘

ان الفاظ سے یوں لگتا ہے کہ اس سورت کے نزول کے زمانہ میں اہلِ مکہ کسی مصیبت میں گرفتار تھے۔ سورۃ

الانعام اور سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا ذکر گزر چکا ہے جس کے تحت ہر رسول کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے جاتے تھے اور انہیں مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا کیا جاتا تھا تاکہ وہ خوابِ غفلت سے جاگیں اور ان کے ذہن حق کی دعوت پر غور وفکر کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

آیت ۷۶ ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ﴾ ''اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تھا''

اس سے مراد شاید قحط اور خشک سالی کا وہ عذاب ہے جس میں اہلِ مکہ کئی سال تک مبتلا رہے اور جس کی وجہ سے ہر شخص کو جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

﴿فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ﴾ ''تو (اس کے باوجود) نہ انہوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی اختیار کی اور نہ ہی وہ گڑگڑائے۔''

آیت ۷۷ ﴿حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب ہم ان پر کھول دیں گے بہت سخت عذاب کا دروازہ، تو جبھی وہ اس میں بالکل مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔''

آیات ۷۸ تا ۹۲

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ع ۵/۱۵

آیت ۷۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے بنائے ہیں کان، آنکھیں اور عقل۔''

﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ﴾ ''بہت کم ہے جو تم شکر ادا کرتے ہو۔''

آیت ۷۹ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ''اور وہی ہے جس نے زمین

میں تمہیں پھیلا دیا ہے اور پھر اُسی کی طرف تم سب جمع کر دیے جاؤ گے۔‘‘

آیت ۸۰ ﴿وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ’’اور وہی ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے‘ اور اسی کا کام ہے دن رات کو بدلنا۔‘‘

﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰﴾ ’’تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!‘‘

آیت ۸۱ ﴿بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱﴾ ’’بلکہ انہوں نے بھی وہی کہا جو ان سے پہلے لوگوں نے کہا تھا۔‘‘

آیت ۸۲ ﴿قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۸۲﴾ ’’انہوں نے کہا تھا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں ہی رہ جائیں گی تو کیا ہمیں پھر اٹھا لیا جائے گا؟‘‘

آیت ۸۳ ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ﴾ ’’اسی کی دھمکی ہمیں دی جا رہی ہے اور اس سے پہلے ہمارے آباء و اجداد کو بھی دی گئی تھی‘‘

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۸۳﴾ ’’یہ کچھ بھی نہیں مگر قصے ہیں اگلے لوگوں کے۔‘‘

آیت ۸۴ ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۴﴾ ’’آپؐ ان سے پوچھیے کہ یہ زمین اور جو اس میں ہیں سب کس کے ہیں؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)!‘‘

اس سورۂ مبارکہ کا یہ آخری حصہ بہت ہی پُرجلال ہے۔ قاری محمد صدیق المنشاوی (ان کا تعلق مصر سے ہے) نے ان آیات کی تلاوت ایسے پُرسوز انداز میں کی ہے کہ اسے سنتے ہوئے آنسو ضبط کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آیت ۸۵ ﴿سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۸۵﴾ ’’یہ کہیں گے کہ اللہ ہی کے ہیں! آپؐ کہیے تو کیا تم غور نہیں کرتے؟‘‘

آیت ۸۶ ﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝۸۶﴾ ’’آپ ان سے پوچھیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟‘‘

آیت ۸۷ ﴿سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۸۷﴾ ’’کہیں گے کہ (یہ سب کچھ بھی) اللہ ہی کا ہے! آپؐ کہیے تو کیا تم (اُس اللہ سے) ڈرتے نہیں؟‘‘

تم لوگ اللہ کو اس دنیا و مافیہا کا خالق بھی مانتے ہو اور اسے عرش و فرش کا مالک بھی تسلیم کرتے ہو لیکن اس کے ساتھ بتوں اور دیوی دیوتاؤں کو اس کا شریک بھی بناتے ہو! کیا تمہیں یہ جسارت کرتے ہوئے ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوتا؟

آیت ۸۸ ﴿قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۸۸﴾

’’ان سے یہ بھی پوچھیے کہ کون ہے وہ جس کے ہاتھ میں اختیار ہے ہر چیز کا؟ اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)!‘‘

آیت ۸۹ ﴿سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝۸۹﴾ ''یہ کہیں گے کہ (یہ شان تو) اللہ ہی کی ہے! آپؐ کہیے کہ پھر کہاں سے تم پر جادو ہو جاتا ہے؟''

یہ کون سا جادو اور فریب ہے جس کے اثر سے تم لوگ یہ سب کچھ تسلیم کر کے پھر شرک پر آمادہ ہو جاتے ہو؟

آیت ۹۰ ﴿بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۹۰﴾ ''بلکہ ہم تو ان کے پاس حق لے آئے ہیں لیکن یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔''

آیت ۹۱ ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ﴾ ''اللہ نے ہرگز کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ اور کوئی معبود ہے''

﴿اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ﴾ ''(اگر ایسا ہوتا) تب تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا اور ان میں سے ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔''

﴿سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۹۱﴾ ''اللہ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کر رہے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ لوگ جس طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بہت ارفع و اعلیٰ و منزہ ہے۔

آیت ۹۲ ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۹۲﴾ ''وہ جاننے والا ہے ہر غیب اور ظاہر کا' چنانچہ وہ بہت بلند ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیات ۹۳ تا ۱۱۸

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝۹۳ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۹۴ وَاِنَّا عَلٰٓي
اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝۹۵ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
يَصِفُوْنَ ۝۹۶ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝۹۷ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ
يَّحْضُرُوْنِ ۝۹۸ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝۹۹ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا
فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۰۰ فَاِذَا
نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝۱۰۱ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۲ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ
جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۳ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝۱۰۴ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى
عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۰۵ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَاۗلِّيْنَ ۝۱۰۶
رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۷ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝۱۰۸

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ
الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۰۹ۚۖ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝۱۱۰ اِنِّيْ
جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۱۱۱ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ
سِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْــَٔـلِ الْعَاۗدِّيْنَ ۝۱۱۳ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ
اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱۴ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱۵ فَتَعٰلَى
اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝۱۱۶ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۙ
لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۱۷ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۱۸ۧ ع ۶

آیت ۹۳ ﴿قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝۹۳﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ دعا کیجیے: اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ (عذاب) دکھائے جس کی انہیں دھمکی جا رہی ہے۔“

آیت ۹۴ ﴿رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۹۴﴾ ”تو پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا۔“

جس عذاب کی وعیدیں ان لوگوں کو دی جا رہی ہیں اگر وہ میری نگاہوں کے سامنے ان پر آ گیا تو اے میرے پروردگار! مجھے اس سے اپنی پناہ میں رکھنا۔ گویا ہر شخص کو اللہ کے ایسے عذاب سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں سورۃ الانفال کی اس آیت کا مضمون لرزا دینے والا ہے: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵﴾ ”اور ڈرو اس عذاب سے کہ وہ (جب آئے گا تو) تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے“۔ پاکستان کے خصوصی حالات کے پیش نظر ہم سب کو ایسی تنبیہات کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا۔ چنانچہ یہاں پر شریعت اسلامی کا عملی نفاذ ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو مہلت عمل ہمیں دے رکھی ہے اسے غنیمت سمجھتے ہوئے ہم میں سے ہر ایک کو اس سرزمین پر اقامت دین کی کوشش کے لیے کمر ہمت باندھ لینی چاہیے۔ اس فرض کی ادائیگی سے غفلت کی پاداش میں عذابِ الٰہی کا ایک کوڑا ہم پر ۱۹۷۱ء میں پڑ چکا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ ہماری مہلت عمل ختم ہو جائے اور ہم دوسرے کوڑے کی زد میں آ جائیں ہمیں اپنے تن من اور دھن کو قربان کر دینے کے جذبے کے ساتھ اس میدان میں نکلنا ہو گا۔ ہمارے لیے اللہ کی پکڑ سے بچنے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کا یہی ایک راستہ ہے۔

آیت ۹۵ ﴿وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝۹۵﴾ ”اور یقیناً ہم آپؐ کو وہ دکھا دینے پر قادر ہیں جس (عذاب) کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں۔“

آیت ۹۶ ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ﴾ ”آپؐ مقابلہ کیجیے برائی کا اچھائی کے ساتھ۔“

آپؐ ان کی شرارتوں سے خوبصورتی کے ساتھ درگزر کریں۔ ان لوگوں کا آپؐ کے ساتھ جیسا بھی رویہ ہو مگر آپؐ کو اس کا مقابلہ نیکی اور بھلائی سے ہی کرنا ہے۔ چنانچہ آپؐ ان کی گالیوں کے جواب میں انہیں دعا دیں اور ان کے برا بھلا کہنے کے باوجود آپؐ اس کو اللہ کی طرف بلاتے رہیں۔

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ﴿۹۶﴾﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں ان باتوں کو جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔''

جو کچھ یہ ہرزہ سرائی کر رہے ہیں ہم اس سے خوب واقف ہیں۔

آیت ۹۷ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ﴿۹۷﴾﴾ ''اور کہیے کہ اے میرے رب! میں تیری پناہ میں آتا ہوں شیاطین کی چھوت سے۔''

آیت ۹۸ ﴿وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ﴿۹۸﴾﴾ ''اور اے میرے رب! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔''

ایک داعی کے لیے شیطان کی چھوت اور اُکساہٹ کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ اسے اپنی دعوتی کوششوں کے دوران اپنے مخاطبین پر غصہ آجائے اور وہ انہیں حق کی طرف مائل کرنے کے بجائے متنفر کر دے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۲۰۰ میں بھی ایسی ہی صورت حال سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

آیت ۹۹ ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ﴿۹۹﴾﴾ ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت سر پر آن کھڑی ہوگی تو وہ کہے گا: پروردگار! مجھے ذرا واپس بھیج دے۔''

آیت ۱۰۰ ﴿لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا﴾ ''تاکہ جو کچھ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں نیک کام کروں۔ ہرگز نہیں!''

اے میرے پروردگار! اب اگر تو مجھے واپس دنیا میں بھیج دے تو میں اپنے مال و اسباب کو تیرے راستے میں اور تیرے دین کی خدمت میں لٹا دوں گا!

﴿اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا﴾ ''یہ محض ایک بات ہے جو وہ کہے گا۔''

﴿وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اور اب ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔''

موت کے بعد تو اب بعث بعد الموت تک ان کے لیے عالم برزخ کی زندگی ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ﴿۱۰۱﴾﴾ ''پھر جب صُور میں پھونک ماری جائے گی تو اُس دن ان میں کوئی نسبی تعلق نہیں رہے گا اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔''

اُس دن ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں ہوگا: ﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾﴾ (عبس) ''جس دن انسان

بھاگے گا اپنے بھائی سے' اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے' اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ جس دن ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے پروا کر دے گی۔"

آیت ۱۰۲ ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ "تو جن کے (نیک اعمال کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔"

یہ وہ خوش نصیب لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیوی زندگی میں واقعتاً اپنی شخصیت کو اپنی روح کے فطری تقاضوں کے مطابق پروان چڑھایا تھا اور اپنی خودی اور سیرت کی تعمیر بھی انہی پاکیزہ بنیادوں پر کی تھی۔

آیت ۱۰۳ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ "اور جن کے (نیک اعمال کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی ہوں گے جنہوں نے خود کو ہلاکت میں ڈالا' وہ جہنم میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔"

آیت ۱۰۴ ﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ "آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور وہ اس کے اندر بدشکل ہو جائیں گے۔"

چہروں کے جھلس جانے کے باعث ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی۔

آیت ۱۰۵ ﴿اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ "(ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تمہیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں' تو تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے!"

آیت ۱۰۶ ﴿قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ﴾ "وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آ گئی تھی اور (ہم تسلیم کرتے ہیں کہ) ہم گمراہ لوگ تھے!"

آیت ۱۰۷ ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ "اے ہمارے پروردگار! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال دے' اگر ہم دوبارہ یہی کریں تو پھر ہم واقعی ظالم ہوں گے۔"

آیت ۱۰۸ ﴿قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ "اللہ فرمائے گا: اب تم ذلیل وخوار ہو کر اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو!"

آیت ۱۰۹ ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ "یقیناً میرے بندوں میں کچھ وہ لوگ بھی تھے جو کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں' بس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما' اور تو تمام رحم کرنے والوں سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔"

آیت ۱۱۰ ﴿فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا﴾ "تو تم نے ان کا مذاق اڑایا تھا"

میرے وہ بندے جب مجھ سے گڑگڑا کر دعا کرتے تھے تو تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔

﴿حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ﴾ "یہاں تک کہ ان لوگوں (کا تمسخر اڑانے کی مصروفیت) نے تمہیں

میرا ذکر بھلا دیا"

﴿وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ﴿۱۱۰﴾﴾ "اور تم ان پر ہنستے ہی رہتے۔"

تم لوگ میرے بندوں کی تضحیک کرنے اور ان کا مذاق اڑانے میں ایسے مگن رہے کہ میں تمہیں بالکل ہی یاد نہ رہا۔

آیت ۱۱۱ ﴿اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴿۱۱۱﴾﴾ "آج میں نے ان کو بدلہ دیا ہے ان کے صبر کے طفیل، کہ آج یقیناً وہی کامیاب ہیں۔"

آیت ۱۱۲ ﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ﴿۱۱۲﴾﴾ "(پھر) وہ ان سے پوچھے گا کہ تم لوگ کتنا عرصہ زمین میں رہے ہو سالوں کی گنتی میں؟"

آیت ۱۱۳ ﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ﴿۱۱۳﴾﴾ "وہ کہیں گے کہ ہم تو رہے ہیں (وہاں) بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، تو آپ پوچھ لیں حساب کتاب والوں سے۔"

آیت ۱۱۴ ﴿قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴿۱۱۴﴾﴾ "اللہ فرمائے گا کہ (واقعتاً) تم لوگ نہیں رہے ہو مگر بہت تھوڑا ہی عرصہ، کاش کہ تم لوگ جانتے ہوتے!"

آیت ۸۴ سے شروع ہونے والے سلسلۂ کلام میں یہ آخری چار آیات خصوصی طور پر بہت جامع اور پُر جلال ہیں۔ جیسا کہ آیت ۸۴ کے ضمن میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ سورت کے اس حصے کی تلاوت قاری محمد صدیق المنشاوی نے بہت پُر تاثیر انداز میں کی ہے۔ ان کی یہ تلاوت سننے سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے سننے سے دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے:

آیت ۱۱۵ ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ﴿۱۱۵﴾﴾ "کیا تم نے سمجھا تھا کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا تھا اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟"

گزشتہ آیات کے سیاق و سباق میں اس آیت کا ترجمہ صیغہ ماضی میں ہوگا اور اس مفہوم میں اس کے مخاطب وہی جہنمی لوگ ہوں گے جن کا ذکر پیچھے سے چلا آ رہا ہے۔ اور اگر اسے گزشتہ سلسلہ کلام سے علیحدہ پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ صیغہ حال میں کیا جائے گا اور پھر اس کا مخاطب ہر پڑھنے سننے والا اور دنیا کے ہر زمانے کا ہر انسان ہوگا کہ اے لوگو! کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور بیکار پیدا کیا ہے اور تمہیں ہمارے پاس واپس آ کر اپنے ایک ایک عمل کا حساب نہیں دینا ہے؟

عقلی اور منطقی طور پر یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آخرت کے تصور کے بغیر انسانی تخلیق کا مقصد سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اگر انسان عام حیوانات جیسا حیوان ہوتا تو پھر واقعی حیات بعد الممات اور آخرت کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ حیوانات کے برعکس انسان کے اندر فطری طور پر اخلاقی حس اور نیکی و بدی کی تمیز (moral sense) پیدا کی گئی ہے۔ اس اخلاقی حس کے نتیجے میں انسانی سطح پر جو اخلاقی اقدار

وجود میں آئی ہیں وہ کسی قوم‘ کسی علاقے یا زمانے تک محدود نہیں‘ بلکہ مستقل (moral values) (permanent) اور آفاقی (universal) ہیں۔ چنانچہ ”گندم از گندم بروید جوز جو“ (گندم سے گندم اُگتی ہے اور جو سے جو) کے اصول کے مطابق اچھائی کا نتیجہ اچھا نکلنا چاہیے اور برائی کا برا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر جگہ اور ہمیشہ لازمی طور پر ایسا نہیں ہوتا بلکہ عام طور پر اس کے برعکس ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ صورت حال منطقی طور پر تقاضا کرتی ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا وجود میں آئے‘ جہاں ہر انسان کی موجودہ زندگی کے ایک ایک فعل اور ایک ایک عمل کا احتساب کر کے مصدّقہ آفاقی اصولوں کے مطابق عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کا اہتمام ہو۔ یہی نکتہ ہے جسے قرآن مجید مختلف مواقع پر ایمان بالآخرت کے لیے بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ بہرحال ایک ذی شعور انسان بالآخر اس منطقی نتیجے پر پہنچ جاتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾ (آل عمران)۔ ”اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا‘ تو پاک ہے‘ پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے!“

آیت ۱۱۶ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ﴾ ”تو بہت بلند وبالا ہے اللہ‘ جو حقیقی بادشاہ ہے۔“

اللہ اس کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ کُلّی اختیارات کا مالک ہے اور اس کی یہ حیثیت بھی سزا وجزا کے نظام کا تقاضا کرتی ہے۔ دنیا کے بادشاہوں میں کوئی بادشاہ ایسا نہیں جو اپنے غداروں اور باغیوں کو سزا نہ دے اور وفاداروں کو انعام واکرام اور خلعتوں سے نہ نوازے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ بادشاہِ حقیقی اپنے جاں نثاروں کی قدر افزائی نہ کرے‘ ان کی قربانیوں کا انہیں کوئی صلہ نہ دے اور اپنے نافرمانوں اور باغیوں کو سزا نہ دے؟

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾﴾ ”اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ وہ بہت عزت والے عرش کا مالک ہے۔“

آیت ۱۱۷ ﴿وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ﴾ ”اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو“

یعنی اللہ کو بھی معبود مانتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ کسی اور کو بھی پکارتا ہے۔

﴿لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ﴾ ”جس کے بارے میں اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔“

﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ ”اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے کافر فلاح نہیں پائیں گے۔“

آیت ۱۱۸ ﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ”اور دعا کیجیے کہ پروردگار! تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما‘ اور تُو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔“

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

بیان القرآن

سُورۃُ النُّور

(۲۴)

سُوْرَةُ النُّوْر

تمہیدی کلمات

مکی سورتوں کے ایک طویل سلسلے (سورۂ یونس تا سورۃ المؤمنون) کے بعد اب ہم ایک مدنی سورت کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں' جو اس گروپ کی آخری سورت ہے۔ اگرچہ بعض لوگ چودہ سورتوں کے اس گروپ میں سے سورۃ الرعد اور سورۃ الحج کو مدنی قرار دیتے ہیں مگر جو لوگ مکی اور مدنی سورتوں کے مزاج سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی مدنی سورت نہیں ہے' البتہ یہ ممکن ہے کہ ان میں کہیں کہیں کچھ آیات مدنی ہوں۔

سورۃ النور کا نزول ۶ ہجری میں ہوا۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے جانے والی سازش کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی ثابت کی گئی ہے۔ اس سازش کے پیچھے مدینہ کے منافقین کا پورا گروہ تھا' لیکن اس میں بنیادی کردار رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا تھا۔ بدقسمتی سے کچھ سادہ لوح مسلمان بھی منافقین کے اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے تھے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور خود حضور ﷺ کے لیے بہت زیادہ تکلیف اور کرب کا باعث بنا۔

نسبتِ زوجیت کے اعتبار سے سورۃ النور کا تعلق سورۃ الاحزاب کے ساتھ ہے اور دونوں سورتوں کے مضامین میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ سورۃ الاحزاب چونکہ سورۃ النور سے پہلے (۵ ہجری میں) نازل ہوئی تھی اس لیے اس کی آیات سورۃ النور کی آیات کی نسبت قدرے چھوٹی ہیں۔ اس وجہ سے سورۃ الاحزاب کی آیات کی تعداد اگرچہ زیادہ ہے مگر دونوں سورتوں کے رکوعات کی تعداد (۹'۹) برابر ہے اور حجم بھی تقریباً ایک جیسا ہے۔ دونوں سورتوں میں نمبر ۳۵ پر جو آیات ہیں وہ ایمان اور اسلام کی حقیقت کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات ۱ تا ۱۰

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۝ اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ

كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِيْ
لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ
ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ
يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا
الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۸﴾ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ
تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

آیت ۱ ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ ”یہ ایک عظیم سورت ہے‘ ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور اس کو (تم پر) فرض کیا ہے“

سورت کے آغاز کا یہ انداز تمام سورتوں میں منفرد ہے۔ ”سُوْرَةٌ“ کا لفظ یہاں پر بطور اسم نکرہ استعمال ہوا ہے۔ اس کو اگر تفخیم کے لیے مانا جائے تو اس کے معنی یوں ہوں گے کہ یہ ایک عظیم سورت ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①﴾ ”اور ہم نے اس میں بڑی روشن آیات نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

آیت ۲ ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد‘ دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو“

﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾ ”اور تمہیں نہ روکے ان کے ساتھ مہربانی اللہ کے دین (کی تنفیذ) کے معاملے میں“

یہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا معاملہ ہے۔ ایسے معاملے میں حد جاری کرتے ہوئے کسی کے ساتھ کسی کا تعلق‘ انسانی ہمدردی یا فطری نرم دلی وغیرہ کچھ بھی آڑے نہ آنے پائے۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ”اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یومِ آخرت پر۔“

یہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے حد ہے جو نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔ البتہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا رجم ہے جو سنّتِ رسول ﷺ سے ثابت ہے اور قرآن کے ساتھ ساتھ سنّتِ رسولؐ بھی شریعتِ اسلامی کا ایک مستقل بالذّات ماخذ ہے۔ رجم کی سزا کا قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ شریعتِ موسویؑ میں یہ سزا موجود تھی اور

حضور ﷺ نے سابقہ شریعت کے ایسے احکام جن کی قرآن میں نفی نہیں کی گئی اپنی امت میں جوں کے توں جاری فرمائے ہیں۔ ان میں رجم اور قتلِ مرتد کے احکام خاص طور پر اہم ہیں۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کی سزا متعدد احادیث، رسول اللہ ﷺ کی سُنّت، خلفائے راشدین کے تعامل اور اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲﴾ ''اور چاہیے کہ ان دونوں کی اس سزا کے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔''

اس حد کو عام پبلک میں کھلے عام جاری کرنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ اصول ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اسلامی شریعت دراصل تعزیرات اور حدود کو دوسروں کے لیے لائقِ عبرت بنانا چاہتی ہے۔ اگر کسی مجرم کو جرم ثابت ہونے کے بعد چپکے سے پھانسی دے دی جائے اور لوگ اسے ایک خبر کے طور پر سنیں تو ان کے ذہنوں میں اس کا وہ تاثر قائم نہیں ہوگا جو اس سزا کے عمل کو براہِ راست دیکھنے سے ہوگا۔ اگر کسی مجرم کو سرِعام تختہ دار پر لٹکایا جائے تو اس سے کتنے ہی لوگوں کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ چنانچہ اسلامی شریعت سزاؤں کے تصور کو معاشرے میں ایک مستقل سدّراہ (deterrent) کے طور پر مؤثر دیکھنا چاہتی ہے۔ اس میں بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ ایک کو سزا دی جائے تو لاکھوں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

آیت ۳ ﴿اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً﴾ ''زانی مرد کو روا نہیں کہ وہ نکاح کرے مگر کسی زانیہ ہی سے یا مشرکہ سے''

یہ حکم قانون کے درجے میں نہیں بلکہ اخلاق کے درجے میں ہے۔ یعنی اس شرمناک اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کر کے اس شخص نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کسی پاک دامن، عِفّت مآب مؤمنہ کے لائق ہے ہی نہیں۔ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اس قانونی بندھن کے لیے بھی اپنے جیسی ہی کسی بدکار عورت یا پھر مشرکہ عورت کا انتخاب کر لے۔

﴿وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳﴾ ''اور زانیہ عورت بھی اس لائق نہیں کہ اس سے کوئی نکاح کرے مگر صرف بدکار مرد یا کوئی مشرک۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ (زانی اور زانیہ سے نکاح) مؤمنین پر۔''

آیت ۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ﴾ ''اور وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں''

''مُحصنات'' سے مراد خاندانی عورتیں بھی ہیں اور منکوحہ عورتیں بھی۔ گویا عورتوں کے حق میں اِحصان (حفاظت کا حصار) کی دو صورتیں ہیں۔ جو عورتیں کسی معزز اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہیں وہ اپنے اس خاندان کی حفاظت کے حصار میں ہیں اور جو کسی کے نکاح کی قید میں ہیں انہیں اپنے خاوند اور نکاح کے اس تعلق کی حفاظت حاصل ہے۔ اس طرح خاندانی منکوحہ خاتون کو دوہرا ''اِحصان'' حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی پاکدامن خاندانی یا منکوحہ عورت پر زنا کا الزام لگائے اور:

﴿ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً﴾ ''پھر وہ نہ لا سکیں چار گواہ، تو ایسے

لوگوں کو لگاؤ اسّی کوڑے“

﴿وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۝۴﴾ ”اور آئندہ کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ فاسق ہیں۔“

اگر کوئی شخص کسی پاکدامن خاتون پر بدکاری کا الزام لگائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ چار چشم دید گواہ پیش کرے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتا ہے تو اس کے اس الزام کو بہتان تصور کیا جائے گا' اور زنا کے بہتان کی سزا کے طور پر اسے اسّی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں گے۔ شریعت میں اسے ”حدِقذف“ کہا جاتا ہے۔

دیکھا جائے تو یہ سزا زنا کی سزا (سو کوڑے) کے قریب ہی پہنچ جاتی ہے۔ اس میں بظاہر یہ حکمت نظر آتی ہے کہ خواہ مخواہ برائی کی تشہیر نہ ہو۔ دراصل برائی کا چرچا بھی معاشرے کے لیے برائی ہی کی طرح زہرناک ہے اور شریعت کا مقصود اس زہرناکی کا سدباب کرنا ہے۔ اس سلسلے میں شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کہیں ایسی غلطی کا ارتکاب ہو تو قصوروار افراد کو قانون کے مطابق سخت سزا دی جائے۔ لیکن اگر کسی قانونی سُقم کی وجہ سے یا گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث جرم ثابت نہ ہو سکتا ہو اور مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو پھر بہتر ہے کہ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے اور برائی کی تشہیر کر کے معاشرے کی فضا میں ہیجانی کیفیت پیدا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

آیت ۵ ﴿اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَاَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۵﴾ ”سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کر لیں اس کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں' تو یقیناً اللہ غفور ہے' رحیم ہے۔“

مثلاً کسی شخص پر قذف کی حد جاری کی گئی اور اسلامی عدالت میں طویل عرصے تک اس کی گواہی بھی ناقابلِ قبول رہی' لیکن سزا ملنے کے بعد اُس شخص نے اللہ کے حضور توبہ کر لی اور اپنی پرانی روش کو مستقل طور پر تبدیل کر لیا۔ اس کے مثبت رویے کو دیکھتے ہوئے معاشرے میں پھر سے اسے ایک بااعتماد' صالح اور پرہیزگار مسلمان کے طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ اب ایسے شخص پر سے گواہی کے ناقابل قبول ہونے کی قدغن ختم ہو سکتی ہے۔

آیت ۶ ﴿وَالَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ اَزۡوَاجَهُمۡ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنۡفُسُهُمۡ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے سوا اور گواہ نہ ہوں“

یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ لے اور اس کے پاس اپنے علاوہ موقع کے تین اور گواہ بھی نہ ہوں تو وہ کیا کرے؟ چونکہ معاملہ اس کی اپنی بیوی کا ہے اس لیے وہ خاموشی اختیار کر کے اس کے ساتھ رہ بھی نہیں سکتا۔ عام حالات میں تو اگر کوئی شخص اپنے علاوہ تین چشم دید گواہوں کے بغیر کسی پر ایسا الزام لگائے تو اسے اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی جائے گی' لیکن میاں بیوی کے معاملے میں ایسی صورت حال کے لیے یہاں ایک خصوصی قانون دیا گیا ہے جسے اصطلاح میں ”لِعان“ کہا جاتا ہے۔

﴿فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمۡ اَرۡبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۶﴾ ”تو ایسے ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ یقیناً سچا ہے۔“

ایسے شخص سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ کی قسم کھا کر چار دفعہ واقعہ کی گواہی دے اور دعویٰ کرے کہ وہ جو کچھ کہہ

رہا ہے سچ کہہ رہا ہے۔

آیت ۷ ﴿وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ⑦﴾ ''اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔''

اس طرح ایسے شخص کی مذکورہ گواہی چار گواہوں کے برابر سمجھی جائے گی۔

آیت ۸ ﴿وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ⑧﴾ ''اور اس عورت سے یہ بات سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ چار دفعہ گواہی دے اللہ کی قسم کے ساتھ کہ وہ (اس کا شوہر) یقیناً جھوٹا ہے۔''

آیت ۹ ﴿وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ⑨﴾ ''اور پانچویں دفعہ یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ سچا ہو۔''

اگر شوہر چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر الزام میں اپنی سچائی کی گواہی دے دے اور پانچویں دفعہ یہ بھی کہہ دے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو تو اس کی طرف سے چار گواہ پیش کرنے کا قانونی تقاضا پورا ہو گیا۔ اس کے بعد متعلقہ عورت کو صفائی کا موقع دیا جائے گا۔ اگر وہ اس الزام کو تسلیم کر لے یا خاموش رہے تو اس پر حد جاری کر دی جائے گی' لیکن اگر وہ اس سے انکار کرے تو اسے بھی اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ یہ کہنا ہو گا کہ اس کا شوہر جھوٹ بول رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہنا ہو گا کہ اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ اگر وہ عورت ایسا کہہ دے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اور وہ دنیا کی سزا سے بچ جائے گی۔ البتہ اس کے بعد ان کے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ دونوں بطور میاں بیوی اکٹھے نہیں رہ سکیں گے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ''اور اگر تم لوگوں پر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی''

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ⑩﴾ ''اور یہ کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت حکمت والا ہے۔''

یہاں پر کچھ الفاظ مقدّر (understood) مانے گئے ہیں۔ گویا تقدیرِ عبارت یوں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت تم لوگوں کے شاملِ حال نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور صاحبِ حکمت ہے تو بیویوں پر الزام کا معاملہ تمہیں غلط راستے پر ڈال دیتا اور تم کوئی بہت بڑا اقدام اٹھا لیتے۔

ان ابتدائی آیات کی صورت میں اس واقعہ کی تمہید بیان ہوئی ہے جو آگے آ رہا ہے۔

آیات ۱۱ تا ۲۰

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ
امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ⑪ لَوْلَآ
اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ⑫

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ
الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَفَضْتُمْ
فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٤﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ
بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ
الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ ع ۸

آیت ۱۱ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ﴾ ''جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں' یہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔''

﴿لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ﴾ ''اسے تم اپنے لیے بُرا نہ سمجھو' بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے۔''

یہ واقعہ گویا اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکام اور قوانین کے نزول کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اسی کی وجہ سے امت کو شریعت کے اہم امور کی تعلیم دی جائے گی۔ اس واقعہ کا خلاصہ یوں ہے:

۶ ہجری میں رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ آپؓ ایک الگ ہودج (کجاوہ) میں سفر کرتی تھیں۔ واپسی کے سفر کے دوران ایک جگہ جب قافلے کا پڑاؤ تھا آپؓ صبح منہ اندھیرے قضائے حاجت کے لیے گئیں۔ واپسی پر آپؓ کا ہار کہیں گر گیا اور اس کی تلاش میں آپؓ کو اتنی دیر ہو گئی کہ قافلے کے کوچ کا وقت ہو گیا۔ جن لوگوں کو آپؓ کا ہودج اونٹ پر باندھنے اور اتارنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی تھی انہوں نے ہودج اٹھا کر اونٹ پر باندھ دیا۔ آپؓ چونکہ بہت دُبلی پتلی تھیں اور آپؓ سمیت ہودج کا وزن بہت زیادہ نہیں ہوتا تھا' اس لیے اٹھاتے ہوئے وہ لوگ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ہودج خالی ہے اور آپؓ اس میں موجود نہیں ہیں۔ بہر حال جب آپؓ پڑاؤ کی جگہ پر واپس آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ واپس آ کر آپؓ نے سوچا ہو گا کہ اگر پیدل قافلے کے پیچھے جانے کی کوشش کروں گی تو نہ جانے رات کے اندھیرے میں راستہ بھٹک کر کس طرف چلی جاؤں۔ اس لیے بہتر ہے کہ اسی جگہ پر بیٹھی رہوں' تاوقتیکہ لوگوں کو میرے بارے میں پتا چلے کہ میں ہودج میں نہیں ہوں اور وہ مجھے تلاش کرتے ہوئے واپس اس جگہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ آپؓ وہیں بیٹھ گئیں۔ بیٹھے بیٹھے آپؓ کو نیند آ گئی اور آپؓ وہیں زمین پر سو گئیں۔

اس زمانے میں عام طور پر سفر کے دوران ایک شخص قافلے کے پیچھے پیچھے سفر کرتا تھا تاکہ بیماری وغیرہ کی

وجہ سے اگر کوئی ساتھی پیچھے رہ گیا ہو تو اس کی مدد کرے یا قافلے کی کوئی گری پڑی چیز اٹھا لے۔ اس سفر کے دوران اس ذمہ داری پر حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ مامور تھے۔ وہ اجالے کے وقت قافلے کے پڑاؤ کی جگہ پر پہنچے تو دور سے انہیں ایک گٹھڑی سی پڑی دکھائی دی۔ قریب آئے تو اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کو زمین پر پڑے پایا۔ نیند کے دوران آپؓ کا چہرہ کھل گیا تھا اور حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے چونکہ انہوں نے آپؓ کو دیکھا تھا اس لیے پہچان گئے۔ (حجاب کا حکم سورۃ الاحزاب میں ہے جو ایک سال پہلے ۵ ہجری میں نازل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے خواتین حجاب نہیں کرتی تھیں۔) حضرت صفوانؓ نے آپؓ کو دیکھ کر اونچی آواز میں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ یہ سن کر آپؓ کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے آپؓ کے سامنے اپنا اونٹ بٹھا دیا۔ آپؓ خاموشی سے سوار ہو گئیں اور وہ نکیل پکڑے آگے آگے چلتے رہے۔ جب وہ آپؓ کو لے کر قافلے میں پہنچے تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہوئے شور مچا دیا کہ خدا کی قسم، تمہارے نبی کی بیوی بچ کر نہیں آئی! (معاذ اللہ!) باقی منافقین نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور یوں یہ بے سروپا بات بڑھتے بڑھتے ایک طوفان کا روپ دھار گئی۔ منافقین کی اس سازش سے بعض بہت ہی مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے، جن میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (دربارِ نبویؐ کے شاعر) بھی تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت میں یہ آیات نازل فرما کر آپؓ کی پاکدامنی اور پاکبازی پر گواہی دی تو تب جا کر یہ معاملہ ختم ہوا۔ یہ واقعہ تاریخ اسلام میں ''واقعۂ اِفک'' کے نام سے مشہور ہے۔

﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ﴾ ''ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی ہے جو گناہ اُس نے کمایا۔''

جس کسی کا جتنا حصہ اس طوفان کے اٹھانے میں ہے اس کو اسی قدر اس کا بدلہ ملے گا۔

﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑪﴾ ''اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا بوجھ اپنے سر لیا اس کے لیے تو بہت بڑا عذاب ہے۔''

اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے، جو اس بہتان کے باندھنے اور اس کی تشہیر کرنے میں پیش پیش تھا۔

آیت ۱۲ ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ﴾ ''ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تو مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اپنے بارے میں اچھا گمان کرتے''

﴿وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫﴾ ''اور کہہ دیتے کہ یہ تو ایک کھلا بہتان ہے!''

آیت ۱۳ ﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ﴾ ''کیوں نہیں وہ لے کر آئے اس پر چار گواہ؟''

اس طرح کے الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہ پیش کرنے کا حکم اس سے پہلے سورۃ النساء آیت ۱۵ میں نازل ہو چکا تھا (سورۃ النساء ۴ ہجری میں نازل ہو چکی تھی)۔ چنانچہ ان لوگوں کے لیے لازمی تھا کہ چار گواہ پیش کرتے ورنہ خاموش رہتے۔

﴿فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ⑬﴾ ''تو جب وہ گواہ نہیں لائے تو

اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔''

چار گواہوں کی عدم موجودگی میں اسلامی قانون کے مطابق وہ لوگ جھوٹے ہیں۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٤﴾﴾ ''اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا اور آخرت میں' تو ضرور تمہیں پہنچتا بہت بڑا عذاب اس معاملے کے باعث جس کا تم نے چرچا کیا تھا۔''

آیت ۱۵ ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ﴾ ''جب تم لے رہے تھے اسے اپنی زبانوں سے''

ادھر سے بات سن کر ادھر پہنچا دینا انسانی کمزوری ہے اور اسی انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی بھی ہیجان انگیز بات ''منہ سے نکلی کوٹھے چڑھی'' کے مصداق دیکھتے ہی دیکھتے جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہے۔

﴿وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ ''اور تم اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تھا''

اس بارے میں جتنی باتیں تھیں سب سنی سنائی تھیں' ان کے پیچھے نہ کوئی علمی ثبوت تھا اور نہ کوئی گواہ۔

﴿وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿١٥﴾﴾ ''اور تم اسے معمولی سمجھ رہے تھے' جبکہ اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی۔''

کسی بھی مسلمان خاتون پر اس طرح کی تہمت لگا دینا بہت قبیح حرکت ہے' چہ جائیکہ ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی!'' کے مصداق اُمّ المومنینؓ زوجۂ رسول کو ایسی تہمت کا ہدف بنا لیا جائے۔ اللہ کے نزدیک یہ حرکت کس قدر ناپسندیدہ ہوگی!

آیت ۱۶ ﴿وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ﴾ ''اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو تم کہتے کہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں!''

﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿١٦﴾﴾ ''(اور کہتے کہ) اے اللہ! تُو پاک ہے' یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے!''

آیت ۱۷ ﴿يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾﴾ ''اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ کبھی بھی ایسی کوئی حرکت مت کرنا' اگر تم مؤمن ہو۔''

آیت ۱۸ ﴿وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٨﴾﴾ ''اور اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کر رہا ہے۔ اللہ سب کچھ جاننے والا' بہت حکمت والا ہے۔''

آیت ۱۹ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ﴾ ''بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی کا چرچا ہو' ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

یعنی وہ لوگ جو مختلف حربوں سے معاشرے میں بے حیائی کو عام کرتے ہیں۔ آیت کے الفاظ اشاعتِ فحش کی تمام صورتوں پر حاوی ہیں۔ آج کل اس کا بہت بڑا ذریعہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا ہے۔ کمرشل اشتہارات میں عورتوں کی نیم عریاں تصاویر دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ برائی کی اشاعت یوں بھی ہو رہی ہے کہ ناجائز تعلقات کے سکینڈلز کی تشہیر کی جاتی ہے اور بغیر کسی معقول اور مناسب تحقیق کے اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کی کرامت سے ان کی خبریں دنیا بھر میں گھر گھر پہنچ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ چھوٹی عمر کے بچے اور بچیاں بھی ایسے بے ہودہ سکینڈلز کو پڑھتے' سنتے اور اس موضوع پر اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ بہرحال ایسے واقعات کو خبر بنا کر شائع کر دینا بہت بڑا جرم ہے اور جو لوگ بھی اس کے ذمہ دار ہیں وہ اس آیت کے مصداق ہیں۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو حتی الوسع برائی کا چرچا نہ کیا جائے۔ لیکن اگر قانونی تقاضے پورے ہوتے ہوں تو مجرموں کو کٹہرے میں ضرور لایا جائے اور انہیں ایسی سزا دلوائی جائے کہ ایک کو سزا ہو اور ہزاروں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

آیت ۲۰ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑳﴾ ''اور اگر اللہ کا فضل اور اُس کی رحمت تم لوگوں پر نہ ہوتی' اور یہ کہ یقیناً اللہ بہت مہربان' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

تو یہ جو طوفان اٹھایا گیا تھا اس کے نتائج بہت دور تک جاتے۔ (اس مفہوم کے الفاظ یہاں محذوف ہیں۔)

آیات ۲۱ تا ۲۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ
بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ
وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ㉑ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ
اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا
تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ㉒ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ㉓ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ
وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ㉔ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ㉕ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ
وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ㉖ ع ۶ ۹

آیت ۲۱ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ﴾ ''اے اہلِ ایمان! شیطان کے نقشِ قدم

کی پیروی نہ کرو۔“

﴿وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ﴾ ”اور جو کوئی شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی کرے گا تو شیطان تو اُسے بے حیائی اور بُرائی ہی کا حکم دے گا۔“

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ﴾ ”اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی پاک نہ ہو سکتا“

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ تم لوگوں کی برائیوں کی ستر پوشی کرتا رہتا ہے اور اس طرح تمہارے راہِ راست پر آنے کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر انسان کی برائی کا پردہ ایک دفعہ چاک ہو جائے تو وہ ڈھیٹ بن جاتا ہے اور اس میں اصلاح کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنے والوں کی فوری پکڑ نہیں کرتا اور اس طرح ان کے لیے اصلاح اور توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔

﴿وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۲۱﴾ ”لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا‘ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

آیت ۲۲ ﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ﴾ ”اور قسم نہ کھالیں تم میں سے فضیلت اور کشادگی والے لوگ“

﴿اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ۖ﴾ ”اس پر کہ وہ (اپنے اموال میں سے) دیں‘ قرابت داروں کو‘ مساکین کو اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں“

یہاں فضیلت اور کشادگی کے روحانی اور مادی دونوں پہلو مراد ہیں‘ یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان‘ نیکی اور مال و دولت میں فضیلت دے رکھی ہے۔ اس آیت میں اشارہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ بدقسمتی سے آپؓ کے ایک قریبی عزیز مسطح بن اُثاثہ بھی مذکورہ بہتان کی مہم میں شریک ہو گئے تھے۔ وہ انتہائی غریب اور نادار تھے۔ آپؓ ان کے خاندان کی کفالت کرتے اور ہر طرح سے ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے اس رویے سے بہت رنجیدہ ہوئے کہ اس شخص نے نہ رشتہ داری کا لحاظ کیا‘ نہ میرے احسانات کو مدِّنظر رکھا اور بغیر سوچے سمجھے میری بیٹی پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو گیا۔ چنانچہ آپؓ نے غصے میں آ کر قسم کھائی کہ آئندہ میں اس شخص کی بالکل کوئی مدد نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی اس قسم پر گرفت فرمائی کہ اس شخص سے جو غلطی ہوئی سو ہوئی‘ لیکن آپؓ تو بھلائی اور احسان کی روش ترک کرنے کی قسم مت کھائیں! یہ رویّہ کسی طرح بھی آپؓ کی فضیلت و مرتبت کے شایانِ شان نہیں۔

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ﴾ ”اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔“

﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۲﴾ ”کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں

معاف کرے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔''

خطا تو کسی بھی شخص سے ہو سکتی ہے۔ تم سب لوگ خطائیں کرتے ہو اور اللہ تمہاری خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اگر تم لوگ اپنے لیے یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے تو پھر تمہیں بھی چاہیے کہ تم دوسروں کی خطاؤں کو معاف کر دیا کرو۔ روایات میں آتا ہے کہ یہ آیت سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: بَلٰى وَاللّٰهِ اِنَّا نُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَ لَنَا يَا رَبَّنَا ''کیوں نہیں! اللہ کی قسم' اے ہمارے پروردگار! ہم ضرور یہ پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کر دے''۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ سے پہلے کی طرح بھلائی اور احسان کا رویہ اختیار کرنے لگے۔

آیت ۲۳ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاک دامن بے خبر مؤمنات پر' ان پر پھٹکار ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''

''غافلات'' سے مراد ایسی سیدھی سادھی' بھولی بھالی' معصوم عورتیں ہیں جن کے دل پاک ہیں' جو ان معاملات سے بالکل بے خبر ہیں کہ بدچلنی کیا ہوتی ہے۔ ایسی باتیں ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتیں۔

آیت ۲۴ ﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''جس دن اُن کے خلاف گواہی دیں گی ان کی زبانیں' اُن کے ہاتھ اور ان کے پاؤں' اس بارے میں کہ جو عمل وہ کرتے رہے تھے۔''

شَهِدَ کے بعد جب عَلٰی آتا ہے تو یہ کسی کے خلاف شہادت دینے کا مفہوم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے حوالے سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ انسان کا جسم اور اس کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اگر وہ اپنے کسی عضو کو اللہ کی نافرمانی یا گناہ کے کسی کام میں استعمال کرتا ہے تو وہ عضو اپنی جگہ احتجاج تو کرتا ہے مگر انسان کی حکم عدولی نہیں کرتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے تمام اعضاء کو اس کے تابع کر رکھا ہے۔ لیکن قیامت کے دن یہ اعضاء اس طرح انسان کے تابع نہیں رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے خلاف گواہ بن کر اس کے گناہوں کی ایک ایک تفصیل کے بارے میں بتائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ﴾ ''جس دن اللہ ان لوگوں کو پورا پورا دے گا ان کا واقعی بدلہ''

یہاں پر لفظ ''دین'' بدلے کے معنی میں آیا ہے' جیسے سورۃ الفاتحہ میں ''يَوْمِ الدِّيْنِ'' کے معنی ہیں ''بدلے کا دن۔''

﴿وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴾ ''اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی حق ہے' کھول کر بیان کرنے والا۔''

آیت ۲۶ ﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ﴾ ''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے۔''

﴿وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ﴾ ''اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لیے ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لیے۔''

﴿اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''یہ لوگ بری ہیں اُن باتوں سے جو لوگ کہتے ہیں۔''

﴿لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾﴾ ''اُن کے لیے مغفرت ہے اور رزقِ کریم ہے۔''

یہ ایک اصولی بات فرمائی گئی کہ ناپاک اور بدکردار مرد و زن ایک دوسرے کے لیے کشش رکھتے ہیں اور پاک باز مرد و زن ایک دوسرے سے طبعی مناسبت رکھتے ہیں۔ اس کی نوعیت بھی درحقیقت ایک اخلاقی تعلیم کی ہے' جیسا کہ قبل ازیں آیت ۳ میں بھی اخلاقی تعلیم دی گئی تھی کہ زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ سے ہی نکاح کرے اور اسی طرح ایک زانیہ بھی صرف کسی زانی اور مشرک سے ہی نکاح کرے۔ دراصل ان ہدایات سے مراد اور مدعا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے کا مجموعی مزاج اس قدر پاکیزہ ہو' اس کی اخلاقی حس اتنی جاندار ہو اور اس کی اخلاقی اقدار اس حد تک استوار ہوں کہ کسی بھی غلط کار فرد کے لیے' چاہے وہ مرد ہو یا عورت' مسلم معاشرے میں کوئی جگہ نہ ہو۔ ایسا فرد خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو کر معاشرے سے مکمل طور کٹ کر رہ جائے۔

آیات ۲۷ تا ۳۴

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى
يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا
تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ
اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى
اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ
عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ

الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ
اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ع ۸

ان آیات میں متعدد ایسے معاشرتی احکام دیے گئے ہیں جو ایک صاف ستھرا انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں' جس میں فحاشی اور بے حیائی کے لیے جگہ پانے کا دور دور تک کوئی امکان نہ ہو۔ اس سلسلے میں سورۂ بنی اسرائیل کا یہ حکم بڑا جامع اور بہت بنیادی نوعیت کا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝﴾ ''تم زنا کے قریب بھی مت پھٹکو' یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے''۔ اس سے اسلام کا مدعا ومنشا واضح ہوتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے میں ہر اس فعل اور طریقے کا سدِّ باب کرنا چاہتا ہے جو فواحش کے زمرے میں آتا ہے۔

اس سلسلے میں اسلامی نقطہ نظر کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو الگ الگ جنسوں یعنی عورت اور مرد کی صورت میں پیدا کر کے ایک حکمت اور مقصد کے تحت ان میں سے ہر ایک کے لیے اپنی مخالف جنس میں بے پناہ کشش رکھی ہے۔ یہ کشش یعنی جنسی خواہش ایک ایسا منہ زور گھوڑا ہے جسے ہر وقت لگام دے کر قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسلام نے ہر ایسا اقدام کیا ہے جو انسان کے جنسی جذبے کو ایک خاص ڈسپلن کا پابند رکھنے میں معاون ہو اور ہر وہ راستہ بند کرنا ضروری سمجھا ہے جس پر چل کر انسان کے لیے جنسی بے راہ روی کی طرف مائل ہونے کا ذرا سا بھی احتمال ہو۔ یہی فکر وفلسفہ اسلام کے معاشرتی نظام کا بنیادی ستون ہے اور اس ستون کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے قرآن میں ایسے جامع اور دور رس قسم کے احکام جاری کیے گئے ہیں جو ایسے معاملات سے متعلق چھوٹی چھوٹی جزئیات تک کا احاطہ کیے نظر آتے ہیں۔ ان میں گھر کی چار دیواری کا تقدس' شخصی تخلیے (privacy) کا تحفظ' ستر کا التزام' پردے کا اہتمام' غضِّ بصر سے متعلق ہدایات' مخلوط محافل ومواقع کی حوصلہ شکنی جیسے احکام واقدامات شامل ہیں۔

آیت ۲۷ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَهْلِهَا ۭ﴾ ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو' حتیٰ کہ ان کی رضا معلوم کر لو اور گھر والوں کو سلام کر لو!''

گھر کی چار دیواری کے تقدس اور اس کے مکینوں کے تخلیے (privacy) کے آداب کو ملحوظ رکھنے کے لیے یہ تاکیدی حکم ہے' یعنی کسی کو کسی دوسرے کے گھر میں اُس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں اجازت لینے اور رضامندی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے لیے آنے والا شخص دروازے کے باہر سے اونچی آواز میں ''السلامُ علیکم'' کہے اور پوچھنے پر اپنی پہچان کرائے تاکہ

اہلِ خانہ اُسے اندر آنے کی اجازت دینے یا نہ دینے کے بارے میں فیصلہ کر سکیں۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ کوئی کسی کے گھر میں بے دھڑک چلا آئے۔

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷﴾ ”یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔“

آیت ۲۸ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ﴾ ”پھر اگر تم اس گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دے دی جائے“

گویا خالی گھر میں بھی اس کے مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ﴾ ”اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو‘ یہ طریقہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے۔“

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۲۸﴾ ”اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔“

آپ کسی سے ملاقات کا وقت طے کیے بغیر اس کے گھر پہنچ گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ آپ کو وقت دینا اس کا فرض ہے‘ حالانکہ ممکن ہے اس وقت وہ صاحب آرام کر رہے ہوں‘ کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں یا کسی مجبوری کے باعث آپ سے ملاقات کرنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ اگر اندر سے اطلاع دی جائے کہ صاحبِ خانہ کے لیے اس وقت آپ سے ملاقات کرنا ممکن نہیں اور یہ کہ آپ پھر کسی وقت تشریف لائیں تو ایسی صورت میں آپ بغیر برا مانے واپس چلے جائیں۔ آپ کو ایسے ریمارکس دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا کہ بہت متکبر شخص ہے‘ میں اس سے ملنے گیا تو اس نے ملاقات سے ہی انکار کر دیا۔ البتہ ایسی کسی بھی صورت حال سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ پیشگی اطلاع دے کر اور وقتِ ملاقات طے کر کے کسی سے ملنے کے لیے جائیں۔

آیت ۲۹ ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ﴾ ”اس میں تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم غیر رہائشی گھروں میں (بغیر اجازت) چلے جاؤ‘ جن میں تمہارے لیے کچھ سامان ہو۔“

اس سے مراد دکانیں‘ سٹور اور گودام وغیرہ ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔“

قانون کی اصل روح کو سمجھنا اور اس کے مطابق اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دراصل گھر میں بلا اجازت داخل ہونے سے منع کرنے کا مقصد گھر میں سکونت پذیر خاندان کی privacy کے تقدس کو یقینی بنانا ہے۔ لہٰذا کسی دکان یا گودام پر اس قانون کے اطلاق کا کوئی جواز نہیں ہے کہ آدمی دکان کے دروازے پر اس لیے کھڑا رہے کہ جب تک مالک مجھے اجازت نہیں دے گا میں اندر نہیں جاؤں گا۔

آیت ۳۰ ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) مؤمنین سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

﴿ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰﴾ ”یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یقیناً اللہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔“

آیت ۳۱ ﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾ ”اور مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں“

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ”اور وہ اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، سوائے اس کے جو اس میں سے ازخود ظاہر ہو جائے“

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠﴾ ”اور چاہیے کہ وہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکل مارلیا کریں“

اپنے معمول کے لباس کے اوپر وہ اپنی اوڑھنیوں کو اس طرح لپیٹے رکھیں کہ ان کے گریبان اور سینے ڈھکے رہیں۔ خُمُر جمع ہے، اس کا واحد خِمار ہے اور اس کے معنی اوڑھنی (دوپٹہ) کے ہیں۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹ میں خواتین کے لباس کے حوالے سے جَلابیب کا لفظ آیا ہے جس کی واحد جِلباب ہے۔ ہمارے ہاں ”جِلباب“ کا مترادف لفظ چادر ہے۔ چنانچہ یوں سمجھئے کہ دوپٹہ اور چادر دونوں ہی عورت کے لباس کا لازمی حصہ ہیں۔ عرب تمدن میں اسلام سے پہلے اگرچہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ رائج نہیں تھا مگر چادر اور اوڑھنی اس دور میں بھی عورت کے لباس کا لازمی حصہ تھیں۔ اوڑھنی وہ ہر وقت اوڑھے رہتی تھی (گھر کے اندر رہتے ہوئے بھی) جبکہ گھر سے باہر نکلنا ہوتا تو چادر اوڑھ کر نکلتی تھی۔ البتہ وہ اوڑھنی اس انداز سے لیتی تھیں کہ گریبان کا ایک حصہ کھلا رہتا تھا جس سے گلا اور سینہ صاف نمایاں ہوتا تھا۔ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکل مارلیا کریں تاکہ ان کے گریبان اور سینے اچھی طرح ڈھکے رہیں۔ زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں چادر نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کے لباس کا بھی لازمی حصہ تھی۔ چادر مرد کی عزت کی علامت سمجھی جاتی اور چادر کے معیار سے کسی شخص کے مقام و مرتبے کا تعین بھی ہوتا تھا۔ معمولی چادر والے شخص کو ایک عام آدمی جبکہ قیمتی دوشالہ اوڑھنے والے کو معزز اور اہم آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح کسی کے کاندھے سے اس کی چادر کا کھینچنا یا گھسیٹنا اس کو بے عزت و بے توقیر کرنے کی علامت تھی۔ چادر کا یہی تصور اس حدیث قدسی میں بھی ملتا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: ((اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ))[۱] ”تکبر میری چادر ہے“۔ یعنی جو شخص تکبر کرتا ہے وہ گویا میری چادر گھسیٹ رہا ہے۔

﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ﴾ ”اور وہ نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو“

آگے اس حکم سے استثناء کے طور پر مَردوں کی ایک طویل فہرست دی جا رہی ہے جن کے سامنے عورت بغیر حجاب، کھلے چہرے کے ساتھ آسکتی ہے۔ مقامِ غور ہے کہ اگر عورت کے چہرے کا پردہ لازمی نہیں ہے تو محرم مَردوں کی یہ طویل فہرست بیان فرمانا (معاذ اللہ!) کیا ایک بے مقصد مشق (excercise in futility) ہے؟

(۱) سنن ابی داوٗد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الکبر، عن ابی ہریرۃ ؓ۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں عورت کے چہرے کا پردہ لازمی ہے اور اس حکم سے جن مَردوں کو استثناء حاصل ہے وہ یہ ہیں:

﴿اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ﴾ ''(وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں کسی پر) سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے''

باپ کے مفہوم میں چچا' ماموں' دادا اور نانا بھی شامل ہیں۔

﴿اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ﴾ ''یا اپنے شوہروں کے باپوں کے' یا اپنے بیٹوں کے' یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے''

یعنی شوہر کا وہ بیٹا جو اس کی دوسری بیوی سے ہے وہ بھی نامحرم نہیں ہے۔

﴿اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ﴾ ''یا اپنے بھائیوں کے' یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) کے' یا اپنی بہنوں کے بیٹوں (بھانجوں) کے''

﴿اَوْ نِسَآئِهِنَّ﴾ ''یا اپنی (جان پہچان کی) عورتوں کے''

یعنی عام عورتیں بھی نامحرم تصور کی جائیں گی۔ البتہ اپنے میل جول اور جان پہچان کی عورتیں اس استثنائی فہرست میں شامل ہیں۔

﴿اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ﴾ ''یا اُن کے جن کے مالک ہیں ان کے داہنے ہاتھ''

یعنی غلام اور لونڈیاں۔ لیکن اکثر اہلِ سُنّت علماء کے نزدیک یہ حکم صرف لونڈیوں کے لیے ہے اور غلام اس میں شامل نہیں ہیں۔

﴿اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ﴾ ''یا ایسے زیردست مَردوں کے جو اس طرح کی غرض نہیں رکھتے''

یعنی ایسے زیردست لوگ جو صرف خدمت گار ہوں اور اپنی عمر یا زیردستی و محکومی کی بنا پر خواتین خانہ کے متعلق کوئی بری نیت دل میں نہ لا سکیں۔ اس شرط پر پورا اترنے والے مرد بھی اس استثنائی فہرست میں شمار ہوں گے۔ مثلاً ایسے خاندانی ملازمین جو کئی پشتوں سے گھریلو خدمت پر مامور ہوں۔ پہلے باپ ملازم تھا' پھر اس کا بیٹا بھی اسی گھر میں پلا بڑھا اور بچپن سے ہی گھر کی خواتین کی خدمت میں رہا۔ ایسے لڑکے یا مرد سے یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ گھر کی خواتین کے بارے میں برا خیال ذہن میں لائے۔

﴿اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ﴾ ''یا اُن لڑکوں کے جو عورتوں کے مخفی معاملات سے ابھی ناواقف ہیں''

یعنی وہ نابالغ لڑکے جن میں عورتوں کے لیے فطری رغبت ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ ان محرم لوگوں کی فہرست ہے جن کے سامنے عورت بغیر حجاب کے آسکتی ہے۔ اس ضمن میں دو باتیں مزید ذہن نشین کر لیجیے:

پہلی یہ کہ اس آیت میں اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا (سوائے اس کے جو اس میں سے از خود ظاہر ہو جائے) کے الفاظ سے بعض لوگ چہرہ مراد لیتے ہیں' جو بالبداہت بالکل غلط ہے۔ سورۃ الاحزاب میں وارد احکامِ حجاب اور احادیثِ نبویہ کی رو سے عورت کے لیے چہرے کا پردہ لازمی ہے۔ عہدِ نبویؐ میں حکمِ حجاب آ جانے کے بعد عورتیں کھلے مُنہ نہیں پھرتی تھیں۔ میرے نزدیک ان قرآنی الفاظ سے مراد نسوانی جسم کی ساخت یا اس کی ایسی کوئی کیفیت ہے جسے عورت چھپانا چاہے بھی تو نہیں چھپا سکتی۔ مثلاً کسی خاتون نے برقعہ پہن رکھا ہے' چہرے کے پردے کا اہتمام بھی کیا ہے مگر اس کے لمبے قد کی کشش یا متناسب جسم کی خوبصورتی اس سب کچھ کے باوجود بھی اپنی جگہ موجود ہے' جو بہر حال چھپائے نہیں چھپ سکتی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ محرموں کے سامنے عورت کو صرف چہرے کے پردے کے بغیر آنے کی اجازت ہے۔ ستر کے کسی حصے کو ان کے سامنے بھی کھولنے کی اسے اجازت نہیں (اس میں صرف اس کے خاوند کو استثناء حاصل ہے)۔ واضح رہے کہ عورت کے چہرے' پہنچوں سے نیچے ہاتھوں اور ٹخنوں سے نیچے پیروں کے سوا اس کا تمام جسم اس کے سَتر میں شامل ہے۔ چنانچہ کسی عورت کو کھلے بالوں کے ساتھ یا مذکورہ تین اعضاء کے علاوہ جسم کے کسی حصے کو کھلا چھوڑ کر اپنے والد' بھائی یا بیٹے کے سامنے بھی آنے کی اجازت نہیں۔

﴿وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ﴾ ''اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ ان کی اس زینت میں سے کچھ ظاہر ہو جائے جسے وہ چھپاتی ہیں۔''

عورت کی چال ایسی نہ ہو جس کی وجہ سے چادر یا برقعے کے باوجود اس کے بناؤ سنگھار' زیورات وغیرہ میں سے کسی قسم کی زینت کے اظہار کا امکان ہو۔

﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱﴾ ''اور اے اہلِ ایمان! تم سب کے سب مل کر اللہ کی جناب میں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت ۳۲ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ﴾ ''اور نکاح کر دیا کرو بیواؤں کا اپنے میں سے''

یہ بہت اہم حکم ہے۔ خصوصی طور پر ہمارے اس معاشرے کے لیے اس میں بہت بڑی راہنمائی ہے جہاں ہندوانہ رسم و رواج کے اثرات کے باعث بیوہ کا نکاح کرنا معیوب اور ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ خوشی سے کوئی شخص بھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔

﴿وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ﴾ ''اور تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو ذی صلاحیت ہوں''

تمہارے غلاموں اور باندیوں میں سے جو سمجھ دار ہوں اور ان کے کردار کے بارے میں بھی تمہیں اعتماد ہو ان کے آپس میں نکاح کر دیا کرو۔ غلاموں اور کنیزوں کے نکاح ان کے آقاؤں کی اجازت سے ہوں گے اور جب کسی کنیز کا نکاح ہو جائے گا تو پھر اس کے آقا کو اُس کے ساتھ تمتع کی اجازت نہیں ہوگی۔

﴿اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے

فضل سے غنی کر دے گا۔“

چنانچہ یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان میں مہر وغیرہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں تو نکاح کیونکر کریں!

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ”اور اللہ بہت وسعت والا‘ سب کچھ جاننے والا ہے۔“

وہ بہت کشادگی والا ہے اور اپنے بندوں کے احوال واقعی سے بخوبی واقف بھی ہے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ کوئی انسان اپنی تنگ دستی کو اپنے نکاح کے راستے کی رکاوٹ نہ سمجھے۔ اسے امید رکھنی چاہیے کہ اس کی بیوی اپنی قسمت اور اپنا رزق اپنے ساتھ لے کر آئے گی اور یہ کہ نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے اس کے لیے رزق کا کوئی نیا دروازہ کھول دے گا۔

آیت ۳۳ ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ ”اور خود کو بچائے رکھیں وہ لوگ جو نکاح کی قدرت نہ پائیں“

جو لوگ نکاح کرنے کی بالکل استطاعت نہ رکھتے ہوں‘ یعنی ان کے پاس نہ تو مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہو‘ نہ نان نفقہ کے لیے کوئی ذریعہ معاش ہو اور نہ ہی سر چھپانے کے لیے کسی قسم کی چھت کا بندوبست‘ تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرتے رہیں اور اپنی خواہشات کو اپنے قابو میں رکھیں۔

﴿حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔“

﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ”اور جو مکاتبت کرنا چاہیں تمہارے مملوکوں میں سے“

آقا اور غلام کے درمیان آزادی کے معاہدے کو مکاتبت کہا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ غلام کی خواہش اور آقا کی رضامندی سے طے پاتا تھا کہ آقا اگر اپنے غلام کو آزاد کر دے تو وہ ایک مقررہ مدت تک طے شدہ رقم اپنے آقا کو معاوضے کے طور پر ادا کرے گا۔

﴿فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا﴾ ”تو اُن سے مکاتبت کر لیا کرو‘ اگر تم سمجھو کہ ان میں بھلائی ہے“

اگر تم میں سے کسی کو اپنے غلام پر اعتماد ہو کہ وہ اپنا معاہدہ پورا کرے گا اور بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا تو اسے ضرور ایسا معاہدہ کر لینا چاہیے۔ اس حکم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن نے ہر اس اقدام کی حوصلہ افزائی کی ہے اور ہر وہ راستہ کھولنے کا اہتمام کیا ہے جس سے تدریجاً غلاموں کو آزادی میسر آئے اور غلامی کا خاتمہ ہو سکے۔

﴿وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ﴾ ”اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے“

یعنی جن غلاموں نے مکاتبت کی ہو تم لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے ان کی زیادہ سے زیادہ مالی معاونت کیا کرو تاکہ وہ جلد از جلد مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکیں۔

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ ”اور اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کیا کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہیں“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ خود پاک دامن نہ رہنا چاہتی ہوں تو ان کو مجبور کرنے کی اجازت ہے۔ ''اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا'' کی قید یہاں بطور شرط کے نہیں بلکہ صورتِ واقعہ کی تعبیر کے لیے ہے۔

﴿لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ﴾ ''تاکہ تم حاصل کرو دنیا کی زندگی کا سامان۔''

عربوں کے ہاں یہ بھی رواج تھا کہ وہ اپنی باندیوں سے پیشہ کرواتے اور اس سے حاصل ہونے والی کمائی خود کھاتے تھے۔ چنانچہ اس حکم سے زمانہ جاہلیت کی اس شرمناک روایت کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اسی طرح قبل از اسلام عربوں میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ وہ اپنے باپ کی بیواؤں یعنی سوتیلی ماؤں سے بھی نکاح کر لیا کرتے تھے۔ اس قبیح رسم کے خاتمے کا حکم سورۃ النساء کی آیت ۲۲ میں دیا گیا ہے۔ گویا قبل از اسلام عرب معاشرے میں جو معاشرتی برائیاں پائی جاتی تھیں ایک ایک کر کے ان کی اصلاح کر دی گئی۔

﴿وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور اگر کوئی انہیں مجبور کرے گا تو یقیناً اللہ ان کے جبر کے بعد بہت بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

اگر کوئی اپنی باندی کو بدکاری پر مجبور کرے گا اور خود اس باندی کی مرضی اس میں شامل نہیں ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کی مجبوری کے باعث اس کے گناہ کو معاف فرما دے گا اور اس گناہ کا وبال اس پر ہو گا جس نے اسے اس کام کے لیے مجبور کیا ہو گا۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور ہم نے نازل کر دی ہیں تمہاری طرف یہ روشن آیات اور ان لوگوں کے احوال بھی جو تم سے پہلے تھے''

جو لوگ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے جو غلط عقائد گھڑ رکھے تھے اور ان کے اندر جو جو معاشرتی برائیاں پائی جاتی تھیں ہم نے ان سب کی نشان دہی بھی اس کتاب میں کر دی ہے۔

﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور اہلِ تقویٰ کے لیے نصیحت بھی۔''

سورۂ یونس کی آیت ۵۷ میں بھی قرآن کو موعظہ (نصیحت) قرار دیا گیا ہے: ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''آ گئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے۔''

آیات ۳۵ تا ۴۰

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾ۙ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ
الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ
اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ ع

یہ اس سورت کا پانچواں رکوع ہے جو اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے دوسرے حصے میں ایمان کی بحث کے ضمن میں ایک اہم درس (درس ۷) اس رکوع پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کی پہلی آیت (آیت ۳۵) قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔ سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا آپس میں جوڑا ہونے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں کے درمیان بہت سی دوسری مناسبتوں اور مشابہتوں کے علاوہ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ بھی اسی موضوع پر ہے، یعنی ایمان اور اسلام کی کیفیات کے حوالے سے یہ دونوں آیات قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔

اس رکوع میں ایمان کے حوالے سے انسانوں کی تین اقسام زیر بحث آئی ہیں۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی دعوتِ حق کے ردِعمل کے حوالے سے تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ دراصل دین کی دعوت اور اسلامی تحریک کے جواب میں کسی بھی معاشرے کے اندر عام طور پر تین طرح کا ردعمل سامنے آتا ہے۔ کچھ لوگ تو نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اس دعوت پر دل و جان سے لبیک کہتے ہیں اور پھر اپنے عمل سے اپنے ایمان اور دعویٰ کی سچائی ثابت بھی کر دکھاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگ دوسری انتہا پر ہوتے ہیں۔ وہ تعصب، حسد، ضد اور تکبر کی وجہ سے انکار اور مخالفت پر کمر کس لیتے ہیں اور آخر دم تک اس پر ڈٹے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ معاشرے میں ایک تیسری قسم کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ پورے یقین اور خلوص کے ساتھ اس دعوت کو قبول بھی نہیں کرتے اور کچھ دُنیوی مفادات اور متفرق وجوہات کے پیش نظر مکمل طور پر اسے رد بھی نہیں کرتے۔ جب حالات کچھ سازگار ہوں تو اہل حق کا ساتھ دینے کے لیے تیار بھی ہو جاتے ہیں، لیکن جونہی کوئی آزمائش آتی ہے یا قربانی کا تقاضا سامنے آتا ہے تو فوراً اپنی راہ الگ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دلی کیفیات اور کردار کا نقشہ سورۃ الحج کی آیت ۱۱ میں یوں کھینچا گیا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر، تو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس کے ساتھ مطمئن رہے اور اگر اسے کوئی آزمائش آجائے تو مُنہ کے بل اُلٹا پھر جائے۔ یہ خسارہ ہے دنیا اور آخرت کا، یہ بہت ہی بڑی تباہی ہے۔''

زیر مطالعہ آیات میں ایک دوسرے زاویے سے معاشرے کے تین کرداروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں پہلی قسم ایسے سلیم الفطرت انسانوں کی ہے جن کے دلوں میں اللہ کی معرفت فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ پھر جب وحی کے پیغام تک ان کی رسائی ہوتی ہے تو وہ اس کے فیوض و برکات سے بھی بہترین انداز میں مستفیض ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ان کا باطن ایمانِ حقیقی کے نور سے جگمگا اٹھتا ہے۔ ایسے لوگوں کی اس کیفیت کو یہاں ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْر'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری انتہا پر وہ لوگ ہیں جن کے دل نورِ ایمان سے محروم ہیں۔ وہ خالص دنیا پرست انسان ہیں جن کے دامن جھوٹ موٹ کی نیکیوں سے بھی خالی ہیں۔ ان کے دلوں میں زندگی بھر نفسانی خواہشات کے علاوہ کسی اور خیال اور جذبے کا گزر تک نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کی اس کیفیت کا نقشہ ''ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ'' کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان ایک تیسرا کردار بھی ہے، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ اس کردار کے حامل وہ لوگ ہیں جن کے دل اگرچہ حقیقی ایمان سے محروم ہیں، لیکن وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے یا دُنیوی اغراض و مقاصد کے لیے نیکی کے کام بھی کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نیک اعمال کو یہاں سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''اللہ نُور ہے آسمانوں اور زمین کا۔''

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ﴾ ''اُس کے نُور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق''

نور سے مراد یہاں نورِ ایمان ہے، یعنی اللہ پر ایمان کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے:

﴿فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ﴾ ''اس (طاق) میں ایک روشن چراغ ہے، وہ چراغ شیشے (کے فانوس) میں ہے۔''

وہ چراغ شیشے کے فانوس میں رکھا گیا ہے، جیسے پچھلے زمانے میں شیشے کی چمنیوں میں چراغ رکھے جاتے تھے۔

﴿اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ﴾ ''اور وہ شیشہ ایک چمکدار ستارے کی مانند ہے''

اس مثال میں انسانی سینے کو طاق اور دل کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ انسانی پسلیوں کا ڈھانچہ، جسے ہم سینہ کہتے ہیں، یہ نیچے سے چوڑا اور اوپر سے تنگ ہونے کی وجہ سے پرانے زمانے کے طاق سے مشابہت رکھتا ہے۔ ڈایا فرام (diaphragm) جو نچلے دھڑ کے اندرونی حصے (abdominal cavity) کو سینے کے اندرونی حصے (chest cavity) سے علیحدہ کرتا ہے اس طاق کا گویا فرش ہے جس کے اوپر یہ چراغ یعنی دل رکھا گیا ہے۔ یہ دل ایک بندۂ مؤمن کا دل ہے جو نورِ ایمان سے جگمگا رہا ہے۔ یہ نورِ ایمان مجموعہ ہے نورِ فطرت (جو اس کی روح کے اندر پہلے سے موجود تھا) اور نورِ وحی کا۔

﴿يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ﴾ ''وہ (چراغ) جلایا جاتا ہے زیتون کے ایک مبارک درخت سے، جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی''

کسی درخت پر جس سمت سے دھوپ پڑتی ہو اسی سمت کے حوالے سے وہ شرقی یا غربی کہلاتا ہے۔ اگر کوئی درخت کسی اوٹ میں ہو یا درختوں کے جھنڈ کے اندر ہو تو اس پر صرف ایک سمت سے ہی دھوپ پڑ سکتی ہے۔ اس

لحاظ سے ایسا درخت یا شرقی ہو گا یا غربی۔ لیکن یہاں ایک مثالی درخت کی مثال دی جا رہی ہے جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ وہ نہ تو کسی اوٹ میں ہے اور نہ ہی درختوں کے جھنڈ میں' بلکہ وہ کھلے میدان میں بالکل یکہ وتنہا کھڑا ہے اور پورے دن کی دھوپ مسلسل اس پر پڑتی ہے۔ اس مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ زیتون کا وہ درخت جس پر زیادہ سے زیادہ دھوپ پڑتی ہو اور مشرق و مغرب دونوں سمتوں سے پڑتی ہو' اس کے پھلوں کا روغن بہت صاف' شفاف اور اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے۔

﴿یَّکَادُ زَیۡتُهَا یُضِیۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ ؕ﴾ ''قریب ہے کہ اُس کا روغن (خود بخود) روشن ہو جائے' چاہے اسے آگ نے ابھی چھوا بھی نہ ہو۔''

گویا وہ آگ کے چھوئے بغیر ہی بھڑک اٹھنے کے لیے تیار ہے۔

﴿نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ﴾ ''روشنی پر روشنی!''

یعنی جب اسے آگ دکھائی جائے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے اور نورٌ علیٰ نور کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ خوبصورت مثال ایمان کے اجزائے ترکیبی کے بارے میں ہے اور میں نے مختلف مواقع پر اس مثال کی وضاحت بہت تفصیل سے کی ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت یا اس پر ایمان کی کیفیت پیدائشی طور پر موجود ہے' مگر دنیا میں رہتے ہوئے یہ معرفت ماحول اور حالات کے منفی اثرات کے باعث عام طور پر غفلت اور مادیت کے پردوں میں چھپ کر شعور سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس حد تک سلیم الفطرت ہوتے ہیں کہ اُن کے اندر معرفتِ خداوندی خارجی حالات کے تمام تر منفی اثرات کے باوجود بھی مسلسل اجاگر اور فعال رہتی ہے۔

فطری معرفت کی اس روشنی کے بعد انسانی ہدایت کا دوسرا بڑا ذریعہ یا منبع وحی الٰہی ہے۔ وحی کے ذریعہ حاصل ہونے والی ہدایت بنیادی طور پر انسانی فطرت کے اندر پہلے سے موجود غیر فعال اور خوابیدہ (dormant) ایمان اور معرفتِ خداوندی کو بیدار اور فعال (activate) کرنے میں مدد دیتی ہے۔ چنانچہ جب وحی کا پیغام لوگوں تک پہنچتا ہے تو اس پر ہر انسان کا ردِ عمل اس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر کسی انسان کی فطرت میں تکدر ہے تو وہ وحی کے اس پیغام کی طرف فوری طور پر متوجہ نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کی فطرت کی کثافت کو دور کرنے اور اس کے اندر فطری طور پر موجود معرفتِ خداوندی کو غفلت کے پردوں سے نکال کر شعور کی سطح پر لانے کے لیے وقت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف ایک سلیم الفطرت انسان وحی کے پیغام کو پہچاننے میں ذرہ بھر تامل و تاخیر نہیں کرتا۔ فطری معرفت اس کے اندر چونکہ پہلے سے شعوری سطح پر موجود ہوتی ہے اس لیے نورِ وحی جونہی اس کے سامنے آتا ہے اس کے دل کا آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور وہ فوراً اس پیغام کی تصدیق کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ پیغامِ وحی کی فوری تصدیق کی وجہ سے ''صِدِّیقین'' کہلاتے ہیں۔ اس حوالے سے نبی مکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے کہ: ''میں نے جس کسی کو بھی ایمان کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ توقف یا تردّد ضرور کیا' سوائے ابوبکرؓ کے' جنہوں نے ایک لمحے کا بھی توقف نہیں کیا''۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں جن خوش نصیب لوگوں کو: ﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ﴾ کا خطاب ملا' یہ وہی لوگ تھے جن کی فطرت کے آئینے

غیر معمولی طور پر شفاف تھے۔ دوسری طرف اسی ماحول میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی فطرت کے تکدر کو دور کرنے کے لیے اضافی وقت اور محنت کی ضرورت پڑی۔ ایسے لوگ بعد میں اپنی اپنی طبیعت کی کیفیت اور استطاعت کے مطابق ''سابقون الاولون'' کی پیروی کرنے والوں کی صف میں شامل ہوتے رہے۔ ان لوگوں کا ذکر اسی آیت میں ﴿وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ﴾ کے الفاظ میں ہوا ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں دی گئی مثال کو سمجھنے کے لیے تیل کی مختلف اقسام کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ پرانے زمانے میں تیل کے دیے جلائے جاتے تھے۔ ہمارے ہاں عام طور پر ان میں سرسوں کا تیل جلایا جاتا تھا۔ یہ تیل زیادہ کثیف ہونے کی وجہ سے دیا سلائی دکھانے پر بھی آگ نہیں پکڑ سکتا۔ چنانچہ اسے کپڑے یا روئی کے فتیلے (بتی) کی مدد سے جلایا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں پٹرول بھی ایک تیل ہے جو جلنے کے لیے ہر وقت بیتاب رہتا ہے اور چھوٹی سی چنگاری بھی اگر اس کے قریب آجائے تو بھڑک اٹھتا ہے۔ جلنے کے اعتبار سے جس طرح کڑوے تیل اور پٹرول میں فرق ہے اسی نوعیت کا فرق انسانی طبائع میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اعلیٰ قسم کے زیتون سے حاصل شدہ انتہائی شفاف تیل گویا ''صدیقین'' کی فطرتِ سلیم ہے جو وحی الٰہی کے نور سے مستفیض ہونے اور ''نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ'' کی کیفیت کو پانے کے لیے ہر وقت بے تاب و بے چین رہتی ہے۔ گویا انسانی روح ایک نورانی یا ملکوتی چیز ہے۔ اس ملکوتی روح سے جب وحی یا قرآن کے نور کا اتصال ہوتا ہے تو نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی کیفیت سے نورِ ایمان وجود میں آتا ہے' جس سے بندۂ مؤمن کا دل منور ہوتا ہے۔

﴿یَهۡدِی اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''اللہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے۔''

﴿وَیَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳۵﴾﴾ ''اور اللہ یہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں (کی راہنمائی) کے لیے' جبکہ اللہ تو ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

یہ مثال لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان کی گئی ہے' کیونکہ انسانی ذہن ایسے لطیف حقائق کو براہِ راست نہیں سمجھ سکتا ـــــ اب آئندہ آیات میں ان لوگوں کے کردار و عمل کی جھلک دکھائی جارہی ہے جن کے دل نورِ ایمان سے منور ہوتے ہیں۔

آیت ۳۶ ﴿فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡهَا اسۡمُهٗ ۙ﴾ ''(اُس کے نور کی طرف ہدایت پانے والے) ان گھروں میں (پائے جاتے ہیں) جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے''

ان گھروں سے مراد مساجد ہیں اور انہیں بلند کرنے کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مساجد کی تعمیر اس انداز اور ایسی جگہوں پر کی جائے کہ وہ پوری آبادی میں بہت نمایاں اور مرکزی حیثیت کی حامل ہوں اور دوسرے یہ کہ ان کے معنوی ترفع کو یقینی بنایا جائے اور ہر قسم کی معنوی نجاست سے انہیں پاک رکھا جائے۔

﴿یُسَبِّحُ لَهٗ فِیۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾﴾ ''وہ تسبیح کرتے ہیں اللہ کی ان (مساجد) میں صبح اور شام۔''

یہ صاحبِ ایمان لوگ جن کے دلوں میں نورِ ایمان کی قندیلیں روشن ہیں وہ اللہ کے ان گھروں میں صبح و شام اُس کا ذکر اور اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

آیت ۳۷ ﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ﴾ ”وہ جواں مرد جنہیں غافل نہیں کرتی کسی قسم کی کوئی تجارت یا خرید وفروخت اللہ کے ذکر سے‘ نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے“

﴿يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾﴾ ”(اس سب کچھ کے باوجود بھی) وہ لرزاں وترساں رہتے ہیں اُس دن کے تصور سے جس دن الٹ جائیں گے دل اور نگاہیں۔“

آیت ۳۸ ﴿لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ﴾ ”تاکہ اللہ انہیں بہترین جزا دے ان کے اعمال کی اور ان کو اپنے فضل سے مزید نوازے۔“

﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾﴾ ”اور اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے بغیر حساب کے۔“

یہ تو تھی ایک مؤمن صادق کے دل اور اس کی کیفیت ایمان کے بارے میں تمثیل اور اس کے کردار کی ایک جھلک۔ اب اگلی دو آیات میں اُن لوگوں کے اعمال کے بارے میں دو تمثیلیں بیان کی گئی ہیں جن کے دل ایمانِ حقیقی کی روشنی سے یکسر خالی ہیں مگر وہ اپنے دل کی تسلی اور اپنے ضمیر کے اطمینان کے لیے نیکی کے مختلف کام سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ان تمثیلوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی نیکیاں اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہیں۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ (آیۃ البر) کے الفاظ اور ان الفاظ کا مفہوم ایک دفعہ اپنے ذہن میں پھر سے تازہ کرلیں:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿﴾

”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیرلو‘ بلکہ نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر‘ یومِ آخرت پر‘ فرشتوں پر‘ کتابوں پر اور نبیوں پر۔ اور وہ مال خرچ کرے اس (مال) کی محبت کے باوجود‘ قرابت داروں‘ یتیموں‘ محتاجوں‘ مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے چھڑانے میں‘ اور قائم کرے نماز اور ادا کرے زکوٰۃ‘ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب کوئی عہد کرلیں‘ اور صبر کرنے والے ہیں فقر وفاقہ میں‘ تکالیف میں اور جنگ کی حالت میں۔ یہ ہیں وہ لوگ جو سچے ہیں اور یہی حقیقت میں متقی ہیں۔“

اب ملاحظہ کیجیے ایمانِ حقیقی کے بغیر انجام دیے گئے نیک اعمال کی مثال:

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کسی چٹیل میدان میں' پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے۔''

﴿حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ وہ جب اس کے پاس آیا تو اُس نے وہاں کچھ نہ پایا' البتہ اس نے اس کے پاس اللہ کو پایا' تو اس نے پورا پورا چکا دیا اسے اس کا حساب۔''

﴿وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ۙ۳۹﴾ ''اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

یعنی اگر کسی شخص کا دل حقیقی ایمان سے محروم ہے تو خدمت خلق کے میدان میں اس کے کارناموں اور دوسرے نیک کاموں کی اللہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں۔ ایسی نیکیاں تو گویا سراب (دھوکہ) ہیں۔ جیسے صحرا میں ایک پیاسا شخص سراب (چمکتی ہوئی ریت) کو پانی سمجھتا ہے اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے اعمال کو نیکیوں کا ڈھیر سمجھتے ہیں' لیکن روزِ حساب ان پر اچانک یہ حقیقت کھلے گی کہ ان کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت نہیں پا سکا۔ سورۃ ابراہیم کی آیت ۱۸ میں ایسے لوگوں کے اعمال کو راکھ کے اس ڈھیر سے تشبیہ دی گئی ہے جو تیز آندھی کی زد میں ہو۔

اس سلسلے کی دوسری مثال ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کی زندگیاں ایسی جھوٹ موٹ کی نیکیوں سے بھی خالی ہیں اور ان کے باطن سراسر شہواتِ نفس اور دُنیا پرستی کی گندگی سے بھرے پڑے ہیں:

آیت ۴۰ ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ﴾ ''یا بہت گہرے سمندر میں اندھیروں کی مانند' اسے ڈھانپ لیتی ہو ایک موج' اس کے اوپر ہو ایک اور موج' اس کے اوپر ہوں بادل''

یعنی اندھیری رات ہے' سمندر کی گہرائی میں موج در موج کی کیفیت ہے اور اوپر فضا میں گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ گویا روشنی کی کسی ایک کرن کا بھی کہیں کوئی وجود نہیں۔

﴿ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ﴾ ''اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر' جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

مطلق تاریکی (absolute darkness) کی اس کیفیت کو اردو محاورے میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ ایک فرنچ ایڈمرل اس آیت کو پڑھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کی ساری عمر سمندروں میں گزری تھی اور پانی کے نیچے absolute darkness کی کیفیت اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ یہ آیت پڑھ کر اسے بجا طور پر یہ تجسس ہوا کہ کیا محمد (ﷺ) نے بحری سفر بھی کیے تھے؟ اور جب اسے معلوم ہوا کہ آپؐ نے کبھی بھی کوئی بحری سفر نہیں کیا تو اس نے اعتراف کر لیا کہ یہ اُنؐ کا کلام نہیں اللہ کا کلام ہے' کیونکہ ایسی تشبیہ تو صرف وہی شخص دے سکتا ہے جو سمندر میں غوطہ خوری کرتا رہا ہو اور سمندر کی گہرائی میں اندھیروں کی کیفیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہو۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰﴾ ''اور جس کو اللہ نے ہی کوئی نور عطا نہ کیا ہو تو اس کے لیے کہیں کوئی نور نہیں ہے۔''

یعنی وہ لوگ جن کی زندگیاں ملمع کی نیکیوں سے بھی خالی ہیں ان کے لیے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔

آیات ۴۱ تا ۵۷

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ
وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ
خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ
مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝۴۳ۭ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۴۴ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹ۭ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا
اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰ۧ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ ع ٦/١٢
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۵۲
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۵۳ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا
حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۴
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ
خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

الْفٰسِقُوْنَ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ ع ۱۲

آیت ۴۱ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں''

نہ صرف آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات اللہ کی تسبیح کرتی ہیں بلکہ ان دونوں (آسمان و زمین) کے مابین جو مخلوق ہے وہ بھی اس میں شامل ہیں۔

﴿وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ﴾ ''اور پروں کو پھیلائے ہوئے پرندے بھی۔ ہر ایک نے جان لی ہے اپنی نماز اور تسبیح۔''

یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۴۴ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ﴾ کہ کوئی چیز اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کر رہی ہو' لیکن تم لوگوں کو ان کے طریقہ تسبیح کا شعور نہیں ہو سکتا۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۴۱﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

آیت ۴۲ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۴۲﴾ ''اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی' اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانا ہے۔''

آیت ۴۳ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ ہانک کر لاتا ہے بادلوں کو''

سمندر کے بخارات سے بادل بنتے ہیں اور ہواؤں کے دوش پر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے کہیں کے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

﴿ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا﴾ ''پھر وہ انہیں آپس میں جوڑ دیتا ہے' پھر انہیں تہ بر تہ کر دیتا ہے''

جن لوگوں کو ہوائی سفر کا تجربہ ہے انہوں نے بادل کے تہ بر تہ ہونے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو گا۔ ابر آلود موسم میں بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بادلوں کی ایک تہ میں سے جہاز اوپر چڑھتا ہے اور اس کے بعد فضا صاف ہوتی ہے۔ پھر اوپر جا کر بادلوں کی ایک اور تہ ہوتی ہے۔ اس طرح متعدد تہیں ہو سکتی ہیں۔

﴿فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ﴾ ''تو تم دیکھتے ہو کہ بارش ان کے درمیان میں سے برستی ہے''

﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ﴾ ''اور اللہ آسمان سے —— اس کے اندر کے پہاڑوں سے —— اولے برساتا ہے۔''

جب زمین پر اولے پوری شدت سے برس رہے ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آسمانوں میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔

﴿فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ ''تو وہ پہنچاتا ہے ان (اولوں) کو جس پر

چاہتا ہے اور ان کا رخ پھیر دیتا ہے جس سے چاہتا ہے۔“

جب کسی کھیتی کو کسی وجہ سے برباد کرنا مقصود ہو تو اس پر اللہ کی مشیت سے یہ اولے برس پڑتے ہیں اور جس کھیتی کو وہ تباہ کرنا نہیں چاہتا اس کی طرف سے ان کا رخ پھیر دیتا ہے۔ بعض اوقات دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک کھیت اولوں سے تباہ ہو گیا' لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرا کھیت بالکل سلامت رہا۔

﴿یَکَادُ سَنَا بَرۡقِہٖ یَذۡہَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ﴿۴۳﴾﴾ ”قریب ہے کہ اس کی بجلی کی کوند لوگوں کی نگاہوں کو اُچک لے جائے۔“

آیت ۴۴ ﴿یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾﴾ ”اللہ ادلتا بدلتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ یقیناً اس میں عبرت کا سامان ہے آنکھوں والوں کے لیے۔“

آیت ۴۵ ﴿وَ اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی بَطۡنِہٖ ۚ﴾ ”اور اللہ نے بنایا ہے ہر جاندار کو پانی سے' تو ان میں کچھ ایسے (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں۔“

یہ وہ جاندار ہیں جنہیں ہم reptiles کہتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں وغیرہ نہیں ہوتیں اور وہ پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔

﴿وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی رِجۡلَیۡنِ ۚ﴾ ”اور ان میں کچھ وہ ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں“

خود ہم انسان بھی اسی مخلوق میں شامل ہیں۔ انسانوں کے علاوہ پرندے' بن مانس (champanzies) اور گوریلے بھی دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ کوئی اور مخلوق بھی ایسی ہو سکتی ہے جو دو ٹانگوں پر چلتی ہو۔

﴿وَ مِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰۤی اَرۡبَعٍ ؕ﴾ ”اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں“

زمینی حیوانات میں سے چار ٹانگوں والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

﴿یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۵﴾﴾ ”اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آئندہ آیات میں منافقین کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک چودہ سورتیں مسلسل مکیات تھیں۔ مکہ میں منافقین تو تھے نہیں لہٰذا ان تمام مکی سورتوں میں نہ تو نفاق کا ذکر آیا اور نہ ہی منافقین کا تذکرہ ہوا۔ ان مکی سورتوں میں گفتگو کا رخ زیادہ تر مشرکین مکہ کی طرف ہی رہا ہے۔ کہیں کہیں اہل کتاب کا ذکر بھی آیا ہے' لیکن انہیں براہِ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان سورتوں میں حضور ﷺ کو اور آپؐ کی وساطت سے اہل ایمان کو بھی مخاطب کیا جاتا رہا ہے۔ سورۃ النور کا نزول مدنی دور کے عین وسط یعنی ۶ ہجری میں ہوا تھا اور اُس وقت مدینہ کے اندر اچھی خاصی تعداد میں منافقین موجود تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار کا تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔

آیت ۴۶ ﴿لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۶﴾﴾ ”ہم نے نازل کر دی ہیں روشن آیات۔ اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔“

آیت ۴۷ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا﴾ ''اور (کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو) کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسولؐ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی''

﴿ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر جاتا ہے۔''

یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان کا اقرار بھی کرتے ہیں' اطاعت کا دم بھی بھرتے ہیں لیکن اس کے بعد ان کا طرزِ عمل کچھ اور ہوتا ہے۔

﴿وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷﴾ ''اور یہ لوگ درحقیقت مؤمن نہیں ہیں۔''

آیت ۴۸ ﴿وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸﴾ ''اور جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف کہ وہؐ ان کے مابین فیصلہ کریں' تو اُس وقت ان میں سے ایک گروہ کنیّ کترا جاتا ہے۔''

منافقین کے اس رویّے کا ذکر سورۃ النساء میں بھی آیا ہے۔ یہ لوگ فیصلوں کے لیے اپنے تنازعات رسول اللہ ﷺ کے بجائے یہودیوں کے پاس لے جانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کے فیصلے مبنی بر انصاف ہونے کی وجہ سے عام طور پر ان کے خلاف ہی جاتے تھے۔

آیت ۴۹ ﴿وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۴۹﴾ ''اور اگر حق ان کے لیے ہو تو وہ آتے ہیں رسولؐ کی طرف بڑے اطاعت کیش بن کر۔''

اگر کسی معاملہ یا تنازعہ میں وہ حق بجانب ہوں اور انہیں یقین ہو کہ فیصلہ انہی کے حق میں ہوگا تو اس معاملے کو لے کر بڑے اطاعت شعار بنتے ہوئے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ وہ حضور ﷺ کے پاس آجاتے ہیں۔

آیت ۵۰ ﴿اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''کیا ان کے دلوں میں روگ ہے؟ یا یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں؟ یا انہیں اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ان کے ساتھ ناانصافی کریں گے؟''

﴿بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰﴾ ''بلکہ حقیقت میں یہی لوگ ظالم ہیں۔''

چونکہ یہ لوگ حقیقی ایمان سے محروم ہیں' اس لیے اس کھوٹ کا عکس ان کے کرداروں میں نمایاں ہے۔

آیت ۵۱ ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''حقیقی مؤمنین کو تو جب اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے مابین فیصلہ کریں تو ان کا قول بس یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا!''

کہ ہم تو فیصلے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہیں۔ آپ ﷺ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں بسر و چشم قبول ہوگا۔

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱﴾ ''اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔''

آیت ۵۲ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝۵۲﴾ ''اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ کا خوف رکھتا ہے اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے' تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ﴾ ''اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں' اپنی امکانی حد تک پکی قسمیں کہ اگر آپؐ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکلیں گے۔''

منافقین سے جب بھی کسی قربانی کا تقاضا کیا جاتا یا جہاد کے لیے نکلنے کا مرحلہ آتا تو وہ بہانے تراشتے ہوئے قسمیں کھاتے کہ ہمیں فلاں مجبوری ہے' فلاں مسئلہ درپیش ہے' لیکن اگر آپؐ حکم دیں گے تو ہم بہرحال آپؐ کے ساتھ ضرور نکلیں گے۔ جماعتی زندگی میں یہ نمونہ آج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ امیر کی طرف سے ایک واضح حکم آجانے کے بعد بھی کچھ لوگ بہانے بناتے ہیں' اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہیں اور مجبوریاں گنوانے کے بعد یوں بھی کہتے ہیں کہ ''ویسے اگر آپ حکم دیں تو ہم حاضر ہیں!'' گویا جو پہلے حکم دیا گیا ہے وہ حکم نہیں ہے؟ امیر کی بات کو آپ حکم کیوں نہیں سمجھ رہے؟

تو کیا جہاد کے لیے ایک واضح حکم کے بعد منافقین یہ توقع رکھتے ہیں کہ حضورﷺ ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ خوشامد کر کے اسے راضی کریں کہ اجی! آپ ضرور جہاد کے لیے تشریف لے جائیں!

﴿قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ﴾ ''آپؐ ان سے کہیے کہ تم لوگ قسمیں نہ کھاؤ' بس معروف طریقے سے اطاعت اختیار کرو۔''

جب تم لوگ مجھے اللہ کا رسول تسلیم کرنے اور مجھ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تو باقی تمام اہل ایمان کی طرح میری اطاعت اختیار کرو۔ میری طرف سے جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اسے قبول کرو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۵۳﴾ ''یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آیت ۵۴ ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ﴾ ''(اے نبیﷺ!) آپ کہیے کہ تم لوگ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولﷺ کی۔''

قبل ازیں سورۃ النساء کے مطالعہ کے دوران وضاحت کی جا چکی ہے کہ منافقین پر تین امور بہت بھاری تھے۔ یعنی حضورﷺ کی شخصی اطاعت' جہاد و قتال کے لیے نکلنا اور ہجرت۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں ان تین میں سے پہلے معاملے یعنی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے بارے میں تاکید کی جا رہی ہے۔

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ﴾ ''پھر اگر تم مُنہ موڑتے ہو تو سُن رکھو کہ ہمارے نبیؐ پر صرف وہی ذمہ داری ہے جو اُنؐ پر ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔''

رسول اللہﷺ کی ذمہ داری لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی حد تک ہے اور آپؐ سے اسی ذمہ داری کے

سلسلے میں پوچھا جائے گا۔ اب جب آپ ﷺ نے تم لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا کر اپنی یہ ذمہ داری ادا کر دی ہے تو اس کے بعد ان احکام کی تعمیل کرنا اور اللہ کے دین کے لیے تن من دھن قربان کرنا تم لوگوں کی ذمہ داری ہے اور تم لوگ اپنی اسی ذمہ داری کے بارے میں اللہ کے ہاں مسئول ہو گے۔

ان الفاظ میں جماعتی زندگی کے نظم وضبط کے بارے میں ایک بہت ہی اہم اور بنیادی راہنما اصول فراہم کیا گیا ہے کہ ہر کوئی اپنی اس ذمہ داری کی فکر کرے جس کے بارے میں وہ مسئول ہے۔ جماعتی زندگی میں انفرادی سطح پر اکثر شکایات پیدا ہو جاتی ہیں' یہاں تک کہ ایک غزوہ کے موقع پر حضور ﷺ جب مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو بنی تمیم کے ایک شخص نے کہا: اِعْدِلْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ''اے اللہ کے رسول' آپ عدل کریں!'' گویا (نعوذ باللہ) آپ عدل نہیں کر رہے تھے۔ اس گستاخی کے جواب میں آپ ﷺ نے غصے میں فرمایا: ((وَيْلَكَ، وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ؟))[1] ''تم برباد ہو جاؤ' اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا؟'' اسی طرح جماعتی زندگی کے معاملات میں کسی شخص کو بھی اپنے امیر سے شکایت ہو سکتی ہے کہ امیر نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ایسی صورت میں اس آیت میں دیے گئے اصول کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی جو ذمہ داری ہے اس کے بارے میں وہ اللہ کے ہاں جوابدہ ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری میں کمی یا کوتاہی کرے گا یا کوئی کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا تو اللہ کے ہاں ہر کسی کا ٹھیک ٹھیک حساب ہو جائے گا۔ چنانچہ جماعت کے اندر ایک شخص کو کسی شکایت کی صورت میں ناراض ہو کر بیٹھ رہنے کے بجائے یہ سوچنا چاہیے کہ میں اپنی ذمہ داری کی فکر کروں جس کا مجھ سے حساب لیا جانا ہے۔ جہاں تک امیر کی زیادتی کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں وہ خود ہی اللہ کے ہاں جوابدہ ہو گا۔ اسے یہ بھی یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کے ہاں ہر کسی کے ساتھ زیادتی کی تلافی بھی کر دی جائے گی۔

اس سورت کی آخری آیات میں جماعتی زندگی سے متعلق بہت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ ان آیات پر مشتمل ایک اہم درس ہمارے ''مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب ۲'' میں شامل ہے۔ ''منتخب نصاب ۲'' کے موضوعات جماعتی زندگی اور اس کے معاملات ومسائل سے ہی متعلق ہیں۔ ظاہر ہے اقامت دین کا کام انفرادی طور پر تو ہو نہیں سکتا۔ اس کے لیے ایک جماعت یا تنظیم کی تشکیل تو بہرحال ناگزیر ہے۔ قرآن نے ایسی جماعت کو ''حزب اللہ'' کا نام دیا ہے اور اس کی کامیابی کی ضمانت بھی دی ہے: ﴿فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶﴾ (المائدۃ)۔ حدیث میں بھی اس بارے میں يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ[2] کی خوشخبری دی گئی ہے کہ جماعت کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ یعنی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہے۔

جیسے اقامتِ دین کے لیے جماعت کا قیام ناگزیر ہے اسی طرح جماعت کے لیے نظم اور ڈسپلن بھی ضروری ہے اور ڈسپلن کے لیے قواعد وضوابط کی پابندی بھی لازمی ہے۔ پھر جماعت کے اندر پیدا ہونے والے مسائل کے تدارک اور حل کے لیے کچھ تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان سب امور سے متعلق راہنمائی کے لیے اگر ہم قرآن سے رجوع کریں تو مختلف مقامات پر ہمیں بڑی عمدہ راہنمائی ملتی ہے۔ ایسے ہی مقامات سے

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد کتب اور ابواب میں نقل ہوئی ہے۔

(۲) سنن النسائی' کتاب تحریم الدم' باب من فارق الجماعۃ ......

آیات کا انتخاب کر کے منتخب نصاب (۲) مرتب کیا گیا ہے۔☆

﴿وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴿۵۴﴾﴾ ''اور اگر تم انؐ کی اطاعت پر کاربند رہو گے تو تبھی تم ہدایت یافتہ ہو گے۔ اور (ہمارے) رسولؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے صاف صاف پہنچا دینے کے۔''

اگلی آیت کو ''آیت استخلاف'' کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ایک طویل آیت ہے اور قرآن کی عظیم ترین آیات میں سے ہے۔

آیت ۵۵ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اللہ کا وعدہ ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں''

یہ وعدہ محض موروثی اور نام کے مسلمانوں کے لیے نہیں ہے' جو اللہ کے احکام کی کلی تعمیل کو اپنا شعار بنانے اور اس کے راستے میں جان و مال کی قربانی دینے کے لیے سنجیدہ نہ ہوں' بلکہ یہ وعدہ تو اُن مؤمنینِ صادقین کے لیے ہے جو ایمان اور عملِ صالح کی شرائط پوری کریں۔ یعنی جو ایمانِ حقیقی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے ہوں۔

﴿لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠﴾ ''کہ وہ ضرور انہیں زمین میں خلافت (غلبہ) عطا کرے گا' جیسے اُس نے ان سے پہلے والوں کو خلافت عطا کی تھی۔''

یعنی اے اُمتِ محمدؐ! اگر تم لوگ ایمانِ حقیقی اور اعمالِ صالحہ کی دو شرائط پوری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں اسی طرح غلبہ اور اقتدار عطا کرے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے حضرت طالوت' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کو خلافت عطا کی تھی یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کو مکابی سلطنت کی صورت میں اقتدار عطا کیا تھا۔ اس آیت میں خلافت کے وعدے کو تین مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اوّل تو یہ تاکیدی وعدہ ہے کہ اللہ لازماً مسلمانوں کو بھی خلافت عطا فرمائے گا جیسے اس نے سابقہ امت کے اہلِ ایمان کو خلافت عطا کی تھی۔ پھر فرمایا:

﴿وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ﴾ ''اور وہ ضرور ان کے اس دین کو غلبہ عطا کرے گا جو اُن کے لیے اُس نے پسند کیا ہے''

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ دین کو لازماً غالب کرے گا۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں مسلمانوں کی خلافت ہو گی وہاں لازماً اللہ کے دین کا غلبہ ہو گا اور اگر کسی حکومت میں اللہ کا دین غالب ہو گا تو وہ لازماً مسلمانوں ہی کی خلافت ہو گی۔ گویا بنیادی طور پر تو یہ ایک ہی بات ہے' لیکن صرف خلافت کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے پہلی بات کو یہاں دوسرے انداز میں دہرایا گیا ہے۔ البتہ یہاں اس دین کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے جو اللہ نے

☆ محترم ڈاکٹر صاحبؒ کی تالیف ''حزب اللہ کے اوصاف اور امیر و مأمورین کا باہمی تعلق'' منتخب نصاب (۲) کے دروس پر ہی مشتمل ہے۔ (مرتب)

مسلمانوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں باقاعدہ نام لے کر بتایا گیا ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ﴾ ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کی تکمیل فرما دی ہے' اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا ہے' اور تمہارے لیے میں نے پسند کرلیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے''۔ بہرحال دوسری بات یہاں یہ بتائی گئی کہ خلافت ملے گی تو اس کے نتیجے کے طور پر اللہ کا دین لازماً غالب ہوگا۔ اور تیسری بات:

﴿وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾ ''اور وہ ان کی (موجودہ) خوف کی حالت کے بعد اس کو لازماً امن سے بدل دے گا۔''

یہ اس کیفیت کی طرف اشارہ ہے جو ہجرت کے فوراً بعد کے زمانے میں مسلمانوں پر طاری تھی۔ اس زمانے میں مدینہ کے اندر مسلسل ایمرجنسی کی سی حالت تھی۔ فلاں قبیلے کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے! فلاں قبیلہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے! کل قریش مکہ کی طرف سے ایک خوفناک سازش کی خبر پہنچی تھی! آج ابوعامر راہب کے ایک شیطانی منصوبے کی اطلاع آن پہنچی ہے! غرض ہجرت کے بعد پانچ سال تک مسلمان مسلسل ایک خوف کی کیفیت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور رہے۔ اس صورت حال میں انہیں خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ اب خوف کی وہ کیفیت امن سے بدلنے والی ہے۔

تینوں وعدوں کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ یہاں بار بار حروفِ تاکید استعمال ہوئے ہیں۔ تینوں افعال میں مضارع سے پہلے لام مفتوح اور بعد میں ''ن'' مشدد آیا ہے' گویا تینوں وعدے نہایت تاکیدی وعدے ہیں۔

﴿یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا ؕ﴾ ''وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''

میرے نزدیک یہ حکم مستقبل سے متعلق ہے۔ یعنی جب میرا دین غالب آ جائے گا تو پھر مسلمان خالص میری بندگی کریں گے اور کسی قسم کا شرک گوارا نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی حکومت قائم نہیں ہوگی تو معاشرہ شرک سے کُلّی طور پر پاک نہیں ہو سکے گا۔ جیسے ہم پاکستان کے مسلمان شہری آج قومی اور اجتماعی اعتبار سے کفر و شرک کے ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آج اگر ہم سب انفرادی طور پر اپنے ذاتی عقائد بالکل درست بھی کرلیں اور اپنے آپ کو تمام مشرکانہ اوہام سے پاک کر کے عقیدۂ توحید کو راسخ بھی کرلیں تو بھی ہم خود کو شرک سے کلی طور پر پاک کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ یعنی جب تک ملک میں اللہ کا قانون نافذ اور اللہ کا دین عملی طور پر غالب نہیں ہو جاتا اور جب تک ملک میں دوسرے قوانین کے بجائے اللہ کے قانون کی بالادستی قائم نہیں ہو جاتی اُس وقت تک اس ملک کے شہری ہونے کے اعتبار سے ہم کفر اور شرک کی اجتماعیت میں برابر کے شریک رہیں گے۔ چنانچہ کسی ملک یا علاقے میں عملاً توحید کی تکمیل اُس وقت ہوگی جب اللہ کے فرمان کے مطابق دین کُل کا کُل اللہ کے لیے ہو جائے گا: ﴿وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ؕ﴾ (الانفال: ۳۹)۔

﴿وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵﴾ ''اور جو اس کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے

لوگ ہی فاسق ہیں۔‘‘

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ دین کے غلبے کے ماحول میں بھی جو شخص کفر کرے گا تو اس کے اندر گویا خیر کا مادہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ باطل کے غلبے میں کسی شخص کا ایمان لانا‘ اس پر قائم رہنا اور اس کے مطابق عمل کرنا انتہائی مشکل ہے‘ لیکن جب دین غالب ہو جائے اور ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں تو اس کے بعد صرف وہی شخص دین سے دور رہے گا جس کی فطرت ہی بنیادی طور پر مسخ ہو چکی ہے۔

ان دو مفاہیم کے علاوہ میرے نزدیک اس فقرے کا ایک تیسرا مفہوم بھی ہے اور اس مفہوم کے مطابق ’’بَعْدَ ذٰلِكَ‘‘ کے الفاظ کا تعلق مذکورہ تین وعدوں سے ہے‘ کہ جب اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ لازماً تمہیں خلافت سے نوازے گا‘ وہ لازماً تمہارے دین کو غالب کرے گا اور وہ لازماً تمہارے خوف کی کیفیت کو امن سے بدل دے گا تو اس کے بعد بھی جو شخص کمرِ ہمت نہ باندھے اور اقامتِ دین کی جدّوجہد کے لیے اٹھ کھڑا نہ ہو تو اسے گویا ہمارے وعدوں پر یقین نہیں اور وہ عملی طور پر ہمارے ان احکام سے کفر کا مرتکب ہو رہا ہے!

یہ آیت ۶ ہجری میں نازل ہوئی اور اس کے نزول کے فوراً بعد ہی اس کے مصداق کا ظہور شروع ہو گیا۔ ۷ ہجری میں صلح حدیبیہ طے پا گئی جسے خود اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے لیے ’’فتحِ مبین‘‘ قرار دیا: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ①﴾ (الفتح)۔ صلح حدیبیہ کے فوراً بعد ۷ ہجری میں ہی خیبر فتح ہوا‘ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کثرت سے مالِ غنیمت عطا کیا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا۔ ۹ ہجری کو حج کے موقع پر mopping up operation کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کے مطابق آئندہ کے لیے مسجد حرام کے اندر مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ جزیرہ نمائے عرب کے تمام مشرکین کو میعادی معاہدوں کی صورت میں اختتامِ معاہدہ تک اور عمومی طور پر چار ماہ کی مہلت دے دی گئی‘ اور اس کے ساتھ ہی واضح حکم دے دیا گیا کہ اس مدتِ مہلت میں اگر وہ اسلام قبول نہیں کریں گے تو سب کے سب قتل کر دیے جائیں گے۔ یوں ۱۰ ہجری تک جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین غالب ہو گیا‘ اللہ کی حکومت قائم ہو گئی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح محمدٌ رسول اللہ ﷺ بھی اللہ کے خلیفہ بن گئے۔

حضور ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ قائم ہوئی اور پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ حالات میں بگاڑ آنا شروع ہو گیا جو مسلسل جاری ہے۔ سورۃ الانبیاء کے آخری رکوع کے مطالعہ کے دوران میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی تھی جس میں اُمتِ مسلمہ کے قیامت تک کے حالات کی واضح تفصیل ملتی ہے۔ زیر مطالعہ آیت کے مضمون کے سیاق و سباق میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بہت اہم ہے‘ لہٰذا ہم اس کا ایک بار پھر مطالعہ کر لیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ)) ’’تمہارے درمیان نبوت موجود رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ وہ رہے‘‘۔ یعنی جب تک اللہ چاہے گا میں بنفسِ نفیس تمہارے درمیان موجود رہوں گا۔ ((ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَّرْفَعَهَا)) ’’پھر اللہ اس کو اٹھا لے گا جب اسے اٹھانا چاہے گا‘‘۔ یعنی جب اللہ چاہے گا میرا انتقال ہو جائے گا اور یوں یہ دور ختم ہو جائے گا۔ ((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ’’پھر خلافت ہو گی نبوت کے نقشِ قدم پر‘‘۔ یعنی میرے قائم کردہ نظام کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے ذریعے یہ نظام ایک بال کے فرق کے بغیر جوں کا توں قائم رہے گا۔ ((فَتَكُوْنُ مَا

شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ)) ''پھر یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا کہ رہے''۔((ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّرْفَعَهَا)) ''پھر اس دَور کو بھی اللہ اٹھا لے گا جب اٹھانا چاہے گا''۔((ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا)) ''پھر کاٹ کھانے والی ظالم ملوکیت ہوگی''۔ ((فَیَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَّكُوْنَ)) ''پس یہ دور بھی رہے گا جب تک اللہ چاہے گا''((ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا)) ''پھر اس کو بھی اللہ اٹھا لے گا جب اٹھانا چاہے گا''۔((ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِیَّةً)) ''پھر غلامی کی ملوکیت کا دور آئے گا''۔ یہ چوتھا دور ہمارا دور ہے۔ تیسرے دور کی ملوکیت میں سب کے سب حکمران (بنوامیہ' بنوعباس اور ترک بادشاہ) مسلمان تھے۔ ان میں اچھے بھی تھے اور بُرے بھی مگر سب کلمہ گو تھے' جبکہ چوتھے دور کی ملوکیت میں مختلف مسلمان ممالک غیر مسلموں کے غلام ہو گئے۔ کہیں مسلمان تاجِ برطانیہ کی رعایا بن گئے' کہیں ولندیزیوں کے تسلط میں آ گئے اور کہیں فرانسیسیوں کے غلام بن گئے۔ اس طرح پورا عالمِ اسلام غیر مسلموں کے زیر تسلط آ گیا۔

اکیسویں صدی کا موجودہ دور عالم اسلام کے لیے ''مُلْكًا جَبْرِیًّا'' کا ہی تسلسل ہے۔ اگرچہ مسلم ممالک پر سے غیر ملکی قبضہ بظاہر ختم ہو چکا ہے اور ان ممالک پر قابض اقوام کی براہِ راست حکومتوں کی بساط لپیٹ دی گئی ہے لیکن عملی طور پر یہ تمام ممالک اب بھی ان کے قبضے میں ہیں۔ استعماری قوتیں آج بھی ریموٹ کنٹرول اقتدار کے ذریعے ان ممالک کے معاملات سنبھالے ہوئے ہیں۔ ورلڈ بینک' آئی ایم ایف' اور دوسرے بہت سے ادارے ان کے مہروں کے طور پر کام کر رہے ہیں اور یوں وہ اپنے مالیاتی استعمار کو اب بھی قائم رکھے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چوتھا دور بھی ختم ہو جائے گا: ((ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا)) ''پھر اللہ اسے بھی اٹھا لے گا جب اٹھانا چاہے گا''۔ اور پھر اُمت کو ایک بہت بڑی خوشخبری دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةً عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ''اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور آئے گا''۔ یہ خوشخبری سنانے کے بعد راوی کہتے ہیں: ثُمَّ سَكَتَ ''پھر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے''۔ آپؐ شاید اس لیے خاموش ہو گئے کہ اس کے بعد دنیا کے خاتمے کا معاملہ تھا۔

اس کے علاوہ ہم حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی پڑھ آئے ہیں جس میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام تمام روئے ارضی کے لیے ہوگا۔ حضرت ثوبانؓ (حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ)) ''اللہ نے میرے لیے تمام زمین کو لپیٹ دیا''۔ ((فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا)) ''تو میں نے اس کے سارے مشرق اور مغرب دیکھ لیے''۔ ((وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْهَا)) ''اور میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہوگی جو مجھے دکھائے گئے''۔

اسی طرح ہم نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا مطالعہ بھی کیا تھا جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: ''روئے ارضی پر کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر اور کوئی کمبلوں کا بنا ہوا خیمہ ایسا نہیں رہے گا جس میں دین اسلام داخل نہ ہو جائے' خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ خواہ کسی مغلوب کی مغلوبیت کی صورت میں''۔ یعنی یا تو اس گھر والا اسلام قبول کر کے اعزاز حاصل کر لے گا یا پھر اسے ذلت کے ساتھ اسلام کی بالادستی

قبول کرنا پڑے گی۔ دین کے غلبے کی صورت میں غیر مسلم رعایا کے لیے یہ وہ اصول ہے جو سورۃ التوبہ میں اس طرح بیان ہوا: ﴿حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ یعنی وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

آنے والے اس دور کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان فرمودات کے ساتھ ساتھ اس معاملے کو منطقی طور پر یوں بھی سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید میں تین مقامات (التوبہ: ۳۳' الفتح: ۲۸ اور الصّف: ۹) پر واضح الفاظ میں اعلان فرما دیا گیا ہے: ﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول ﷺ کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر''۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں پانچ مرتبہ حضور ﷺ کی بعثت کے بارے میں یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ آپؐ کو پوری نوعِ انسانی کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس مضمون میں سورۂ سبا کی یہ آیت بہت واضح اور نمایاں ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''ہم نے آپؐ کو پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے' لیکن اکثر لوگوں کا اس کا ادراک نہیں ہے''۔ سورۃ الانبیاء میں یہی مضمون ایک نئی شان سے اس طرح آیا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''ہم نے تو آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے''۔ ان دونوں آیات کا مشترک مفہوم یہی ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد تب پورا ہو گا جب پورے عالمِ انسانیت پر اللہ کا دین غالب ہو گا۔ چنانچہ قیامت سے پہلے تمام روئے ارضی پر دین حق کا غلبہ ایک طے شدہ امر ہے۔

آیت ۵۶ ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' اور رسولؐ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

یہاں روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کی شخصی اطاعت والا معاملہ ان پر بہت شاق گزرتا تھا اور ایسے ہر حکم پر وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ آپؐ قرآنی آیات کے نزول کے بغیر ہی اپنی اطاعت کے بارے میں احکام جاری کرتے رہتے ہیں!

آیت ۵۷ ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ﴾ ''ان کافروں کی نسبت یہ گمان نہ کرو کہ وہ زمین میں اللہ کو عاجز کر دیں گے۔''

ان کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہ رہے کہ یہ زمین میں اللہ کے قابو سے باہر نکل جائیں گے۔

﴿وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾﴾ ''اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے' اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔''

آیات ۵۸ تا ۶۱

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ وَمِنْۢ بَعْدِ

صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۣ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۵۸ وَاِذَا بَلَغَ
الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ
عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۶۰ لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ
حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ
خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۶۱ ع ۸ / ۱۴

اب سورت کے آخر میں معاشرتی وسماجی معاملات کے بارے میں دوبارہ کچھ ہدایات دی جارہی ہیں۔ مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کی مثال ایک ایسے خوبصورت ہار کی سی ہے جس کے درمیان میں ایک بہت بڑا ہیرا ہے اوراس کے دونوں اطراف میں موتی جڑے ہوئے ہیں۔سورت کا پانچواں رکوع (جو اس کا وسطی رکوع ہے) اس طرح شروع ہوتا ہے: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ﴾ ۔ یہ اس سورت کی آیت ۳۵ ہے جو سورت کے تقریباً وسط میں کو ہِ نور ہیرے کی مانند ہے اوراس کے دونوں اطراف میں معاشرتی وسماجی احکام موتیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ان میں سے کچھ احکام پہلے چار رکوعات میں ہیں اور کچھ آخری چار رکوعات میں۔

آیت ۵۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ ’’اے ایمان والو! چاہیے کہ تم سے اجازت لیا کریں تمہارے غلام اور لونڈیاں‘‘

﴿وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ﴾ ’’اور تمہارے وہ بچے بھی جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تین اوقات میں۔‘‘

دن رات میں تین اوقات تمہاری خلوت (privacy) کے اوقات ہیں۔ان اوقات میں تمہارے غلام باندیاں اور بچے بھی بلا اجازت تمہاری خلوت میں مخل نہ ہوں۔ان اوقات کی تفصیل یہ ہے:

﴿مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ﴾ ’’فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کے وقت‘‘

﴿وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۛ﴾ ''اور عشاء کی نماز کے بعد۔''

﴿ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ﴾ ''یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔''

یعنی یہ تمہاری خلوت (privacy) کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں تمہارے خادموں اور تمہارے بچوں کا اچانک تمہارے پاس آ جانا مناسب نہیں' لہٰذا انہیں یہ ہدایت کر دی جائے کہ وہ ان اوقات میں تمہاری خلوت کی جگہ آنے لگیں تو پہلے اجازت لے لیا کریں۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ﴾ ''ان اوقات کے بعد (وہ بلا اجازت آئیں تو) تم پر اور ان پر کوئی حرج نہیں۔''

یعنی ان اوقات کے علاوہ تمہارے غلام' باندیاں یا بچے اگر تمہارے پاس بغیر اجازت آئیں جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

﴿طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ﴾ ''تم ایک دوسرے کے پاس پھرتے پھراتے ہی رہتے ہو۔''

یعنی گھر کے اندر اِدھر اُدھر مختلف کاموں کے لیے مختلف افراد کو وقتاً فوقتاً آنا جانا ہوتا ہے۔ اس طرح کی آمد ورفت پر ان خاص اوقات کے علاوہ کوئی پابندی نہیں ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۸﴾ ''اسی طرح اللہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات۔ اور اللہ علیم ہے' حکیم ہے۔''

آیت ۵۹ ﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''اور جب تمہارے بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں۔''

گھروں میں داخلے کے آداب کے سلسلے میں ایک عمومی حکم اس سے پہلے (اسی سورۃ کی آیت ۲۷ میں) نازل ہو چکا ہے۔ تمہارے بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ بھی اس حکم کی تعمیل کریں۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۵۹﴾ ''اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے۔ اور اللہ علیم ہے' حکیم ہے۔''

آیت ۶۰ ﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا﴾ ''اور (گھروں میں) بیٹھ رہنے والی عورتیں جو اب نکاح کی امیدوار نہ ہوں''

جن عورتوں کی نکاح کرنے کی عمر نہ رہی ہو اور وہ معمر ہو چکی ہوں۔

﴿فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ﴾ ''تو ان پر کوئی حرج نہیں اگر وہ اپنے (اضافی) کپڑے اتار دیا کریں''

یعنی ایسی عورتوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بڑی چادر ہی اوڑھ کر گھر سے باہر نکلیں۔ اسی طرح گھر کے اندر بیٹھے ہوئے ان پر جوان عورتوں کی طرح ہر وقت دوپٹے اوڑھے رکھنے کی پابندی نہیں ہے۔

﴿غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ﴾ ''بشرطیکہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں۔''

اپنی چادریں اتار کر رکھ دینے سے ان کی نیت دوسروں پر اپنی زینت ظاہر کرنے کی نہ ہو اور نہ وہ بظاہر ایسا کریں۔

﴿وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰﴾ ''اور اگر وہ اس معاملے میں احتیاط ہی کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا' ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

ان کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے انہیں جو رعایت دی جا رہی ہے اگر وہ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھائیں اور اپنے کپڑوں کے بارے میں حتی الوسع احتیاط ہی کریں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے' کیونکہ شیطان تو ہر وقت انسان کی تاک میں رہتا ہے۔ کیا خبر کس وقت وہ کوئی فتنہ کھڑا کر دے۔

آیت ۶۱ ﴿لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى حَرَجٌ﴾ ''کسی اندھے پر کوئی تنگی نہیں''

یہاں پر اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر کسی خاندان' گھر یا برادری میں کوئی معذور شخص ہو جو معذوری کے سبب اپنی آزاد معاش کا اہل نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے شریعت کی ان پابندیوں کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر وہ تمہارے گھروں میں رہیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔

﴿وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ﴾ ''اور نہ کسی لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ کسی مریض پر کوئی تنگی ہے' اور نہ خود تمہارے اپنے اوپر (اس ضمن میں) کوئی تنگی ہے''

﴿اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ﴾ ''کہ تم کھانا کھایا کرو اپنے گھروں سے' یا اپنے باپوں کے گھروں سے' یا اپنی ماؤں کے گھروں سے' یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے' یا اپنی بہنوں کے گھروں سے' یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے' یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے' یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے' یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے''

﴿اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ﴾ ''یا (ایسے گھروں سے) جن کی چابیاں تمارے پاس ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔''

جیسے کوئی کارخانہ ہو اور اس کے مالک کے پاس اس کی چابیاں ہوں' وہ جب چاہے وہاں جائے اور بیٹھ کر کھائے پیئے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ﴾ ''تمہارے اوپر کوئی حرج نہیں کہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔''

بعض لوگوں نے ان الفاظ سے خواہ مخواہ یہ مفہوم نکالنے کی کوشش کی ہے کہ یہاں مَردوں اور عورتوں کو اکٹھے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ دراصل یہ مجلسی احکام ہیں اور خصوصی طور پر اس حکم میں ایسی صورت حال مراد ہے جس میں کچھ لوگ کھانے کی جگہ پر پہنچ جاتے ہیں جبکہ بعض دوسرے لوگ ابھی نہیں پہنچتے اور پہلے آنے والوں کو اس سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ایسی صورت میں اجازت دی گئی ہے کہ جیسے سہولت ہو ویسے کھا پی لیا جائے' سب کا اکٹھے کھانا ہی ضروری نہیں ہے۔ الگ الگ گروہوں میں بھی کھانا کھایا جا سکتا ہے اور الگ الگ افراد بھی کھا سکتے ہیں۔ اس میں خواہ مخواہ تکلف یا تکلیف کی ضرورت نہیں ہے۔ ان مجلسی احکام سے ایسا مفہوم نکالنے کی کوشش کرنا سراسر زیادتی ہے کہ یہاں ستر وحجاب کے احکام بھی نعوذ باللہ معطل کر دیے گئے ہیں اور کھانے پینے کی مخلوط پارٹیوں کی اجازت دے دی گئی ہے۔ معاذ اللہ!

﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ ''تو جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے (لوگوں) پر سلام بھیجا کرو''

یعنی جس گھر میں تم بطور مہمان جا رہے ہو اس میں موجود لوگ تمہارے اپنے ہی لوگ ہیں' وہ تمہارے عزیز اور رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ تم اپنے ان لوگوں کو ضرور ''السلام علیکم'' کہا کرو۔ خود اپنے گھر میں بھی داخل ہو تو ''السلام علیکم'' کہا کرو۔

﴿تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ﴾ ''یہ دعا ہے اللہ کی طرف سے مبارک بھی اور پاک بھی''

''السلام علیکم'' ایک ایسی بابرکت اور پاکیزہ دعا ہے جو ایسے مواقع کے لیے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو خصوصی طور پر سکھائی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱﴾ ''اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات واضح کر رہا ہے تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو۔''

آیات ۶۲ تا ۶۴

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا
اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝۶۲ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ
يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۳ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ
ع ۹/۱۵ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۴

آخری رکوع جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے' اس میں خالص جماعتی زندگی سے متعلق احکام ہیں۔

آیت ۶۲ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ﴾ ''مؤمن تو صرف وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر''

﴿وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ ط﴾ ''اور جب وہ کسی اجتماعی کام کے ضمن میں رسولؐ کے ساتھ ہوتے ہیں تو وہاں سے جاتے نہیں جب تک کہ انؐ سے اجازت نہ لے لیں۔''

نبی مکرم ﷺ کے بعد یہی حکم آپؐ کے جانشینوں اور اسلامی نظم جماعت کے امراء کے لیے ہے۔ اس حکم کے تحت کسی جماعت کے تمام ارکان کو ایک نظم (discipline) کا پابند کر دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نظم وضبط اس جماعت کے اندر نہیں ہوگا تو کسی کام یا مہم پر جاتے ہوئے کوئی شخص ادھر کھسک جائے گا' کوئی اُدھر چلا جائے گا۔ ایسی صورت حال میں کوئی بھی اجتماعی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ اس حکم کے تحت لازمی قرار دے دیا گیا کہ کسی مجبوری یا عذر وغیرہ کی صورت میں اگر کوئی رخصت چاہتا ہو تو موقع پر موجود امیر سے باقاعدہ اجازت لے کر جائے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ج﴾ ''یقیناً جو لوگ آپؐ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر۔''

﴿فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْکَ لِبَعْضِ شَاْنِھِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْھُمْ﴾ ''پھر جب وہ آپؐ سے اجازت مانگیں اپنے کسی عذر کی وجہ سے تو آپؐ ان میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیجیے''

رخصت دینے کا اختیار تو آپؐ ہی کے پاس ہے۔ یعنی اسلامی نظم جماعت کے لیے یہ اصول دے دیا گیا کہ اجتماعی معاملات میں رخصت دینے کا اختیار امیر کے پاس ہے۔ چنانچہ امیر یا کمانڈر اپنے مشن کی ضرورت اور درپیش صورت حال کو دیکھتے ہوئے اگر مناسب سمجھے تو رخصت مانگنے والے کو اجازت دے دے اور اگر مناسب نہ سمجھے تو اجازت نہ دے۔ چنانچہ کوئی بھی ماتحت یا مامور شخص اجازت مانگنے کے بعد رخصت کو اپنا لازمی استحقاق نہ سمجھے۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَھُمُ اللّٰہَ ط﴾ ''اور ان کے لیے اللہ سے استغفار کیجیے۔''

اس لیے کہ وہ اجتماعی کام جس کے لیے حضور ﷺ اہل ایمان کی جماعت کو ساتھ لے کر نکلے ہیں' آپؐ کا ذاتی کام نہیں بلکہ دین کا کام ہے۔ اب اگر اس دین کے کام سے کوئی شخص رخصت طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے ذاتی کام کو دین کے کام پر ترجیح دی ہے اور ذاتی کام کے مقابلے میں دین کے کام کو کم اہم سمجھا ہے۔ بظاہر یہ ایک بہت سنجیدہ معاملہ اور نازک صورت حال ہے' اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۲﴾﴾ ''یقیناً اللہ بہت بخشنے والا' بہت رحم کرنے والا ہے۔''

یہاں یہ نکتہ نوٹ کیجیے کہ یہی مضمون سورۃ التوبہ میں بھی آیا ہے' لیکن وہاں اُس کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ اس فرق کو یوں سمجھئے کہ سورۃ النور ۶ ہجری میں نازل ہوئی تھی' جبکہ سورۃ التوبہ ۹ ہجری میں۔ اسلامی تحریک لمحہ بہ لمحہ اپنے ہدف کی طرف آگے بڑھ رہی تھی۔ حالات بتدریج تبدیل ہو رہے تھے اور حالات کے بدلنے سے تقاضے

بھی بدلتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہاں (٦ ہجری) فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ آپؐ سے باقاعدہ اجازت طلب کرتے ہیں وہ واقعی ایمان والے ہیں‘ جبکہ تین سال بعد سورۃ التوبہ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر فرمایا گیا کہ جو ایمان رکھتے ہیں وہ اجازت لیتے ہی نہیں۔ دراصل وہ ایمرجنسی کا موقع تھا اور اس موقع پر غزوۂ تبوک کے لیے نکلنا ہر مسلمان کے لیے لازم کر دیا گیا تھا۔ ایسے موقع پر کسی شخص کا رخصت طلب کرنا ہی اس بات کی علامت تھی کہ وہ شخص منافق ہے۔ چنانچہ وہاں (سورۃ التوبہ میں) رخصت دینے سے منع فرمایا گیا: ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ (آیت ۴۳) ”اللہ آپؐ کو معاف فرمائے (یا اللہ نے آپؐ کو معاف فرما دیا) آپؐ نے ایسے لوگوں کو کیوں اجازت دے دی؟“ اگر آپؐ اجازت نہ بھی دیتے تو یہ لوگ پھر بھی نہ جاتے لیکن اس سے ان کے نفاق کا پردہ تو چاک ہو جاتا! اس کے برعکس یہاں حضور ﷺ کو اختیار دیا جا رہا ہے کہ آپؐ جسے چاہیں رخصت دے دیں۔

اس مضمون کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھیں تو ایسے مواقع پر کسی اسلامی جماعت کے افراد کے درمیان ہمیں تین سطحوں پر درجہ بندی ہوتی نظر آتی ہے۔ پہلا درجہ ان ارکان کا ہے جو اپنے آپ کو دین کے کام کے لیے ہمہ تن وقف کر چکے ہیں۔ ان کے لیے دنیا کا کوئی کام اس کام سے زیادہ اہم اور ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے رخصت لینے کا کوئی موقع و محل ہے ہی نہیں۔ اس سے نچلا درجہ ان ارکان کا ہے جو ایسے مواقع پر کسی ذاتی مجبوری اور ضرورت کے تحت باقاعدہ اجازت لے کر رخصت لیتے ہیں‘ جبکہ اس سے نچلے درجے پر وہ لوگ ہیں جو اجازت کے بغیر ہی کھسک جاتے ہیں۔ گویا ان کا دین کے اس کام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس درجہ بندی میں اوپر والے زینے کے اعتبار سے اگرچہ درمیان والا زینہ کم تر درجے میں ہے لیکن نچلے زینے کے مقابلے میں بہرحال وہ بھی بہتر ہے۔

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ اسلامی جماعتوں کے اجتماعات کے موقع پر بعض رفقاء نہ تو اجتماع میں شامل ہوتے ہیں اور نہ ہی اپنے نظم سے رخصت لیتے ہیں۔ نہ وہ پہلے بتاتے ہیں نہ ہی بعد میں معذرت کرتے ہیں۔ گویا انہیں کوئی احساس ہی نہیں‘ نہ نظم کی پابندی کا اور نہ اپنی ذمہ داری کا۔ ان سے وہ رفقاء یقیناً بہتر ہیں جو اپنا عذر پیش کر کے اپنے امیر سے باقاعدہ رخصت لیتے ہیں۔ لیکن ان سب درجات میں سب سے اونچا درجہ بہرحال یہی ہے کہ دین کے کام کے مقابلے میں دنیا کے کسی کام کو ترجیح نہ دی جائے۔ اس درجے پر فائز لوگوں کے ذاتی کام اللہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کو پس پشت ڈال کر اللہ کے کام کے لیے نکلتے ہیں تو ان کے کاموں کو اللہ خود سنوارتا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ﴾ ”تم لوگ رسولؐ کے بلانے کو ایسے نہ سمجھ لو جیسے تمہارا آپس میں ایک دوسرے کو بلانا۔“

یعنی رسول اللہ ﷺ کا بلاوا غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کے بلانے پر تم نہ جاؤ تو کوئی بڑی بات نہیں‘ لیکن رسولؐ کے بلانے پر تم لبیک نہ کہو تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ۔ اب ایک بلانا یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو اس کے کسی دوست نے اپنے گھر کھانے کی دعوت دی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے بھی کسی کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کجا اور ایک عام آدمی کی دعوت کجا! — لیکن ایک بلانا اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے بلانا ہے کہ ایک طرف رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلا رہے ہیں کہ آؤ اللہ کی

راہ میں میرے ساتھ چلو اور دوسری طرف کوئی عام شخص کسی دوسرے شخص کو اپنی مدد کے لیے بلا رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے بلانے اور ایک عام آدمی کے بلانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

''دُعَآءَ الرَّسُوْلِ'' کا ایک مفہوم ''رسولؐ کو پکارنا'' بھی ہے۔ یعنی جیسے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہو' رسول اللہ ﷺ کو تم ایسے مخاطب نہیں کر سکتے۔ آپؐ کے ادب اور احترام کے بارے میں سورۃ الحجرات میں بہت واضح ہدایات دی گئی ہیں: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ آپؐ سے اونچی آواز میں بات کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو' کہیں تمہارے سارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چلے''۔ سورۃ الحجرات کے مطالعہ کے دوران اس بارے میں مزید تفصیل سے بات ہوگی۔

﴿قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا ۚ﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو ایک دوسرے کی اوٹ لے کر کھسک جاتے ہیں۔''

یہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن کی نیت میں پہلے سے ہی فتور ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کا معاملہ یوں ہوتا ہے کہ جب لوگ کسی مہم کے لیے نکلے تو یہ بھی نکل پڑے۔ پھر جب دیکھا کہ ان کا نام جانے والوں میں شامل ہو چکا ہے تو اس کے بعد آنکھ بچا کر چپکے سے ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے کھسک گئے۔ یا اس کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کسی اجتماع میں شریک ہوئے' وہاں اچانک کسی مہم کے لیے کچھ رضا کاروں کی ضرورت پڑ گئی تو اب اس سے پہلے کہ رضا کاروں کے نام پوچھنے کا مرحلہ آتا' یہ آنکھ بچا کر وہاں سے کھسک گئے۔

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝﴾ ''تو جو لوگ رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آزمائش آ جائے یا ان کو کوئی دردناک عذاب آ پکڑے۔''

آیت ۶۴ ﴿اَلَآ اِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے تم جس حال پر ہو۔''

اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم ایمان و یقین کے حوالے سے کس مقام پر کھڑے ہو۔ وہ تمہارے ایمان کی کیفیت' نیت کے اخلاص اور عمل کی تڑپ کو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔

﴿وَیَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْہِ فَیُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ﴾ ''اور جس دن یہ لوگ لوٹائے جائیں گے اُس کی طرف تو وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ بھی عمل انہوں نے کیے ہوں گے۔''

﴿وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝﴾ ''اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعني واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

بیانُ القرآن

سُورَةُ الفُرقَان

(۲۵)

سُورۃ الفُرقَان

تمہیدی کلمات

سورۃ النور کے اختتام کے ساتھ ہی مکی مدنی سورتوں کا تیسرا گروپ ختم ہوا۔ یہ گروپ چودہ مکی (سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک) اور ایک مدنی سورت (سورۃ النور) پر مشتمل تھا۔ اب سورۃ الفرقان سے مکی مدنی سورتوں کا چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں سورۃ الفرقان تا سورۃ السجدۃ آٹھ مکی سورتیں ہیں' جبکہ آخر میں ایک مدنی سورت (سورۃ الاحزاب) ہے۔ گویا ان دونوں گروپس کی ترتیب میں یہ خوبصورت مشابہت پائی جاتی ہے کہ ان دونوں کے آخر میں ایک ایک مدنی سورت ہے یعنی سورۃ النُّور اور سورۃ الاحزاب۔ معنوی اعتبار سے ان دونوں مدنی سورتوں کا آپس میں جوڑے کا تعلق بھی ہے۔

سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والا یہ گروپ مکی مدنی سورتوں کی تقسیم کے حوالے سے چوتھا' جبکہ صرف مکی سورتوں کے اعتبار سے تیسرا گروپ ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ پہلے گروپ میں صرف سورۃ الفاتحہ مکی سورت ہے' جو اصولی طور پر مکی اور مدنی تقسیم سے بالا ہے۔ اس طرح مکی سورتوں کا پہلا گروپ گویا سورۃ الانعام سے شروع ہوتا ہے اور اس گروپ میں صرف دو مکی سورتیں ہیں' یعنی سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف۔ دوسرا گروپ سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک چودہ مکی سورتوں پر مشتمل ہے' جبکہ سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والے اس تیسرے گروپ میں سورۃ السجدۃ تک آٹھ مکی سورتیں ہیں۔ ان میں سے پہلی سورت یعنی سورۃ الفرقان کے علاوہ باقی سب کا آغاز حروفِ مقطّعات سے ہوتا ہے۔ سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص کا آغاز طٰسٓمٓ سے ہوتا ہے' جبکہ ان کے درمیان میں سورۃ النمل ہے جو طٰسٓ سے شروع ہوتی ہے۔ باقی چاروں سورتیں (سورۃ العنکبوت' سورۃ الروم' سورۂ لقمان اور سورۃ السجدۃ) الٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والی مکی سورتیں اگرچہ مختلف گروپس میں تقسیم ہیں' لیکن ان سب کا مرکزی مضمون توحید ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

آیات ۱ تا ۹

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَلَا یَمۡلِکُوۡنَ

لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا وَّلَا يَمۡلِكُوۡنَ مَوۡتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوۡرًا ۝۳ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ
هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكُ اِۨفۡتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيۡهِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۛۚ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّزُوۡرًا ۝۴ وَقَالُوۡۤا
اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ اكۡتَتَبَهَا فَهِىَ تُمۡلٰى عَلَيۡهِ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۝۵ قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ يَعۡلَمُ السِّرَّ
فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝۶ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ
الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۝۷ اَوۡ يُلۡقٰٓى اِلَيۡهِ
كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ۝۸ اُنۡظُرۡ
كَيۡفَ ضَرَبُوۡا لَكَ الۡاَمۡثَالَ فَضَلُّوۡا فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَبِيۡلًا ۝۹ ع ۱۶

آیت ۱ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ﴾ ”بڑی بابرکت ہے وہ ہستی جس نے الفرقان نازل فرمایا اپنے بندے پر“

یہ تیسری سورت ہے جس کے مطلع (پہلی آیت) میں محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا ذکر ”عبد“ کی نسبت سے آیا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی دو سورتیں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ ......﴾۔ اس کے بعد سورۃ الکہف کا آغاز اس طرح ہوا: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ ......﴾۔

”الفرقان“ سے مراد حق و باطل میں امتیاز کر دینے والی کتاب یعنی قرآن حکیم ہے۔

﴿لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۝۱﴾ ”تاکہ وہ ہو تمام جہان والوں کے لیے خبردار کرنے والا۔“

یعنی اس قرآن کے ذریعے سے حضور ﷺ کی رسالت تا قیامِ قیامت جاری و ساری رہے گی۔ جس تک یہ قرآن پہنچ گیا، اس تک گویا آپؐ کا انذار پہنچ گیا۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَاُوۡحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ ؕ﴾ ”اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کر دوں تمہیں اس کے ذریعے سے اور اُس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے“۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد قرآن کے پیغام کو پھیلانا اور اس کے ذریعے سے انذار کے سلسلے کو تا قیامِ قیامت جاری و ساری رکھنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔

آیت ۲ ﴿اۨلَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ”وہ ہستی جس کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی“

﴿وَلَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِى الۡمُلۡكِ﴾ ”اور جس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا، اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے حکومت (کے اختیارات) میں“

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا ۝۲﴾ ”اور اُسی نے ہر شے کو پیدا کیا اور پھر اس کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا۔“

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے بہت مشابہ ہے۔

آیت ۳ ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ﴾ ’’اور انہوں نے اُس کے سوا ایسے معبود بنا لیے ہیں جو کچھ بھی تخلیق نہیں کرتے‘ بلکہ وہ خود مخلوق ہیں‘‘

﴿وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③﴾

’’اور وہ اختیار نہیں رکھتے خود اپنے بارے میں بھی کسی نقصان یا نفع کا‘ اور نہ ہی انہیں اختیار ہے موت کا‘ نہ زندگی کا اور نہ جی اٹھنے کا۔‘‘

آیت ۴ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ﴾ ’’اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بس ایک من گھڑت چیز ہے‘ جس کو اس شخص نے خود گھڑ لیا ہے اور اس کی مدد کی ہے اس پر کچھ اور لوگوں نے۔‘‘

قرآن مجید میں فراہم کردہ معلومات اور تفصیلات کو دیکھتے ہوئے مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ کوئی بھی اکیلا آدمی ایسا کلام مرتب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ حضورﷺ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ آپؐ کے پیچھے کچھ اور لوگ بھی ہیں جو خفیہ طور پر اس کتاب کی تصنیف میں آپؐ کی مدد کر رہے ہیں۔ گویا آپؐ نے اس کام کے لیے ایک ادارۂ تحریر تشکیل دے رکھا ہے۔

﴿فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④﴾ ’’یہ لوگ ظلم اور جھوٹ پر کمر بستہ ہو گئے ہیں۔‘‘

یعنی ایسی باتیں کر کے یہ لوگ یقینی طور پر افترا اور ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

آیت ۵ ﴿وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا﴾ ’’اور کہتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کے قصے ہیں جو اس نے کسی سے لکھوا لیے ہیں‘‘

كَتَبَ یَكْتُبُ: لکھنا۔ اس سے اِكْتَتَبَ باب افتعال ہے‘ یعنی کسی سے لکھوا لینا۔

﴿فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ⑤﴾ ’’پھر یہ املا کرائی جاتی ہیں اس کو صبح و شام۔‘‘

ان کے پیچھے خفیہ طور پر جو لوگ یہ قصے کہانیاں گھڑ رہے ہیں وہ صبح شام ان سے ملتے ہیں اور اپنی گھڑی ہوئی باتیں انہیں لکھوا دیتے ہیں۔ پھر وہی باتیں یہ ہمیں سنا کر دھونس جماتے ہیں کہ مجھ پر وحی آئی ہے۔

آیت ۶ ﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ’’آپؐ کہہ دیجیے کہ اس کو اُس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی ہوئی چیز کو جانتا ہے۔‘‘

﴿اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ⑥﴾ ’’یقیناً وہ بہت بخشنے والا‘ بہت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۷ ﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے!‘‘

کہ ایک ایسا شخص اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے جس کو کھانے کی حاجت بھی ہو اور وہ عام انسانوں کی

طرح بازاروں میں خرید وفروخت بھی کرتا پھرتا ہو۔

﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ⑦﴾ ''کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ کہ وہ اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا ہوتا؟''

ہاں اگر یہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے پرواز کرتے ہوئے نازل ہوتا' ان کے رسول ہونے کی گواہی دیتا اور پھر یہ جدھر بھی جاتے' وہ فرشتہ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے ہٹو بچو کا نعرہ لگاتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتا اور نہ ماننے والوں کو دھمکاتا!

آیت ۸ ﴿اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ﴾ ''یا اُتارا جاتا اس پر کوئی خزانہ یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا' جس میں سے یہ کھاتا پیتا۔''

اور کچھ نہیں تو ان کے لیے زر و جواہر کا کوئی خزانہ ہی اتار دیا جاتا' یا پھر معجزانہ طور پر اس ''وادیٔ غیر ذی زرع'' میں پھلوں سے لدا ہوا ایک باغ ہی ان کے لیے وجود میں آجاتا اور یہ اس باغ کے پھل کھاتے ہوئے ہمیں نظر آتے۔ اس باغ سے یہ بافراغت روزی حاصل کرتے۔ یہ مشرکینِ مکہ کا وہی اعتراض ہے جس کا ذکر اس سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی آچکا ہے۔

﴿وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ⑧﴾ ''اور ان ظالموں نے تو یہ تک کہا کہ تم لوگ صرف ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔''

کہ یہ جو کہتے ہیں کہ مجھ پر فرشتہ نازل ہوتا ہے ان کے اس دعوے میں کوئی سچائی نہیں۔ یہ سب جادو اور آسیب کا اثر ہے۔

آیت ۹ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ⑨﴾ ''دیکھئے! یہ آپؐ کے لیے کیسی کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں' تو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں' اب یہ سیدھے رستے پر نہیں آسکتے۔''

یہ لوگ ایک ضد پر اَڑ گئے ہیں' لہٰذا اب ان کے راہِ راست پر آنے کا کوئی امکان نہیں۔ ان الفاظ کو پڑھتے ہوئے یہ بھی معلوم رہنا چاہیے کہ یہ سورت مکی دور کے درمیانی چار سالوں میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ مکی سورتوں کی ترتیب نزولی اور ترتیب مصحف کے بارے میں پہلے بھی بتایا جاچکا ہے کہ مکی دور کے ابتدائی چار سال کے دوران میں نازل ہونے والی سورتیں مصحف کی ترتیب میں ساتویں یعنی آخری منزل میں شامل کی گئی ہیں۔ (آخری منزل میں کچھ مدنی سورتیں بھی شامل ہیں اور اس اعتبار سے اس منزل کی مکی مدنی سورتوں کو دو گروپس میں تقسیم کیا گیا ہے۔) آخری چار سال میں نازل شدہ سورتوں کو مصحف کے پہلے حصے میں رکھا گیا ہے۔ ان میں سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف' اور سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک کل سولہ سورتیں شامل ہیں۔ البتہ زیر مطالعہ سورت یعنی سورۃ الفرقان سے شروع ہونے والے گروپ اور اس کے بعد والے گروپ کی سورتیں مکی دور کے درمیانی چار سالوں میں نازل ہوئی ہیں اور مصحف کے اندر بھی انہیں درمیان میں رکھا گیا ہے۔

آیات ۱۰ تا ۲۰

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ
لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَاَتْهُمْ
مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا
هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ
الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ
كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔــوْلًا ۝۱۶ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ
اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝۱۷ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ
مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۸
فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ
عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۱۹ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي
الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝۲۰ ع ۱۱ / ۱۷

آیت ۱۰ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ﴾ ”بڑی ہی بابرکت ہے وہ ہستی جو اگر چاہے تو آپؐ کے لیے ان سے کہیں بہتر چیزیں بنا دے“

یہ لوگ تو آپؐ پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی طرف سے بڑی دُور کی کوڑی لاتے ہیں اور اپنے فہم و شعور کے مطابق مختلف چیزوں کے نام گنواتے ہیں کہ آپؐ کو فلاں آسائش میسر ہونی چاہیے اور فلاں چیز آپؐ کے تصرف میں ہونی چاہیے۔ ان بے چاروں کو ہماری قدرت کا اندازہ ہی نہیں۔ ہم اگر چاہیں تو ان کی تجویز کردہ چیزوں سے کہیں بہتر ایسی چیزیں آپؐ کے لیے پیدا کر دیں جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوں۔

﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰﴾ ”ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور آپؐ کے لیے محلات تعمیر کر دے۔“

یہ لوگ تو ایک باغ کی بات کر رہے ہیں۔ ہم آپؐ کے لیے باغات کے ان گنت سلسلے اور بے شمار محلات بنا سکتے ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱﴾ ”اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلا دیا ہے‘ اور جو قیامت کو جھٹلاتا ہے اُس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔“

آیت ۱۲ ﴿اِذَا رَاَتۡهُمۡ مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِيۡدٍ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيۡرًا ﴿۱۲﴾﴾ ''وہ جب دور سے ان کو دیکھے گی تو وہ سنیں گے اس کے جوش اور اس کی پھنکار کو۔''

جہنم جب دور سے ہی ایسے مجرموں کی صورت میں اپنے شکار کو آتے دیکھے گی تو غضبناک ہو کر جوش مارے گی اور اس کے دھاڑنے اور پھنکارنے کی خوفناک آوازوں کو مجرم لوگ بہت دور سے سن سکیں گے۔

آیت ۱۳ ﴿وَاِذَاۤ اُلۡقُوۡا مِنۡهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيۡنَ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ﴿۱۳﴾﴾ ''اور جب وہ پھینک دیے جائیں گے اس کی ایک تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے' تو اُس وقت وہ موت کو پکاریں گے۔''

اس وقت وہ دعا کریں گے کہ انہیں موت آ جائے۔ شعوری زندگی کا قصہ تمام ہو اور انہیں نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔

آیت ۱۴ ﴿لَا تَدۡعُوا الۡيَوۡمَ ثُبُوۡرًا وَّاحِدًا وَّادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۴﴾﴾ ''(تب ان سے کہا جائے گا کہ) آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو!''

اب تم موت کو پکارتے رہو' اس کے لیے مسلسل دعائیں مانگتے رہو' مگر تمہاری ان دعاؤں سے تمہیں موت آنے کی نہیں۔ اب تو تمہیں مسلسل زندہ رہنا اور عذاب کی تکلیف کو جھیلنا ہوگا۔ اس عذاب کی شدت میں نہ تو کوئی تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی موت آ کر تمہیں اس سے چھٹکارا دلائے گی۔

آیت ۱۵ ﴿قُلۡ اَذٰلِكَ خَيۡرٌ اَمۡ جَنَّةُ الۡخُلۡدِ الَّتِىۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ﴾ ''آپؐ کہیے کہ کیا یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے کی وہ جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقی بندوں سے؟''

﴿كَانَتۡ لَهُمۡ جَزَآءً وَّمَصِيۡرًا ﴿۱۵﴾﴾ ''ان کے لیے وہ ہوگی بدلہ اور ان کے لوٹنے کی جگہ۔''

وہ ان کے اعمال کا بدلہ اور ان کے سفر کی آخری منزل ہوگی۔

آیت ۱۶ ﴿لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ خٰلِدِيۡنَ ؕ﴾ ''ان کے لیے اس میں ہر وہ شے ہوگی جو وہ چاہیں گے' وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ﴿۱۶﴾﴾ ''یہ آپ کے رب کے ذمہ ایک واجب الادا وعدہ ہے۔''

اس وعدہ کے ایفا کی آپ کے رب پر حتمی ذمہ داری ہے۔ اس کے حوالے سے سورۂ آل عمران کی یہ دعا بھی ذہن میں تازہ کر لیجیے: ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے اپنے رسولوںؑ کے ذریعے ہم سے جو وعدے کیے ہیں وہ پورے فرما اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا' بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا''۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے ان وعدوں کو پورا فرمائے گا اور یہ اس کی بے پایاں رحمت کا اظہار ہے کہ وہ ان وعدوں کو اپنی ذمہ داری قرار دیتا ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ﴾ ''اور جس دن وہ اِن کو اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سب کو جمع کرے گا''

جن جن ہستیوں کے ناموں پر مشرکین نے بُت بنا رکھے تھے یا جن کو وہ براہِ راست اللہ کا شریک ٹھہراتے

تھے' چاہے وہ فرشتے ہوں' اولیاء اللہ ہوں یا انبیاء ہوں' اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا:

﴿ فَيَقُولُ ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝١٧ ﴾ ''اور فرمائے گا: کیا میرے ان بندوں کو تم نے گمراہ کیا تھا؟ یا وہ خود ہی راستے سے بھٹک گئے تھے؟''

آیت ۱۸ ﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''وہ کہیں گے: تو پاک ہے' ہمارے لیے تو یہ روا ہی نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو اپنا ولی بناتے''

اللہ اور اہل ایمان کے درمیان ولایت باہمی کا مضبوط رشتہ قائم ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اہل ایمان اللہ کے ولی ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۷ میں اس رشتے کا ذکر یوں فرمایا گیا: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ''اللہ ولی ہے مؤمنین کا' وہ انہیں اندھیروں سے نکالتا ہے نور کی طرف''۔ سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦٢ ﴾ ''آگاہ رہو! یقیناً جو اللہ کے ولی ہیں نہ انہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔ چنانچہ اگر وہ سچے معبود ہوتے تو ضرور اپنے بندوں کے ساتھ ولایت کا رشتہ قائم کیے ہوتے' لیکن وہ تو پوچھنے پر صاف انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا ولی تو اللہ ہے' ہم اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ ولایت کا رشتہ کیسے استوار کر سکتے تھے!

﴿ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ ﴾ ''لیکن (اے پروردگار!) تُو نے انہیں اور ان کے آباء و اَجداد کو دنیا کا ساز و سامان دیا''

ان کو دنیا میں مال و دولت اور حیثیت و وجاہت سے بہرہ مند کیا اور پشت در پشت خوشحالی اور فارغ البالی عطا کیے رکھی۔

﴿ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝١٨ ﴾ ''یہاں تک کہ وہ یاد دہانی کو بھول گئے۔ اور یہ تباہ ہونے والے لوگ تھے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو مخاطب کر کے فرمائیں گے:

آیت ۱۹ ﴿ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ ﴾ ''تو انہوں نے جھٹلا دیا تمہاری ان باتوں کو''

کہ جن ہستیوں کو تم لوگ اپنے معبود اور ولی مانتے تھے انہوں نے تو تمہارے دعووں کو رد کر دیا۔

﴿ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ ﴾ ''تو اب نہ تمہارے بس میں ہے (عذاب کو) لوٹانا اور نہ ہی کوئی مدد۔''

﴿ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝١٩ ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے ظلم کا مرتکب ہوا ہے ہم اسے چکھائیں اب بہت بڑا عذاب۔''

آیت ۲۰ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ ﴾ ''اور آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے

پھرتے بھی تھے۔''

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ ''اور ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے۔''

﴿اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾﴾ ''(اے مسلمانو!) کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اس مصلحت کو سمجھ لینے کے بعد اب تمہارے لیے صبر واستقامت کی روش ناگزیر ہے۔

آیات ۲۱ تا ۳۴

الجزء التاسع عشر (۱۹)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ
وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ
الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾
وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾ يٰوَيْلَتٰى
لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ
وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ
ع ۱۴ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

آیت ۲۱ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ ''اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں کہ کیوں نہیں اتارے جاتے ہم پر فرشتے؟''

﴿اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ﴾ ''یا ہم خود اپنے ربّ کو دیکھیں!''

اللہ کے حضور حاضری پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی طبیعتوں میں سرکشی اور لاپرواہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایمان کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے جواب میں وہ طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر اللہ نے ہمیں کوئی پیغام بھیجنا ہی تھا تو اپنے فرشتوں کے ذریعے بھجواتا یا وہ خود ہمارے سامنے آجاتا اور ہم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیتے۔ یا یہ کہ اللہ کی طرف سے ہمیں کوئی ایسا معجزہ دکھایا جاتا جس سے ہم پر واضح ہو جاتا

کہ محمد (ﷺ) واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں۔ ان کے ایسے مطالبات کا ذکر مکی سورتوں میں بار بار کیا گیا ہے۔

﴿لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝۲۱﴾ ''انہوں نے اپنے آپ میں بہت زیادہ تکبر کیا ہے اور وہ بہت بڑی سرکشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

ان کے یہ مطالبات ان کے استکبار کا ثبوت اور ان کی سرکشی کی دلیل ہیں۔ گویا وہ خود کو اس لائق سمجھتے ہیں کہ ان پر فرشتوں کا نزول ہو اور اللہ خود اُن کے روبرو ان سے ہم کلام ہو۔

آیت ۲۲ ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اُس دن مجرموں کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہوگی''

جس دن انہیں فرشتے نظر آئیں گے وہ دراصل قیامت کا دن ہوگا۔ اُس دن اللہ تعالیٰ بھی نزول فرمائے گا اور غیب کے سارے پردے بھی اٹھا دیے جائیں گے۔ وہ دن مجرموں کے لیے کڑے احتساب کا دن ہوگا۔ تب ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا اور انہیں کہیں سے بھی کوئی اچھی خبر نہیں مل پائے گی۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۲۲﴾ ''اور وہ کہیں گے کہ کوئی روک حائل ہو جائے۔''

اس وقت وہ دہائی دے رہے ہوں گے کہ کسی طرح سے انہیں بچایا جائے اور قیامت کے عذاب کو ان پر مسلط ہونے سے روکا جائے۔ کاش! ان کے اور اس عذاب کے مابین کوئی رکاوٹ حائل ہو جائے!

آیت ۲۳ ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝۲۳﴾ ''اور ہم آگے بڑھیں گے ان کے ہر عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا اور کر دیں گے اسے اڑتا ہوا غبار۔''

یہ بہت عبرتناک منظر کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جن کی بنیاد ایمانِ حقیقی پر نہیں رکھی گئی تھی۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی فضول اور قابل حقارت چیز کی سی ہوگی جسے کوئی دیکھتے ہی فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر ہوا میں اچھال دے۔ یہ ان دنیا پرست اور ریاکار لوگوں کے انجام کا نقشہ ہے جو ظاہر کی نیکیوں کے انبار لے کر میدانِ محشر میں آئیں گے۔ دنیا میں انہوں نے خیراتیں بانٹی تھیں، یتیم خانے کھولے تھے، ہسپتال بنائے تھے، مسجدیں تعمیر کرائی تھیں، مدارس کی سرپرستی کی تھی، حج وعمرے کیے تھے، مگر ان اعمال کو سرانجام دیتے ہوئے اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر وثواب کو کہیں بھی مدّ ِنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں عزت وشہرت حاصل کرنے کا جذبہ نیکی کا محرک بنا تھا تو کہیں پارسائی وپرہیزگاری کا سکّہ جمانے کی خواہش نے عبادات کا معمول اپنایا تھا۔ کبھی الیکشن جیتنے کی منصوبہ بندی نے خدمتِ خلق کا لبادہ اوڑھا تھا تو کبھی کاروباری ساکھ کو بہتر بنانے کے لالچ نے متقیانہ روپ دھارا تھا۔ غرض ہر نیکی کے پیچھے کوئی نہ کوئی دُنیوی مفاد کارفرما تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو علیمٌ بذاتِ الصّدور ہے، اس کے نزدیک ایسی کسی نیکی کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں۔ چنانچہ ایسے بدقسمت لوگوں کی نیکیوں کے انبار اور اعمالِ صالحہ کے پہاڑ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں گرد وغبار کے ذرّات کی طرح تحلیل کر دیا جائے گا۔

یہ مضمون یہاں تیسری بار آیا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں ایک تمثیل کے ذریعے ایسے اعمال کی بے بضاعتی کو اس

طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادِ ۣاشۡتَدَّتۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِیۡ يَوۡمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا عَلٰى شَیۡءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِيۡدُ﴿۱۸﴾﴾ ''مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (ایسی ہے) کہ ان کے اعمال ہوں راکھ کی مانند' جس پر زور دار ہوا چلے آندھی کے دن۔ انہیں کچھ قدرت نہیں ہوگی ان (اعمال) میں سے کسی پر بھی جو انہوں نے کمائے ہوں گے۔ یہی تو ہے دور کی گمراہی''۔ پھر سورۃ النُّور میں بغیر ایمان کی نیکیوں کی حقیقت ایک دوسری تمثیل میں یوں واضح کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۭ بِقِيۡعَةٍ يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡـئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰٮهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے سراب کسی چٹیل میدان میں' پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے' یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آیا تو اس نے اسے کچھ نہ پایا' البتہ اس نے اس کے پاس اللہ کو پایا' تو اُس نے پورا پورا چکا دیا اسے اس کا حساب۔ اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ يَوۡمَئِذٍ خَيۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا ﴿۲۴﴾﴾ ''جنت والے اُس روز بہت اچھے ٹھکانوں میں ہوں گے اور ان کے قیلولہ کرنے کی جگہ بھی بہت ہی اچھی ہوگی۔''

آیت ۲۵ ﴿وَيَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ وَنُزِّلَ الۡمَلٰٓئِكَةُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۲۵﴾﴾ ''اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل کیے جائیں گے فوج در فوج۔''

آیت ۲۶ ﴿اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ﴾ ''اُس دن حقیقی بادشاہی صرف رحمٰن کی ہوگی۔''

بادشاہی اور حکمرانی تو آج بھی اللہ ہی کی ہے' لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے حقیقت کو مختلف پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ آج بظاہر کئی صاحبانِ اختیار واقتدار نظر آتے ہیں' لیکن اُس دن ہر طرح کا اختیار صرف اس بادشاہِ حقیقی کے پاس ہی ہوگا۔

﴿وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ﴿۲۶﴾﴾ ''اور وہ دن کافروں پر بہت کٹھن ہوگا۔''

آیت ۲۷ ﴿وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ﴾ ''اور جس دن ظالم (حسرت سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا''

عَضَّ یَعُضُّ کے معنی دانتوں سے پکڑنا یا کاٹنا کے ہیں۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ کے ضمن میں جو حدیث بیان ہوئی ہے اس میں مُلْكًا عَاضًّا کا لفظ اسی مادے سے مشتق ہے' یعنی کاٹ کھانے والی ملوکیت۔ اس دن ہر گنہگار اور مجرم شخص حسرت ویاس کی تصویر بنا جھنجلاہٹ اور پچھتاوے میں اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا۔

﴿يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ﴿۲۷﴾﴾ ''کہے گا: کاش! میں نے رسولؐ کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا!''

حسرت سے کہے گا کہ کاش میں نے رسولؐ کا ساتھ دیا ہوتا' ان کا اتباع کیا ہوتا۔ ان کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا ہوتا!

آیت ۲۸ ﴿يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ﴿۲۸﴾﴾ ''ہائے میری شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا!''

کہ میری زندگی میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا تھا کہ میرے دل پر رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی سچائی منکشف ہونا شروع ہو گئی تھی، لیکن میرے فلاں دوست نے مجھے ورغلا کر پھر اس رستے سے بھٹکا دیا۔ کاش میں نے ایسے شخص کی دوستی اختیار نہ کی ہوتی!

آیت ۲۹ ﴿لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ﴾ ''اُس نے مجھے گمراہ کر کے 'ذکر' سے برگشتہ کر دیا اس کے بعد جبکہ وہ میرے پاس پہنچ گیا تھا۔''

ذکر کے پہنچ جانے سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے پوری بات سنا دی تھی اور دوسرے یہ کہ میری زندگی کے فلاں لمحے میں پیغامِ حق میرے دل کے تاروں کو چھیڑنے لگا تھا اور اس کی حقانیت میرے دل کی گہرائیوں میں اترنے لگی تھی۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿وَقُلْ لَّهُمْ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِیْغًا ﴿۶۳﴾﴾ کہ اے نبی ﷺ! ان سے ایسی بات کہیے جو ان کی روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ چنانچہ مذکورہ شخص اپنی ایسی ہی کیفیت کا اعتراف کرے گا کہ اس نصیحت، یاد دہانی اور ہدایت کا ابلاغ میرے دل تک ہو چکا تھا، لیکن افسوس کہ میرے ساتھی نے مجھے پھر سے گمراہ کر دیا۔

﴿وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾﴾ ''اور شیطان تو انسان کو آخر دغا دینے والا ہے۔''

شیطان انسان کے ساتھ بڑا ہی بے وفائی کرنے والا اور آخر کار اسے اکیلا چھوڑ جانے والا ہے۔

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾﴾ ''اور رسولؐ نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔''

تاویلِ خاص کے مطابق حضور ﷺ کی یہ شکایت قریشِ مکّہ کے بارے میں ہے کہ اے میرے پروردگار! میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچانے اور انہیں قرآن سنانے کی ہر امکانی کوشش کی ہے، لیکن یہ لوگ کسی طرح اسے سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں، جبکہ اس آیت کی تاویلِ عام یہ ہے کہ حضور ﷺ کی یہ شکایت قیامت کے دن اپنی امت کے ان افراد کے خلاف ہو گی جو اس ''مہجوری'' کے مصداق ہیں، کہ ان لوگوں نے قرآن کو لائقِ التفات ہی نہ سمجھا۔ علامہ اقبال کے اس مصرعے میں اسی آیت کی تلمیح پائی جاتی ہے: ع ''خوار از مہجوریِ قرآں شدی'' کہ اے مسلمان آج تو اگر ذلیل و خوار ہے تو اس کا سبب یہی ہے کہ تو نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بہت اہم اور قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ قریشِ مکّہ نے تو اپنی خاص ضد اور ڈھٹائی میں قرآن کو اس موقف کے تحت ترک کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے ہی نہیں اور محمد (ﷺ) نے خود اپنی طرف سے اسے گھڑ لیا ہے۔ لیکن آج اگر کوئی شخص کہے کہ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے اللہ کا کلام مانتا ہوں، مگر عملی طور پر اس کا رویہ ایسا ہو کہ وہ قرآن کو لائقِ اعتناء نہ سمجھے، نہ اسے پڑھنا سیکھے، نہ کبھی اس کے پیغام کو جاننے کی کوشش کرے تو گویا اس کے حال یا عمل نے اس کے ایمان کے دعوے کی تکذیب کر دی۔ چنانچہ اس آیت کے حاشیے (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ''آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اُس

پر عمل نہ کرنا' اُس کی تلاوت نہ کرنا' اس کی تصحیح قراءت کی طرف توجہ نہ کرنا' اُس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا' یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔''

مقامِ غور ہے کہ آج اگر ہم اپنی دنیا سنوارنے کے لیے انگریزی زبان میں تو مہارت حاصل کر لیں لیکن قرآن کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کی ضرورت تک محسوس نہ کریں' تو قرآن پر ہمارے ایمان کے دعوے اور اس کو اللہ کا کلام ماننے کی عملی حیثیت کیا رہ جائے گی؟ چنانچہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن کے حقوق کے بارے میں آگاہی حاصل کرے' اس سلسلے میں عملی تقاضوں کو سمجھے اور ان تقاضوں پر عمل کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتا رہے۔ اس موضوع پر میرا ایک نہایت جامع کتابچہ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' دستیاب ہے۔ اس کا انگلش' عربی' فارسی اور ملایا زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ قرآن کے حقوق کا ادراک حاصل کرنے کے لیے اس کتابچے کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید ثابت ہوگا۔

آیت ۳۱ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنا دیے مجرموں میں سے۔''

یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۲ میں بھی آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی آزمائش کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی مخالفت کی بھٹی خوب گرم ہو' ان کے خلاف کشمکش اور تصادم کا ماحول بنے اور باطل کے مقابلے میں انہیں عملی طور پر میدانِ کارزار میں اترنا پڑے تاکہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو اور ایمان کے سچے دعویدار نکھر کر سامنے آ جائیں۔ ورنہ اگر ٹھنڈی سڑک پر چہل قدمی کرتے ہوئے جنت تک پہنچنا ہو تو کوئی بھی اس سعادت میں پیچھے نہیں رہے گا۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے:

((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ))(۱)

یعنی جہنم کو انسان کے مرغوباتِ نفس سے ڈھانپ دیا گیا ہے' جبکہ جنت کو ایسی چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے جو انسان کو ناپسند اور ناگوار ہیں۔

حق کے راستے پر چلتے ہوئے انسان کو طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں' مصائب جھیلنے پڑتے ہیں اور کٹھن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرۃ' آیت ۱۵۵ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ''اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی قدر خوف سے' بھوک سے اور جان و مال اور فصلوں کے نقصان سے''۔ مصیبتوں اور آزمائشوں کی اس چھلنی کے ذریعے اللہ اپنے ان بندوں کو چھانٹ کر الگ کر لیتا ہے جو جنت کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں اور پھر ان لوگوں سے جنت کا سودا کرتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (التوبۃ: ۱۱۱) ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب حجبت النار بالشھوات۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ

﴿وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا﴾ ''اور کافی ہے آپؐ کا رب ہدایت دینے والا اور مدد دینے والا۔''
جو شخص ہدایت کا طلب گار ہو اسے اللہ ہدایت بھی دیتا ہے اور پھر اس رستے پر چلانے کے لیے اس کی مدد بھی کرتا ہے۔

آیت ۳۲ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً﴾ ''اور ان کافروں نے یہ بھی کہا کہ اِس پر یہ قرآن پورے کا پورا ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتار دیا گیا؟''

قریشِ مکہ کا قرآن پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر واقعی یہ اللہ کا کلام ہے تو پھر اکٹھا ایک ساتھ ہی نازل کیوں نہیں ہو جاتا؟ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پوری کی پوری تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ایک ہی دفعہ دے دی گئی تھی۔ قرآن کو تھوڑا تھوڑا پیش کرنے سے مشرکین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک شاعر کا گمان ہوتا تھا' کیونکہ شاعر لوگ بھی ایک دم سے اپنا پورا کلام پیش نہیں کر سکتے۔ وہ ایک ایک دو دو غزلیں یا نظمیں لکھتے رہتے ہیں اور مدت کے بعد جا کر کہیں ان کے دیوان مکمل ہوتے ہیں۔

﴿كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ﴾ ''اس طرح (اس لیے نازل کیا گیا ہے) تا کہ اس کے ذریعے سے ہم آپؐ کا دل مضبوط کریں''

اس کو ہم اچھی طرح آپؐ کے ذہن نشین کرتے رہیں اور اس پر آپؐ کا دل پوری طرح ٹھک جائے۔

﴿وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ ''اور (اسی لیے) ہم نے اسے تدریج و اہتمام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔''

قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو ہر موقع محل کے مطابق بروقت راہنمائی ملتی رہے۔ اس کے علاوہ اس میں اہلِ ایمان کے لیے تسلی اور تسکین کا پہلو بھی تھا کہ اللہ ہمارے حالات کو دیکھ رہا ہے۔ مشکل حالات میں سابقہ قوموں کے حالات پڑھ کر ان کے دلوں کو سہارا ملتا تھا کہ جس طرح اللہ نے حضرت نوح' حضرت ہود اور حضرت صالح (علیہم السلام) کے ساتھیوں کی مدد کی تھی اور ان کے دشمنوں کو ملیامیٹ کر دیا تھا اسی طرح وہ ہمیں بھی کامیاب کرے گا۔

آیت ۳۳ ﴿وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ ''اور یہ لوگ آپؐ کے پاس کوئی بھی اعتراض نہیں لائیں گے مگر یہ کہ ہم (اس کے جواب میں) آپؐ کے پاس حق اور اس کی بہترین وضاحت لے آئیں گے۔''

قرآن حکیم کو جزءًا جزءًا نازل کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ جب کبھی بھی مخالفین اور معترضین کی طرف سے کوئی اعتراض یا سوال اٹھایا جاتا ہے تو وحی کے ذریعے اس کا مبنی برحق اور مفصل جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا جاتا ہے۔

آیت ۳۴ ﴿اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾
''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جمع کیا جائے گا جہنم کی طرف ان کے مونہوں کے بل' وہ بہت ہی بُرے مقام پر ہوں گے اور بہت بھٹکے ہوئے ہوں گے سیدھے راستے سے۔''

آیات ۳۵ تا ۴۴

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ
وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ
الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ
اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ
نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ
لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ
مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ
تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع

آیت ۳۵ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا کی تھی اور اس کے ساتھ ہم نے اُس کے بھائی ہارونؑ کو وزیر بنا دیا تھا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد اور معاونت کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے مددگار کے طور پر رسالت کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی۔ وزیر ''وزر'' (بوجھ) سے ہے یعنی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے میں معین و مددگار۔

آیت ۳۶ ﴿فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾﴾ ''تو ہم نے حکم دیا کہ آپؑ دونوں جاؤ اُس قوم کی طرف جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔''

یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا اور ان لوگوں کے مسلسل انکار کے باعث بالآخر انہیں سمندر میں غرق کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

آیت ۳۷ ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ﴾ ''اور قومِ نوحؑ کو بھی ہم نے غرق کر دیا' جب انہوں نے رسولوںؑ کی تکذیب کی اور انہیں ہم نے نوعِ انسانی کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔''

﴿وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾﴾ ''اور ہم نے ظالموں کے لیے ایک دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔''

یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والی ان قوموں کو عذابِ استیصال کی صورت میں نقد سزا تو دنیا ہی میں مل گئی تھی مگر اصل عذاب ابھی ان کا منتظر ہے۔ یہ عذاب انہیں آخرت میں ملے گا اور وہ بے حد تکلیف دہ ہوگا۔

آیت ۳۸ ﴿ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ۝۳۸ ﴾ ''اور قومِ عاد، قومِ ثمود، کنویں والوں اور ان کے مابین بہت سی دوسری اقوام (کو بھی ہم نے ہلاک کر دیا)۔''

''اصحاب الرس'' کے بارے میں صراحت نہیں ملتی کہ یہ کون سی قوم تھی اور ان کا زمانہ اور علاقہ کون سا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کسی کنویں میں بند کر دیا تھا۔ اس لیے انہیں کنویں والے کہا گیا ہے۔

آیت ۳۹ ﴿ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ ﴾ ''اور ان سب کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں''

اپنے اپنے وقت پر ان سب قوموں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے ان کے ماحول اور حالات کے مطابق ہم ٹھوس دلائل اور واضح حقائق پر مبنی تعلیمات ان کے سامنے پیش کرتے رہے۔

﴿ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ۝۳۹ ﴾ ''لیکن (ان کے انکار کی پاداش میں بالآخر) ہم نے ان سب کو غارت کر دیا۔''

آیت ۴۰ ﴿ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ ﴾ ''اور یہ لوگ اُس بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بہت بری بارش برسائی گئی تھی۔''

اس سے سدوم اور عامورہ کی بستیاں مراد ہیں جن کی طرف حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بدترین بارش سے مراد پتھروں کی بارش ہے، جس کا ذکر قرآن حکیم میں کئی جگہ آیا ہے۔

﴿ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ ﴾ ''تو کیا یہ لوگ اسے دیکھتے نہیں رہے؟''

سفرِ شام کے دوران آتے جاتے قریش کے تجارتی قافلے جب ان بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہیں تو کیا یہ لوگ انہیں نگاہِ عبرت سے نہیں دیکھتے؟

﴿ بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝۴۰ ﴾ ''بلکہ وہ امید نہیں رکھتے جی اٹھنے کی!''

اصل بات یہ ہے کہ انہیں بعث بعد الموت پر یقین نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایسے عبرت انگیز حقائق پر سے یہ لوگ بغیر کوئی سبق حاصل کیے اندھوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

آیت ۴۱ ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ ﴾ ''اور یہ لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق بنا لیتے ہیں۔''

قریش مکہ کے ہاں حضور ﷺ کی دعوت کی مخالفت کا یہ بھی ایک طریقہ تھا کہ وہ بات سننے کے لیے کبھی سنجیدہ نہ ہوتے اور آپ کی دعوت کو ہمیشہ مذاق میں اڑا دیتے۔ نہ وہ آپ کی بات کو کبھی سنجیدگی سے سنتے، نہ کبھی اس پر غور کرتے اور نہ ہی اس کا کوئی سنجیدہ جواب دیتے۔

﴿ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝۴۱ ﴾ ''کیا یہ ہیں جنہیں اللہ نے بھیجا ہے رسول بنا کر!''

یہ اور اس طرح کے دوسرے جملوں کے ذریعے وہ لوگ آپ کا تمسخر اڑاتے تھے۔

آیت ۴۲ ﴿اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ﴾ ''قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں اپنے معبودوں سے ورغلا دیتا' اگر ہم اُن (کی پرستش) پر ثابت قدم نہ رہتے۔''

اگر ہم نے اپنے ان معبودوں کے ساتھ وفاداری کا رشتہ استوار نہ کر رکھا ہوتا تو یہ شخص ضرور ہمیں ان سے برگشتہ کر کے راستے سے بھٹکا دیتا۔

﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۴۲﴾ ''عنقریب جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو جان جائیں گے کہ کون بھٹکا ہوا تھا راستے سے۔''

انہیں بہت جلد یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ اصل گمراہ کون تھا؟ جنہیں یہ گمراہی کا الزام دیتے ہیں وہ یا یہ خود!

آیت ۴۳ ﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ﴾ ''کیا تم نے دیکھا اُس شخص کو جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟''

یہاں شرک کی ایک بہت اہم قسم بیان ہوئی ہے' جو ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس پر بڑے بڑے موحدین کو غور کرنا چاہیے کہ دراصل شرک صرف ''یا علی مدد!'' کا نعرہ لگانے یا قبر پرستی تک ہی محدود نہیں ہے' بلکہ اللہ کے کسی واضح حکم کے مقابلے میں خواہشِ نفس پر عمل پیرا ہونا بھی شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ انسان کو اس کا نفس ہر وقت دنیا سمیٹنے اور زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے کے حسین خواب دکھاتا ہے۔ وہ حرام کو اپنانے کے لیے پُرکشش توجیہات پیش کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ آج کے بینک کا سود حرام نہیں ہے' پرانے دور میں تو سود کو اس لیے حرام کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے سے غرباء کا استحصال ہوتا تھا' آج کے بینکنگ نظام پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا' آج تو بینک کی معاونت کے بغیر کوئی کاروبار چل ہی نہیں سکتا' اس لیے بینک کے تعاون سے فلاں کاروبار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے اللہ کے احکام کو پسِ پشت ڈال کر اپنے نفس کی بات مان لی تو گویا وہ اپنے نفس کا بندہ بن گیا۔ اب اس کا نفس ہی اس کا ''مطاع'' ہے اور جو کوئی بھی کسی کا اصل مطاع ہوگا وہی اس کا معبود ہوگا۔

عبادت دراصل مکمل غلامی کا نام ہے۔ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کا ہر حکم ماننے کا پابند ہے اسی طرح ایک بندے (عبد) پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے معبود کی مکمل فرمانبرداری کرے اور اس کے کسی بھی حکم سے سرتابی نہ کرے۔ عبادت کا یہ مفہوم سورۃ المؤمنون میں درج فرعون کے اس جملے سے اور بھی واضح ہو جاتا ہے: ﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝۴۷﴾ کہ ان دونوں (حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ) کی قوم ہماری غلام اور اطاعت شعار ہے۔ اب اگر کوئی شخص زبان سے توحید پرستی کا دعویٰ کرے' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے وظیفے کرے اور چلے کاٹے' لیکن عملاً اطاعت اور فرمانبرداری اپنے نفس کی کرے تو حقیقت میں وہ توحید پرست نہیں بلکہ نفس پرست ہے اور اس کا نفس ہی اصل میں اس کا معبود ہے۔

﴿اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝۴۳﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟''

آیت ۴۴ ﴿اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ﴾ ”یا آپؐ کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں؟“

یہ لوگ آپؐ کی محفل میں کچھ سننے اور سمجھنے کے لیے نہیں آتے بلکہ یہ تو اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے آتے ہیں تاکہ واپس جا کر انہیں بتا سکیں کہ ہم تو بڑے اہتمام کے ساتھ گئے تھے کہ محمد (ﷺ) کی باتوں کو خود سنیں اور سمجھیں لیکن ان سے تو ہمیں کوئی خاص بات سننے کو ملی ہی نہیں۔

﴿اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾﴾ ”یہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی مانند' بلکہ ان سے بڑھ کر بھٹکے ہوئے ہیں۔“

چوپائے تو کسی کلام کے مفہوم کو سمجھنے سے اس لیے معذور ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس سطح کا شعور ہی نہیں دیا' لیکن یہ لوگ انسان ہو کر بھی عقل اور شعور سے کام نہیں لیتے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ چوپایوں اور جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

آیات ۴۵ تا ۶۰

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ
دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا
وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾
وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ
قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ
الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾
وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ
سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ
خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ ۛ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا
الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ ۩

ع ۵ | السجدۃ ۲

آیت ۴۵ ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں اپنے رب (کی قدرت) کی طرف کہ وہ کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟''

جب رات ہوتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے پوری زمین پر ایک سیاہ چادر اوڑھا دی گئی ہے۔

﴿وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ﴾ ''اور اگر وہ چاہتا تو اس کو مستقل ٹھہرائے رکھتا۔''

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو پوری زمین پر ہمیشہ رات ہی رہتی' دن کا اجالا کبھی نمودار ہی نہ ہوتا۔ جیسے کہ سورۃ القصص میں فرمایا گیا: ﴿قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکُمُ الَّیۡلَ سَرۡمَدًا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ اِلٰہٌ غَیۡرُ اللّٰہِ یَاۡتِیۡکُمۡ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسۡمَعُوۡنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان لوگوں سے پوچھیے: کیا تم نے غور کیا کہ اگر اللہ روزِ قیامت تک ہمیشہ کے لیے تم پر رات طاری کر دے تو اللہ کے سوا وہ کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی لا دے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟''

﴿ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿۴۵﴾﴾ ''پھر ہم نے سورج کو اس پر راہنما بنایا۔''

تُعۡرَفُ الۡاَشۡیَاءُ بِاَضۡدَادِھَا (چیزیں اپنی مخالف چیزوں سے پہچانی جاتی ہیں) کے مصداق سورج کے وجود سے ہی ہمیں روشنی اور تاریکی کا پتا چلتا ہے۔

آیت ۴۶ ﴿ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾﴾ ''پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔''

جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سائے بہت لمبے ہوتے ہیں۔ پھر جوں جوں سورج اوپر اٹھتا ہے تو آہستہ آہستہ سمٹنا شروع ہو جاتے ہیں جیسے کوئی ان کی طنابیں کھینچ رہا ہو۔

آیت ۴۷ ﴿وَہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّہَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾﴾ ''اور وہی ہے جس نے رات کو بنایا تمہارے لیے اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنایا اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت۔''

رات کو انسانوں کے آرام کرنے کے لیے موزوں کیا' اور دن کے ماحول کو ان کے کام کاج کرنے کے لیے سازگار بنایا۔

آیت ۴۸ ﴿وَہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ۚ﴾ ''اور وہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے آگے بشارت بنا کر۔''

بادلوں کے آگے آگے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے گویا بارانِ رحمت کی نوید سناتے جاتے ہیں۔

﴿وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَہُوۡرًا ﴿۴۸﴾﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا۔''

بارش کا پانی پاک بھی ہے اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ جب یہ پانی برستا ہے تو سب سے پہلے فضا کی آلودگی کو صاف کرتا ہے۔ پھر زمین کی بہت سی آلودگیوں کو سمندر میں بہا لے جاتا ہے۔ سمندر کے پانی سے بخارات کی صورت میں بالکل صاف اور ہر آلودگی سے پاک پانی پھر سے فضا میں پہنچ کر بادل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ (cycle) چلتا رہتا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿لِّنُحۡیِۦَ بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا وَّنُسۡقِیَہٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّاَنَاسِیَّ کَثِیۡرًا ﴿۴۹﴾﴾ ''تاکہ ہم زندہ

کریں اس کے ذریعہ سے مُردہ زمین کو اور اس سے ہم سیراب کرتے ہیں اپنی مخلوق میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو۔‘‘

جہاں یہ پانی بہت سی آلودگیوں کو صاف کرتا ہے وہاں یہ جانوروں اور انسانوں کے پینے کے کام بھی آتا ہے۔ میڈیکل سائنس کی نظر سے دیکھا جائے تو انسانی یا حیوانی جسم کے اندر استعمال ہو کر پانی کہیں ختم (consume) نہیں ہو جاتا بلکہ یہاں بھی وہ جسم کے اندرونی نظام کو چلانے اور اس کی صفائی کرنے کا کام کرتا ہے۔ پانی کے ذریعے سے ہی جسم کے اندر خون کی گردش (circulation) ممکن ہوتی ہے اور metabolism کے نتیجے میں پیدا ہونے والے فاضل اور نقصان دہ فضلات کا معدے‘ گردوں‘ پھیپھڑوں وغیرہ سے اخراج ممکن ہوتا ہے۔

آیت ۵۰ ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۚ﴾ ’’اور اس کو ہم نے گردش میں رکھا ہوا ہے ان کے مابین تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں‘‘

سمندر کے بخارات سے بادلوں کا بننا‘ اربوں ٹن پانی کا ہواؤں کے دوش پر ہزاروں میلوں کے فاصلے طے کر کے مختلف علاقوں میں بارش برسانا‘ ان بارشوں سے ندی نالوں اور دریاؤں کے سلسلوں کا جنم لینا‘ انسانی آبادیوں سے میلوں کی بلندیوں پر گلیشیرز کی صورت میں پانی کے کبھی نہ ختم ہونے والے ذخائر (over head tanks) کا وجود میں آنا‘ پھر گلیشیرز کا پگھل پگھل کر ایک تسلسل کے ساتھ انسانی ضرورتوں کی سیرابی کا ذریعہ بننا‘ اور اس سب کچھ کے بعد فالتو پانی کا پھر سے سمندر میں پہنچ جانا! یہ ہے پانی کی گردش (water cycle) کا عظیم الشان نظام جو قدرت کے بڑے بڑے عجائبات میں سے ہے اور زبانِ حال سے انسانی عقل و شعور کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اس کے خالق کو پہچانے اور اس پر ایمان لائے۔

﴿فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝۵۰﴾ ’’لیکن اکثر لوگ کفرانِ نعمت ہی کرتے ہیں۔‘‘

اس سب کے باوجود اکثر لوگ ناشکری ہی پر اَڑے ہوئے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرنے سے انکاری ہیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝۵۱﴾ ’’اور اگر ہم چاہتے تو ہم ہر بستی میں ایک نذیر بھیج دیتے۔‘‘

اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر بستی میں بھی پیغمبر بھیج سکتے تھے‘ لیکن عام طور پر ایک قوم کی طرف ایک پیغمبر ہی مبعوث کیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الرعد میں فرمایا گیا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷﴾ کہ ہر قوم کی طرف ایک پیغمبر بھیجا گیا۔ اور یہ پیغمبر ہمیشہ ایسے شہر میں مبعوث کیا جاتا تھا جو متعلقہ قوم یا علاقے کے ثقافتی‘ علمی‘ تہذیبی اور سیاسی مرکز کی حیثیت سے معروف ہوتا تھا۔ کیونکہ کسی بھی علاقے کے عوام ہر پہلو سے اپنے مرکزی شہر میں پروان چڑھنے والے رجحانات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی قانون اور اصول سورۃ القصص کی آیت ۵۹ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ ’’اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بڑی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دیتا۔‘‘

آیت ۵۲ ﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''تو (اے نبیﷺ!) آپ ان کُفّار کا کہنا نہ مانیے''

یہاں پر لفظ اطاعت حکم کی تعمیل کے مفہوم میں نہیں آیا' بلکہ اس فقرے کا مفہوم سمجھنے کے لیے ان حالات کے بارے میں جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے نزول کے وقت حضورﷺ کو مکّہ میں درپیش تھے۔ اُس وقت مکہ کی فضا انتہائی کشیدہ تھی اور حضورﷺ پر ہر طرف سے شدید دباؤ تھا۔ ان حالات میں اکثر لوگ آپؐ کو مشورے دیتے تھے اور بار بار سمجھاتے تھے کہ آپؐ نے اپنی پوری قوم کے ساتھ جو لڑائی مول لے رکھی ہے یہ مناسب حکمتِ عملی نہیں ہے۔ اس سے قبیلے میں پھوٹ پڑ جائے گی' بھائی بھائی سے کٹ جائے گا' اولاد والدین سے جُدا ہو جائے گی' قبیلے کی بنی بنائی ساکھ برباد ہو جائے گی اور اس کے نتائج سب کے لیے بہت بھیانک ہوں گے۔ اگر آپؐ اپنے موقف میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لیں تو صلح صفائی کی کوئی صورت نکل سکتی ہے اور حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ کشمکش کے اس ماحول میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب ولید بن مغیرہ سمیت قریش کے اکثر اکابرین چاہتے تھے کہ آپﷺ کی کچھ باتیں تسلیم کر لی جائیں' اس کے جواب میں آپؐ بھی اپنے موقف میں کچھ لچک پیدا کریں' اس طرح کوئی درمیانی راہ نکل آئے اور تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ لیکن اہلِ مکّہ کی اس سوچ اور کوشش کے باوجود آپؐ اپنے موقف پر پوری تندہی اور دل جمعی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ ان حالات میں ایک طرف اہلِ ایمان پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا تو دوسری طرف آپؐ پر شدید نوعیت کا معاشرتی دباؤ تھا۔ اس صورت حال کی نزاکت اور شدت کی ایک جھلک سورۂ بنی اسرائیل کی ان آیات سے بھی محسوس کی جا سکتی ہے: ﴿وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾﴾ ''(اے نبیﷺ!) یہ لوگ تو تُلے ہوئے تھے کہ آپؐ کو فتنے میں ڈال کر اس سے بچلا دیں جو ہم نے آپؐ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپؐ کچھ اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ آپؐ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپؐ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ آپؐ ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو ہی جاتے''۔ اس سیاق و سباق میں آیت زیر نظر کے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی کسی بات کو قبول کرنا تو درکنار آپؐ ان لوگوں کی باتوں کی طرف بالکل دھیان ہی نہ دیں۔

﴿وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾﴾ ''اور آپؐ ان کے ساتھ جہاد کریں اس (قرآن) کے ذریعے سے بڑا جہاد۔''

ان مشکل حالات میں آپؐ کو قرآن کے ذریعے جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ مکّہ میں بارہ سال تک آپؐ نے جو جہاد کیا وہ جہاد بالسیف نہیں تھا بلکہ جہاد بالقرآن تھا۔ اس جہاد کی آج پھر ہمارے معاشرے میں شدید ضرورت ہے۔ اس موضوع کی تفصیل کے لیے میری کتاب ''جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ'' کا مطالعہ مفید رہے گا' جو میری دو تقاریر پر مشتمل ہے۔ بہر حال آج ہمیں اپنے قومی و ملکی مسائل کے حل کے لیے قرآن کی تلوار ہاتھ میں لے کر جہاد کرنے اور قرآنی دعوت' تربیت' تزکیہ' انذار اور تبشیر کے ذریعے سے اقامتِ دین کے لیے ایک بھرپور انقلابی جدوجہد برپا کرنے کی ضروت ہے۔ ہمارے اجتماعی مسائل کا حل بھی یہی ہے اور ہمارے اندرونی امراض کی دوا ﴿وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ (یونس: ۵۷) بھی اسی میں ہے۔

آیت ۵۳ ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ مَرَجَ الۡبَحۡرَیۡنِ﴾ ''اور وہی ہے (اللہ) جس نے دو دریا چلا دیے''

﴿هٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ۚ﴾ ''یہ میٹھا ہے نہایت خوش ذائقہ اور یہ کھاری ہے نہایت کڑوا۔''

اُس کی قدرت سے نمکین اور کھارے سمندر کے اندر میٹھے پانی کی رو بھی بہہ رہی ہے۔

﴿وَ جَعَلَ بَیۡنَهُمَا بَرۡزَخًا وَّ حِجۡرًا مَّحۡجُوۡرًا ﴿۵۳﴾﴾ ''اور ان دونوں کے درمیان اس نے ایک پردہ اور مضبوط آڑ بنا رکھی ہے۔''

یہ پردہ' آڑ یا روک نظر آنے والی کوئی چیز تو نہیں ہے' لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کا شاہکار ہے کہ میٹھا پانی کڑوے پانی کے ساتھ سمندر کے اندر دور تک ملنے نہیں پاتا۔

آیت ۵۴ ﴿وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے پانی سے پیدا کیا انسان کو''

پانی سے یہاں انسان کا مادۂ تولید بھی مراد ہو سکتا ہے اور عام پانی بھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار چیز پانی سے ہی پیدا کی ہے۔

﴿فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهۡرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِیۡرًا ﴿۵۴﴾﴾ ''تو اُس نے بنایا اس کے لیے نسب اور سسرالی رشتہ۔ اور آپ کا رب سب قدرتوں کا مالک ہے۔''

انسان کا نسب تو اس کے والدین سے چلتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی کے حوالے سے دوسرے خاندان کے ساتھ بھی اس کا رشتہ اور تعلق جوڑا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ساس اور سسر کو بھی اللہ تعالیٰ نے والدین جیسا تقدس اور احترام عطا کیا ہے۔ سسرالی رشتہ داریاں اگر نہ ہوتیں تو قبیلوں اور خاندانوں کا معاشرے میں باہمی ارتباط و اختلاط ممکن نہ ہوتا اور ہر خاندان دوسرے خاندان سے الگ تھلگ رہتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سسرالی رشتوں کا تانا بانا اس طرح سے بُن رکھا ہے کہ اس سے نوعِ انسانی باہم مربوط ہوتی چلی جاتی ہے۔

آیت ۵۵ ﴿وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُهُمۡ وَ لَا یَضُرُّهُمۡ ؕ﴾ ''اور وہ بندگی کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن کی جو نہ تو انہیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔''

﴿وَ كَانَ الۡكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیۡرًا ﴿۵۵﴾﴾ ''اور یہ کافر لوگ اپنے رب کی طرف سے پیٹھ موڑے ہوئے ہیں۔''

یہ لوگ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ ظہیر کا معنی مددگار بھی ہے اور علی مخالفت کے لیے آتا ہے۔ اس طرح ان الفاظ کا مفہوم ہوگا کہ کافر لوگ اپنے رب کے خلاف دوسروں کے مددگار بنتے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ﴿۵۶﴾﴾ ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر بشیر اور نذیر بنا کر۔''

تاکہ جو لوگ حق کا راستہ اختیار کر لیں انہیں اللہ کی رحمتوں اور جنت کی نعمتوں کی بشارت دیں: ﴿فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ ۬ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ ﴿۸۹﴾﴾ (الواقعہ)۔ اور جو لوگ انکار پر مُصر رہیں انہیں جہنم کے عذاب سے خبردار کریں۔

آیت ۵۷ ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾﴾ ''آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا' سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔''

آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ میں تمہیں دعوت دینے اور قرآن سنانے میں ہمہ وقت مصروف رہتا ہوں' لیکن میں نے اس کے عوض تم لوگوں سے کبھی کوئی اجرت نہیں مانگی' کبھی کسی معاوضے کا مطالبہ نہیں کیا۔ تم لوگ مجھ پر شاعر' کاہن اور جادوگر ہونے کا الزام تو دھرتے ہو' مگر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ شاعر' کاہن' جادوگر وغیرہ سب تو ہر وقت معاوضے اور انعام کے لالچ میں رہتے ہیں' جبکہ میں تو محض اخلاص اور تمہاری خیر خواہی کی بنیاد پر دعوتِ دین کی خدمت سرانجام دے رہا ہوں۔ اس میں میرا اجر یا معاوضہ ہے تو صرف اس قدر کہ تم میں سے کسی کو اپنے رب کے راستے پر آنے کی توفیق مل جائے' اور اس میں بھی تمہارا ہی فائدہ ہے نہ کہ میری کوئی غرض یا منفعت!

آیت ۵۸ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ ''اور آپؐ توکل کیے رکھیے اُس زندۂ جاوید ہستی پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی' اور اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔''

﴿وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾﴾ ''اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لیے کافی ہے۔''

کافر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے کرتوتوں کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ وہ اللہ جو الحی اور القیوم ہے اور اپنے بندوں کے حال پر ہر آن نظر رکھے ہوئے ہے۔ ان لوگوں کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک بات جواب دہی کے لیے اس کے ہاں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ دوسری طرف اہلِ ایمان کے نیک اعمال کی بھی ایک ایک تفصیل لکھی جا رہی ہے تاکہ انہیں ان کا بھرپور بدلہ دیا جا سکے۔

آیت ۵۹ ﴿نِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ''وہی کہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے مابین ہے چھ دنوں میں' پھر وہ متمکن ہو گیا عرش پر۔''

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾﴾ ''وہ رحمٰن ہے! تو پوچھ لو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے۔''

اللہ تعالیٰ کی صفات اور شان کے بارے میں جاننا چاہتے ہو تو کسی صاحب علم سے پوچھو! جب بھی انسان اپنے متعلق سوچتا ہے یا اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ کوئی تو ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے' اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے خالق کے بارے میں جاننا چاہتا ہے' اس تک رسائی چاہتا ہے' اسے پانا چاہتا ہے۔ یہ سوچ اور یہ تجسس انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسانی فطرت کی اسی آواز کو کسی شاعر نے الفاظ کے قالب میں اس طرح ڈھالا ہے: ؎

مجھ کو ہے تیری جستجو' مجھ کو تری تلاش ہے ‏ ‏ ‏ خالق مرے کہاں ہے تو؟ مجھ کو تری تلاش ہے!

انسانی فطرت کی اسی جستجو اور اسی تلاش کی راہنمائی کے لیے فرمایا گیا کہ اس کے بارے میں ایسے لوگوں سے پوچھو جو اس سے آشنائی رکھتے ہوں' اسے پانے کے لیے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جن کی اس کے ساتھ دوستی ہو: ﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾ (التوبۃ) کہ ایسے لوگوں کی صحبت سے ہی تمہیں اللہ کی معرفت حاصل ہو گی۔

آیت ۶۰ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ ۚ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے سجدہ کرو رحمٰن کو' تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے؟''

مشرکینِ مکہ کے لیے اللہ کا لفظ تو معروف تھا مگر رحمٰن سے وہ واقف نہیں تھے۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے کہ اللہ کے بجائے آپ رحمٰن کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یہ نیا نام ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے۔

﴿اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا﴾ ''کیا ہم اُسے سجدہ کریں جس کے لیے تم ہمیں حکم دے رہے ہو!''

یعنی ہم آپؐ کے کہنے پر اُسے سجدہ کیوں کریں؟ اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ ہم نے آپؐ کی بات تسلیم کر لی اور آپؐ جیت گئے۔ یہی وہ ضد ہے جسے قرآن میں ''شِقَاق'' کہا گیا ہے۔ اس ضد اور تعصب میں وہ لوگ آپؐ کی مبنی بر حقیقت بات بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

﴿وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝۶۰﴾ ''اور اس نے بڑھا دیا انہیں نفرت میں۔''

یعنی اس طرح حق سے ان کی نفرت مزید بڑھ رہی ہے اور ان کے جذبۂ فرار میں بھی مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

آیات ۶۱ تا ۷۷

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِيْ
جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝۶۲ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ
الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝۶۳ وَالَّذِيْنَ
يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝۶۴ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ
اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝۶۵ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝۶۶ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ
يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝۶۷ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ
اَثَامًا ۝۶۸ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝۶۹ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ
وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝۷۰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ
الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝۷۲ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا
صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝۷۳ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِيۡنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ يُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَيُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً
وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ حَسُنَتۡ مُسۡتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلۡ مَا يَعۡبَؤُا بِكُمۡ رَبِّىۡ لَوۡلَا
دُعَآؤُكُمۡ ۚ فَقَدۡ كَذَّبۡتُمۡ فَسَوۡفَ يَكُوۡنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾ ع

اب اس سورۃ کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے جو ہمارے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا ایک اہم درس (درس نمبر ۱۱) بھی ہے۔ منتخب نصاب کے حصہ اول میں چار جامع اسباق ہیں۔ ان میں سے دوسرا درس آیۃ البر (سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷) پر مشتمل ہے، جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ حصہ دوم میں ''مباحثِ ایمان'' کے عنوان کے تحت پانچ دروس ہیں جن میں سے تین مقامات (سورۃ الفاتحہ، سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات اور سورۃ النور کی آیاتِ نور یعنی پانچواں رکوع) کا مطالعہ ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ منتخب نصاب کا تیسرا حصہ ''مباحثِ عملِ صالح'' پر مشتمل ہے اور اس حصے کا پہلا درس سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے ہے، جن کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ ان آیات میں ایک بندۂ مؤمن کی سیرت کی تعمیر کے لیے بنیادی اساسات کے بارے میں راہنمائی کی گئی ہے، جبکہ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی جن آیات کا مطالعہ اب ہم کرنے چلے ہیں (منتخب نصاب کے تیسرے حصے کا دوسرا درس ان آیات کے حوالے سے ہے) ان میں بندۂ مؤمن کی تعمیر شدہ (mature) شخصیت و سیرت کے خصائص اور خدوخال کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ لیکن اس موضوع کو شروع کرنے سے پہلے رکوع کی ابتدائی دو آیات میں ایمان کے بارے میں قرآن حکیم کے فطری استدلال کا خلاصہ بیان ہوا ہے:

آیت ۶۱ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِىۡ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّجَعَلَ فِيۡهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيۡرًا ﴿۶۱﴾﴾ ''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں رکھ دیا ایک چراغ اور ایک روشن چاند۔''

یہاں سورج کے لیے ''سراج'' یعنی چراغ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاند کو روشن بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اب تک یہ حقیقت انسان کے علم میں آ چکی ہے کہ سورج کے اندر جلنے یا تحریق (combustion) کا عمل جاری ہے، جس کی وجہ سے وہ روشنی کے ساتھ ساتھ حرارت کا منبع بھی ہے، جبکہ چاند محض سورج کی روشنی کے انعطاف (reflection) کی وجہ سے روشن نظر آتا ہے اور اس میں کسی قسم کا عملِ تحریق نہیں پایا جاتا۔ اس کی سطح ہماری زمین کی سطح سے ملتی جلتی ہے۔ اب تو انسان خود چاند کی سطح کا عملی طور پر مشاہدہ بھی کر چکا ہے۔

آیت ۶۲ ﴿وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّذَّكَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُكُوۡرًا ﴿۶۲﴾﴾ ''اور وہی ہے جس نے دن اور رات کو بنا دیا ہے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا' اُس کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے یا شکر گزار بننا چاہے۔''

دن' رات اور ان کا اُلٹ پھیر آیاتِ الٰہیہ میں سے ہیں اور آیاتِ الٰہیہ پر غور کرنے سے انسان کو اللہ کی ذات' اس کے علم اور اس کی قدرت و حکمت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب انسان اللہ کی نعمتوں پر اُس کا شکر ادا کرتا ہے تو اسے کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کی توحید' اس کی صناعی اور اس کی قدرت پر دلالت کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

ایمان کے ضمن میں یہ دو آیات گویا اس مضمون کی تمہید ہے جس میں ''عباد الرحمٰن'' یعنی اللہ کے محبوب اور چہیتے بندوں کی سیرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہر بندۂ مسلمان کو اپنے دل میں ایک خواہش اور امنگ ضرور پیدا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے ان خاص بندوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور پھر اسے ان بندوں کی صف میں شامل ہونے کے لیے عملی طور پر کوشش بھی کرنی چاہیے۔

آیت ۶۳ ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی اور نرمی کے ساتھ چلتے ہیں''

وہ اپنے آپ کو آقا اور مالک نہیں بلکہ اللہ کے بندے اور غلام سمجھتے ہیں۔ وہ چلتے بھی غلاموں ہی کی طرح ہیں۔ ان کی چال میں اکڑ کی بجائے عاجزی اور فروتنی ہوتی ہے۔

﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾﴾ ''اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔''

عربی میں جاہل کا معنی اَن پڑھ یا بے علم آدمی نہیں' بلکہ اس سے مراد اُجڈ اور مشتعل مزاج شخص ہے جو جہالت پر اتر آئے اور کسی شریف آدمی سے بدتمیزی کا برتاؤ کرے۔

''عباد الرحمٰن'' کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جاہل اور اُجڈ قسم کے لوگ ان کی بات کو سمجھنے اور اس سے اثر لینے کی بجائے پنجابی محاورہ کے مطابق ان سے محض سینگ پھنسانا چاہتے ہیں یعنی انہیں خواہ مخواہ بحث ومباحثہ میں الجھانا چاہتے ہیں تو انہیں سلام کر کے وہ اپنی راہ لیتے ہیں۔ کیونکہ ایسی گفتگو یا بحث سے وقت کے ضیاع کے علاوہ کچھ حاصل ہونے کی توقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک سمجھدار اور معقول آدمی کو چاہیے کہ وہ مناسب انداز میں دوسرے کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرے' لیکن جب اسے محسوس ہو کہ اس کا مخاطب جان بوجھ کر بات کو سمجھنا نہیں چاہتا اور خواہ مخواہ کی بحث میں الجھنا چاہتا ہے تو وہ کسی قسم کی بدمزگی پیدا کیے بغیر خود کو ایسی صورت حال سے الگ کر لے۔

آیت ۶۴ ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾﴾ ''اور وہ لوگ راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کرتے ہوئے۔''

جہاں تک پانچ نمازوں کا تعلق ہے وہ تو فرائض میں شامل ہیں۔ ان نمازوں کی پابندی بندۂ مؤمن کی سیرت کی بنیاد ہے۔ چنانچہ سورۃ المؤمنون کے آغاز میں جب بندۂ مؤمن کے کردار کی اساسات پر بات ہوئی تو وہاں نمازِ پنج گانہ کی محافظت کا ذکر ہوا: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾﴾۔ لیکن یہاں چونکہ اللہ کے ان خصوصی بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جنہیں اللہ سے دوستی کا شرف اور اس کا قرب نصیب ہو چکا ہے' اس لیے یہاں جس نماز کا ذکر ہوا ہے وہ نماز بھی خصوصی ہے یعنی نماز تہجد۔ چنانچہ اللہ کے یہ نیک بندے اپنے رب کے حضور راتوں کی تنہائیوں میں اس وقت حاضر ہوتے ہیں جب دوسرے لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور یوں وہ اپنی راتیں اُس کے سامنے اس طرح گزار دیتے ہیں کہ کبھی حالتِ قیام میں ہیں اور کبھی سربسجود ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴾ ''اور (اس کے باوجود) وہ لوگ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! عذابِ جہنم کو ہم سے پھیر دے' یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والی شے ہے۔''

سورۃ النور میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب بندوں کی ایسی ہی کیفیت بیان فرمائی ہے: ﴿یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴾ ''وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن (کے خیال) سے جس میں دل اور نگاہیں الٹ دیے جائیں گے''۔ یعنی اگرچہ وہ اپنی ہر مصروفیت پر اللہ کے ذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور ہر حالت میں نماز قائم کرتے ہیں' مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ احتسابِ آخرت کے خوف سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔

آیت ۶۶ ﴿اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ ''یقیناً وہ بہت بُری جگہ ہے مستقل ٹھکانے کے لیے بھی اور عارضی قیام کے لیے بھی۔''

دنیا میں عام طور پر انسانی طبیعت کا خاصّہ ہے کہ وہ ہر دم تبدیلی چاہتا ہے۔ تبدیلی کے طور پر وہ تھوڑی دیر کے لیے بری سے بری جگہ پر بھی تفریح محسوس کرتا ہے اور اگر اسے اچھی سے اچھی جگہ پر بھی مستقل رہنا پڑے تو وہاں اسے بہت جلد اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کے برعکس جنت اور جہنم کی کیفیت یکسر مختلف ہے۔ قرآن کے مطابق جنت ایسی پُرکشش جگہ ہے کہ وہاں مستقل رہنے کے باوجود اہلِ جنت کو اس کی دلچسپیوں اور رعنائیوں میں ذرہ بھر کمی محسوس نہیں ہوگی اور جہنم میں اگر کوئی انسان ایک لمحہ کے لیے بھی چلا گیا تو وہ اپنی ساری سختیاں اس پر اسی ایک لمحے میں ظاہر کر دے گی۔

آیت ۶۷ ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا معاملہ) اس کے بین بین معتدل ہوتا ہے۔''

اگرچہ کسی بھی معاملے میں اعتدال قائم رکھنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے مگر اللہ کے ان بندوں کی سیرت ایسی پختہ (mature) ہوتی ہے کہ انہیں اپنے اخراجات کے اندر اعتدال اور توازن قائم رکھنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔

آیت ۶۸ ﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ ''اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو''

﴿وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ﴾ ''اور نہ ہی قتل کرتے ہیں کسی جان کو جس کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ' اور نہ ہی کبھی وہ زنا کرتے ہیں''

حق سے مراد یہاں وہ قانونی صورتیں ہیں جن صورتوں میں کسی انسان کی جان لی جاسکتی ہے' یعنی قتل کے بدلے قتل' مرتد کا قتل' حربی کافر کا قتل اور شادی شدہ زانی کا رجم۔

اس آیت میں تین کبیرہ گناہوں کا ذکر ہوا ہے: شرک' قتلِ ناحق اور زنا۔ شرک کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو دفعہ فرما دیا کہ مشرک کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اور قتل ایسا بھیانک گناہ اور جرم ہے جس

سے تمدن کی جڑ کٹتی ہے' جبکہ زنا سے معاشرہ گندگی کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں ایسے کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے لیے چھوٹے گناہوں سے معافی کی خوشخبری سنائی ہے: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱﴾ (النساء) ''اگر تم لوگ بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ بخش دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ داخل کریں گے۔''

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝۶۸﴾ ''اور جو کوئی بھی یہ کام کرے گا وہ اس کی سزا کو حاصل کر کے رہے گا۔''

آیت ۶۹ ﴿يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝۶۹﴾ ''قیامت کے دن اُس کا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں رہے گا ہمیشہ ذلیل ہو کر۔''

یہ آیت اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس سے قیامت کے دن سے پہلے کا عذاب ثابت ہوتا ہے' یعنی جو عذاب اس شخص کو اس سے پہلے دیا جا رہا ہوگا قیامت کے دن اس عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا۔ منکرینِ حدیث عذابِ قبر کو نہیں مانتے۔ ان کا اصرار ہے کہ قرآن مجید میں عذاب قبر کا ثبوت نہیں ملتا۔ اگرچہ قرآن میں صراحتاً عذابِ قبر کا ذکر نہیں ہے' لیکن بعض آیات سے واضح طور پر برزخی زندگی کا عذاب ثابت ہوتا ہے۔ آیتِ زیر مطالعہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے مجرمین عذاب جھیل رہے ہوں گے اور یقیناً اس عذاب سے عذابِ قبر یا عذابِ برزخ ہی مراد ہے۔ بہر حال احادیث میں عذابِ قبر کے بارے میں بہت تفصیلات ملتی ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اور یہ کہ قبر میں یا تو جنت کی ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جہاں سے ٹھنڈی ہوا اور خوشبو آتی ہے' یا پھر دوزخ کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے آگ کی لپٹ اور لو آتی ہے۔

آیت ۷۰ ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ''سوائے اُس کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے''

گویا جو شخص اس طرح کے کبیرہ گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اگرچہ قانوناً اس کا شمار کافروں میں نہیں ہوتا مگر حقیقی ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اس لیے یہاں توبہ کے بعد ایمان کی شرط بھی رکھی گئی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کی توبہ دراصل از سر نو ایمان لانے کے مترادف ہے۔ بہر حال اگر اس نے موت کے آثار نظر آنے سے پہلے پہلے (مَا لَمْ يُغَرْغِرْ) توبہ کر لی تو اس کو عذاب سے استثناء مل سکتا ہے۔

﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ﴾ ''تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔''

اس کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نامۂ اعمال میں جو برائیوں کا اندراج تھا وہ صاف کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ نیکیوں کا اندراج ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ توبہ کرنے سے انسان کے دامنِ اخلاق کے دھبے دُھل جاتے ہیں اور اس کا دامن صاف شفاف ہو جاتا ہے۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰﴾ ’’اور اللہ غفور ہے، رحیم ہے۔‘‘

آیت ۷۱ ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱﴾ ’’اور جس نے توبہ کی اور نیک اعمال کیے تو ایسا شخص توبہ کرتا ہے اللہ کی جناب میں جیسا کہ توبہ کرنے کا حق ۔‘‘

یعنی توبہ کے بعد گناہوں سے کنارہ کش ہو گیا اور تقویٰ کی روش اختیار کر لی تو یہی اصل توبہ ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص زبان سے توبہ توبہ کے الفاظ ادا کرتا رہے اور استغفار کی تسبیحات پڑھتا رہے، سوا لاکھ مرتبہ آیت کریمہ پڑھوا کر ختم بھی دلائے مگر اس کی حرام خوری جوں کی توں رہے اور وہ گناہوں سے باز نہ آئے تو اس کی توبہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آیت ۷۲ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ﴾ ’’اور وہ لوگ جو جھوٹ پر موجود نہیں رہتے‘‘

یہ صرف جھوٹ کی گواہی سے بچنے کی بات نہیں بلکہ اس سے ایسی بلند تر کیفیت کا ذکر ہے جس کے اندر جھوٹی گواہی سے بچنے کا مفہوم ضمنی طور پر خود بخود آ جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے یہ نیک بندے حق و صداقت کی غیرت و حمیت میں اس قدر پختہ ہوتے ہیں کہ کسی ایسی جگہ پر وہ اپنی موجودگی بھی گوارا نہیں کرتے جہاں جھوٹ بولا جا رہا ہو یا جھوٹ پر مبنی کوئی دھندا ہو رہا ہو۔

﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝۷۲﴾ ’’اور جب وہ کسی لغو کام پر سے گزرتے ہیں تو باوقار انداز سے گزر جاتے ہیں۔‘‘

اگر اِن لوگوں کا کہیں اتفاق سے کسی کھیل تماشے اور لغو کام پر سے گزر ہو تو وہ اس سے اپنا دامن بچا کر بے نیازی سے گزر جاتے ہیں۔ یہی مضمون سورۃ المؤمنون میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳﴾ کہ مؤمنین ہر قسم کی لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔

آیت ۷۳ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝۷۳﴾ ’’اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے۔‘‘

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جب قرآنی آیات کو پڑھتے یا سنتے ہیں تو ان کا رویہ اندھوں یا بہروں جیسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ ان پر غور و فکر اور تدبّر کرتے ہیں۔ اور دوسرا مفہوم یہ کہ وہ قریشِ مکّہ کی طرح اندھے اور بہرے بن کر اللہ کی آیات کی مخالفت پر کمر نہیں کس لیتے۔ اس مفہوم میں اس آیت کا انداز طنزیہ ہوگا کہ جو رویہ مشرکینِ مکّہ نے کلام اللہ کے ساتھ اپنا رکھا ہے، اللہ کے نیک بندوں کا ایسا رویہ نہیں ہوتا۔ سورۂ محمد میں کفار کے اس رویے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴﴾ ’’کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟‘‘ بہر حال ’’عباد الرحمٰن‘‘ کے مقام و مرتبہ سے یہ بات فروتر ہے کہ وہ قرآن کو اندھے اور بہرے ہو کر مانیں یا پڑھیں۔

آیت ۷۴ ﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ﴾ ''اور وہ لوگ کہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما''

یعنی جس راستے پر ہم چل رہے ہیں، ہمارے اہل وعیال کو بھی اسی راستے پر چلنے والا بنا دے تا کہ ان کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، کیونکہ اللہ کے ان نیک بندوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو اسی میں ہو گی کہ ان کے گھر والے بھی اللہ کے فرمانبردار بندے بنیں اور اللہ کی بندگی کے راستے کو اختیار کریں۔ اس کے برعکس اگر گھر کا سربراہ اللہ کے دین پر چلنے والا ہو اور اس کے اہل وعیال کی ترجیحات کچھ اور ہوں تو گھر کے اندر کشیدگی اور کش مکش کا ماحول پیدا ہو جائے گا جو ان میں سے کسی کے لیے بھی باعث سکون نہیں ہو گا۔

﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ ''اور ہمیں متقیوں کا امام بنا!''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ''عباد الرحمٰن'' امامت اور پیشوائی کے لیے بے قرار ہیں بلکہ اس دعا کو اس حوالے سے سمجھنا چاہیے کہ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے اور اس کے بیوی بچے اس کے تابع اور پیروکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ گھر کے سربراہ کی دعا اور خواہش ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اہل وعیال کو بھی متقی بنا دے۔ اس امامت کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ میدانِ حشر میں ہر انسان کے اہل وعیال اور اس کی نسل کے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ عباد الرحمٰن کی یہ دعا اس لحاظ سے بھی برمحل ہے کہ اے اللہ! میدانِ حشر میں ہم جن لوگوں کے سربراہ یا لیڈر بنیں ان کو بھی نیک اور پرہیزگار بنا دے، تا کہ وہ لوگ بھی ہمارے ساتھ جنت میں داخل ہو کر ہماری خوشی اور اطمینان کا باعث بنیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیچھے آنے والی نسلوں کے لوگ جہنم کے مستحق ٹھہریں۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهٖ))(۱) کہ تم میں سے ہر شخص کی حیثیت ایک چرواہے کی سی ہے اور تم میں سے ہر کوئی اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہو گا۔ اس لحاظ سے ہر آدمی کے اہل وعیال اس کی رعیت ہیں اور اپنی اس رعیت کے بارے میں وہ مسئول ہو گا۔ چنانچہ ان کی ہدایت کے لیے اسے کوشش بھی کرنی چاہیے اور دعا بھی۔

آیت ۷۵ ﴿اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی جزا میں بالاخانے ملیں گے''

اللہ تعالیٰ دنیا میں بندوں کو آزماتا رہتا ہے۔ ایک نیک انسان کی زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آتے ہیں جب اس کے سامنے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کا راستہ کھلا ہوتا ہے۔ یہ راستہ بے حد پُرکشش بھی ہے اور آسان بھی۔ دوسری طرف نیکی اور اللہ کی فرمانبرداری کے راستے پر استقامت کے ساتھ چلنے کے لیے قدم قدم پر انسان کو صبر کرنا پڑتا ہے اور شہواتِ نفسانی کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک بندۂ مؤمن کی پوری زندگی ہی صبر سے عبارت ہے۔ چنانچہ اس کے اس صبر کا بدلہ اسے آخرت میں جنت اور اس کی نعمتوں کی صورت میں دیا جائے گا۔

﴿وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا﴾ ''اور ان میں ان کا استقبال کیا جائے گا دعاؤں اور سلام

(۱) یہ حدیث بخاری و مسلم کی متعدد کتب وابواب میں موجود ہے۔

کے ساتھ۔"

آیت ۷۶ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾﴾ "وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی عمدہ جگہ ہے مستقل قیام کے لیے بھی اور تھوڑی دیر ٹھہرنے کے لیے بھی۔"

یہ گویا ان الفاظ کا تقابل (contrast) ہے جو آیت ۶۶ میں وارد ہوئے: ﴿سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾﴾

آیت ۷۷ ﴿قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ ۚ﴾ "(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کوئی پروا نہیں اگر نہ ہوتا تمہیں پکارنا۔"

بنی نوعِ انسان کو راہِ ہدایت دکھانے اور اس سلسلے میں ان پر اتمامِ حجت کرنے کا کام اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ اس قانون کی وضاحت سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ کہ ہم کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں بھیجتے جب تک ان کے درمیان رسول مبعوث نہ کر دیں۔ اسی حوالے سے یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کو ہدایت کی طرف بلانا اور حق کی دعوت دینا مشیتِ الٰہی کے تحت ضروری نہ ہوتا تو میرے رب کو تم لوگوں کی کچھ بھی پروا نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ضرورت اور قانون کے تحت تمہاری طرف مبعوث فرما کر مجھے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ میں اس کا پیغام تم لوگوں تک پہنچاؤں۔ اس کے لیے میں سالہا سال سے تمہارے پیچھے خود کو ہلکان کر رہا ہوں۔ گلیوں اور بازاروں میں تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں، تمہارے گھروں میں جا کر تم لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ خفیہ اور علانیہ ہر طرح سے تم لوگوں کو سمجھاتا ہوں۔ تم لوگ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض ہے یا تمہارے بغیر میرے رب کا کوئی کام ادھورا پڑا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میرے رب کے حضور تمہاری حیثیت پرِ کاہ کے برابر بھی نہیں۔ اگر اللہ کو تمہیں راہِ ہدایت دکھا کر اتمامِ حجت کرنا منظور نہ ہوتا، اور اس کے لیے میرا تمہیں مخاطب کرنا ناگزیر نہ ہوتا تو میں ہرگز تمہارے پیچھے پیچھے نہ پھرتا۔

﴿فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾﴾ "اب جبکہ تم نے جھٹلا دیا ہے تو عنقریب یہ (عذاب تمہیں) چمٹ کر رہے گا۔"

یعنی تمہارے اس انکار کی پاداش میں تم لوگوں کو سزا مل کر رہے گی۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم○○

بیان القرآن

سُورَةُ الشُّعَرَاء

(۲۶)

بیان القرآن

سُوْرَةُ الشُّعَرَاء

(٢٦)

سُورَةُ الشُّعَرَاء

تمہیدی کلمات

سورۃ الفرقان کے تمہیدی کلمات کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ اس گروپ کی آٹھ مکی سورتوں میں سے سورۃ الفرقان کے علاوہ باقی سب کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ ان میں سے دو سورتوں (الشعراء اور القصص) کا آغاز طٰسٓمٓ سے ایک سورت (النمل) کا طٰسٓ سے اور چار سورتوں (العنکبوت، الروم، لقمان اور السجدۃ) کا آغاز الٓمٓ سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اضافی طور پر یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کی کل چھ سورتیں الٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں، جن میں سے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران مدنی ہیں، جبکہ مذکورہ چار مکی ہیں۔

سورۃ الشعراء کو مکی سورتوں میں اس اعتبار سے امتیاز حاصل ہے کہ اس کی آیات کی تعداد (۲۲۷) مکی سورتوں میں سب سے زیادہ ہے۔ (حجم کے اعتبار سے مکی سورتوں میں سورۃ الاعراف سب سے بڑی ہے، لیکن اس کی آیات ۲۰۶ ہیں۔) سورۃ الشعراء اپنی چھوٹی چھوٹی آیات، تیز ردھم اور مؤثر صوتی آہنگ کی بنا پر سورۃ الحجر سے مماثلت رکھتی ہے۔ اس کی آیت ۲۱۴ کے حوالے سے تاریخی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کا نزول ابتدائی چار برس کے دوران ہوا تھا۔ ویسے تو ابتدائی دور میں نازل ہونے والی اکثر و بیشتر سورتیں مصحف کی ترتیب میں سورۂ قٓ کے بعد یعنی آخری منزل میں رکھی گئی ہیں، لیکن سورۃ الحجر اور سورۃ الشعراء کو مشیتِ الٰہی سے مصحف کے درمیانی حصے میں رکھا گیا ہے، یعنی پچھلے گروپ میں سورۃ الحجر اور اس گروپ میں سورۃ الشعراء۔

میرے خیال میں اس ترتیب میں یہ حکمت ہے (ممکن ہے کوئی اور بڑی حکمت بھی ہو، جس تک میرے فہم کی رسائی نہ ہو) کہ ان دونوں گروپس میں یکے بعد دیگرے بہت سی ایسی سورتیں ہیں جو اپنے انداز اور مضامین کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں۔ چنانچہ ایک جیسی سورتوں کی وجہ سے پیدا ہونے والی یکسانیت کو ختم کرنے کے لیے دونوں گروپس میں مختلف انداز کی ایک ایک سورت شامل کر دی گئی ہے تاکہ تلاوت کے دوران انسان کی دلچسپی میں کمی واقع نہ ہونے پائے۔ سورۃ الشعراء کا زیادہ تر حصہ انباء الرسل پر مشتمل ہے اور اس میں بھی انہی چھ رسولوںؑ اور ان کی قوموں کے واقعات کی تفصیل ہے جن کا ذکر اس سے پہلے سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں بھی آ چکا ہے۔ البتہ اس سورت میں ان واقعات کی ترتیب مختلف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کا اضافہ بھی ہے۔ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل تذکرہ ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے، اس کے بعد باقی پانچ رسولوں کے حالات بالکل اسی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں جس ترتیب سے مذکورہ دونوں سورتوں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ سورت کا آخری رکوع خاصا طویل ہے جس میں حضور ﷺ سے خطاب ہے اور آپؐ کی وساطت سے دراصل اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱ تا ۵

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ اِنْ نَّشَاْ
نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿٧﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٩﴾ ع

آیت ۱ ﴿طٰسٓمّٓ ﴿١﴾﴾ ”طٰ سٓ مٓ۔“

آیت ۲ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾﴾ ”یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔“

آیت ۳ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر دیں گے اس صدمے میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے۔“

آیت ۴ ﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴿٤﴾﴾ ”اگر ہم چاہیں تو ان پر ابھی آسمان سے ایک ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔“

انہیں ایسی کوئی نشانی دکھا دینا ہماری قدرت سے کچھ بعید نہیں، لیکن اپنی خاص حکمت اور مشیت کے تحت ہم ایسا نہیں کر رہے۔ آگے چل کر اسی سورت میں اس حکمت کا ذکر بھی آئے گا۔

آیت ۵ ﴿وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ﴿٥﴾﴾ ”اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی مگر یہ لوگ اس سے اعراض کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔“

انہیں مختلف انداز سے سمجھایا جا رہا ہے، انداز بدل بدل کر آیات نازل کی جا رہی ہیں، مگر یہ لوگ ہیں کہ کسی نصیحت اور کسی یاد دہانی سے اثر لینے کو تیار ہی نہیں۔

آیت ۶ ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦﴾﴾ ”تو اب جبکہ وہ جھٹلا چکے ہیں تو عنقریب ان تک پہنچ جائیں گی خبریں اس چیز کی جس کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

یعنی عذابِ الٰہی کے ذریعے عنقریب ان کی پکڑ ہونے والی ہے۔

آیت ۷ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿٧﴾﴾ ”کیا یہ لوگ زمین کو نہیں دیکھتے کہ اس میں ہم نے کس قدر عمدہ چیزیں اُگائی ہیں ہر قسم کی!“

آیت ۸ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔

لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

اگر یہ لوگ معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھ لیں' اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ پوری کائنات ہی معجزہ ہے۔ کائنات میں ہر جگہ ان کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ (البقرۃ)

''یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں' رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں' اور کشتیوں (جہازوں) میں جو سمندروں (یا دریاؤں) میں لوگوں کے لیے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں' اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا ہے' پھر اس سے زندگی بخشی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور ہر قسم کے حیوانات اس کے اندر پھیلا دیے' اور ہواؤں کی گردش میں' اور ان بادلوں میں جو معلق کر دیے گئے ہیں آسمانوں اور زمین کے درمیان' یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

آیت ۹ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بہت غالب' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

یہاں ایک نکتہ لائق توجہ ہے کہ قرآن میں عام طور پر العزیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دوسرا صفاتی نام الحکیم آتا ہے' مگر اس سورت میں الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ کی تکرار ہے۔ دراصل اس کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ''العزیز'' ہے یعنی زبردست طاقت کا مالک ہے' وہ جو چاہے کرے مگر ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت مہربان' شفیق اور رحیم بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو پلک جھپکنے میں آسمان سے ایسا معجزہ اتار دے جس کے سامنے انہیں اپنی گردنیں جھکانے کے سوا چارہ نہ رہے۔ جیسا کہ قبل ازیں آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾﴾ ''اگر ہم چاہیں تو ان پر ابھی آسمان سے ایک ایسی نشانی اتار دیں جس کے سامنے اُن کی گردنیں جھک کر رہ جائیں''۔ چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عظیم مظہر ہے کہ وہ فوری طور پر کوئی حسی معجزہ دکھا کر ان لوگوں کی مدتِ مہلت کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ اس دودھ کو کچھ دیر اور بلو لیا جائے' شاید کہ اس میں سے کچھ مزید مکھن نکل آئے۔ شاید ان میں بھلائی کی استعداد رکھنے والے مزید کچھ لوگ موجود ہوں اور اس طرح انہیں بھی راہِ راست پر آنے کا موقع مل جائے۔ بہر حال اس وجہ سے ان کے مسلسل مطالبے کے باوجود بھی انہیں معجزہ نہیں دکھایا جا رہا تھا' مگر وہ نادان اپنے اس مطالبے کے پورا نہ ہونے کو آپ ﷺ کے خلاف ایک دلیل کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔

آیات ۱۰ تا ۵۱

وَاِذۡ نَادٰی رَبُّكَ مُوۡسٰۤی اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰﴾ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾
وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾
فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾ قَالَ
اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ
وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ
فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾
قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا
بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ
الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾
فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ ع
حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ڰ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ
السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ
اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَىِٕنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ
مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى
مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ
الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ڛ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا
خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ ع

آیت ۱۰ ﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾﴾ ”اور یاد کرو جب پکارا تھا آپ کے

رب نے موسیٰؑ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے پاس۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ’’(یعنی) قومِ فرعون کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں؟‘‘

آیت ۱۲ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اُسؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿وَ یَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَ لَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ فَاَرۡسِلۡ اِلٰی ہٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ’’اور میرا سینہ بھنچتا ہے اور میری زبان بھی رواں نہیں' لہٰذا آپ (یہ پیغام) ہارونؑ کی طرف بھیجیے!‘‘

تا کہ اس عظیم مشن میں وہ میرے دست و بازو بنیں اور اس کام میں میرا ہاتھ بٹائیں۔

آیت ۱۴ ﴿وَ لَہُمۡ عَلَیَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور میرے ذمے ان کا ایک جرم بھی ہے' چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔‘‘

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایک قبطی قتل ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۃ القصص میں آئے گی۔ اگرچہ یہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل خطا تھا' لیکن تھا تو بہر حال قتل۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ درست تھا کہ وہ انہیں دیکھتے ہی گرفتار کر لیں گے اور مقدمہ چلا کر سزائے موت کا مستحق ٹھہرا دیں گے۔

آیت ۱۵ ﴿قَالَ کَلَّا ۚ فَاذۡہَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۱۵﴾﴾ ’’اللہ نے فرمایا: ہرگز نہیں! تو تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ' ہم یقیناً تمہارے ساتھ ہیں' سب سننے والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿فَاۡتِیَا فِرۡعَوۡنَ فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶﴾﴾ ’’تو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم رسول ہیں ربّ العالمین کے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۷﴾﴾ ’’کہ بھیج دو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔‘‘

کہ اب تم بنی اسرائیل کو مزید تنگ نہ کرو اور انہیں آزاد کر کے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دو۔

آیت ۱۸ ﴿قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا وَّ لَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾﴾ ’’فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تمہیں چھوٹے ہوتے اپنے ہاں پالا نہیں تھا؟ اور تم نے اپنی زندگی کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے ہیں۔‘‘

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے کہ کوئی واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کی غیر ضروری تفاصیل چھوڑ دی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر پہنچنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے دربار میں جا کر اسے دعوت دینے سے متعلق تمام تفصیلات کو چھوڑ کر فرعون کے جواب کو نقل کیا گیا ہے کہ کیا تم وہی نہیں ہو جس کو ہم نے دریائے نیل میں بہتے ہوئے صندوق سے نکالا تھا اور پھر پال پوس کر بڑا کیا تھا؟ آیت زیر مطالعہ میں قرآن کے الفاظ کا امکانی حد تک مناسب انداز میں ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن جس ماحول اور جس انداز میں فرعون نے یہ جملے کہے ہوں گے ان کا تصور کریں تو مفہوم کچھ یوں ہو گا کہ تم ہمارے ٹکڑوں پر پلے ہو اور آج اللہ کے رسول بن کر ہمارے ہی سامنے آ کھڑے ہوئے ہو۔ ہماری بلی اور ہمیں کو میاؤں!

[سورۃ الاعراف کی آیات ۱۰۴'۱۰۵ کے ذیل میں یہ وضاحت آ چکی ہے کہ یہ وہ فرعون نہ تھا جس کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی تھی' بلکہ یہ اس کا بیٹا تھا۔ زیر مطالعہ آیت کے اسلوب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر یہ وہی فرعون ہوتا تو کہتا کہ میں نے تجھے پالا پوسا' لیکن یہ کہہ رہا ہے کہ تو ہمارے ہاں رہا ہے اور ہم نے تیری پرورش کی ہے۔]

آیت ۱۹ ﴿وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾﴾ ''اور تم نے جو اپنا وہ کام کیا جو کیا' اور تم ناشکروں میں سے ہو۔''

فرعون نے اپنے مزعومہ احسانات جتلانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی یاد دلا دیا کہ تم نے ہمارے ایک آدمی کو بھی قتل کیا ہوا ہے۔ اور آخر میں بڑی رعونت سے کہا کہ تم کتنے ناشکر گزار اور احسان فراموش ہو!

آیت ۲۰ ﴿قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٢٠﴾﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: میں نے وہ تب کیا تھا جب کہ میں ناواقفوں میں سے تھا۔''

یعنی یہ فعل مجھ سے نادانستگی میں ہوا تھا اور اُس وقت میں ابھی حقیقت سے ناآشنا بھی تھا۔ ابھی رسالت اور نبوت مجھے نہیں ملی تھی اور میں خود تلاشِ حقیقت میں سرگرداں تھا۔ لفظ ''الضّال'' کے دو مفاہیم کے بارے میں سورۃ الفاتحہ کے مطالعے کے دوران وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس لفظ کے ایک معنی تو راستے سے بھٹک جانے والے اور غلط فہمی کی بنا پر کوئی غلط راستہ اختیار کر لینے والے کے ہیں' لیکن اس کے علاوہ جو شخص ابھی درست راستے کی تلاش میں سرگرداں ہو اس پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی مفہوم میں یہ لفظ سورۃ الضحیٰ کی اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾﴾ کہ ہم نے آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو راہنمائی فرما دی!

آیت ۲۱ ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾ ''پھر میں تمہارے ہاں سے بھاگ گیا جب مجھے تم سے خوف محسوس ہوا''

اس واقعہ کے بعد میں تم لوگوں سے ڈر کر تمہارا یہ علاقہ چھوڑ کر چلا گیا۔

﴿فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢١﴾﴾ ''پھر میرے رب نے مجھے حکم عطا کیا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔''

اب اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور حکمت اور قوتِ فیصلہ کی دولت بھی عطا کی ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾﴾ ''اور یہ وہ احسان ہے جو تم مجھے جتلا رہے ہو جس کے عوض تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے!''

ان الفاظ کے تیور بتا رہے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے تھے کہ اپنے محل میں ایک اسرائیلی بچے کی پرورش کرنے کا تمہارا احسان کیا تمہیں یہ جواز فراہم کرتا ہے کہ تم پوری بنی اسرائیل قوم کو اپنا غلام بنائے رکھو؟ میری پرورش کرنے کا کارنامہ تو تمہیں بر وقت یاد آ گیا لیکن میری قوم کو جو تم نے

غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے' اس کا کوئی تذکرہ تم نے نہیں کیا۔ یہاں عَبَّدْتَّ کا لفظ لائق توجہ ہے۔ ''تَعبِید'' کے معنی کسی کو غلام اور فرمانبردار بنا لینے کے ہیں۔ اسی سیاق وسباق میں ایک دوسری جگہ فرعون کا یہ فقرہ اس لفظ کے مفہوم کو مزید واضح کرتا ہے: ﴿وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون) ''اور ان دونوں کی قوم تو ہماری غلام ہے!''

آیت ۲۳ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۳﴾ ''فرعون نے پوچھا کہ یہ ربّ العالمین کون ہے؟''

تم نے دعویٰ کیا ہے کہ تم ربّ العالمین کے رسول ہو اور اُس کی طرف سے بھیجے گئے ہو' تو یہ ربّ العالمین کون ہے؟

آیت ۲۴ ﴿قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝۲۴﴾ ''موسیٰؑ نے جواب دیا: آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس کا آقا اور مالک۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو!''

آیت ۲۵ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝۲۵﴾ ''فرعون نے اپنے اِرد گرد لوگوں سے کہا: کیا آپ سن نہیں رہے؟''

اس فقرے کے صحیح مفہوم اور موقع ومحل کو سمجھنے کے لیے فرعون کے دربار کا تصور ذہن میں لانا ضروری ہے۔ تصور کیجیے! دربار سجا ہے' تمام اعیانِ سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہیں۔ اس بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام براہِ راست فرعون سے مخاطب ہیں اور اس گفتگو کو تمام درباری روبرو سن رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ترکی بہ ترکی گفتگو اور بے باک لہجے کے سامنے فرعون کھسیانا ہو چکا ہے۔ اپنی اس خفت کو چھپانے کے لیے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دینے کے بجائے پلٹ کر اپنے درباریوں کی طرف دیکھتا ہے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ لوگوں نے سنا' یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے اس انداز کو خاطر میں لائے بغیر اپنی گفتگو جاری رکھتے ہیں:

آیت ۲۶ ﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۶﴾ ''اُسؑ نے کہا کہ وہ تمہارا بھی ربّ ہے اور تمہارے پہلے آباء واَجداد کا بھی ربّ ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝۲۷﴾ ''فرعون نے (درباریوں سے) کہا کہ تمہارا یہ رسول جسے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً مجنون ہے۔''

گویا فرعون مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آنکھیں چرا رہا ہے۔ آپؑ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دینے کے بجائے وہ پھر اپنے درباریوں سے ہی مخاطب ہوا ہے۔ اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے اب اس نے طنزیہ انداز اختیار کیا ہے کہ مجھے تو یہ صاحب جو تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں مجنون لگتے ہیں' ان کا دماغی توازن ٹھیک نہیں لگتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی اس بات کو بھی نظر انداز کر کے اپنی گفتگو اسی جوش اور بے باکی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں:

آیت ۲۸ ﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۲۸﴾ ''اُس نے کہا کہ وہ

مشرق و مغرب کا بھی رب ہے اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کا بھی۔ اگر تم عقل رکھتے ہو!''

گویا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام پورے طور پر دربار پر چھائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف فرعون کے مکالمات اور انداز سے اس کی بے بسی صاف نظر آ رہی ہے۔ آیات میں درج مکالمات کی مدد سے اس پورے منظر کو اگر ڈرامائی انداز میں پیش کیا جائے تو بہت دلچسپ اور عبرت انگیز صورتِ حال کی تصویر سامنے آ سکتی ہے۔ (میں نے میڈیکل کالج میں اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران ان آیات کے ترجمے سے ڈرامے کا ایک سکرپٹ تیار کیا تھا: ''ایک رسول' بادشاہ کے دربار میں!'')

آیت ۲۹ ﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾﴾ ''اُس نے کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود مانا تو میں تمہیں قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔''

صورتِ حال فرعون کی برداشت سے باہر ہو گئی تو اس کا غصہ اور مطلق العنانیت کا جلال اس کی خفت پر غالب آ گیا۔ اس کیفیت میں اس نے گرجتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی دی' مگر یہ قتل کے بجائے صرف جیل میں ڈالنے کی دھمکی تھی۔ اس سے یوں لگتا ہے جیسے ابھی تک فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوئی نرم گوشہ موجود تھا اور یہ بالکل فطری بات تھی' کیونکہ وہ حضرت موسیٰؑ کا بچپن کا ساتھی تھا۔ دونوں اکٹھے کھیلے اور اکٹھے ساتھ پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے اس کے بڑے بھائی کی طرح تھے۔

آیت ۳۰ ﴿قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾﴾ ''موسیٰؑ نے جواب دیا: اگرچہ میں تمہارے پاس کوئی واضح چیز لے کر آیا ہوں؟''

آیت ۳۱ ﴿قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾﴾ ''وہ بولا: تو اسے پیش کرو اگر تم سچے ہو!''

آیت ۳۲ ﴿فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾﴾ ''چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ ایک صریح اژدھا بن گیا۔''

واضح رہے کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۲۰ میں عصا کی تبدیلیٔ ہیئت کے لیے ''حَيَّةٌ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے' جس کے معنی عام سانپ کے ہیں اور یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰؑ کو وادیٔ طویٰ میں پہلی بار اس کا تجربہ کرایا گیا تھا۔ جبکہ فرعون کے دربار میں وہ ''ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ'' یعنی واضح طور پر ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا تھا۔

آیت ۳۳ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾﴾ ''اور انہوں نے اپنا ہاتھ (اپنے گریبان سے) کھینچا تو وہ سفید چمکدار تھا دیکھنے والوں کے لیے۔''

آیت ۳۴ ﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾﴾ ''فرعون نے اپنے اردگرد موجود سرداروں سے کہا کہ یہ تو واقعتاً ایک ماہر جادوگر ہے۔''

کہ یہ اتنا عرصہ جہاں کہیں بھی رہا ہے' جادو سیکھتا رہا ہے اور لگتا ہے کہ اس فن میں اس نے خوب مہارت حاصل کر لی ہے ——— اور اب:

آیت ۳۵ ﴿يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾﴾ ''یہ چاہتا ہے کہ اپنے

اس جادو کے بل پر تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے' تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟''

لغوی اعتبار سے ''امر'' کے معنی حکم کے بھی ہیں اور مشورہ کے بھی' مگر یہاں یہ لفظ مشورہ کے معنی دے رہا ہے۔ فرعون کے اس فقرے سے اس کی تشویش صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ گویا صورتِ حال اس کے اندازے سے کہیں بڑھ کر پیچیدہ اور گھمبیر تھی۔

آیت ۳۶ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دے دیں اور بھیج دیں تمام شہروں میں نقیب۔''

آیت ۳۷ ﴿یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾﴾ ''وہ لے آئیں آپ کے پاس تمام ماہر جادوگروں کو۔''

ہرکارے شاہی پیغام لے کر پورے ملک میں پھیل جائیں' ہر جگہ ڈھنڈورا پیٹیں اور جہاں جہاں سے کوئی ماہر جادوگر ملے سب کو اکٹھا کر کے دربار شاہی میں پیش کر دیں۔

آیت ۳۸ ﴿فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾﴾ ''تو یوں جمع کر لیے گئے تمام جادوگر ایک مقررہ دن کے وعدے پر۔''

آیت ۳۹ ﴿وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور لوگوں سے بھی کہہ دیا گیا کہ کیا تم جمع ہو جاؤ گے؟''

اس کے بعد عوام میں بھی منادی کرائی گئی کہ وہ بھی طے شدہ وقت کے مطابق مقررہ جگہ پر پہنچ جائیں۔

آیت ۴۰ ﴿لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۰﴾﴾ ''تاکہ ہم پیروی کر لیں جادوگروں کی اگر وہی غالب رہیں۔''

کہ موسٰیؑ اگر اپنے جادو کے زور سے ہمیں مرعوب و مغلوب کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کیوں نہ ہم اپنی قوم کے جادوگروں کی سرداری قبول کر کے ان کی پیروی کریں اور موسٰیؑ کے بجائے ان کی پناہ میں آ جائیں!

آیت ۴۱ ﴿فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۴۱﴾﴾ ''تو جب جادوگر آ پہنچے تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کہ کیا ہمیں انعام ملے گا' اگر ہم غالب آ گئے؟''

آیت ۴۲ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''اُس نے کہا ضرور! اور تب تم لوگ یقیناً مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔''

خلعتیں اور انعامات بھی ملیں گے اور اس کے علاوہ تم لوگوں کو دربار میں اعلیٰ مناصب عطا کر کے میں اپنے مقرب مصاحبین میں بھی شامل کر لوں گا۔

آیت ۴۳ ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''موسٰیؑ نے ان سے کہا کہ پھینکو تم لوگ جو کچھ پھینکنے والے ہو!''

آیت ۴۴ ﴿فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ﴾ ''تو انہوں نے پھینک ڈالیں اپنی رسیاں اور لاٹھیاں'

﴿وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور کہا کہ فرعون کی عزت کی قسم' یقیناً ہم ہی

غالب رہنے والے ہوں گے!"

آیت ۴۵ ﴿فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ "اب موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو یکا یک وہ نگلنے لگا اُس فریب کو جو انہوں نے بنایا تھا۔"

ان کی رسیاں اور لاٹھیاں جو بظاہر سانپ دکھائی دے رہی تھیں' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اژدھا بن کر انہیں نگلنا شروع کر دیا۔

آیت ۴۶ ﴿فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾﴾ "تو سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گرا دیے گئے۔"

اُلْقِیَ صیغہ مجہول ہے' یعنی وہ سجدے میں خود نہیں گرے بلکہ گرا دیے گئے۔ مطلب یہ کہ اپنے جادو کے زائل ہونے کا منظر دیکھ کر وہ لوگ اس طرح بے اختیار سجدوں میں گر گئے جیسے کسی نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہو۔

آیت ۴۷ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾﴾ "اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے ہیں۔"

آیت ۴۸ ﴿رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ "جو موسیٰؑ اور ہارونؑ کا رب ہے۔"

آیت ۴۹ ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ﴾ "فرعون نے کہا: کیا تم لوگ ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا!"

فرعون پُرجلال انداز میں گرجا کہ تمہاری یہ جرأت کہ مابدولت کی اجازت کے بغیر تم لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا!

﴿اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ﴾ "یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔"

کہ مجھے تمہاری سازش کا پتا چل گیا ہے۔ یقیناً یہ تمہارا استاد اور گرو گھنٹال ہے جس سے تم جادو سیکھتے رہے ہو۔ تمہارا یہاں آنا اور مقابلہ کرنا محض ایک ڈھونگ تھا اور اب اس سے یوں تمہارا ہار مان لینا تمہاری باہمی ملی بھگت اور نورا کشتی کا نتیجہ ہے۔

﴿فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ﴾ "تو بہت جلد تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔"

﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۹﴾﴾ "میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالوں گا مخالف سمت سے اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔"

آیت ۵۰ ﴿قَالُوْا لَا ضَیْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ "انہوں نے کہا: کوئی پروا نہیں! یقیناً ہم اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

آیت ۵۱ ﴿اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ﴾ "یقیناً ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو بخش دے گا"

اب ہمیں اگر کچھ طمع ہے تو بس یہی ہے اور ہمارے دل میں اگر کوئی خواہش' کوئی آرزو اور تمنا ہے تو ایک

ہی ہے کہ ہمارا رب ہماری پچھلی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

﴿اَنْ کُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''کہ ہم ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔''
کہ ہم نے سب سے پہلے اللہ کے رسولؑ کی تصدیق کی ہے اور کوئی دوسرا اس معاملے میں ہم پر سبقت نہیں لے جاسکا۔

آیات ۵۲ تا ۶۸

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ
حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ کَذٰلِکَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا
بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا
لَمُدْرَکُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ کَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنِ اضْرِبْ
بِّعَصَاکَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾
وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۶﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا
کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۶۸﴾ ع ۴ ۸

آیت ۵۲ ﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور ہم نے وحی کر دی موسٰیؑ کی جانب کہ میرے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ' یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔''

آیت ۵۳ ﴿فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''تو فرعون نے تمام شہروں میں (پھر) نقیب بھیج دیے۔''

بنی اسرائیل کے تعاقب کی غرض سے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے پورے ملک میں پھر ڈھنڈورچی اور ہرکارے بھیج دیے گئے' یہ کہہ کر کہ:

آیت ۵۴ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''یقیناً یہ تو مٹھی بھر لوگ ہیں۔''

آیت ۵۵ ﴿وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''اور بلاشبہ انہوں نے ہمارے غصے کو بھڑکا دیا ہے۔''

بنی اسرائیل کے مصر سے نکل بھاگنے کی حرکت نے ہمیں غضب ناک کر دیا ہے۔ اب ہم انہیں عبرتناک سزا دیں گے۔ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ''ان کے اندر ہماری وجہ سے غصہ ہے''۔ یعنی اگرچہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں لیکن ہم انہیں جو تکالیف پہنچاتے رہے ہیں اس وجہ سے وہ ہم پر بھرے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ یہ دل جلے لوگ ہمارے خلاف کچھ بھی کر سکتے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''اور یقیناً ہم سب خطرے میں پڑنے والے ہیں۔''

ہمیں ان کی طرف سے کسی بڑے اقدام کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی پوری قوت کو مجتمع کر کے ان کا پیچھا کرنا چاہیے۔

آیت ۵۷ ﴿فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۵۷﴾ ''پس یوں نکالا ہم نے انہیں باغات اور چشموں میں سے۔''

آیت ۵۸ ﴿وَّكُنُوۡزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۵۸﴾ ''اور خزانوں اور بہت عمدہ قیام گاہوں سے۔''

اس صورتِ حال میں انہیں اپنے باغات' چشمے' گھربار' جاگیریں وغیرہ جن میں وہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگیاں بسر کر رہے تھے' سب کچھ چھوڑ کر نکلنا پڑا۔

آیت ۵۹ ﴿كَذٰلِكَ ؕ وَاَوۡرَثۡنٰهَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۵۹﴾ ''اسی طرح ہوا۔ اور ان چیزوں کا وارث ہم نے بنی اسرائیل کو بنا دیا۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل نے بعد میں واپس آ کر ان سب چیزوں پر قبضہ کر لیا' بلکہ مراد یہ ہے کہ بعد میں بنی اسرائیل کو ہم نے دُنیوی مال و دولت اور اقتدار سے نوازا اور ایک وقت آیا کہ یہی تمام چیزیں انہیں مل گئیں۔

آیت ۶۰ ﴿فَاَتۡبَعُوۡهُمۡ مُّشۡرِقِيۡنَ ۶۰﴾ ''تو انہوں نے ان کا تعاقب کیا صبح ہوتے ہی۔''

صبح کی روشنی ہوتے ہی فرعون اور اس کے لشکر بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

آیت ۶۱ ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الۡجَمۡعٰنِ قَالَ اَصۡحٰبُ مُوۡسٰۤى اِنَّا لَمُدۡرَكُوۡنَ ۶۱﴾ ''پھر جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسٰیؑ کے ساتھیوں نے کہا کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔''

جب فرعونی لشکر تعاقب کرتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گیا تو بنی اسرائیل کو اپنے پکڑے جانے کا یقین ہو گیا۔

آیت ۶۲ ﴿قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ۶۲﴾ ''موسٰیؑ نے کہا: ہرگز نہیں! یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے' وہ ضرور میرے لیے راستہ پیدا کر دے گا۔''

اس آیت کے یہ الفاظ سورۃ التوبہ کی آیت ۴۰ کے ان الفاظ سے ملتے جلتے ہیں جو حضور ﷺ نے غارِ ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمائے تھے: ﴿لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾ ''(اے ابوبکرؓ) آپ پریشان نہ ہوں' یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰۤى اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡبَحۡرَ ؕ﴾ ''تو ہم نے وحی کی موسٰیؑ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو!''

﴿فَانۡفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرۡقٍ كَالطَّوۡدِ الۡعَظِيۡمِ ۶۳﴾ ''تو وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بہت بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔''

اپنے مفہوم کے اعتبار سے آیت کے الفاظ بہت واضح ہیں' لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان الفاظ کی لایعنی تاویل کر کے اس واقعہ کو مدوجزر قرار دے تو اسے صرف ڈھٹائی ہی کہا جا سکتا ہے۔ فَلَقَ کے معنی پھٹنے کے

ہیں اور یہ مادہ اس مفہوم کے ساتھ قرآن میں کثرت سے آیا ہے۔ جیسے: ﴿فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ﴾ (الانعام: ۹۶) ”چاک کرنے والا صبح کی سفیدی کو“۔ اور ﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ۱﴾ (الفلق) ”کہیے میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی“۔ چنانچہ اس آیت میں بھی لفظ فلق کے لغوی معنی ہی مراد ہیں‘ یعنی سمندر پھٹ گیا اور اس کے دونوں حصے پہاڑ کی طرح کھڑے ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ مدّوجزر کی کیفیت میں نہ تو سمندر پھٹتا ہے اور نہ ہی اس کا پانی چٹان یا پہاڑ کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس تاویل کے مقابلے میں آیت کے الفاظ کا لغوی اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو قرآن کے اس فرمان کی حقانیت بھی ثابت ہو جاتی ہے: ﴿لَّا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ﴾ ”(حٰمٓ السجدۃ: ۴۲) کہ باطل اس کتاب پر حملہ نہیں کر سکتا‘ نہ سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یعنی قرآن اپنے مفاہیم و معانی کی حفاظت بھی خود کرتا ہے۔

آیت ۶۴ ﴿وَاَزۡلَفۡنَا ثَمَّ الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿ۚ۶۴﴾﴾ ”اور ہم قریب لے آئے وہیں پر دوسروں کو بھی۔“

جب سمندر پھٹ گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اس راستے سے نکل گئے۔ عین اس وقت ان کے پیچھے فرعون بھی آ پہنچا اور اس نے بھی اپنا لشکر اسی راستے پر ڈال دیا۔

آیت ۶۵ ﴿وَاَنۡجَیۡنَا مُوۡسٰی وَمَنۡ مَّعَهٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۚ۶۵﴾﴾ ”اور ہم نے نجات دے دی موسیٰؑ کو اور ان کے ساتھ جو کوئی بھی تھا سب کو۔“

آیت ۶۶ ﴿ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿ؕ۶۶﴾﴾ ”پھر ہم نے غرق کر دیا دوسروں کو۔“

آیت ۶۷ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۷﴾﴾ ”یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔“

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر مشرکینِ مکّہ کو کوئی نشانی چاہیے تو وہ اس واقعہ کو دیکھ لیں۔ اور اگر انہیں اس میں کوئی نشانی نظر نہیں آتی تو پھر کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول سکے گا۔ چنانچہ آپؐ خواہ کتنی ہی کوشش کریں ان کی اکثریت ایمان نہیں لائے گی۔

آیت ۶۸ ﴿وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۶۸﴾﴾ ”اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست‘ نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ بہت طاقتور اور سب پر غالب ہے۔ وہ جو چاہے حکم کرے‘ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رحیم بھی ہے اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ مشرکین کو ایسا کوئی حسّی معجزہ نہ دکھایا جائے جس سے ان کی مہلت ختم ہو جائے۔

آیات ۶۹ تا ۱۰۴

وَاتۡلُ عَلَیۡهِمۡ نَبَاَ اِبۡرٰهِیۡمَ ﴿ۘ۶۹﴾ اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡهِ وَقَوۡمِهٖ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اَصۡنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰکِفِیۡنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلۡ یَسۡمَعُوۡنَکُمۡ اِذۡ تَدۡعُوۡنَ ﴿ۙ۷۲﴾ اَوۡ یَنۡفَعُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَضُرُّوۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا بَلۡ وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا کَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿ۙ۷۵﴾

أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ
يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ
يُحْيِينِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي
بِالصّٰلِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِن وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾
وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾
إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ
لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللّٰهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا
هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ إِن كُنَّا لَفِي
ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِن
شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ
لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ ع

آیت ۶۹ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرٰهِيمَ ﴿٦٩﴾﴾ ''اور ان کو ابراہیمؑ کی خبر پڑھ کر سنایئے۔''

آیت ۷۰ ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾﴾ ''جب اُسؑ نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ یہ کن کو پوجتے ہو؟''

آیت ۷۱ ﴿قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِينَ ﴿٧١﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ ہم بُتوں کو پُوجتے ہیں اور انہی کے سامنے گیان دھیان میں بیٹھے رہتے ہیں۔''

آیت ۷۲ ﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾﴾ ''اُسؑ نے پوچھا: کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟''

جب تم ان سے دعا کرتے ہو اور ان کے سامنے گڑگڑاتے ہو تو کیا وہ تمہاری دعائیں اور تمہاری باتیں سنتے ہیں؟

آیت ۷۳ ﴿أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾﴾ ''یا وہ تمہیں کوئی نفع یا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں؟''

وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان منطقی سوالات کا اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دے سکے:

آیت ۷۴ ﴿قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾﴾ ''انہوں نے کہا: بلکہ ہم نے اپنے آباء و اَجداد کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔''

ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے ہوئے پایا ہے' چنانچہ ہم نے بھی ان کی پیروی میں وہی طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

آیت ۷۵ ﴿قَالَ اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴾ ”ابراہیمؑ نے کہا: بھلا دیکھو تو! یہ جنہیں تم لوگ پوجتے ہو۔“

آیت ۷۶ ﴿اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُکُمُ الۡاَقۡدَمُوۡنَ ﴾ ”تم اور تمہارے پہلے باپ دادا۔“

آیت ۷۷ ﴿فَاِنَّہُمۡ عَدُوٌّ لِّیۡۤ اِلَّا رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ ”یہ سب میرے تو دشمن ہیں، سوائے ربّ العالمین کے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گویا علی الاعلان کہہ دیا کہ تمہارے اور تمہارے آباء واَجداد کے ان معبودوں سے میری دشمنی ہے۔ میرا معبود اور مددگار صرف وہ اللہ ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میرا تکیہ اور توکّل بس اُسی کی ذات پر ہے۔

آیت ۷۸ ﴿الَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَہُوَ یَہۡدِیۡنِ ﴾ ”جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔“

آیت ۷۹ ﴿وَ الَّذِیۡ ہُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَ یَسۡقِیۡنِ ﴾ ”اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔“

آیت ۸۰ ﴿وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَہُوَ یَشۡفِیۡنِ ﴾ ”اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔“

یہاں یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیماری کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور شفا کو اللہ تعالیٰ کی طرف۔

آیت ۸۱ ﴿وَ الَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ﴾ ”اور وہی ہے جو مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔“

آیت ۸۲ ﴿وَ الَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـئَتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴾ ”اور وہی ہے جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ روزِ جزا میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔“

ابھی تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب تھے۔ اب براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں:

آیت ۸۳ ﴿رَبِّ ہَبۡ لِیۡ حُکۡمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴾ ”اے میرے پروردگار! تُو مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے اپنے صالح بندوں میں شامل کر دے۔“

آیت ۸۴ ﴿وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴾ ”اور میرے لیے بنا دے سچی ناموری پچھلے لوگوں میں۔“

یعنی بعد میں آنے والی نسلیں میرا ذکر اچھے انداز میں کریں اور میرا نام عزت سے لیں۔

آیت ۸۵ ﴿وَ اجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ ﴾ ”اور مجھے بنا دے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے۔“

آیت ۸۶ ﴿وَ اغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴾ ”اور میرے والد کو بخش دے، یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔“

آیت ۸۷ ﴿وَ لَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴾ ”اور مجھے رسوا نہ کیجیو اُس دن جب سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔“

آیت ٨٨ ﴿ یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوۡنَ ﴿٨٨﴾ ﴾ ''جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔''

جس دن اللہ کی پکڑ سے نہ دولت بچا سکے گی اور نہ اولاد۔

آیت ٨٩ ﴿ اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ﴿٨٩﴾ ﴾ ''سوائے اُس کے جو آئے اللہ کے پاس قلبِ سلیم لے کر۔''

سلیم کے معنی ہیں: سلامتی والا۔ قلبِ سلیم یا فطرتِ سلیمہ سے ایسا دل ایسی فطرت یا ایسی روح مراد ہے جو ہر قسم کی آلودگی سے پاک یعنی اپنی اصلی حالت پر ہو۔ قیامت کے دن جو شخص ایسے پاکیزہ دل کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہوگا اسے اس دن کی ہولناکیوں سے بچالیا جائے گا۔

آیت ٩٠ ﴿ وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿٩٠﴾ ﴾ ''اور جنّت قریب لائی جائے گی متقین کے لیے۔''

آیت ٩١ ﴿ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ ﴿٩١﴾ ﴾ ''اور جہنّم بھی ظاہر کر دی جائے گی باغیوں کے لیے۔''

آیت ٩٢ ﴿ وَقِیۡلَ لَھُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿٩٢﴾ ﴾ ''اور اُن سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم پوجا کرتے تھے؟''

آیت ٩٣ ﴿ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ ھَلۡ یَنۡصُرُوۡنَکُمۡ اَوۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ ﴿٩٣﴾ ﴾ ''اللہ کے سوا۔ کیا اب وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا (تمہاری طرف سے) کوئی بدلہ لے سکتے ہیں؟''

آیت ٩٤ ﴿ فَکُبۡکِبُوۡا فِیۡھَا ھُمۡ وَالۡغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ ﴾ ''پھر اوندھے ڈال دیے جائیں گے اس (جہنم) میں وہ اور سب گمراہ لوگ۔''

آیت ٩٥ ﴿ وَجُنُوۡدُ اِبۡلِیۡسَ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿٩٥﴾ ﴾ ''اور ابلیس کے لشکر بھی سب کے سب۔''

آیت ٩٦ ﴿ قَالُوۡا وَھُمۡ فِیۡھَا یَخۡتَصِمُوۡنَ ﴿٩٦﴾ ﴾ ''وہ کہیں گے، جبکہ وہ اس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑ رہے ہوں گے:''

آیت ٩٧ ﴿ تَاللّٰہِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿٩٧﴾ ﴾ ''اللہ کی قسم! یقیناً ہم ہی تھے کھلی گمراہی میں۔''

آیت ٩٨ ﴿ اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿٩٨﴾ ﴾ ''جب ہم تمہیں تمام جہانوں کے پروردگار کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

جہنم میں تمام گمراہ لوگوں کو اُن کے معبودانِ باطل کو اور شیاطینِ جن کو اوپر تلے اوندھے منہ جھونک دیا جائے گا۔ یہاں وہ ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ گمراہ لوگ اپنے معبودوں کو مخاطب کر کے اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے۔ وہ تسلیم کریں گے کہ انہیں اللہ ہی کو ربّ العالمین ماننا چاہیے تھا جو سب اختیارات کا مالک ہے اور وہی مغفرت بھی کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے اللہ کے مقابلے میں جھوٹے معبود گھڑ لیے انہیں اللہ کے برابر ٹھہرا لیا اور یوں انہوں نے کھلی گمراہی میں پڑ کر خود کو برباد کر لیا۔

آیت ٩٩ ﴿ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿٩٩﴾ ﴾ ''اور نہیں گمراہ کیا ہمیں لیکن ان مجرموں نے۔''

آیت ١٠٠ ﴿ فَمَا لَنَا مِنۡ شَافِعِیۡنَ ﴿١٠٠﴾ ﴾ ''تو اب یہاں ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔''

آیت ۱۰۱ ﴿وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾﴾ ''اور نہ کوئی مخلص دوست۔''

آیت ۱۰۲ ﴿فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ ''تو اگر ہمیں ایک مرتبہ لوٹنا نصیب ہو جائے تو ہم مومن بن جائیں گے۔''

آیت ۱۰۳ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۰۴ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۱۰۵ تا ۱۲۲

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ۚ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ۭ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ۭ قَالَ وَمَا
عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ۚ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾ۭ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ۭ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ۚۖ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ
مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾ۚ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ
الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿١٢٢﴾ۧ ع ۱۸/۱۰

اب آگے انباء الرسل کا تذکرہ پھر اسی زمانی ترتیب سے ہو رہا ہے جس ترتیب سے پہلے سورۃ الاعراف اور سورۂ ہود میں ہو چکا ہے۔اس ضمن میں ہر رکوع کے آخر میں دو آیات ترجیعی کلمات کے طور پر بار بار دہرائی جائیں گی۔

آیت ۱۰۵ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾﴾ ''جھٹلایا نوحؑ کی قوم نے بھی رسولوںؑ کو۔''

آیت ۱۰۶ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾﴾ ''یاد کرو جبکہ ان سے ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے؟''

آیت ۱۰۷ ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾﴾ ''یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔''

مجھے اللہ کی طرف سے تمہاری طرف جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے وہ میں بلا کم و کاست تم لوگوں تک پہنچا رہا ہوں۔

آیت ۱۰۸ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

واضح رہے کہ رسولؑ کی دعوت کے ہمیشہ دو حصے رہے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ ہے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ یا اعْبُدُوا اللّٰهَ یعنی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یا اللہ کی بندگی کرو! اور دوسرا حصہ ہے: وَاَطِیْعُوْنِ کہ میرا حکم مانو' میری اطاعت کرو! اس لیے کہ رسولؑ کی شخصی اطاعت لازم ہوتی ہے' جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۶۴) میں فرمایا گیا: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسولؑ کو مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے''۔ اس سورۂ مبارکہ میں یہ نکتہ ہر رسول کے حوالے سے بار بار دہرایا گیا ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ﴾ ''اور میں اس پر تم سے کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں۔''

﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''میری اجرت تو ربّ العالمین ہی کے ذمے ہے۔''

آیت ۱۱۰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!''

آیت ۱۱۱ ﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''انہوں نے کہا: کیا ہم تمہاری بات مانیں جبکہ تمہاری پیروی کرنے والے گھٹیا لوگ ہیں!''

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار اور اشراف آپؑ کی دعوتِ حق کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم آپ کو کیسے مان لیں جبکہ آپ کی پیروی اختیار کرنے والے تو ہمارے کمّی کمین ہیں' ہمارے معاشرے کے پسماندہ طبقات کے لوگ ہیں جنہیں حقیر اور رذیل سمجھا جاتا ہے!

آیت ۱۱۲ ﴿قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ ''نوحؑ نے کہا: مجھے کیا علم کہ وہ کیا کام کرتے ہیں!''

یعنی تمہارے اپنے معیارات ہیں۔ تمہارے نزدیک عزت کا معیار دولت اور وجاہت ہے' اس لیے ایک غریب مزدور کو تم لوگ گھٹیا انسان سمجھتے ہو' مگر مجھے اس اعتبار سے کسی کے پیشے سے کوئی سروکار نہیں۔ یہی اعتراض سردارانِ قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے بارے میں تھا۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ آپؐ پر ایمان لانے والوں میں اکثریت مزدوروں اور غلاموں کی ہے۔ جیسے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے اور سردارانِ قریش ایک غریب لوہار کے ساتھ بیٹھنا کیسے گوارا کر سکتے تھے! بہرحال نہ تو مزدوری کرنا یا محنت سے اپنی روزی کمانا کوئی شرم کی بات ہے اور نہ ہی اس طرح کے پیشے سے کوئی آدمی گھٹیا ہو جاتا ہے۔

آیت ۱۱۳ ﴿اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے' کاش کہ تم لوگوں کو شعور ہوتا۔''

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور میں ان مؤمنین کو دھتکارنے والا نہیں ہوں۔''

آیت ۱۱۵ ﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''میں تو بس ایک صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔''

آیت ۱۱۶ ﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''انہوں نے کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔''

آیت ۱۱۷ ﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾﴾ ''اُسؑ نے فریاد کی: اے میرے پروردگار! میری قوم

نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔''

آیت ۱۱۸ ﴿فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا﴾ ''تو اب دوٹوک فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے مابین''
یعنی ایسا کھلا فیصلہ جس کے بعد حق کے احقاق اور باطل کے ابطال میں کوئی شک یا ابہام نہ رہ جائے۔

﴿وَنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾﴾ ''اور نجات دے دے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں اہلِ ایمان میں سے۔''

آیت ۱۱۹ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''تو ہم نے نجات دے دی اُس کو بھی اور ان کو بھی جو اُس کے ساتھ تھے ایک بھری کشتی میں۔''
یہ کشتی پوری طرح بھری ہوئی تھی کیونکہ اس میں انسانوں (مؤمنین) کے علاوہ ہر قسم کے حیوانات کے ایک ایک جوڑے کو بھی سوار کر لیا گیا تھا تاکہ ان کی نسل کو محفوظ رکھا جا سکے۔

آیت ۱۲۰ ﴿ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''پھر ہم نے اس کے بعد باقی سب کو غرق کر دیا۔''

آیت ۱۲۱ ﴿اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بہت زبردست' نہایت رحم والا ہے۔''

آیات ۱۲۳ تا ۱۴۰

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ۙ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ۚ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ؕ
اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ۙ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ۚ وَاِذَا بَطَشْتُمْ
بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ۚ وَاتَّقُوا الَّذِيْۤ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ۚ اَمَدَّكُمْ
بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ۙۚ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ؕ قَالُوْا سَوَآءٌ
عَلَيْنَاۤ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ۙ وَمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ۚ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ۧ ع ۱۸ / ۱۱

آیت ۱۲۳ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ''قومِ عاد نے رسولوںؑ کو جھٹلایا۔''

آیت ۱۲۴ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''جب ان کے بھائی ہودؑ نے ان سے کہا کہ کیا

تم ڈرتے نہیں ہو!''

آیت ۱۲۵ ﴿اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؑ ہوں۔''

آیت ۱۲۶ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ''اور میں تم سے اس پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں' میری اجرت تو تمام جہانوں کے رب ہی کے ذمے ہے۔''

آیت ۱۲۸ ﴿اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾﴾ ''کیا تم لوگ تعمیر کرتے ہو ہر اونچی جگہ پر ایک یادگار' عبث کام کرتے ہو۔''

تم لوگ بغیر کسی مقصد اور افادیت کے جگہ جگہ بڑی بڑی عمارتیں محض اپنی یادگاروں کے طور پر تعمیر کر دیتے ہو۔ یہ فضول ریت ہر تمدن اور ہر قوم میں رہی ہے۔ ہر دور کے اُمراء اور حکمران زرِکثیر خرچ کر کے بڑی بڑی عمارتیں محض اس لیے تعمیر کرتے رہے ہیں کہ وہ دنیا میں ان کی یادگاروں کے طور پر قائم رہیں۔ اہرامِ مصر اور تاج محل ان یادگاروں کی مثالیں ہیں جن پر اپنے اپنے زمانے میں کروڑ ہا روپیہ خرچ کیا گیا مگر انسانیت کے لیے ان کی افادیت کچھ بھی نہیں ہے۔ قومِ عاد کے اُمراء بھی ایسی یادگاریں بنانے کے شوقین تھے۔

آیت ۱۲۹ ﴿وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾﴾ ''اور تم بناتے ہو ایسے شاندار محل کہ شاید تمہیں ہمیشہ (ان میں) رہنا ہے۔''

ایسی یادگاریں اور ایسے محلات تو بعد میں بھی قائم رہتے ہیں مگر انہیں بنانے والے باقی نہیں رہتے۔ جیسے غرناطہ اور قرطبہ کے محلات تو اب بھی موجود ہیں مگر ان کے مکینوں کا آج کہیں نام و نشان نہیں۔ بہر حال ان محلات کو تعمیر کروانے والوں نے تو انہیں ایسے ہی بنایا تھا جیسے انہیں ہمیشہ ان میں رہنا ہے۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾ ''اور جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو ظالموں کی طرح گرفت کرتے ہو۔''

جب تم کسی قوم پر حملہ آور ہوتے ہو تو ظلم و جبر کی انتہا کر دیتے ہو۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۳۲ ﴿وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ''اُس کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں مدد پہنچائی ہے ان چیزوں کے ذریعے جن کو تم جانتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اولاد عطا کی ہے' مال و اسباب سے نوازا ہے' خوشحالی اور فارغ البالی دی ہے' وسیع خطۂ زمین بخشا ہے اور تمہاری اس زمین کو خصوصی طور پر زرخیز بنایا ہے۔ اور تم لوگ اس اللہ کو خوب پہچانتے ہو جس کی طرف سے تمہیں یہ تمام نعمتیں ملی ہیں۔

آیت ۱۳۳ ﴿اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ''اُس نے تمہیں مدد پہنچائی ہے چوپایوں اور بیٹوں کے ذریعے۔''

آیت ۱۳۴ ﴿وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾﴾ ''اور باغات اور چشموں کے ذریعے۔''

آیت ۱۳۵ ﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾﴾ ''مجھے تو اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا۔''

آیت ۱۳۶ ﴿قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ (اے ہُود) ہمارے لیے برابر ہے خواہ تم وعظ کرو یا نہ کرو۔''

آپؑ کے اس وعظ کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوگا' ہم آپ کے کہنے پر اپنے عقائد اور اپنے باپ دادا کے طریقوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۳۷ ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾﴾ ''یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی باتیں۔''

آپؑ ہمارے سامنے پرانے زمانے کی باتوں اور فرسودہ روایات کو دہرا رہے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ باتیں تو بس یوں ہی چلی آئی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾﴾ ''اور ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا۔''

یہ آپؑ خواہ مخواہ ہم پر دھونس جما رہے ہیں' ہم پر کوئی عذاب وغیرہ آنے والا نہیں ہے۔

آیت ۱۳۹ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ﴾ ''چنانچہ انہوں نے اُسؑ کو جھٹلا دیا' تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے۔ لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۴۰ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب زبردست ہے' نہایت رحم فرمانے والا۔''

آیات ۱۴۱ تا ۱۵۹

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۙ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۙ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ
طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۚ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَلَا
تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۚ قَالُوْٓا اِنَّمَآ
اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۚ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۚ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ وَلَا تَمَسُّوْهَا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۚ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۙ

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع

آیت ۱۴۱ ﴿کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''(اسی طرح) قومِ ثمود نے رسولوںؑ کو جھٹلایا۔''

آیت ۱۴۲ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''جب ان کے بھائی صالحؑ نے انہیں کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

آیت ۱۴۳ ﴿اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾﴾ ''یقیناً میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؑ ہوں۔''

آیت ۱۴۴ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾﴾ ''پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۴۵ ﴿وَمَاۤ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ ''اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں' میری اجرت تو تمام جہانوں کے رب ہی کے ذمّے ہے۔''

آیت ۱۴۶ ﴿اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ''کیا تم چھوڑ دیے جاؤ گے ان (نعمتوں) میں یہاں امن سے!''

تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ان سب چیزوں کے درمیان جو یہاں تمہیں میسّر ہیں' یونہی امن وسکون اور اطمینان سے ہمیشہ رہنے دیے جاؤ گے اور یہ نعمتیں کبھی تم سے جدا نہ ہوں گی؟

آیت ۱۴۷ ﴿فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۱۴۷﴾﴾ ''ان باغات اور چشموں میں۔''

آیت ۱۴۸ ﴿وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اور کھیتیوں اور نرم وملائم خوشوں والی کھجوروں میں۔''

آیت ۱۴۹ ﴿وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''اور تم پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بناتے ہو اتراتے ہوئے!''

آیت ۱۵۰ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۵۱ ﴿وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾ ''اور مت مانو حد سے بڑھنے والوں کا حکم۔''

آیت ۱۵۲ ﴿الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔''

آیت ۱۵۳ ﴿قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ ''انہوں نے جواب دیا کہ (اے صالح) تم نہیں ہو مگر ایک سحر زدہ شخص۔''

یعنی آپؑ پر یقیناً جادو یا آسیب کے اثرات ہیں جو اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔

آیت ۱۵۴ ﴿مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''تم نہیں ہو مگر ہمارے ہی جیسے ایک انسان' تو لے آؤ کوئی نشانی اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو!''

آیت ۱۵۵ ﴿قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾﴾ ''صالحؑ نے کہا: یہ اونٹنی ہے ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک معیّن دن کی باری تمہاری ہے۔''

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے معجزے کے مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ اونٹنی بھیجی ہے لیکن اب تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دن یہ اکیلی پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے تمام جانور پییں گے۔ اس اونٹنی کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنی باری کے دن چشمے کا پورا پانی پی جاتی تھی اور اس دن ان کے جانوروں کو پانی نہیں ملتا تھا۔ اگلے دن اونٹنی ناغہ کرتی تھی اور باقی سب جانور پانی پیتے تھے۔ مجھے ''مدائنِ صالح'' میں وہ چشمہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

آیت ۱۵۶ ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾﴾ ''اور مت ہاتھ لگانا اسے برے ارادے سے' ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔''

آیت ۱۵۷ ﴿فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾﴾ ''تو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں' پھر وہ ہو کر رہ گئے پچھتانے والے۔''

آیت ۱۵۸ ﴿فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ﴾ ''پس ان کو آ پکڑا عذاب نے۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے' لیکن ان کی اکثریت ماننے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۵۹ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا پروردگار بہت زبردست' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ﴿١٦١﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ۙ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ؕ﴿١٦٤﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾
قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ؕ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ
اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۚ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۚ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ
مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ ع

آیت ۱۶۰ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾﴾ ''(اسی طرح) جھٹلایا لوطؑ کی قوم نے بھی مرسلینؑ کو۔''

آیت ۱۶۱ ﴿اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ لُوۡطٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾﴾ ''جب کہا ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

آیت ۱۶۲ ﴿اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۶۲﴾﴾ ''میں یقیناً تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؑ ہوں۔''

آیت ۱۶۳ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۶۳﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۶۴ ﴿وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ ''اور میں تم سے اس پر کسی اُجرت کا طالب نہیں ہوں، نہیں ہے میری اُجرت مگر تمام جہانوں کے ربّ کے ذمے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿اَتَاۡتُوۡنَ الذُّکۡرَانَ مِنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۵﴾﴾ ''کیا تمام جہانوں میں تم ہی (شہوت کے لیے) مَردوں کے پاس جاتے ہو؟''

دنیا جہان میں ایک تم ہی ایسے لوگ ہو جو شہوت رانی کی غرض سے مَردوں کے پاس جاتے ہو۔ ورنہ انسانوں میں کوئی دوسری قوم یہ حرکت نہیں کرتی، بلکہ یہ کام تو جانور بھی نہیں کرتے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَتَذَرُوۡنَ مَا خَلَقَ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ ؕ﴾ ''اور تم چھوڑ دیتے ہو جن کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے تمہارے رب نے تمہاری بیویوں میں سے۔''

اللہ تعالیٰ نے تمہارے جوڑوں کے لیے عورتیں پیدا کی ہیں۔ انہیں چھوڑ کر تم اپنی شہوت کا تقاضا مَردوں سے پورا کرتے ہو۔

﴿بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ عٰدُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾﴾ ''بلکہ تم تو حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔''

آیت ۱۶۷ ﴿قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ یٰلُوۡطُ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُخۡرَجِیۡنَ ﴿۱۶۷﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ اے لوط! اگر تم باز نہ آئے تو یہاں سے نکال باہر کیے جاؤ گے۔''

اگر آپؑ اپنی اس وعظ و نصیحت سے اور ہم پر تنقید کرنے سے باز نہ آئے تو ہم آپؑ کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔

آیت ۱۶۸ ﴿قَالَ اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ ''اُسؑ نے کہا کہ میں تو تمہارے ان طور طریقوں سے سخت بیزار ہوں۔''

آیت ۱۶۹ ﴿رَبِّ نَجِّنِیۡ وَاَهۡلِیۡ مِمَّا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ ''پروردگار! تُو نجات دے مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل سے۔''

آیت ۱۷۰ ﴿فَنَجَّیۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾﴾ ''تو ہم نے نجات دی اُسؑ کو بھی اور اُسؑ کے سب گھر والوں کو بھی۔''

آیت ۱۷۱ ﴿اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾﴾ ''سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔''

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو آپؑ پر ایمان نہیں لائی تھی، پیچھے رہ جانے والوں میں شامل تھی۔

آیت ۱۷۲ ﴿ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾﴾ ''پھر ہم نے اُٹھا کر پٹخ دیا باقیوں کو۔''

آیت ۱۷۳ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾﴾ ''اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش‘ تو بہت ہی بری تھی وہ بارش جوان لوگوں پر برسی جنہیں خبر دار کر دیا گیا تھا۔''

آیت ۱۷۴ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے‘ لیکن ان کی اکثریت ماننے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۷۵ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾﴾ ''اور یقیناً آپ کا رب بہت زبردست ہے‘ نہایت رحم کرنے والا۔''

آیات ۱۷۶ تا ۱۹۱

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ وَاتَّقُوا الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ ع ۱۶/۱۰

آیت ۱۷۶ ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾﴾ ''(اور اسی طرح) اصحابِ الایکہ نے بھی جھٹلایا رسولوں کو۔''

''ایکہ'' کے معنی جنگل یا بَن کے ہیں۔ یہ لفظ اس سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لیے سورۃ الحجر کی آیت ۷۸ میں بھی آ چکا ہے۔

آیت ۱۷۷ ﴿اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾﴾ ''جب کہا اُن سے شعیبؑ نے کہ کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟''

آیت ۱۷۸ ﴿اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾﴾ ''میں یقیناً تمہارے لیے ایک امانت دار رسولؐ ہوں۔''

آیت ۱۷۹ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔''

آیت ۱۸۰ ﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾﴾ ''اور میں تم سے

اس پر کسی اجرت کا طالب نہیں ہوں' نہیں ہے میری اجرت مگر تمام جہانوں کے رب کے ذمے۔''

آیت ۱۸۱ ﴿اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾﴾ ''پیمانوں کو پورا بھرا کرو اور خسارہ پہنچانے والوں میں سے مت ہو جاؤ۔''

آیت ۱۸۲ ﴿وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾﴾ ''اور وزن کیا کرو سیدھی ترازو کے ساتھ۔''

آیت ۱۸۳ ﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾﴾ ''اور مت گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے ہوئے۔''

آیت ۱۸۴ ﴿وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾﴾ ''اور ڈرو اُس سے جس نے تمہیں پیدا کیا اور پہلی مخلوق کو بھی۔''

آیت ۱۸۵ ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ تم تو بس سحر زدہ لوگوں میں سے ہو۔''

ہم تمہارے بارے میں یہی گمان کرتے ہیں کہ تم محض ایک سحر زدہ شخص ہو۔ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس کے زیر اثر ہمیں نصیحتیں کرتے رہتے ہو۔

آیت ۱۸۶ ﴿وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٦﴾﴾ ''اور تم نہیں ہو مگر ہمارے ہی جیسے ایک انسان' اور تمہارے بارے میں ہمارا گمانِ غالب ہے کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔''

آیت ۱۸۷ ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٧﴾﴾ ''تو گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا اگر تم سچے ہو۔''

آیت ۱۸۸ ﴿قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٨﴾﴾ ''اُس نے جواب دیا کہ میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

میری دعوت پر تمہارے ایک ایک ردِّ عمل سمیت تمہارے طرزِ عمل اور تمہارے تمام کرتوتوں سے میرا پروردگار خوب واقف ہے۔

آیت ۱۸۹ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط﴾ ''تو انہوں نے اُس کو جھٹلا دیا' تو انہیں آ پکڑا سائبان والے دن کے عذاب نے۔''

یوں لگتا ہے جیسے اس قوم پر پہلے اوپر سے کوئی عذاب آیا تھا اور ان پر سائبان کی طرح چھا گیا تھا۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾﴾ ''یقیناً وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا۔''

آیت ۱۹۰ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾﴾ ''یقیناً اس میں ایک بڑی نشانی ہے' لیکن ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔''

آیت ۱۹۱ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩١﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب بہت زبردست'

نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ مشرکین مکہ کو ابھی مزید مہلت دی جائے۔ اسی لیے حسی معجزے کے بارے میں ان کا مطالبہ ابھی پورا نہیں کیا جا رہا۔

یہاں انباء الرسلؑ کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد اب ایک طویل رکوع آ رہا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔

آیات ۱۹۲ تا ۲۲۷

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ
الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ
يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا
بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا
ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ
لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ
الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ
بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ
فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ
عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۱/۱۵

آیت ۱۹۲ ﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾﴾ ”اور یقیناً یہ (قرآن) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔“

آیت ۱۹۳ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾﴾ ”اُترے ہیں اسے لے کر روح الامینؑ۔“

’’الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ‘‘ (امانت دار روح) سے مراد جبریلِ امین علیہ السلام ہیں۔

آیت ۱۹۴ ﴿عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾﴾ ’’آپؐ کے دل پر تاکہ آپؐ ہو جائیں خبردار کرنے والوں میں سے۔‘‘

میں نے قبل ازیں بھی بار ہا یہ ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات میں اصل مہبط وحی آپؐ کا قلبِ مبارک تھا اور قلبِ مبارک کے اندر آپ ﷺ کی روح وحی کو قبول (receive) کرتی تھی۔ انسانی علم کے حوالے سے یہ بات بھی گزشتہ سطور میں کئی دفعہ دہرائی جا چکی ہے کہ بنیادی طور پر انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک علم تو وہ ہے جو انسان کو اس کے حواسِ خمسہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ یہ اکتسابی علم (Acquired knowledge) ہے جس کے لیے ہر انسان کوشش اور محنت کرتا ہے۔ اس علم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حواسِ خمسہ سے معلومات حاصل کر کے انہیں process کرنے کے لیے دماغ یا عقل (قرآن میں انسان کی اس صلاحیت کے لیے ’’فواد‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے) کے حوالے کرتا ہے۔ شخصی اور اجتماعی سطح پر یہ علم مسلسل ارتقاء پذیر ہے۔ دوسرا علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست انسانی قلب یا روح پر نازل ہوتا ہے۔ اس Revealed knowledge کی سب سے محفوظ اور مصدّقہ صورت وحی کی ہے جو فرشتے کے ذریعے صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی اور اسے شیاطین کی دخل اندازی سے مکمل طور پر محفوظ رکھا جاتا تھا۔ البتہ وحی کا دروازہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اس قسم کے براہ راست علم (وہبی علم) کی جو صورتیں عام انسانوں کے لیے ممکن ہو سکتی ہیں ان میں الہام، القاء، کشف، رؤیائے صادقہ (سچے خواب) وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ذریعے سے حاصل ہونے والا علم دین اور شریعت میں حجت نہیں بن سکتا۔ دین اور شریعت میں حجت صرف قرآن اور سنت ہی ہیں۔ البتہ کسی کے ذاتی کشف کے ذریعے حاصل ہونے والی معلومات یا ہدایات اگر شریعت کے خلاف نہ ہوں تو خود اُس شخص کے لیے حجت بن سکتی ہیں، کسی دوسرے کے لیے نہیں۔

آیت ۱۹۵ ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۹۵﴾﴾ ’’(یہ نازل ہوا ہے) واضح عربی زبان میں‘‘

آیت ۱۹۶ ﴿وَ اِنَّہٗ لَفِیۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾﴾ ’’اور یقیناً یہ پہلوں کے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔‘‘

اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس کا ذکر اور اس کے بارے میں پیشین گوئیاں سابقہ آسمانی کتب میں پائی جاتی ہیں اور یہ بھی کہ اس کے بنیادی مضامین پہلی کتب اور صحیفوں میں بھی موجود ہیں۔ ان صحیفوں اور تورات و انجیل کی بنیادی تعلیمات وہی تھیں جو قرآن کی تعلیمات ہیں۔ اگر کوئی فرق یا اختلاف تھا تو صرف مختلف شریعتوں کے جزئیاتی احکام میں تھا۔ اس لحاظ سے قرآن ان تمام صحائف و کتب کا مُتمِّم یعنی تکمیلی ایڈیشن ہے۔

آیت ۱۹۷ ﴿اَوَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہُمۡ اٰیَۃً اَنۡ یَّعۡلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۹۷﴾﴾ ’’کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو جانتے ہیں علمائے بنی اسرائیل۔‘‘

علمائے بنی اسرائیل بخوبی جانتے تھے کہ قرآن اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اللہ کی طرف سے ہے۔

آیت ۱۹۸ ﴿وَ لَوۡ نَزَّلۡنٰہُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ﴿۱۹۸﴾﴾ ’’اور اگر ہم نے اس (قرآن) کو نازل کر دیا

ہوتا کسی عجمی پر۔“

آیت ۱۹۹ ﴿فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ ”اور وہ انہیں ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں تھے۔“

ہم یہ بھی کر سکتے تھے کہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کر دیتے جس کی مادری زبان عربی نہ ہوتی، پھر اگر ایسا شخص انہیں عربی قرآن پڑھ کر سناتا تو یہ گویا ایک کھلا معجزہ ہوتا، لیکن یہ لوگ پھر بھی اسے ماننے والے نہیں تھے۔

آیت ۲۰۰ ﴿كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ”اسی طرح ہم نے داخل کر دیا ہے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں۔“

قرآن کا انکار ان لوگوں کے دلوں میں اب ڈیرے جما چکا ہے۔ اب انہیں لاکھ معجزے دکھا دیے جائیں یہ ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۲۰۱ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ ”یہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک کہ دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو۔“

آیت ۲۰۲ ﴿فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ”تو وہ ان پر اچانک آ جائے گا اور انہیں گمان بھی نہیں ہوگا۔“

آیت ۲۰۳ ﴿فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ﴾ ”(اُس وقت) یہ کہیں گے کہ کیا ہمیں مہلت مل سکتی ہے؟“

اُس وقت یہ دہائی دیں گے کہ کسی طریقے سے وہ عذاب ٹل جائے اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دی جائے۔

آیت ۲۰۴ ﴿اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ﴾ ”تو کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں؟“

اِس وقت تو یہ لوگ آپؐ سے بار بار مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ لے آئیں ہم پر وہ عذاب جس سے ہمیں آپؐ ڈراتے ہیں۔ ہم تو آپ کی روز روز کی تنبیہات سے تنگ آ گئے ہیں۔

آیت ۲۰۵ ﴿اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ﴾ ”تو کیا آپؐ نے دیکھا، اگر ہم انہیں چند سال اور بھی فائدہ اٹھانے دیں!“

آیت ۲۰۶ ﴿ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ ”پھر ان پر وہ عذاب آ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“

آیت ۲۰۷ ﴿مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ﴾ ”تو کچھ کام نہیں آئے گا ان کے وہ سب کچھ جس سے وہ فائدہ پہنچائے جاتے تھے۔“

دنیا کا مال و متاع جس سے وہ فائدہ اٹھاتے رہے ہیں وہ انہیں اس عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔

آیت ۲۰۸ ﴿وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ﴾ ”اور ہم نے کبھی کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔“

آیت ۲۰۹ ﴿ذِكْرٰى ۚ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾﴾ ''یاددہانی کے لیے' اور ہم ظالم نہیں ہیں۔''

گویا اس سلسلے میں یہ اللہ کا اٹل قانون ہے جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾﴾ ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسولؑ نہ بھیج دیں''۔ یعنی کسی قوم پر اس وقت تک کبھی عذابِ استیصال نہیں آیا جب تک انہیں خبردار کرنے کے لیے کوئی رسولؑ مبعوث نہیں کر دیا گیا۔ لیکن رسولؑ کے اتمامِ حجت کرنے کے بعد بھی اگر متعلقہ قوم ایمان نہ لائی تو پھر ایسا عذاب آیا کہ صفحۂ ہستی سے اس کا نام و نشان مٹا دیا گیا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ﴾ (الانعام: ۴۵) ''پھر ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔''

آیت ۲۱۰ ﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾﴾ ''اور اس (قرآن) کو لے کر شیاطین نازل نہیں ہوئے۔''

عربوں کے ہاں عام لوگ شاعروں کے بارے میں یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کے قابو میں جن ہوتے ہیں جو ان کو نئی نئی اور اچھی اچھی باتیں اشعار کی شکل میں جوڑ جوڑ کر دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو بعض مشرکین نے اس کے بارے میں بھی کہنا شروع کر دیا کہ اسے شیاطین جن نازل کر رہے ہیں۔

آیت ۲۱۱ ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾﴾ ''اور نہ تو ایسا کرنا ان کے لائق ہے اور نہ ہی وہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔''

آیت ۲۱۲ ﴿اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾﴾ ''وہ تو (وحی الٰہی کے) سننے سے بھی معزول کیے جا چکے ہیں۔''

یہ بہت اہم مضمون ہے جو یہاں پہلی دفعہ آیا ہے' لیکن آئندہ سورتوں میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آئے گا۔ اس موضوع پر قرآن سے ہمیں جو معلومات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے نوری مخلوق ہیں اور جن آگ سے بنائے گئے ہیں: ﴿وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾﴾ (الرحمٰن) ''اور پیدا کیا اس نے جنات کو آگ کی لپٹ سے''۔ چونکہ فرشتوں کی طرح جنات کا مادۂ تخلیق بھی بہت لطیف ہے اس وجہ سے ان کے لیے فرشتوں کا قرب حاصل کر لینا اور ان سے کچھ معلومات حاصل کر لینا ممکن ہے۔ چنانچہ عام طور پر شیاطین جن کسی نہ کسی حد تک فرشتوں سے عالم بالا کی خبریں معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے' لیکن جب بھی کسی رسول کی بعثت ہوتی تو عالم بالا میں خصوصی پہرے بٹھا دیے جاتے تاکہ فرشتوں کے ذریعے وحی کی ترسیل کو محفوظ بنایا جا سکے۔ اسی اصول کے تحت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد عالم بالا کی خاص حدود سے آگے جنوں کا داخلہ مستقل طور پر بند کر دیا گیا اور وہاں سے وہ کسی قسم کی سُن گُن لینے کے اہل نہیں رہے۔ یہی وہ کیفیت اور صورتِ حال ہے جس کا ذکر آیت زیر مطالعہ میں کیا گیا ہے کہ وہ تو اب سننے سے بھی معزول کر دیے گئے ہیں اور عالم بالا سے ان کے سن گن لینے کا بھی کوئی امکان نہیں رہا۔ سورۃ الجن میں یہ مضمون قدرے زیادہ وضاحت سے آئے گا۔

آیت ۲۱۳ ﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾﴾ ''تو مت پکارنا اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو' ورنہ تم عذاب پانے والوں میں سے ہو کر رہو گے۔''

آیت ۲۱۴ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾﴾ ''اور خبردار کیجیے اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔''

اس آیت کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ تقریباً ۳ نبویؐ میں نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ اس تاریخی ثبوت سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ سورۃ الشعراء بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے۔ یہ سورت اپنی چھوٹی چھوٹی آیات اور تیز آہنگ کے ساتھ شروع سے آخر تک ایک مربوط اور مسلسل خطبے کی صورت میں ہے اور یہ آیت بھی اپنے انداز کے اعتبار سے ماقبل اور مابعد کی آیات سے مختلف نہیں۔ یعنی ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ یہ آیت تو پہلے نازل ہوئی ہو مگر بعد میں نازل ہونے والی سورت میں شامل کر دی گئی ہو۔ بہرحال سورۃ الشعراء نازل تو ابتدائی دور میں ہوئی تھی مگر حکمتِ خداوندی کے تحت اسے ابتدائی زمانے کی سورتوں (قرآن کی آخری منزل) میں شامل کیے جانے کے بجائے اس کی موجودہ جگہ پر رکھا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۃ الحجر کو پچھلے گروپ کی سورتوں میں شامل کیا گیا ہے' حالانکہ وہ بھی بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دعوت کا اہتمام کرنے کے لیے فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ ہی کے زیر کفالت تھے اور آپؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تمام بنو ہاشم کو کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد آپؐ انہیں دعوت دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے شور وغل مچانا شروع کر دیا اور آپؐ کی بات سنے بغیر چلے گئے۔ کچھ روز کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ انہیں مدعو فرمایا۔ اس دفعہ کھانے کے بعد چار و نا چار وہ بیٹھے رہے اور آپؐ نے ان کے سامنے ایک دعوتی خطبہ دیا۔ یہ خطبہ مختصر ہے مگر آپ ﷺ کے عظیم خطبات میں سے ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں احادیث کی کتب میں یہ خطبہ (اپنے علم کی حد تک مجھے وثوق ہے) موجود نہیں ہے' البتہ اہلِ تشیع کی مشہور کتاب ''نہج البلاغہ'' میں یہ خطبہ شامل ہے۔ ''نہج البلاغہ'' بنیادی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبات اور خطوط پر مشتمل ہے' لیکن اس کا ایک حصہ حضور ﷺ کے خطبات کے لیے مختص کیا گیا ہے۔ اگرچہ ''نہج البلاغہ'' میں خطبہ کے متن کے ساتھ کسی قسم کی صراحت موجود نہیں کہ یہ خطبہ کس موقع پر ارشاد فرمایا گیا مگر خطبے کے متن اور اسلوب کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ یہ وہی خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے بنو ہاشم کی مذکورہ ضیافت کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ میرے کتابچے ''دعوت اِلی اللہ'' اور اس کتابچے کے انگلش ترجمے "Calling People unto Allah" میں اس خطبے کا پورا متن موجود ہے۔ بہرحال ''دعوتِ حق'' کے حوالے سے یہ بہت اہم خطبہ ہے۔

آیت ۲۱۵ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾﴾ ''اور اپنے بازو جھکا کر رکھیں ان کے لیے جو آپؐ کے پیروکار ہیں مؤمنین میں سے۔''

حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ مؤمنین کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں اور ہمیشہ ان کی دلجوئی فرمائیں۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے' سورۃ الشعراء اور سورۃ الحجر کا زمانۂ نزول ایک ہی ہے اور اسی لحاظ سے ان دونوں سورتوں میں گہری مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے ملتے جلتے الفاظ سورۃ الحجر کے آخر میں بھی آئے ہیں: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''اور اہلِ ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں۔''

آیت ۲۱۶ ﴿فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۲۱۶﴾ ''پھر اگر یہ لوگ آپؐ کی نافرمانی کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ میں بری ہوں اس سے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

سورۃ الکافرون میں بھی اسی طرح دوٹوک انداز میں حکم دیا گیا ہے: ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کرتا اُس کی جس کی تم لوگ عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں''۔ اور پھر آخر میں بہت واضح طور پر اعلانِ براءت کر دیا گیا: ﴿لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝۵﴾ ''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔''

آیت ۲۱۷ ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَی الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۲۱۷﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ بھروسہ کیجیے اُس اللہ پر جو بہت زبردست' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۲۱۸ ﴿الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝۲۱۸﴾ ''جو دیکھتا ہے آپؐ کو جب آپؐ کھڑے ہوتے ہیں۔''

اس سے آپ ﷺ کا تہجد کے لیے کھڑے ہونا مراد ہے۔ واضح رہے کہ تہجد کا حکم آپ ﷺ کو بالکل ابتدائی دور میں ہی دے دیا گیا تھا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝۲﴾ (المزمل) ''اے چادر میں لپٹنے والے! قیام کیجیے رات میں مگر تھوڑا''۔ تو گویا یہاں اسی حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! جب آپ تہجد کے لیے ہمارے حضور کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت ہم آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم بے شک آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہیں مگر آپ ہماری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝۱۰۳﴾ (الانعام) ''اُسے نگاہیں نہیں پا سکتیں جبکہ وہ تمہاری نگاہوں کو پا لیتا ہے' اور وہ لطیف بھی ہے اور ہر چیز سے باخبر بھی۔''

آیت ۲۱۹ ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝۲۱۹﴾ ''اور (وہ دیکھتا ہے) آپؐ کے آنے جانے کو سجدہ کرنے والوں میں۔''

حضور ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ تہجد کی نماز پڑھنے والے مسلمانوں کے گھروں کے پاس سے رات کو گزرتے اور ان کو دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اسی معمول کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔

آیت ۲۲۰ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۲۲۰﴾ ''یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۲۲۱ ﴿هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۝۲۲۱﴾ ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن پر اُترا کرتے ہیں؟''

اے وہ لوگو! جو سمجھتے ہو کہ یہ قرآن جنات اور خبیث روحوں کا بنایا ہوا ہے' آؤ! میں تمہیں بتاؤں کہ یہ شیاطین جو ہیں وہ کن لوگوں پر اُترا کرتے ہیں۔

آیت ۲۲۲ ﴿تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝۲۲۲﴾ ''وہ تو اُترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے گناہگار پر۔''

یہ تو گویا ''کند ہم جنس با ہم جنس پرواز'' والا معاملہ ہے۔ یعنی گندے اور خبیث کردار' دوستی اور قرب کے

لیے اپنے جیسے کرداروں ہی کو ڈھونڈتے ہیں۔ چنانچہ شیاطین بھی اپنے التفات کے لیے انسانوں میں سے انہی لوگوں کے ساتھ رابطہ رکھیں گے جو گناہ اور بدکرداری میں اپنی مثال آپ ہوں۔

آیت ۲۲۳ ﴿یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴾ ''وہ القا کرتے ہیں سُنی سنائی باتیں' اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔''

آیت ۲۲۴ ﴿وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴾ ''اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔''

مشرکینِ مکّہ میں سے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ محمد (ﷺ) نے شاعری سیکھ لی ہے اور یہ کہ قرآن دراصل ان کا شاعرانہ کلام ہے۔ اس حوالے سے یہاں دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ شاعروں کے کردار کو تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔ تم خود سوچو کہ ایسے کردار کو ہمارے رسول (ﷺ) کے کردار سے کیا نسبت؟

اس آیت میں شعراء کے پیروکاروں کے بارے میں جو بنیادی اصول بتایا گیا ہے اس میں مجھے کوئی استثناء (exception) نظر نہیں آتا۔ اگرچہ علامہ اقبالؔ کا معاملہ بہت سے اعتبارات سے مختلف ہے مگر ان کے پیروکاروں پر بھی قرآن کا یہ قانون سو فیصد منطبق ہوتا ہے۔ اس حقیقت کو اس پہلو سے دیکھنا چاہیے کہ علامہ اقبالؔ کے حاشیہ نشینوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا سامنے نہیں آسکا جس نے ان کے نظریات کی روشنی سے اپنی عملی زندگی کا کوئی گوشہ روشن کیا ہو اور اپنی شخصیت میں بندۂ مؤمن کے اس کردار کی کوئی رمق پیدا کرنے کی کوشش کی ہو جس کا نقشہ علامہ اقبالؔ نے اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ بلکہ علامہ اقبالؔ تو خود اپنے بارے میں بھی اعتراف کرتے ہیں کہ محض گفتار کے غازی تھے: ؎

اقبالؔ بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا' کردار کا غازی بن نہ سکا!

اس حوالے سے سورۂ یٰسین کی آیت ۶۹ میں حضور ﷺ کے بارے میں بہت واضح طور پر فرما دیا گیا ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ﴾ ''ہم نے آپؐ کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور یہ آپؐ کی شایانِ شان ہی نہیں۔''

آیت ۲۲۵ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں۔''

غزل کے ایک شعر میں شاعر لوگ مشرق کی بات کرتے ہیں تو دوسرے میں مغرب کی۔ ایک مصرعے میں اپنی آسمان کی سیر کا ذکر کرتے ہیں تو دوسرے میں زمین پر آکر صحرا نوردی کرتے نظر آتے ہیں۔

آیت ۲۲۶ ﴿وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اور یہ کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔''

شعراء کے بارے میں سب سے بڑی بات یہاں یہ بتائی گئی کہ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اور یہ عادت بہت گھٹیا کردار کی مظہر ہے۔

آیت ۲۲۷ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کریں''

یہ البتہ استثنائی حکم ہے۔ کوئی شاعر اگر حقیقی مؤمن ہو اور اعمالِ صالحہ پر کاربند ہونے کے ساتھ ساتھ کثرتِ ذکر اللہ پر بھی مداومت کرے تو وہ یقیناً مذکورہ بالا مذمت سے مستثنیٰ ہوگا اور اس کا کلام بھی خیر اور بھلائی کا باعث بنے گا۔ اس سلسلے میں حضرت حَسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مثال دی جا سکتی ہے جو دربارِ نبویؐ کے شاعر تھے۔ عرب میں اس وقت شاعری کا بہت رواج تھا اور مشرکین کے شعراء ہجویہ اشعار کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ چنانچہ اس میدان میں ان کے جواب کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ فریضہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ اس لحاظ سے آپؓ سب سے پہلے نعت گو شاعر بھی ہیں۔ البتہ شعراء کے بارے میں قرآن کا یہ تبصرہ اس قدر جامع اور مبنی برحقیقت ہے کہ استثنائی صورتوں میں بھی کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی کسر رہ ہی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اگرچہ دربارِ نبویؐ کا شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور بطور صحابی بھی ان کا درجہ بہت بلند ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ آپؓ مردِ میدان نہیں تھے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مکان پر بطور پہرے دار متعین فرمایا تھا جہاں پر مسلمان خواتین کو رکھا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو مشکوک انداز میں اس مکان کے آس پاس پھرتے دیکھا تو انہوں نے حضرت حسانؓ سے کہا کہ آپ جا کر اس شخص کو قتل کر دیں۔ یہ سن کر حضرت حسّانؓ نے صاف معذرت کر دی کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس پر حضرت صفیہؓ ایک لکڑی ہاتھ میں لے کر گئیں اور اس لکڑی سے یہودی کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا کام تمام کر دیا۔ واپس آ کر انہوں نے حضرت حسّانؓ سے کہا کہ اب آپ جا کر اس یہودی کے ہتھیار وغیرہ اتار کر لے آئیں۔ اس پر انہوںؓ نے جواب دیا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿وَّانۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا ؕ﴾ ''اور وہ بدلہ لیں اس کے بعد کہ اُن پر ظلم کیا گیا ہو۔''

یہ ان مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی چوتھی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ضرورت پیش آنے پر ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کے لیے اپنی زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔

جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کفار کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہے گئے ہجویہ اشعار کا جواب دیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ حسّان کے اشعار کُفّار کے خلاف مسلمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ مؤثر ہیں۔ بہرحال ہر چیز کی اپنی جگہ پر اہمیت مسلّم ہے۔

﴿وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾﴾ ''اور عنقریب یہ ظالم جان لیں گے کہ کس جگہ لوٹ کر جائیں گے!''

ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ یہ اسی طرح کا محاورہ ہے جیسے ہمارے ہاں اردو میں کہا جاتا ہے کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ یعنی ابھی ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا' لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب قرآن کا بیان کردہ بھیانک انجام ان لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہوگا۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني واياكم بالآيات والذِّكر الحكيم○○

بیان القرآن

سُوۡرَۃُ النَّمل

(۲۷)

سُورۃ النّمل

تمہیدی کلمات

سورۃ النمل اس اعتبار سے پورے قرآن میں ایک منفرد سورت ہے کہ اس میں مکی سورتوں کے تین مضامین یعنی التذکیر بآلاء اللہ' انباء الرسل اور قصص النبیین اکٹھے ہو گئے ہیں۔ ان میں سے دو مضامین پچھلی سورت یعنی سورۃ الشعراء میں بھی آئے ہیں۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قصص النبیین کے انداز میں ہے جبکہ باقی سورت پر انباء الرسل کا رنگ غالب ہے۔ اس کے مقابلے میں سورۃ النمل ان تین موضوعات کے تحت تقریباً برابر برابر تین حصوں میں تقسیم ہے۔ اس میں تین رسولوں (حضرت موسیٰ' حضرت لوط اور حضرت صالح علیہم السلام) کے واقعات انباء الرسل کے انداز میں ہیں جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قصص النبیین کی طرز پر ہے۔ آخر میں سورت کا تقریباً ایک تہائی حصہ التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۶

طٰسٓ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۱﴾ ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ﴿۵﴾ وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۶﴾

آیت ۱ ﴿طٰسٓ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱﴾﴾ ''طٰ س۔ یہ قرآن اور کتابِ مبین کی آیات ہیں۔''
اگر ''وَ'' کو واوِ تفسیری مانا جائے تو پھر ترجمہ ہوگا: ''یہ قرآن یعنی کتابِ مبین کی آیات ہیں۔''

آیت ۲ ﴿ہُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾﴾ ''یہ ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے لیے۔''

آیت ۳ ﴿الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ''جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

یعنی آخرت پر ان کا پورا یقین ہے۔ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی متقین کی صفات کے ضمن میں عقیدۂ آخرت پر ایمان کے لیے لفظ ''یُوۡقِنُوۡنَ'' ہی استعمال ہوا ہے۔ دراصل انسان کے عمل اور کردار کے اچھے یا

بُرے ہونے کا تعلق براہِ راست عقیدۂ آخرت کے ساتھ ہے۔ آخرت پر اگر یقین کامل نہیں ہے تو انسان کا عمل اور کردار بھی درست نہیں ہو سکتا۔

آیت ۴ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کر دیا ہے“

ایسے لوگوں کو اپنے غلط کام بھی اچھے لگتے ہیں اور اپنا کلچر ہی مثالی نظر آتا ہے۔

﴿فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ۝۴﴾ ”پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔“

ع م ی کے مادہ میں بصارتِ ظاہری کے اندھے پن کا مفہوم ہے، جبکہ ع م ہ کے مادہ میں بصیرتِ باطنی کے اندھے پن کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بصارت تو چاہے درست ہو مگر بصیرت ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ انسان کی اس کیفیت کو سورۃ الحج میں یوں بیان فرمایا گیا ہے: ﴿فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ۝۴۶﴾ ”تو اصل میں آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔“

آیت ۵ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَ ہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ الۡاَخۡسَرُوۡنَ ۝۵﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے بہت بُرا عذاب ہے اور یہی وہ لوگ ہیں کہ جو آخرت میں سب سے زیادہ خسارے والے ہوں گے۔“

آیت ۶ ﴿وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الۡقُرۡاٰنَ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ عَلِیۡمٍ ۝۶﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آپ کو یہ قرآن دیا جا رہا ہے ایک حکیم اور علیم ہستی کی طرف سے۔“

آیات ۷ تا ۱۴

اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ
لَّعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ۝۷ فَلَمَّا جَآءَہَا نُوۡدِیَ اَنۡۢ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَہَا ؕ وَ سُبۡحٰنَ
اللّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۸ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّہٗۤ اَنَا اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝۹ۙ وَ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ
کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ ۟ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝۱۰ۖ
اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ سُوۡٓءٍ فَاِنِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۱۱ وَ اَدۡخِلۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ
تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۟ فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ قَوۡمِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا
فٰسِقِیۡنَ ۝۱۲ فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ اٰیٰتُنَا مُبۡصِرَۃً قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ۝۱۳ۚ وَ جَحَدُوۡا بِہَا وَ اسۡتَیۡقَنَتۡہَاۤ
اَنۡفُسُہُمۡ ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ۝۱۴ع

آیت ۷ ﴿اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِاَہۡلِہٖۤ اِنِّیۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا ؕ﴾ ''یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اپنے گھر والوں سے کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔''

﴿سَاٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِیۡکُمۡ بِشِہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ﴿۷﴾﴾ ''میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آؤں گا' یا کوئی دہکتا ہوا انگارہ لے آؤں گا تاکہ تم (آگ) تاپ سکو۔''

عبارت کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رات کا وقت تھا' سردی کا موسم تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے علاقے سے گزر رہے تھے جس سے انہیں کچھ واقفیت نہ تھی۔

آیت ۸ ﴿فَلَمَّا جَآءَہَا نُوۡدِیَ اَنۡۢ بُوۡرِکَ مَنۡ فِی النَّارِ وَ مَنۡ حَوۡلَہَا ؕ﴾ ''پھر جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں پکارا گیا کہ بہت مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور وہ جو اس کے آس پاس ہے۔''

﴿وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸﴾﴾ ''اور پاک ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۹ ﴿یٰمُوۡسٰۤی اِنَّہٗۤ اَنَا اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۹﴾﴾ ''اے موسیٰ! یہ تو میں ہوں' اللہ بہت زبردست' کمال حکمت والا۔''

میں اللہ ہوں اور میں ہی آپؑ سے اس وقت خطاب کر رہا ہوں۔

آیت ۱۰ ﴿وَ اَلۡقِ عَصَاکَ ؕ﴾ ''اور اپنا عصا (زمین پر) ڈال دو۔''

﴿فَلَمَّا رَاٰہَا تَہۡتَزُّ کَاَنَّہَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدۡبِرًا وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ ؕ﴾ ''تو جب اُس نے اسے حرکت کرتے ہوئے دیکھا گویا وہ سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔''

یعنی آپؑ پر شدید خوف طاری ہو گیا۔

﴿یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ ۟ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۰﴾﴾ ''(اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! ڈرو نہیں' میرے حضور رسولوں کے لیے کوئی خوف نہیں ہوتا۔''

آیت ۱۱ ﴿اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ﴾ ''سوائے اُس کے جس نے کوئی ظلم کیا ہو''

اس استثناء کو بعض مفسرین نے متصل مانا ہے اور بعض نے منقطع۔ متصل ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جس رسول سے کوئی قصور سرزد ہوا ہو اس پر خوف طاری ہو سکتا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اُس وقت خوف کا طاری ہو جانا اس خطا کے سبب تھا جو قتل (اگرچہ وہ قتلِ عمد نہیں تھا' قتلِ خطا تھا) کی صورت میں ان سے سرزد ہوئی تھی۔ لیکن اس کے برعکس کچھ مفسرین کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے' یعنی یہ الگ جملہ ہے اور اس کا پچھلے جملے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿ثُمَّ بَدَّلَ حُسۡنًۢا بَعۡدَ سُوۡٓءٍ فَاِنِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۱﴾﴾ ''پھر اُس نے بدل دیا برائی کو نیکی سے' تو یقیناً میں بہت بخشنے والا' بے حد مہربان ہوں۔''

آیت ۱۲ ﴿وَ اَدۡخِلۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۟﴾ ''اور ذرا اپنا ہاتھ داخل کرو

اپنے گریبان میں' وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی مرض کے''

یعنی یہ سفیدی برص یا کسی اور بیماری کے باعث نہیں ہوگی۔

﴿فِیۡ تِسۡعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ قَوۡمِهٖ ؕ﴾ ''یہ (دونشانیاں) فرعون اور اُس کی قوم کے لیے نو نشانیوں میں سے ہیں۔''

یعنی فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجتے ہوئے ابھی آپؑ کو صرف یہ دو نشانیاں دی جارہی ہیں' جبکہ کُل نو (۹) نشانیاں دی جانی مقصود ہیں۔ باقی نشانیاں بعد میں موقع محل اور ضرورت کے مطابق دی جائیں گی۔

﴿اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ''یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔''

آیت ۱۳ ﴿فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ اٰیٰتُنَا مُبۡصِرَةً﴾ ''تو جب اُن کے پاس ہماری آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں''

یعنی وہ کھلی کھلی نشانیاں جو ان کی آنکھیں کھولنے اور حقیقت کا مشاہدہ کرانے کے لیے کافی تھیں۔

﴿قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۳﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔''

آیت ۱۴ ﴿وَ جَحَدُوۡا بِهَا وَ اسۡتَیۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا ؕ﴾ ''اور انہوں نے ان کا انکار کیا ظلم اور سرکشی کے ساتھ جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کیا۔''

اس فقرے میں ظُلۡمًا وَّ عُلُوًّا کا تعلق آغاز کے لفظ وَ جَحَدُوۡا کے ساتھ ہے۔ مضمون کے اعتبار سے یہ بہت اہم آیت ہے۔ اگرچہ انہوں نے بظاہر ان تمام نشانیوں کو جادو قرار دے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن ان کا یہ انکار سراسر ناانصافی اور سرکشی پر مبنی تھا' کیونکہ ان کے دل یہ حقیقت تسلیم کر چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعی اللہ کے رسول ہیں اور یہ تمام خرقِ عادت واقعات حقیقت میں معجزات ہیں۔ ممکن ہے ان کے عوام کو یہ شعور نہ ہو لیکن کم از کم فرعون اور قوم کے بڑے بڑے سرداروں کی اُس وقت یہی کیفیت تھی۔

﴿فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''تو دیکھ لو! کیسا ہوا انجام مُفسدوں کا۔''

اس رکوع میں اجمالاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا' اب اگلے رکوع سے حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔

آیات ۱۵ تا ۴۴

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ عِلۡمًا ۚ وَ قَالَا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّنۡ عِبَادِهِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمۡنَا مَنۡطِقَ الطَّیۡرِ وَ اُوۡتِیۡنَا مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡفَضۡلُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾ وَ حُشِرَ لِسُلَیۡمٰنَ جُنُوۡدُهٗ مِنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ وَ الطَّیۡرِ فَهُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوۡا عَلٰی وَادِ النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمۡلُ

ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا
مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ
مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِيْنَ ﴿۲۰﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ
اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۱﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ
مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ
عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ السجدة
اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ
كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ
مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى ع
تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا
تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ
وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا
جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ
تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ
صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ
عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾
قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ
مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا
يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ
تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ
اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۝ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ
عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ ع ۱۸

آیت ۱۵ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ﴾ ’’اور ہم نے داوٗدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا کیا تھا۔‘‘

﴿وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝۱۵﴾ ’’اور ان دونوں نے کہا کہ کُل شکر اور کُل تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مؤمن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔‘‘

وہ اللہ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں مؤمنین کے درمیان ایک خاص مرتبہ عطا کیا تھا۔

آیت ۱۶ ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ﴾ ’’اور وارث ہوا سلیمانؑ داوٗدؑ کا‘‘

﴿وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ ’’اور اُس نے کہا: اے لوگو! ہمیں سکھا دی گئی ہیں پرندوں کی بولیاں‘‘

﴿وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ۝۱۶﴾ ’’اور ہمیں (اللہ کی طرف سے) ہر چیز عطا کی گئی ہے۔ یقیناً یہ (اللہ کا) بہت واضح فضل ہے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ۝۱۷﴾ ’’اور جمع کیے گئے سلیمان کے (معائنہ کے) لیے اُس کے تمام لشکر، جنوں، انسانوں اور پرندوں میں سے، اس طرح کہ انہیں جماعتوں میں منظّم کیا جاتا تھا۔‘‘

ہر قسم اور ہر جنس کے لشکر کی علیحدہ علیحدہ جماعتیں (battalians) بنا کر انہیں ہر طرح سے منظّم کیا گیا تھا۔

آیت ۱۸ ﴿حَتّٰٓي اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ﴾ ’’یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی میں پہنچے‘‘

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک ایسے علاقے سے گزرے جہاں چیونٹیاں کثرت سے پائی جاتی تھیں۔

﴿قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ﴾ ’’تو ایک چیونٹی نے کہا: اے چیونٹیو! تم سب اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔‘‘

﴿لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۱۸﴾ ’’کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اُس کے لشکر تمہیں کچل کر رکھ دیں اور انہیں اس کا احساس بھی نہ ہو۔‘‘

انہیں احساس بھی نہیں ہو گا کہ ان کے قدموں اور گھوڑوں کے سموں تلے کتنی ننھی جانیں مسلی جارہی ہیں۔

آیت ۱۹ ﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا﴾ ’’تو وہ خوش ہو کر مسکرایا اس کی اس بات پر‘‘

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی اس بات کو سن بھی لیا اور سمجھ بھی لیا۔ چنانچہ جذباتِ تشکر کے باعث آپؑ کے چہرے پر بے اختیار تبسم آ گیا اور زبان پر ترانۂ حمد جاری ہو گیا۔

﴿وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ﴾ ''اور اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں شکر ادا کروں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی ہے''

﴿وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ⑲﴾ ''اور یہ کہ میں اچھے اعمال کروں جن سے تو راضی ہو اور مجھے داخل کرنا اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔''

آیت ۲۰ ﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۡ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَاۗىِٕبِيْنَ ⑳﴾ ''اور اُس نے پرندوں کے لشکر کا معائنہ کیا تو کہا کہ کیا بات ہے مجھے ہُد ہُد نظر نہیں آ رہا؟ کیا وہ غیر حاضر ہے؟''

آیت ۲۱ ﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ﴾ ''میں اُسے بہت سخت سزا دوں گا' یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا''

اس اجتماعی حاضری (parade) کے موقع سے غیر حاضر ہو کر اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے اور اسے اس جرم کی سزا ضرور بھگتنا ہو گی۔

﴿اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ㉑﴾ ''یا وہ میرے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آئے۔''

ہاں اگر وہ کوئی ٹھوس عذر پیش کر کے اپنی اس غیر حاضری کا جواز ثابت کر دے تو سزا سے بچ سکتا ہے۔

آیت ۲۲ ﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾ ''تو کچھ زیادہ دیر نہیں گزری (کہ ہُد ہُد پہنچ گیا)''

﴿فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۢ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ㉒﴾ ''تو اُس نے کہا کہ میں نے وہ کچھ معلوم کیا ہے جو آپ کو معلوم نہیں' اور میں آپؑ کے پاس قومِ سبا سے متعلق یقینی معلومات لے کر آیا ہوں۔''

قومِ سبا یمن کے علاقے میں آباد تھی اور اُس وقت بلقیس نامی ایک ملکہ اس قوم پر حکمران تھی۔

آیت ۲۳ ﴿اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ''میں نے ایک عورت کو ان پر حکومت کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اُسے ہر شے دی گئی ہے''

دنیا بھر کی نعمتیں اسے حاصل ہیں اور ہر طرح کا ساز و سامان اس کے پاس جمع ہے۔

﴿وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ㉓﴾ ''اور اُس کا تخت بہت عظیم الشان ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور میں نے دیکھا اُس کو اور اُس کی قوم کو کہ وہ سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کو چھوڑ کر''

﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ ''اور شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کر دیا ہے''

﴿فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ㉔﴾ ''اور انہیں روک دیا ہے سیدھے راستے سے' تو

اب وہ راستہ نہیں پا رہے۔‘‘

شیطان نے انہیں گمراہ کر دیا ہے اور اب انہیں راہِ ہدایت کا شعور نہیں رہا۔

آیت ۲۵ ﴿اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝۲۵﴾ ’’کہ وہ سجدہ نہیں کرتے اللہ کو جو نکالتا ہے ہر چھپی چیز کو آسمانوں اور زمین میں سے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔‘‘

آیت ۲۶ ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۝۲۶﴾ ’’وہ اللہ کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جو بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔‘‘

آیت ۲۷ ﴿قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۲۷﴾ ’’سلیمانؑ نے کہا: ہم عنقریب دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹے ہو۔‘‘

ہم معلوم کر لیں گے کہ واقعی تم ایک سچی خبر لے کر آئے ہو یا اپنی غیر حاضری کی سزا سے بچنے کے لیے جھوٹا بہانہ بنا رہے ہو۔

آیت ۲۸ ﴿اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ۝۲۸﴾ ’’میرا یہ خط لے جاؤ‘ اسے ان کے پاس جا کر ڈال آؤ‘ پھر ان سے الگ ہو کر دیکھتے رہو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔‘‘

چنانچہ وہ ہُدہُد حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے گیا اور جا کر ملکہ کے آس پاس یا شاید اس کی خواب گاہ میں پھینک دیا۔ ملکہ نے یہ غیر معمولی خط پڑھا تو فوری طور پر قوم کے بڑے بڑے سرداروں کو مشورے کے لیے دربار میں طلب کر لیا۔

آیت ۲۹ ﴿قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ۝۲۹﴾ ’’اُس نے کہا کہ اے (میری قوم کے) سردارو! میری طرف ایک بہت عزّت والا خط ڈالا گیا ہے۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۳۰﴾ ’’یہ (خط) سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا ہے۔‘‘

یہ قرآن کا واحد مقام ہے جہاں ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ سورت کے اندر اس کے متن میں شامل ہے۔ باقی ہر جگہ یہ سورتوں کے آغاز میں لکھی گئی ہے۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ سورتوں کے آغاز میں جہاں جہاں بھی بسم اللہ لکھی گئی ہے کیا اسے ایک آیت مانا جائے گا یا جتنی مرتبہ لکھی گئی ہے اتنی آیات شمار ہوں گی۔

آیت ۳۱ ﴿اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝۳۱﴾ ’’یہ کہ میرے مقابلے میں تم لوگ سرکشی نہ کرو اور مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔‘‘

آیت ۳۲ ﴿قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰی تَشْهَدُوْنِ ۝۳۲﴾ ’’اُس نے کہا: اے سردارو! میرے اس معاملے میں آپ لوگ مجھے مشورہ دیں۔ میں کسی معاملے میں بھی

حتمی فیصلہ نہیں کرتی جب تک آپ لوگ موجود نہ ہوں۔''

آیت ۳۳ ﴿قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ﴾ ''انہوں نے کہا: ہم طاقتور بھی ہیں اور زبردست جنگی صلاحیت والے بھی'

﴿وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝۳۳﴾ ''اور فیصلے کا اختیار تو آپ ہی کے پاس ہے' چنانچہ آپ خود دیکھ لیں کہ کیا حکم دیتی ہیں۔''

آیت ۳۴ ﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا﴾ ''اُس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں''

اس نازک موقع پر ملکہ نے بڑی دانش مندانہ بات کی کہ بادشاہوں کا ہمیشہ سے ہی دستور رہا ہے کہ وہ جس شہر یا علاقے کو فتح کرتے ہیں اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

﴿وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝۳۴﴾ ''اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں' اور وہ ایسے ہی کرتے ہیں۔''

ملکہ کی یہ بات بھی بہت اہم اور حقیقت پر مبنی ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم ''خضرِ راہ'' کے ذیلی عنوان ''سلطنت'' کے تحت جو فلسفہ بیان کیا ہے اس کا مرکزی خیال انہوں نے اسی آیت سے اخذ کیا ہے اور پہلے شعر میں اس آیت سے تلمیح بھی استعمال کی ہے۔ نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے:

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ اِنَّ الْمُلُوْكَ
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی ساحری!

برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ یہاں مسلمان حکمران تھے جبکہ ہندو ان کے محکوم تھے۔ انگریزوں کے اقتدار پر قبضہ کرنے سے ہندوؤں کو تو کچھ خاص فرق نہ پڑا' ان کے تو صرف حکمران تبدیل ہوئے' پہلے وہ مسلمانوں کے غلام تھے' اب انگریزوں کے غلام بن گئے' لیکن مسلمان تو گویا آسمان سے زمین پر پٹخ دیے گئے۔ وہ حاکم سے محکوم بن گئے۔ اب اگر انگریزوں کو کچھ خطرہ تھا تو مسلمانوں سے تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ مسلمان اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ضرور کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی ممکنہ بغاوت کی پیش بندی کے لیے انہیں ہر طرح سے دبانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ معاشرے کے گھٹیا لوگوں کو تو خطابات اور جاگیروں سے نواز کر اعلیٰ مناصب پر بٹھا دیا اور ان کے مقابلے میں معززین اور شرفاء کو ہر طرح سے ذلیل و رسوا کیا۔ ایسے تمام جاگیردار انگریزوں کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے اپنی قوم کے مفادات کے خلاف اپنے آقاؤں کی معاونت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔

یہی حکمتِ عملی مصر میں فرعون نے بھی اپنا رکھی تھی۔ اس نے بھی بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں کو اپنے

دربار میں جگہ دے رکھی تھی۔ یہ مراعات یافتہ لوگ فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی قوم کی مخبری کرتے اور اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف فرعون کے معاون و مددگار بنتے۔ سورۂ یونس کی آیت ۸۳ میں اس صورتِ حال کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓی اِلَّا ذُرِّیَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰی خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ﴾ ”پس نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر کچھ نوجوان اُس کی قوم میں سے، فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف کی وجہ سے کہ وہ انہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں“۔ گویا بنی اسرائیل کے عام لوگوں پر اپنے ان سرداروں کا خوف طاری تھا جو فرعون کی وفاداری میں اپنی ہی قوم پر ظلم وستم روا رکھتے تھے۔

آیت ۳۵ ﴿وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ”تو میں ان کی طرف اپنے ایلچی کچھ تحائف کے ساتھ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ وہ کیا جواب لے کر واپس آتے ہیں۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں قیمتی تحائف بھیج کر وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آیا دنیوی مال و دولت کا حصول ہی ان کا مقصود و مدعا ہے یا اس سے آگے بڑھ کر وہ کچھ اور چاہتے ہیں۔

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِ اللّٰهُ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ﴾ ”تو جب وہ (وفد) آیا سلیمان کے پاس، اُس نے کہا کہ کیا تم میری اعانت کرنا چاہتے ہو مال و دولت سے؟ تو جو کچھ مجھے اللہ نے دے رکھا ہے وہ کہیں بہتر ہے اُس سے جو اُس نے تمہیں دیا ہے۔“

﴿بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ”اپنے ان تحائف سے تم خود ہی خوش رہو۔“

آیت ۳۷ ﴿اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ”تم لوٹ جاؤ ان کی طرف، تو ہم ان پر ایسے لشکروں سے حملہ آور ہوں گے جن کا مقابلہ ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا، اور ہم نکال باہر کریں گے انہیں اس ملک سے ذلیل کر کے اور وہ خوار ہو جائیں گے۔“

یعنی انہیں یا تو ہماری پہلی بات ماننا پڑے گی کہ وہ مسلم (مطیع) ہو کر ہمارے پاس حاضر ہو جائیں، ورنہ ہم ان پر لشکر کشی کریں گے۔

آیت ۳۸ ﴿قَالَ یٰٓاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ”(پھر اپنے درباریوں سے مخاطب ہو کر) سلیمان نے کہا: اے درباریو! تم میں سے کون اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لائے گا اس سے پہلے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس پہنچیں؟“

یعنی آپؑ کو یقین تھا کہ ملکہ سبا اظہارِ اطاعت کے لیے ضرور حاضر ہوگی۔ چنانچہ آپؑ نے چاہا کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچ جائے اور اس میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اس کی آزمائش کی جائے کہ وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں۔

آیت ۳۹ ﴿قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴿۳۹﴾﴾ ”جنوں میں سے ایک دیو نے کہا کہ میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ

آپؑ اپنی اس مجلس سے اٹھیں‘ اور میں یقیناً اس کام کے لیے طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں۔‘‘

جس طرح انسانوں میں کوئی کمزور ہوتا ہے اور کوئی طاقتور‘ اسی طرح جنوں میں بھی چھوٹے بڑے جن ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک طاقتور قوی ہیکل دیو نے دعویٰ کیا کہ آپؑ کے دربار برخواست کرنے سے پہلے میں وہ تخت لا کر آپؑ کی خدمت میں حاضر کیے دیتا ہوں۔

آیت ۴۰ ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ﴾ ’’کہنے لگا وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے قبل کہ آپؑ کی نگاہ پلٹ کر آپؑ کی طرف آئے۔‘‘

یعنی میں آپؑ کے پلک جھپکنے سے پہلے اس کو حاضر کیے دیتا ہوں۔ یہ جس شخص کا ذکر ہے اس کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیاہ تھے‘ اور یہ کہ ان کے پاس کتب سماویہ اور اللہ تعالیٰ کے ناموں سے متعلق ایک خاص علم تھا جس کی تاثیر سے انہوں نے اس کام کو ممکن کر دکھایا۔ ہمارے پاس اس موضوع پر نہ تو کوئی مرفوع حدیث ہے اور نہ ہی ان اسمائے الٰہیہ میں ایسی کوئی تاثیر ثابت ہوتی ہے جو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بتائے گئے ہیں۔ لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ قرآن میں یہ واقعہ جس طرح مذکور ہے بالکل ویسے ہی وقوع پذیر ہوا ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اگر اس کی تفصیلات میں دلچسپی لینا ہمارے لیے مفید ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لازماً وضاحت فرما دیتے کہ اس شخصیت کے پاس کس کتاب کا کون سا علم تھا۔ اور اگر آپؐ کی طرف سے ایسی کچھ ہدایات نہیں دی گئیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمیں اس بارے میں مزید کسی کھوج کرید میں نہیں پڑنا چاہیے۔ چنانچہ اس اعتبار سے یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔

البتہ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کے الفاظ میں سائنسی اور ٹیکنیکل علم کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔ ہوسکتا ہے انہیں کوئی ایسی ترکیب معلوم ہو جس کے ذریعے سے سائنسی طور پر ایسا کرنا ممکن ہوا ہو۔ بہرحال سائنسی نقطہ نظر سے ایسا ہونا کوئی ناممکن بات بھی نہیں ہے۔ آج سائنس جس انداز اور جس رفتار سے ترقی کر رہی ہے اس کے نتیجے میں ممکن ہے بہت جلد ایسی ٹیکنالوجی حاصل کر لی جائے جس کے ذریعے سے کسی مادی چیز کو atoms میں تحلیل کرنا اور پھر ان atoms کو چشم زدن میں دوسری جگہ منتقل کر کے ان سے اس چیز کو اسی حالت میں دوبارہ ٹھوس شکل دے دینا ممکن ہو جائے۔

﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ﴾ ’’پھر جب اُس نے دیکھا اسے اپنے سامنے رکھا ہوا‘‘

یعنی وہ صاحب اپنے دعوے کے مطابق اس تخت کو واقعی پلک جھپکنے سے پہلے لے آئے اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اپنے سامنے دیکھا تو بے اختیار آپ اللہ کی حمد و ثنا کرنے لگے۔

﴿قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫﴾ ’’اُس نے کہا کہ یہ میرے رب ہی کے فضل سے ہے‘‘

کوئی دنیا دار بادشاہ ہوتا تو اپنے وزیر کے کمال کو بھی اپنا ہی کمال قرار دیتا‘ لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اللہ کا فضل قرار دیا اور اس کا شکر ادا کیا۔ بندگی کا کامل نمونہ بھی یہی ہے کہ انسان بڑی سے بڑی کامیابی کو اپنا

کمال سمجھنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا انعام جانے اور اس پر اس کا شکر ادا کرے۔

﴿لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ ”تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔“

﴿وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ﴾ ”اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی (بھلے کے) لیے کرتا ہے۔“

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾ ”اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب یقیناً بے نیاز ہے، بہت کرم کرنے والا۔“

آیت ۴۱ ﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا﴾ ”سلیمانؑ نے کہا کہ اس کے لیے اس کے تخت کی ہیئت ذرا بدل دو“

کہ ملکہ کو آزمانے کے لیے تخت کی ظاہری ہیئت میں تھوڑی بہت تبدیلی کر دو۔

﴿نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ”ہم دیکھیں کہ وہ پہچان پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو نہیں پہچان پاتے۔“

آیت ۴۲ ﴿فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ ”پھر جب وہ آئی تو (اس سے) کہا گیا کہ کیا اسی طرح کا ہے آپ کا تخت؟ اُس نے کہا یہ تو گویا وہی ہے!“

چنانچہ اس نے اپنے تخت کو پہچان لیا۔ یعنی وہ واقعی ایک ذہین اور سمجھ دار عورت تھی۔ اس سے پہلے آیت ۳۴ میں فاتح بادشاہوں کے بارے میں اس کا تبصرہ بھی اس کی ذہانت اور دانش مندی کا ثبوت ہے۔

﴿وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ ”اور ہمیں اس سے پہلے ہی علم حاصل ہو چکا ہے اور ہم اسلام لا چکے ہیں۔“

یعنی میرے تخت کا یہاں پہنچ جانا اب میرے لیے کوئی بہت بڑی حیرت کی بات نہیں۔ آپؑ کا اللہ کے ہاں جو مقام و مرتبہ ہے اس کے بارے میں مجھے بہت پہلے ہی علم ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے ہم مسلمان ہو کر آپؑ کی اطاعت قبول کر چکے ہیں۔

آیت ۴۳ ﴿وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ”اور سلیمانؑ نے اُسے روک دیا (اس سے) جس کو وہ پوجتی تھی اللہ کے سوا۔“

﴿اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ ”وہ ایک کافر قوم میں سے تھی۔“

آیت ۴۴ ﴿قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ﴾ ”اُس سے کہا گیا کہ اب محل میں داخل ہو جاؤ!“

﴿فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا﴾ ”تو جب اُس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے گہرا پانی سمجھا اور اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں۔“

﴿قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ﴾ ”سلیمانؑ نے کہا: یہ تو ایسا محل ہے جو مرصع ہے شیشوں سے۔“ یعنی وہ شیشے کا چکنا فرش تھا اور ملکہ نے جب اس میں اپنا عکس دیکھا تو اسے پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھا لیا کہ شاید آگے جانے کے لیے اس پانی سے ہو کر گزرنا ہے۔ بہرحال حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے اصل حقیقت سے آگاہ کیا۔ اس سے دراصل اسے احساس دلانا مقصود تھا کہ جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دے رکھی ہیں' وہ تمہارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہیں۔

﴿قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ”اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب میں نے سلیمانؑ کے ساتھ اللہ کی اطاعت اختیار کی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ یہاں پر اختتام پذیر ہوا۔ سورت کا یہ حصہ قصص النبیین کے انداز میں ہے۔ اس کے بعد حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کے واقعات میں انباء الرسل کا انداز پایا جاتا ہے۔

آیات ۴۵ تا ۵۸

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ
يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي
الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ
وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا
وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ
وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾
وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾
فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۴ ۱۴ ۱۹

آیت ۴۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ”اور ہم نے بھیجا تھا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو کہ تم اللہ کی بندگی کرو' تو اس پر وہ لوگ دو گروہ

بن کر آپس میں جھگڑنے لگے۔‘‘

آیت ۴۶ ﴿قَالَ یٰقَوۡمِ لِمَ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِالسَّیِّئَۃِ قَبۡلَ الۡحَسَنَۃِ ۚ﴾ ’’اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم کیوں جلدی مچاتے ہو بُرائی کے لیے' بھلائی سے پہلے؟‘‘

تم لوگ اللہ سے خیر مانگنے کے بجائے عذاب مانگنے میں کیوں جلدی مچا رہے ہو؟ سورۃ الاعراف میں ان کا یہ قول نقل ہو چکا ہے: ﴿یٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ’’اے صالح! لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم واقعی رسولوں میں سے ہو!‘‘

﴿لَوۡلَا تَسۡتَغۡفِرُوۡنَ اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۴۶﴾﴾ ’’تم لوگ اللہ سے مغفرت کیوں نہیں مانگتے' تاکہ تم پر رحم کیا جائے!‘‘

آیت ۴۷ ﴿قَالُوا اطَّیَّرۡنَا بِکَ وَ بِمَنۡ مَّعَکَ ؕ﴾ ’’انہوں نے کہا کہ ہم منحوس سمجھتے ہیں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو۔‘‘

ہمیں خدشہ ہے کہ آپ لوگوں کی نحوست کی وجہ سے ہم کسی آفت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

﴿قَالَ طٰٓئِرُکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ ﴿۴۷﴾﴾ ’’اُس نے کہا کہ تمہاری نحوست کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے' بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو آزمائے جا رہے ہو۔‘‘

آیت ۴۸ ﴿وَ کَانَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ تِسۡعَۃُ رَہۡطٍ یُّفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا یُصۡلِحُوۡنَ ﴿۴۸﴾﴾ ’’اور اُس شہر میں نو (۹) بڑے بڑے سردار تھے' وہ زمین میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔‘‘

آیت ۴۹ ﴿قَالُوۡا تَقَاسَمُوۡا بِاللّٰہِ لَنُبَیِّتَنَّہٗ وَ اَہۡلَہٗ﴾ ’’انہوں نے کہا کہ تم سب آپس میں اللہ کی قسم کھا کر عہد کرو کہ ہم لازماً رات کو حملہ کریں گے اس پر اور اس کے گھر والوں پر'‘‘

ان سب سرداروں نے مل کر حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش کی۔ ان میں سے کوئی اکیلا یہ اقدام کر کے حضرت صالح علیہ السلام کے قبیلے کے ساتھ دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا' اس لیے انہوں نے حلف اٹھوا کر سب کو اس پر آمادہ کیا۔ سب کو اس طرح اس مہم میں شامل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان میں سے کوئی شخص راز فاش نہ کر سکے۔ قبائلی روایات و قوانین کے تحت پورا قبیلہ بحیثیت مجموعی اپنے تمام افراد کے جان و مال کے تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اپنے کسی فرد کو کوئی گزند پہنچنے کی صورت میں پورا قبیلہ یک جان ہو کر اس کے بدلے کا اہتمام کرتا ہے۔ سورۂ ہودؑ میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ بھی آپؑ کے خلاف ایسا ہی اقدام کرنا چاہتے تھے لیکن آپؑ کے قبیلے کے ڈر کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے۔ اپنی اس مجبوری کا اقرار انہوں نے ان الفاظ میں کیا تھا: ﴿وَلَوۡلَا رَہۡطُکَ لَرَجَمۡنٰکَ ۫﴾ (آیت ۹۱) ’’اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے۔‘‘

خود محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی مکہ میں ایک وقت ایسا آیا کہ سب مشرکین آپؐ کے قتل کے درپے ہو گئے' مگر اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ان کا یہ اقدام ان کے قبائل کے درمیان کہیں

خانہ جنگی کا باعث نہ بن جائے۔ چنانچہ انہوں نے بھی بعینہٖ وہی منصوبہ بنایا جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے بنایا تھا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان اس عمل میں شریک ہو اور سب مل کر آپؐ پر حملہ کریں۔اس طرح نہ تو یہ پتا چل سکے گا کہ اصل قاتل کون ہے اور نہ ہی بنوہاشم سب قبائل سے بدلہ لینے کی جرأت کر سکیں گے۔

بہر حال حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے ان نو سرداروں نے باہم حلف اٹھا کر منصوبہ بنایا کہ وہ سب مل کر رات کو آپؑ کے گھر پر دھاوا بول دیں گے اور:

﴿ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۝۴۹﴾ ''پھر ہم اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے گھر والوں کے قتل کے وقت موجود ہی نہیں تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔''

آیت ۵۰ ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝۵۰﴾ ''اور انہوں نے ایک چال چلی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور انہیں پتا بھی نہ چلا۔''

آیت ۵۱ ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝۵۱﴾ ''تو دیکھ لو کیا انجام ہوا ان کی چال کا' ہم نے انہیں اور ان کی پوری قوم کو ہلاک کر ڈالا۔''

یعنی اس قوم پر عذابِ الٰہی ٹوٹ پڑا اور ان نو سرداروں سمیت تمام منکرین ہلاک ہو گئے۔

آیت ۵۲ ﴿فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ﴾ ''تو یہ اُن کے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں' اس ظلم کے سبب جو انہوں نے کیا۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۝۵۲﴾ ''یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝۵۳﴾ ''اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی۔''

آیت ۵۴ ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۝۵۴﴾ ''اور لوطؑ کو بھی (ہم نے بھیجا) جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم فحش کام کرتے ہو اور تم دیکھتے بھی ہو!''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ علی الاعلان اپنی مجالس کے اندر ایسی فحش حرکات کا ارتکاب کرتے تھے۔

آیت ۵۵ ﴿اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۝۵۵﴾ ''کیا تم مردوں کا رخ کرتے ہو شہوت رانی کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر! بلکہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔''

آیت ۵۶ ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْۤا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ۝۵۶﴾ ''تو اُسؑ کی قوم کا کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ انہوں نے کہا: نکال باہر کرو لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے۔ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں!''

آیت ۵۷ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ۝۵۷﴾ ''تو ہم نے نجات دی اُسؑ کو اور اُسؑ کے گھر والوں کو سوائے اس کی بیوی کے' جس کے بارے میں ہم نے طے کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہ

جانے والوں میں ہوگی۔“

آیت ۵۸ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴾ ”اور ان کے اوپر ہم نے ایک بارش برسائی‘ تو بہت ہی بری بارش تھی جو اُن لوگوں پر برسائی گئی جن کو خبردار کر دیا گیا تھا۔“

یہاں پر اس سورت کا انباء الرسل کا حصہ بھی اختتام پذیر ہوا۔ اب اس کے بعد کچھ حصہ التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہے اور یہ اس سورت کا بالکل منفرد انداز ہے۔

آیات ۵۹ تا ۶۴

الجزء العشرون (۲۰)

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ ءٰۗاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۵۹ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۗىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝۶۰ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۳ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶۴

آیت ۵۹ ﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ﴾ ”آپؐ کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل شکر اللہ کے لیے ہے‘ اور سلام ہے اُس کے ان بندوں پر جن کو اُس نے چُن لیا ہے۔“

یعنی تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اللہ کے چنے ہوئے لوگ تھے‘ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴾

﴿ءٰۗاللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ”کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ شریک بناتے ہیں!“

ذرا سوچو کہ اللہ کے مقابلے میں تمہارے ان معبودوں کی کیا حیثیت ہے؟ تم لوگ خود تسلیم کرتے ہو کہ تمام اختیارات کا مالک اللہ ہی ہے۔ تو پھر ان بے اختیار معبودوں کو تم کس حیثیت سے پوجتے ہو؟

آیت ۶۰ ﴿اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ﴾ ”بھلا کون ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا!“

﴿فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۗىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ﴾ ”پھر اس کے ذریعے سے ہم نے پُر رونق باغات اُگائے۔“

﴿مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ﴾ ''تمہارے لیے ممکن نہیں تھا کہ ان کے درختوں کو خود اُگا سکتے۔''

متجسسانہ سوالات (searching questions) کا یہ انداز بہت مؤثر ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے ان اشعار میں یہی مضمون بالکل اسی انداز میں پیش کیا ہے: ؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
کون لایا کھینچ کر پچھم سے بادِ سازگار
خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب؟

کہ اللہ ہی ہواؤں کو چلاتا ہے' بارش برساتا ہے' موسموں کو سازگار بناتا ہے' اناج اگاتا ہے' غرض تمام امور اسی کے حکم اور اسی کی قدرت سے انجام پاتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کاملہ کے بیان کا یہی انداز سورۃ الواقعہ میں بھی ملتا ہے۔

﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟''

کیا ان سارے کاموں میں اللہ کے ساتھ کوئی اور الٰہ بھی شریک ہے؟

﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ؇﴾ ''بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (حق سے) انحراف کر رہے ہیں۔''

آیت ۶۱ ﴿اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ﴾ ''بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور رواں کر دیے اس کے اندر دریا (اور ندیاں)' اور بنائے اس کے لیے لنگر (پہاڑ) اور بنایا دو دریاؤں کے درمیان پردہ؟''

﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟''

کیا کوئی ایسی دوسری ہستی تمہاری نظر میں ہے جو ان کاموں میں اللہ کے ساتھ شریک ہو؟

﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ؈﴾ ''بلکہ ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

تاویلِ خاص کے اعتبار سے ان آیات کے مخاطبینِ اوّلین مشرکینِ مکّہ تھے اور ان کے پاس ان پے در پے سوالات کا ایک ہی جواب تھا' اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے! اس حوالے سے ان کے خیالات' نظریات اور عقائد کے بارے میں جاننا ضروری ہے اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان کے شرک کی صورت اور نوعیت کیا تھی؟ چنانچہ اس سلسلے میں یہ بات بہت اہم ہے کہ مشرکینِ مکّہ اللہ کو معبود بھی مانتے تھے اور اس کو اس کائنات کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے۔ البتہ کچھ شخصیات (جن کے بُت انہوں نے بنا رکھے تھے) کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے لاڈلے چہیتے اور مقربین ہیں اور وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے: ﴿هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ (یونس:۱۸)۔ بس ان کا شرک اس سے زائد کچھ نہیں تھا۔

آیت ۶۲ ﴿اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ﴾ ''بھلا کون ہے جو سنتا ہے ایک مجبور و لاچار کو جب وہ اس کو پکارتا ہے اور (اُس کی) تکلیف کو دور کرتا ہے؟''

﴿وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ﴾ ''اور جو تمہیں جانشین بناتا ہے زمین میں؟''

کہ تمہاری ایک نسل کے بعد دوسری نسل اس کی جانشین بنتی ہے اور یہ سلسلہ غیر منقطع طریقے سے اللہ تعالیٰ قائم رکھے ہوئے ہے۔

﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؀۶۲﴾ ''کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ (ان کاموں میں شریک)؟ بہت ہی کم نصیحت ہے جو تم لوگ حاصل کرتے ہو۔''

آیت ۶۳ ﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ﴾ ''بھلا کون ہے جو تمہیں راستہ دکھاتا ہے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں؟ اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو بشارت دیتی ہوئی اپنے بارانِ رحمت کے آگے آگے؟''

﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ؀۶۳﴾ ''کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ بہت بلند و بالا ہے اللہ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جو بادلوں کے آگے آگے بارانِ رحمت کی نوید بن کر چلتے ہیں' کیا انہیں چلانے اور بحر و بر کی تاریکیوں میں تم لوگوں کو درست راستے سجھانے میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا بھی کوئی حصہ ہے؟

آیت ۶۴ ﴿اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ﴾ ''بھلا کون ہے جو ابتدا میں پیدا کرتا ہے مخلوق کو' پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون ہے جو تم لوگوں کو رزق دیتا ہے آسمانوں اور زمین سے؟''

﴿ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀۶۴﴾ ''کیا کوئی اور معبود بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ آپؐ کہیے کہ لاؤ اپنی دلیل' اگر تم سچے ہو؟''

آیات ۶۵ تا ۸۱

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ؀۶۵
بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ؀۶۶ ع وَقَالَ ع ۵ ۸
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ؀۶۷ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ
قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ؀۶۸ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ؀۶۹ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ؀۷۰ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀۷۱ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ؀۷۲ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ؀۷۳ وَاِنَّ رَبَّكَ

لِيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ
كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا
تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ
تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

آیت ۶۵ ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ﴾ ’’آپ کہہ دیجیے کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں‘ کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوائے اللہ کے۔‘‘

﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝﴾ ’’اور انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔‘‘

یعنی وہ لوگ جو فوت ہو چکے ہیں‘ چاہے وہ اولیاء اللہ ہوں یا کوئی اور‘ اس دنیا سے جانے کے بعد وہ عالم برزخ میں ہیں اور وہاں انہیں کچھ معلوم نہیں کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

آیت ۶۶ ﴿بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ﴾ ’’بلکہ تھک ہار کر رہ گیا ہے ان کا علم آخرت کے بارے میں۔‘‘

یعنی یہ لوگ آخرت کی حقیقت کو سمجھ نہیں پا رہے۔

﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝﴾ ’’بلکہ اس کے بارے میں وہ شک میں مبتلا ہیں‘ بلکہ اس کی طرف سے وہ اندھے ہو چکے ہیں۔‘‘

اگرچہ یہ لوگ زبانی طور پر آخرت کا اقرار بھی کرتے ہیں اور دوبارہ جی اٹھنے پر بظاہر ایمان بھی رکھتے ہیں‘ لیکن عملاً وہ اس کے منکر ہیں۔ عملاً انہیں آخرت کی زندگی کو سنوارنے یا قیامت کے احتساب سے بچنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس دنیا میں اپنے کل کی فکر انسان کو ہر وقت دامن گیر رہتی ہے‘ کہ کل کیا کھانا ہے اور باقی ضروریات کیسے پوری کرنی ہیں۔ اس لیے کہ اسے کل کے آنے پر پختہ یقین ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اسے واقعی یقین ہو کہ مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ ہونا ہے اور یہ کہ آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے تو اس کے لیے وہ لازماً فکرمند بھی ہوگا اور اسے بہتر بنانے کی کوشش بھی کرے گا۔ لیکن کسی انسان کو عملاً اگر اس کی فکر نہیں ہے اور وہ اس کے لیے کوشش بھی نہیں کر رہا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے اس کے بارے میں یقین نہیں ہے۔

آیت ۶۷ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝﴾ ’’اور یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے آباء و اجداد مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں پھر سے نکال لیا جائے گا؟‘‘

آیت ۶۸ ﴿لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ﴾ ’’یہی وعدہ ہم سے بھی کیا گیا ہے اور اس سے پہلے ہمارے آباء و اجداد سے بھی کیا گیا تھا۔‘‘

﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝﴾ ’’یہ کچھ نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔‘‘

آیت ۶۹ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝﴾ ''آپؐ کہیے کہ ذرا گھومو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیسا انجام ہوا مجرم قوموں کا!''

آیت ۷۰ ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان پر رنجیدہ نہ ہوں' اور جو چالیں یہ چل رہے ہیں ان پر دل تنگ نہ کریں۔''

مکہ کے ماحول میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کو شدید مخالفت اور دباؤ کا سامنا تھا' اس لیے مکی سورتوں میں یہ مضمون بار بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ النحل کی آیت ۱۲۷ میں یہ مضمون بالکل انہی الفاظ میں آیا ہے' جبکہ سورۃ الشعراء میں اس حوالے سے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا ہے: ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ''(اے نبی ﷺ!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس لیے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے''۔ بہرحال مشرکین مکہ کے مخالفانہ رویّے کے باعث حضور ﷺ کو بار بار تسلی دی جاتی تھی کہ آپؐ نے ان تک ہمارا پیغام پہنچا کر ان پر حجت قائم کر دی ہے اور یوں آپؐ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب آپؐ ان کی پروا نہ کریں اور نہ ہی ان کے بارے میں رنجیدہ ہوں۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ہماری تدابیر ان کی چالوں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ہماری قدرت کے سامنے ان کی سازشیں کامیاب نہیں ہو سکیں گی۔

آیت ۷۱ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا' اگر آپ سچے ہیں؟''

یعنی آپ ہمیں مسلسل دھمکیاں دیے جا رہے ہیں کہ اگر ہم آپ کی اطاعت نہیں کریں گے تو ہم پر عذاب آ جائے گا۔ چنانچہ اگر آپ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو ذرا یہ بھی بتا دیں کہ وہ عذاب کب آئے گا؟

آیت ۷۲ ﴿قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ ہو سکتا ہے جس چیز کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو اُس کا کچھ حصہ تمہارے قریب ہی آ لگا ہو۔''

''رَدِفَ'' کے معنی گھوڑے پر دوسری سواری کے طور پر سوار ہونے کے ہیں۔ اس طرح پچھلا سوار اپنے آگے والے کی پیٹھ کے ساتھ جڑ کر بیٹھنے کی وجہ سے ''ردیف'' کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم جس عذاب کے بارے میں بے صبری سے بار بار پوچھ رہے ہو وہ اب تمہاری پیٹھ کے ساتھ آ لگا ہے' بس اب تمہاری شامت آنے ہی والی ہے۔ ان الفاظ میں غالباً غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں مشرکین مکہ کو عذابِ الٰہی کی پہلی قسط ملنے والی تھی۔

آیت ۷۳ ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب بڑے فضل والا ہے لوگوں کے حق میں''

یعنی ابھی تک اگر تم لوگوں پر عذاب نہیں آیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا مظہر ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ بہت فضل اور کرم کا معاملہ کرتا ہے۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾ ''لیکن ان کی اکثریت شکر نہیں کرتی۔''

آیت ۷۴ ﴿وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَعۡلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوۡرُہُمۡ وَمَا یُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۴﴾﴾ ''اور یقیناً آپؐ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے کیا کہتے ہیں اور ان کے دلوں میں کیا جذبات ہیں۔ ان کے دل تو گواہی دے چکے تھے کہ محمد (ﷺ) سچے ہیں اور قرآن بھی برحق ہے، لیکن وہ محض حسد، تکبّر اور تعصب کے باعث انکار پر اَڑے ہوئے تھے۔ اس حوالے سے ان کی کیفیت فرعون اور قومِ فرعون کی کیفیت سے مشابہ تھی جس کا حالِ اسی سورت کی آیت ۱۴ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَجَحَدُوۡا بِہَا وَاسۡتَیۡقَنَتۡہَاۤ اَنۡفُسُہُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ؕ﴾ ''اور انہوں نے ان (آیاتِ الٰہی) کا انکار کیا ظلم اور تکبر کے ساتھ جبکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا''۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۶ اور سورۃ الانعام کی آیت ۲۰ میں علماءِ اہلِ کتاب کی بالکل یہی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ﴾ یعنی وہ اللہ کے رسول ﷺ اور قرآن کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

آیت ۷۵ ﴿وَمَا مِنۡ غَآئِبَۃٍ فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۷۵﴾﴾ ''اور نہیں ہے کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین میں مگر وہ ایک روشن کتاب میں موجود ہے۔''

گویا اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم ہی کو یہاں کتابِ مبین کہا گیا ہے۔

آیت ۷۶ ﴿اِنَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَکۡثَرَ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۷۶﴾﴾ ''یقیناً یہ قرآن کھول کر بیان کر رہا ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔''

تورات کا نزول قرآن سے دو ہزار سال پہلے ہوا تھا۔ اصل کتاب مدتوں پہلے گم ہو چکی تھی، پھر ایک عرصے بعد اسے یادداشتوں کی مدد سے دوبارہ مرتب کیا گیا اور بنی اسرائیل نے اپنی من پسند روایات کے ذریعے سے بہت سی غلط باتیں اللہ سے منسوب کر دیں۔ جیسے اقبال نے کہا ہے: ع ''یہ اُمت روایات میں کھو گئی!'' بہرحال قرآن نے ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا اور حقیقت ہر پہلو سے منکشف ہو گئی۔

آیت ۷۷ ﴿وَاِنَّہٗ لَہُدًی وَّرَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''اور یقیناً یہ (قرآن) ہدایت اور رحمت ہے اہلِ ایمان کے حق میں۔''

آیت ۷۸ ﴿اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ بِحُکۡمِہٖ ۚ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۸﴾﴾ ''یقیناً آپؐ کا رب فیصلہ کر دے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے۔ اور وہ زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا۔''

آیت ۷۹ ﴿فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّکَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ ﴿۷۹﴾﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپؐ توکّل کیجیے اللہ پر۔ یقیناً آپؐ ہی واضح حق پر ہیں۔''

آپؐ کی دعوت میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں۔ آپؐ کا موقف حق و صداقت پر مبنی ہے۔

آیت ۸۰ ﴿اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی﴾ ''البتہ آپؐ مُردوں کو نہیں سنا سکتے''

یعنی آپؐ کے ان مخاطبین میں سے اکثر لوگوں کے دل مردہ ہیں‘ ان کی روحیں ان کے دلوں کے اندر دفن ہو چکی ہیں۔ یہ لوگ صرف حیوانی طور پر زندہ ہیں جبکہ روحانی طور پر ان میں زندگی کی کوئی رمق موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ابوجہل اور ابولہب کو آپ زندہ مت سمجھیں‘ یہ تو محض چلتی پھرتی لاشیں ہیں۔ اس کیفیت میں وہ آپؐ کی ان باتوں کو کیسے سن سکتے ہیں! میر درد نے اپنے اس شعر میں انسان کی اسی روحانی زندگی کا ذکر کیا ہے:؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے!

﴿وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾﴾ ”اور نہ آپؐ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل پڑیں۔“

یعنی ایک بہرا شخص آپ کے روبرو ہو‘ آپ کی طرف متوجہ ہو تو پھر بھی امکان ہے کہ آپ اشارے کنائے سے اپنی کوئی بات اسے سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں‘ لیکن جب وہ پلٹ کر دوسری طرف چل پڑے تو اسے کوئی بات سمجھانا یا سنانا ممکن نہیں رہتا۔

آیت ۸۱ ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ﴾ ”اور نہ ہی آپؐ اندھوں کو ان کی گمراہی سے پھیر کر راہ پر لانے والے بن سکتے ہیں۔“

﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾﴾ ”آپؐ نہیں سنا سکتے مگر صرف انہی کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرمانبرداری کی روش اختیار کرتے ہیں۔“

آیات ۸۲ تا ۹۳

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ
يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ
لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾
وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ
شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ
يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ

شَیۡءٍ وَّ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی فَاِنَّمَا
یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَیُرِیۡکُمۡ
اٰیٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

آیت ۸۲ ﴿وَ اِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّۃً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُکَلِّمُهُمۡ ۙ﴾ ’’اور جب ان پر ہماری بات واقع ہو جائے گی تو ہم نکالیں گے ان کے لیے زمین سے ایک جانور جو ان سے کلام کرے گا‘‘

﴿اَنَّ النَّاسَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾ ’’کہ لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔‘‘

’’دابّۃ الارض‘‘ کا ظہور قیامت کی آخری علامات میں سے ہے۔ احادیث کے مطابق سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد کوہِ صفا پھٹے گا اور اس میں سے یہ جانور برآمد ہوگا۔ واللہ اعلم!

آیت ۸۳ ﴿وَ یَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ’’اور ذرا تصور کرو اُس دن کا جس دن ہم جمع کریں گے ہر اُمّت میں سے ایک فوج اُن لوگوں میں سے جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے‘ پھر ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔‘‘

گویا ان مجرموں کے جرائم مختلف درجوں میں ہوں گے۔ ان میں سے کوئی انکار میں بہت زیادہ سخت تھا‘ کسی کی طبیعت میں کچھ نرمی کا پہلو تھا‘ کوئی تکذیب کے ساتھ ساتھ استہزاء کرنے کا مجرم بھی تھا۔ چنانچہ ان کے جرائم کی نوعیت اور کیفیت کے مطابق ان کی گروہ بندی کی جائے گی۔ یہ طریقہ انسانی فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہوگا کیونکہ سب انسان برابر نہیں۔ نہ تو اہل ایمان سب کے سب برابر ہیں اور نہ کفار و مشرکین سب ایک جیسے ہیں۔ ۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مَرد مَرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!

آیت ۸۴ ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَکَذَّبۡتُمۡ بِاٰیٰتِیۡ وَ لَمۡ تُحِیۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا اَمَّا ذَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾﴾

’’یہاں تک کہ جب وہ سب آ جائیں گے تو اللہ فرمائے گا: کیا تم نے میری آیات کو جھٹلا دیا تھا حالانکہ تم نے ان کا علمی احاطہ نہیں کیا تھا؟ یا تم لوگ کیا کرتے رہے تھے؟‘‘

یعنی کیا تم لوگ واقعتاً میری آیات کو سمجھ نہیں سکے تھے یا پھر سمجھنے کے بعد تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کا انکار کرتے رہے تھے؟

آیت ۸۵ ﴿وَ وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۸۵﴾﴾ ’’اور واقع ہو جائے گی ان پر بات‘ اس لیے کہ وہ ظلم کے مرتکب ہوئے تھے‘ چنانچہ وہ بول نہیں سکیں گے۔‘‘

جب حقیقت ان پر واضح کر دی جائے گی تو وہ بول نہیں سکیں گے‘ اس لیے کہ ان کے دل تو دعوتِ حق کی حقانیت پر گواہی دے چکے تھے‘ لیکن اپنی ضد‘ ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنا پر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تھا۔ قبل ازیں اسی سورت کی آیت ۱۴ میں ایسے منکرین کے انکار کی کیفیت پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے: ﴿وَ جَحَدُوۡا

بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ کہ ان کے دلوں نے آیاتِ الٰہیہ کا یقین کر لیا تھا مگر وہ محض ضد، ظلم اور سرکشی کی بنا پر نہیں مانتے تھے۔

آیت ۸۶ ﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ﴾ ''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے بنایا ہے رات کو تا کہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا ہے!''

اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کے تحت رات کو سکون کے لیے جبکہ دن کو معاشی جِدّوجُہد کے لیے سازگار بنایا ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

آیت ۸۷ ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ ''اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو گھبرا اٹھیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں' سوائے ان کے جنہیں اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے۔''

نفخ صُور سے ایک عمومی گھبراہٹ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات پر طاری ہو جائے گی' سوائے ان کے جنہیں اللہ خود اس سے محفوظ رکھنا چاہے۔ جیسے آسمانوں پر فرشتے۔

﴿وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾﴾ ''اور سب حاضر ہو جائیں گے اُس کے آگے عاجزی کے ساتھ۔''

اُس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکائے مؤدّب کھڑے ہوں گے۔

آیت ۸۸ ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ﴾ ''اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور سمجھتے ہو کہ وہ خوب جمے ہوئے ہیں' اور (اُس دن) وہ چلیں گے جیسے بادل چلتے ہیں۔''

پہاڑ اس دن بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ ہوائی سفر کے دوران ہم میں سے اکثر نے بادلوں کی ماہیت کا قریب سے مشاہدہ کیا ہوگا۔ یہ بظاہر دیکھنے میں ٹھوس نظر آتے ہیں لیکن جہاز بغیر کسی رکاوٹ کے انہیں چیرتے ہوئے آگے گزر جاتا ہے۔ قیامت کے دن پہاڑوں کی ٹھوس حیثیت کو ختم کر دیا جائے گا اور وہ ذرّات کے غبار میں تبدیل ہو کر بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

﴿صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ ''یہ اللہ کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو محکم بنایا ہے۔''

یہ اللہ کی صنّاعی کا کرشمہ ہے کہ اُس نے اِس وقت پہاڑوں کو ایسی محکم اور ٹھوس شکل دے رکھی ہے' لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے انہیں دھنکی ہوئی روئی کے گالوں اور بادلوں کی طرح بے وزن اور نرم کر دے گا۔

﴿اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''یقیناً وہ ہر اُس چیز سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو۔''

آیت ۸۹ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ﴾ ''جو کوئی بھی (اُس دن) نیکی لے کر آئے گا تو اُس

کے لیے اس سے بہتر صلہ ہوگا۔''

ایک نیکی کا اجر دس گنا بھی ہو سکتا ہے' سات سو گنا بھی اور اس سے بھی زیادہ۔ بہرحال نیکی کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا۔

﴿وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾﴾ ''اور وہ اُس دن کی گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔''

اس سے قیامت کے دن کی گھبراہٹ مراد ہے جسے سورۃ الحج کی پہلی آیت میں ﴿اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿١﴾﴾ کہا گیا ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ قیامِ قیامت سے پہلے اللہ تعالیٰ مؤمنین صادقین کو سکون کی موت عطا کر کے اس دن کی گھبراہٹ سے بچا لے گا۔ اس کے علاوہ ان الفاظ میں اس مفہوم کی گنجائش بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بعث الموت کے بعد میدانِ حشر کی گھبراہٹ سے بھی محفوظ رکھے گا۔

آیت ۹۰ ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ﴾ ''اور جو کوئی بُرائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کے منہ آگ میں اوندھے کر دیے جائیں گے۔''

یعنی ان لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ **اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک!**

﴿هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٠﴾﴾ ''(اور کہا جائے گا کہ) تمہیں بدلے میں وہی تو دیا جا رہا ہے جو تم عمل کرتے رہے ہو۔''

یعنی اس سزا کی صورت میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی' بلکہ تمہارے اعمال کے عین مطابق ہی تمہیں بدلہ مل رہا ہے۔

آیت ۹۱ ﴿اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا﴾ ''(دیکھو!) مجھے تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں بندگی کروں اِس شہر کے رب کی جس نے اسے محترم قرار دیا ہے''

ان آخری آیات کا انداز ایک اعلان کا سا ہے۔ اگرچہ اس اعلان کا آغاز لفظ ''قُلْ'' سے نہیں ہو رہا لیکن انداز یہی ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کر دیجیے۔ آپ ان پر واضح کر دیجیے کہ میں کسی بُت' کسی دیوی یا کسی دیوتا کی پرستش کی بجائے صرف اُس رب کی بندگی کرتا ہوں اور اسی کی بندگی کرتا رہوں گا جس نے بیت اللہ کو حرم ٹھہرایا ہے اور اس شہر کی سرزمین کو محترم قرار دیا ہے۔

﴿وَّلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾﴾ ''اور اُسی کے اختیار میں ہے ہر چیز' اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں اُس کے فرمانبردار بندوں میں۔''

آیت ۹۲ ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ﴾ ''اور یہ کہ میں تلاوت کروں قرآن کی!''

مجھے تیسرا حکم یہ ملا ہے کہ میں قرآن پڑھوں' پڑھ کر لوگوں کو سناتا رہوں اور اس کی تبلیغ کرتا رہوں۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۷ میں بھی آپؐ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ۭ﴾ کہ اے نبی ﷺ! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ وہ

لوگوں تک پہنچا دیجیے اور اگر بالفرض آپ نے ایسا نہ کیا تو یہ گویا رسالت کے فرائض میں کوتاہی شمار ہوگی۔

﴿فَمَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ‌ ۚ﴾ ''تو جو کوئی ہدایت پائے گا وہ اپنے ہی بھلے کے لیے ہدایت پائے گا۔''

اس ہدایت کے بدلے میں اگر وہ آخرت میں کامیاب قرار پاتا ہے اور اسے ﴿فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ﴿۸۹﴾﴾ (الواقعۃ) سے نوازا جاتا ہے تو اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہے۔

﴿وَمَنۡ ضَلَّ فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ﴿۹۲﴾﴾ ''اور جو کوئی گمراہی کی روش اختیار کرے تو آپ کہہ دیجیے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں!''

جیسے کسی خطبہ کے آخر میں یہ الفاظ کہے جاتے ہیں: وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بالکل اسی انداز میں اب اس سورت کا اختتام ہو رہا ہے:

آیت ۹۳ ﴿وَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ‌ؕ﴾ ''اور آپ کہہ دیجیے کہ کُل حمد اور کُل ثنا اللہ کے لیے ہے' عنقریب وہ تمہیں اپنی آیات دکھائے گا تو تم انہیں پہچان لو گے۔''

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ﴿۹۳﴾﴾ ''اور آپ کا رب غافل نہیں ہے اُس سے جو اعمال تم کر رہے ہو۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى وإياكم بالآيات والذّكر الحكيم OO

بیانُ القرآن

سُوْرَۃُ الْقَصَص

(۲۸)

سُورَةُ الْقَصَص

تمہیدی کلمات

سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک آٹھ مکی سورتوں کا گروپ چار چار سورتوں کے دو ذیلی گروپس میں منقسم ہے۔ ان میں سے پہلی چار سورتوں (سورۃ الفرقان‘ سورۃ الشعراء‘ سورۃ النمل اور سورۃ القصص) میں مزاج کے اعتبار سے کافی مشابہت پائی جاتی ہے۔ سورۃ القصص اس ذیلی گروپ کی آخری سورت ہے۔ اس گروپ میں سے سورۃ الفرقان کو چھوڑ کر باقی تینوں سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ سورۃ الشعراء اور سورۃ القصص دونوں طٰسٓمٓ سے شروع ہوتی ہیں جبکہ سورۃ النمل کا آغاز طٰسٓ سے ہوتا ہے۔ دوسرے ذیلی گروپ کی چاروں سورتوں (سورۃ العنکبوت‘ سورۃ الروم‘ سورۂ لقمان اور سورۃ السجدۃ) میں مضامین کی ہم آہنگی کے علاوہ باہمی مشابہت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان سب کا آغاز الٓمّٓ سے ہوتا ہے۔

یہاں ضمنی طور پر حروفِ مقطعات کے سلسلے میں ایک یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ جن سورتوں کے آغاز کے حروفِ مقطعات میں ”ط“ آیا ہے ان سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے‘ مثلاً سورۂ طٰہٰ‘ سورۃ الشعراء‘ سورۃ القصص اور سورۃ النمل۔ اس کی وضاحت بعض اہل علم نے اس طرح کی ہے کہ عبرانی اور عربی زبان کے بنیادی حروف (alphabets) مختلف شکلوں سے اخذ کیے گئے ہیں (جیسا کہ چینی زبان کے حروف بھی شکلوں سے بنے ہیں‘ جبکہ بعض زبانوں کے حروف آوازوں سے بھی اخذ ہوئے ہیں)۔ اس لحاظ سے ”ط“ سانپ کی شکل سے مشابہ ہے (حرف کا نچلے والا حصہ سانپ کی کنڈلی سے مشابہ ہے جبکہ اوپر اٹھا ہوا ”الف“ اس کے پھن کی علامت ہے)۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سانپ کی ایک خاص مناسبت ہے اور شاید اسی وجہ سے مذکورہ چار سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اس موقف کو سورۂ نٓ (اس سورت کا دوسرا نام ”سورۃ القلم“ بھی ہے) میں حضرت یونس علیہ السلام کے ذکر سے بھی تقویت ملتی ہے۔ حرف ”ن“ کے بارے میں خیال ہے کہ اس حرف کی شکل مچھلی کی شکل سے اخذ کی گئی ہے (عام طور پر آج بھی ڈرائنگز اور پینٹنگز میں مچھلی کی شکل ایک ایسی ”ن“ سے مشابہ دکھائی جاتی ہے جس کا نقطہ ایک جانب لگا ہو) اور اسی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کو ذوالنون (مچھلی والا) کا لقب دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ”نٓ“ میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ”صاحب الحوت“ (مچھلی والا) کے لقب سے آیا ہے اور وہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا دیا تھا۔ بہر حال اس طرح بعض حضرات نے حروفِ مقطعات میں سے بعض حروف کی مناسبت متعلقہ سورتوں کے بعض مضامین سے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ (مثلاً بعض حضرات کے نزدیک طٰسٓ میں ”طورِ سینا“ کی طرف اشارہ ہے اور طٰسٓمٓ میں ”طورِ سینا اور موسیٰ“ کی طرف۔)

سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ابتدائی دور کے حالات و واقعات ملتے ہیں۔ آپؑ کے حالات قرآن میں بہت تفصیل اور بہت تکرار سے بیان ہوئے ہیں۔ ان حالات و واقعات کی تقسیم سورتوں کے حوالے سے اس طرح نظر آتی ہے کہ آپؑ کی زندگی کے آخری دور کے حالات سورۃ البقرۃ اور سورۃ الاعراف میں بیان ہوئے ہیں۔ درمیانی دور کے واقعات سورۂ طٰہٰ (اس سورت کے آٹھ میں سے پانچ رکوع آپؑ کے حالات پر مشتمل ہیں)، سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل میں ملتے ہیں، جبکہ بالکل ابتدائی دور کے حالات کی تفصیل زیر مطالعہ سورت یعنی سورۃ القصص میں آئی ہے۔ قرآن کے اب تک کے مطالعہ کے دوران ہم یہ واقعہ بار بار پڑھ چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے مصر واپس آرہے تھے تو آپؑ کو راستے میں نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، لیکن آپؑ مصر سے مدین کیسے پہنچے تھے؟ یہ تفصیل ہمیں اب اس سورت میں ملے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۳

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ
يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۴ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى
الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي
الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ
مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَاۗدُّوْهُ
اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ
فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِــِٕيْنَ ۝۸ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا
تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى
فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ
لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ
قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى
اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ ع

آیت ۱ ﴿طٰسٓمّٓ ①﴾ ”طٰ س م۔“

آیت ۲ ﴿تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ②﴾ ”یہ کتابِ روشن کی آیات ہیں۔“

آیت ۳ ﴿نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ③﴾ ”ہم سناتے ہیں آپؐ کو موسیٰؑ اور فرعون کے کچھ احوال حق کے ساتھ‘ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“

گویا سورت کا آغاز ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے ہو رہا ہے۔

آیت ۴ ﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ﴾ ”یقیناً فرعون نے بہت سرکشی کی تھی زمین (مصر) میں“

﴿وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا﴾ ”اور اُس نے تقسیم کر دیا تھا اس کے باسیوں کو گروہوں میں“

فرعون نے مصر کے عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ حاکم تھا اور دوسرا محکوم۔ یعنی قبطی قوم حاکم تھی جبکہ بنی اسرائیل ان کے محکوم تھے۔

﴿یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ﴾ ”اس نے دبا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو“

بنی اسرائیل کو اس نے محکومی اور غلامی کے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا اور ان پر وہ بہت سختی کا برتاؤ کرتا تھا۔

﴿یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ﴾ ”وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔“

﴿اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ④﴾ ”یقیناً وہ فساد مچانے والوں میں سے تھا۔“

آیت ۵ ﴿وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ﴾ ”اور ہم نے ارادہ کیا کہ ہم احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین میں دبا دیے گئے تھے“

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا جنہیں مصر میں مسلسل ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

﴿وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ⑤﴾ ”اور (ہم نے چاہا کہ) ہم انہیں امام بنا دیں اور انہی کو ہم وارث بھی بنائیں۔“

آیت ۶ ﴿وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ ”اور ہم تمکن عطا کریں ان کو زمین میں“

ہم نے فیصلہ کیا کہ دنیا میں ہم بنی اسرائیل کو حکومت‘ طاقت اور سربلندی عطا کریں گے۔

﴿وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ⑥﴾ ”اور ہم دکھا دیں فرعون‘ ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ کچھ جس سے وہ ڈرتے تھے۔“

ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ ان لوگوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے کیا خطرہ تھا؟ اس کے بارے میں دو توجیہات ملتی ہیں۔ ان میں سے جو توجیہہ ہماری تفسیری روایات میں بہت تکرار سے بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا جس سے اسے یہ اشارہ ملا کہ اسرائیلیوں کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اسے اور اس کی سلطنت کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس نے اسرائیلیوں کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل

کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر اُس نے اپنے اس فیصلے پر سختی سے عمل درآمد بھی کروایا۔ یہ روایت تلمود میں بیان ہوئی ہے (اور تلمود سے ہی ہماری تفسیری روایات میں آئی ہے) لیکن نہ تو اس کا ذکر تورات میں کہیں ملتا ہے اور نہ ہی قرآن میں ایسا کوئی اشارہ موجود ہے۔ (البتہ اس سے ملتے جلتے ایک خواب کا ذکر انجیل میں ضرور ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانے میں متعلقہ علاقے کے یہودی بادشاہ نے دیکھا تھا اور اس خواب کے بعد وہ بادشاہ آپؑ کی جان کے درپے ہو گیا تھا۔)

اس سلسلے میں دوسری توجیہہ البتہ منطقی اور عقلی نوعیت کی ہے اور وہ یہ کہ فرعون اور اس کے مشیروں کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اگر ان کی تعداد میں اسی رفتار سے اضافہ ہوتا رہا تو بہت جلد یہ لوگ ان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں اور اسی خدشے کے پیش نظر انہوں نے اسرائیلیوں کی نرینہ اولاد کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ بالکل اسی نوعیت کی ایک سوچ ماضی قریب میں ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے خلاف بھی پیدا ہوئی تھی' جب ہندوؤں کو بھی بالکل ایسا ہی اندیشہ لاحق ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح یہ لوگ مستقبل میں ان کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی اندیشے کے تحت اندرا گاندھی کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کی جبری نس بندی کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے گئے۔ اور پھر اسی کے ردِعمل کے طور پر مسلمانوں نے انتخابی معرکے میں کانگرس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اور یوں اندرا گاندھی کو اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے۔

بہرحال اس حوالے سے ان دونوں توجیہات کا اپنی اپنی جگہ پر درست ہونے کا امکان بھی ہے۔ یعنی ممکن ہے فرعون اسرائیلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے بھی خائف ہو اور اس نے ایسا کوئی خواب بھی دیکھا ہو جس سے اسے اپنا اقتدار ڈولتا ہوا محسوس ہوا ہو۔ واللہ اعلم!

آیت ۷ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ ''اور ہم نے وحی کر دی موسٰیؑ کی والدہ کو کہ تم اسے دودھ پلاتی رہو۔''

﴿فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ﴾ ''اور جب تمہیں اس کے بارے میں اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ خوف کھانا اور نہ رنجیدہ ہونا۔''

کہ جب تمہیں معلوم ہو کہ حکومتی کارندے تلاشی کے لیے آ رہے ہیں اور پکڑے جانے کا امکان ہے تو بلا خوف و خطر بچے کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

﴿اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦﴾ ''ہم اسے لوٹانے والے ہیں تمہاری طرف اور اسے بنانے والے ہیں رسولوں میں سے۔''

آیت ۸ ﴿فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ ''تو اُسے اٹھا لیا فرعون کے گھر والوں نے''

''لُقطہ'' کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کہیں گری پڑی ہو اور کوئی اسے اٹھا لے۔ فقہ کی کتابوں میں ''لُقطہ'' کے بارے میں تفصیلی احکام و مسائل ملتے ہیں۔

﴿لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ﴾ ”تا کہ وہ بن جائے ان کے لیے دشمن اور پریشانی (کا باعث)۔“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچے کو دریا سے نکالتے ہوئے ان کا یہ مقصد تھا یا انہیں معلوم تھا کہ ایسے ہوگا‘ بلکہ مراد یہ ہے کہ بالآخر اس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہی تھا کہ وہ بچہ ان کے لیے تکلیف اور پریشانی کا باعث بن گیا۔

﴿اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ⑧﴾ ”یقیناً فرعون‘ ہامان اور ان کے سب لشکر (اپنی تدبیر میں) خطا کار تھے۔“

آیت ۹ ﴿وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ﴾ ”اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا میرے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔“

﴿لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ ”تم اسے قتل مت کرو‘ کیا عجب کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں“

یہ بالکل وہی الفاظ ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں عزیز مصر کی بیوی نے کہے تھے (یوسف:۲۱)۔

﴿وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨﴾ ”اور وہ (انجام سے) بالکل بے خبر تھے۔“

انہیں اس وقت کوئی اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہے تھے اور ان کے اس فیصلے کا کیا نتیجہ نکلنے والا تھا۔

آیت ۱۰ ﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ﴾ ”اور (ادھر) موسیٰؑ کی ماں کا دل حوصلہ چھوڑ بیٹھا۔“

ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے اور شدتِ غم سے جذبات میں ایسا ہیجان برپا تھا کہ دل اُڑا جا رہا تھا۔

﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩﴾ ”قریب تھا کہ وہ اس (راز) کو ظاہر ہی کر دیتی اگر ہم نے اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا‘ تا کہ وہ ہو جائے ایمان والوں میں سے۔“

اگر ہم نے اس کی ڈھارس نہ بندھائی ہوتی تو وہ اپنی اس اضطراری کیفیت میں خود ہی بھانڈا پھوڑ دیتی۔

آیت ۱۱ ﴿وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ﴾ ”اور اُس نے موسیٰؑ کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے پیچھے جا!“

﴿فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑪﴾ ”تو وہ اس کو دُور سے دیکھتی رہی اور انہیں احساس بھی نہ ہوا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنی والدہ کے کہنے پر دریا کے کنارے کنارے صندوق پر دھیان رکھے اس انداز سے چلتی رہی جیسے صندوق سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اس طرح وہ بچے کے پیچھے پیچھے بڑی ہوشیاری سے فرعون کے محل میں پہنچ گئی۔ لیکن اس نے اپنے انداز سے وہاں بھی یہی ظاہر کیا جیسے وہ ایک راہ چلتی بچی ہے جو دریا میں تیرتے ہوئے صندوق کو دیکھنے کے لیے ادھر تک پہنچ گئی ہے اور یوں وہاں کسی کو اس کی اصل منصوبہ بندی کے بارے میں گمان تک نہ ہوا۔

آیت ۱۲ ﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور ہم نے اس پر پہلے ہی حرام کر دی تھیں تمام دودھ پلانے والی عورتیں“

یہ سب کچھ اس بچی کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ یعنی یکے بعد دیگرے دودھ پلانے والی بہت سی خواتین کو بلایا گیا تھا مگر بچے نے کسی کی چھاتی کو منہ نہیں لگایا تھا۔ سورہ طٰہٰ کی آیت ۳۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپنے کی من موہنی صورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ کہ میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا تھا۔ چنانچہ وہ سب لوگ آپؑ کی صورت کے گرویدہ ہو رہے تھے مگر ساتھ ہی سخت تشویش میں مبتلا بھی تھے کہ آپؑ کی خوراک کا کیا انتظام کیا جائے۔ کسی خاتون کا دودھ آپؑ قبول ہی نہیں کر رہے تھے اور اس زمانے میں بچے کو دودھ پلانے کا کوئی دوسرا طریقہ تھا ہی نہیں۔

﴿فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ⑫﴾ ”تو اُس لڑکی نے ان سے کہا: کیا میں تمہیں ایک ایسے گھر والوں کے بارے میں بتاؤں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کر دیں اور وہ اس کے خیر خواہ بھی ہوں؟“

آیت ۱۳ ﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ ”تو یوں ہم نے اُسے لوٹا دیا اُس کی والدہ کے پاس، تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں“

﴿وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ”اور وہ رنجیدہ نہ ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے“

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہارے بیٹے کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس حوالے سے اسے اطمینان دلانا چاہتا تھا کہ اس نے وہ وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔

﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬﴾ ”لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

آیات ۱۴ تا ۲۱

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ

اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا
بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ
الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡعٰی ۫ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ
بِكَ لِیَقۡتُلُوۡكَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ۫ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۸ ۵

آیت ۱۴ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسۡتَوٰۤی اٰتَیۡنٰهُ حُكۡمًا وَّ عِلۡمًا ؕ﴾ ''اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچ گیا اور ہر لحاظ سے توانا ہو گیا تو ہم نے اُسے حکم اور علم عطا فرمایا۔''

یعنی جب آپؑ کے ظاہری اور باطنی قویٰ پورے اعتدال کے ساتھ استوار ہو گئے اور آپؑ پختگی کی عمر کو پہنچ گئے تو آپؑ کو خصوصی علم و حکمت سے نوازا گیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے نبوت مراد ہے' مگر عمومی رائے یہی ہے کہ نبوت آپؑ کو بعد میں ملی۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔''

آیت ۱۵ ﴿وَدَخَلَ الۡمَدِیۡنَةَ عَلٰی حِیۡنِ غَفۡلَةٍ مِّنۡ اَهۡلِهَا﴾ ''اور (ایک روز) وہ شہر میں داخل ہوا ایسے وقت جبکہ اس کے باسی غفلت میں (پڑے سو رہے) تھے''

حضرت موسیٰ علیہ السلام شاہی محل میں رہتے تھے اور عام طور پر شاہی محلات عام شہری آبادی سے الگ علاقے میں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کے شہر میں آنے کا یہاں خصوصی انداز میں ذکر ہوا ہے۔ عَلٰی حِیۡنِ غَفۡلَةٍ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یا تو آپؑ علی الصبح شہر میں آئے ہوں گے جب لوگ ابھی نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے یا پھر وہ دوپہر کو قیلولے کا وقت تھا۔

﴿فَوَجَدَ فِیۡهَا رَجُلَیۡنِ یَقۡتَتِلٰنِ ۫﴾ ''تو اُس نے وہاں پایا دو اشخاص کو آپس میں لڑتے ہوئے''

﴿هٰذَا مِنۡ شِیۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ ۚ﴾ ''ایک اُس کی اپنی قوم میں سے تھا اور دوسرا اُس کے دشمنوں میں سے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہاں شہر میں ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔

﴿فَاسۡتَغَاثَهُ الَّذِیۡ مِنۡ شِیۡعَتِهٖ عَلَی الَّذِیۡ مِنۡ عَدُوِّهٖ ۙ﴾ ''تو مدد مانگی موسیٰؑ سے اُس نے جو اُس کی قوم میں سے تھا اُس کے خلاف جو اُس کی دشمن قوم سے تھا''

﴿فَوَكَزَهٗ مُوۡسٰی فَقَضٰی عَلَیۡهِ ۫﴾ ''تو موسیٰؑ نے اُس کو ایک مُکا رسید کیا اور اس کا کام تمام کر دیا''

﴿قَالَ هٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾﴾ ''(یہ دیکھتے ہی) وہ پکار اٹھا کہ یہ تو شیطان کا عمل ہے۔ یقیناً وہ دشمن ہے' کھلا گمراہ کرنے والا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نیت تو قتل کرنے کی نہیں تھی لیکن اتفاق سے ضرب زیادہ شدید تھی اور وہ شخص مر گیا۔

یہ حرکت سرزد ہوتے ہی آپؑ کو فوراً احساس ہوا کہ یہ مجھ سے شیطانی کام صادر ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپؑ نے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

آیت ۱۶ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَهٗ﴾ ''عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تو اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں' پس تو مجھے بخش دے' تو اللہ نے اُسے بخش دیا۔''

﴿اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ﴿۱۶﴾﴾ ''یقیناً وہی ہے بڑا بخشنے والا' رحم فرمانے والا۔''

آیت ۱۷ ﴿قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ ظَهِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ﴿۱۷﴾﴾ ''اُس نے کہا: پروردگار! بسبب اس احسان کے جو تو نے مجھ پر کیا ہے (میں عہد کرتا ہوں کہ) اب میں کبھی مددگار نہیں بنوں گا مجرموں کا۔''

یعنی چونکہ تو نے مجھے معاف فرما کر مجھ پر احسان فرمایا ہے' لہٰذا میں عہد کرتا ہوں کہ میں آئندہ کبھی بھی کسی غلط کار شخص کا حمایتی نہیں بنوں گا۔

[مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا فیصلہ کر لیا' کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اُس نے اللہ کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ (اضافہ از مرتب)]

آیت ۱۸ ﴿فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ﴾ ''تو اُس نے صبح کی شہر میں (اس کیفیت میں) کہ وہ خوف زدہ بھی تھا اور چوکنا بھی'

ظاہر ہے قتل کے بعد شہر میں ہر طرف قاتل کو ڈھونڈنے کی دھوم مچی ہوگی۔ ہر طرح سے تفتیش و تحقیق ہو رہی ہوگی۔ چنانچہ آپؑ خوفزدہ بھی تھے کہ کہیں راز نہ کھل جائے اور محتاط و متجسس بھی۔

﴿فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُهٗ﴾ ''تو اچانک (اُس نے دیکھا کہ) جس شخص نے کل اُس سے مدد مانگی تھی وہی آج پھر اس سے فریاد کر رہا ہے۔''

وہی شخص آج پھر کسی سے اُلجھا ہوا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس نے پھر آپؑ کو مدد کے لیے پکارنا شروع کر دیا۔

﴿قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ﴿۱۸﴾﴾ ''موسیٰؑ نے اس سے کہا کہ (معلوم ہوتا ہے) تم ہی ایک کھلے ہوئے شریر آدمی ہو۔''

کہ کل بھی ایک قبطی سے تمہاری لڑائی ہو رہی تھی اور آج پھر تم نے کسی سے جھگڑا مول لے رکھا ہے۔ لگتا ہے تمہاری فطرت ہی ایسی ہے اور تم ہر کسی سے زیادتی کرتے ہو۔

آیت ۱۹ ﴿فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا﴾ ''پھر جب اُس نے پکڑنا چاہا اُس کو جو ان دونوں کا دشمن تھا'

حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے تو بڑھے تھے اس قبطی کو پکڑنے کے لیے تاکہ اُسے اپنے اسرائیلی بھائی کو مارنے سے روک سکیں' لیکن چونکہ آپؑ کے غصے کا رخ اسرائیلی کی طرف تھا اور اس کو سختی سے ڈانٹتے ہوئے آپؑ نے

اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ کہا تھا' اس لیے وہ سمجھا کہ آپؑ اس کی پٹائی کرنا چاہتے ہیں' چنانچہ:

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا ۢ بِالْاَمْسِ ۖ﴾ ''وہ چیخ اٹھا: اے موسٰیؑ ! کیا تم مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا!''

گویا اس نے اپنی حماقت سے بھانڈا ہی پھوڑ دیا کہ کل والا قتل موسٰیؑ نے کیا تھا۔

﴿اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِى الْاَرْضِ﴾ ''تم صرف یہ چاہتے ہو کہ تم اس ملک میں بڑے جابر بن جاؤ''

﴿وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''اور تم نہیں چاہتے کہ تم اصلاح کرنے والوں میں سے بنو۔''

گویا اس مکالمے سے اُس اسرائیلی نے ثابت کر دیا کہ وہ خود ایک منفی سوچ کا حامل اور گھٹیا کردار کا مالک شخص تھا۔

آیت ۲۰ ﴿وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ﴾ ''اور ایک شخص آیا شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا''

یعنی اس دوسرے جھگڑے میں جب قتل کا راز فاش ہو گیا تو اس قبطی نے جا کر مخبری کی ہو گی۔ تب یہ واقعہ پیش آیا ہو گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ فرعون اور دوسرے امرائے سلطنت کے محلات شہر کی عام آبادی سے دور تھے۔ چنانچہ ایک شخص وہاں سے دوڑتا ہوا آیا اور حضرت موسٰی علیہ السلام تک یہ خبر پہنچائی۔

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ﴾ ''اُس نے کہا: اے موسٰیؑ ! اعیانِ حکومت تمہارے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر دیں''

یعنی آپؑ کے ہاتھوں قبطی کے مارے جانے کی خبر اربابِ اقتدار تک پہنچ جانے کے بعد ایوانِ حکومت میں آپؑ کے قتل کی قرارداد پیش ہو چکی تھی اور آپؑ کے قتل کی رائے پر سب کا اتفاق ہونے والا تھا۔ یقیناً انہوں نے سوچا ہو گا کہ غلام قوم کا یہ فرد شاہی محل میں رہ کر خود سر اور سرکش ہو گیا ہے۔ آج اس نے ایک قبطی کو قتل کرنے کی جسارت کی ہے تو کل یہ شخص اپنی غلام قوم میں آزادی کی روح پھونک کر انہیں ہمارے خلاف بغاوت پر بھی آمادہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ یہ ہمارے لیے بڑا مسئلہ کھڑا کرے' بہتر ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

﴿فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''تو تم یہاں سے نکل جاؤ' میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔''

اُس شخص نے آپؑ کو یقین دلایا کہ وہ آپؑ کو بالکل صحیح مشورہ دے رہا ہے اور آپؑ کی بھلائی چاہتا ہے۔

آیت ۲۱ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ﴾ ''تو وہ نکلا وہاں سے ڈرتے ڈرتے بڑا چوکنا ہو کر''

لفظ يَتَرَقَّبُ قبل ازیں آیت ۱۸ میں بھی آ چکا ہے۔ اس سے مراد کسی شخص کی ایسی کیفیت ہے جس میں وہ کسی بھی طرف سے ممکنہ خطرے کی وجہ سے فکر مند بھی ہو اور انتہائی محتاط اور چوکنا بھی۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی بھی

اُس وقت ایسی ہی کیفیت تھی۔

﴿قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور اُس نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں کی قوم سے نجات دے دے۔''

آیات ۲۲ تا ۲۸

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ
مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ
تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ ﴿۲۳﴾
فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ
اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ
فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵﴾
قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّیْٓ
اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ
عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ
الصّٰلِحِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ ؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّ ؕ
وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۲۸﴾ ع

آیت ۲۲ ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ﴾ ''اور جب اُس نے مدین کی طرف رخ کیا''

نقشے پر دیکھیں تو مصر جزیرہ نمائے سینا کے ایک طرف ہے جبکہ مدین کا علاقہ اس کے دوسری طرف واقع ہے۔ گویا مصر سے مدین جانے کے لیے آپؑ کو پورا صحرائے سینا عبور کرنا تھا۔ آپؑ نے مدین جانے کا عزم اس لیے کیا کہ یہ علاقہ فرعون کی سلطنت سے باہر تھا۔

﴿قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾﴾ ''اُس نے کہا: اُمید ہے میرا رب سیدھے راستے کی طرف میری راہنمائی کرے گا۔''

یعنی اس لق و دق صحرا میں سفر کرتے ہوئے میرا رب مسلسل میری راہنمائی کرتا رہے گا اور اس طرح میں راستہ بھٹکنے سے بچا رہوں گا۔ ظاہر ہے کہ ایک وسیع و عریض صحرا میں راستہ بھٹک جانے والے مسافر کا انجام تو ہلاکت ہی ہوسکتا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ﴾ ''اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا''

یہ کٹھن اور طویل سفر طے کرنے میں کتنا عرصہ لگا ہوگا اور اس دوران آپؑ کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا

ہو گا' اس سب کچھ کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے اور اب بات وہاں سے شروع ہو رہی ہے جب آپؑ مدین کے کنویں پر پہنچ گئے:

﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ﴾ ''اُس نے اس پر لوگوں کے ایک گروہ کو (اپنے جانوروں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا۔''

آپؑ نے دیکھا کہ کنویں پر لوگوں کا ہجوم تھا اور وہ کنویں سے پانی نکال نکال کر اپنے جانوروں کو پلا رہے تھے۔

﴿وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ﴾ ''اور اُس نے ان سے الگ دو عورتوں کو دیکھا جو (اپنے جانوروں کو) روکے کھڑی تھیں۔''

ان عورتوں کی بکریاں پیاس کی وجہ سے پانی کی طرف جانے کے لیے بے تاب تھیں لیکن وہ ہجوم چھٹ جانے کے انتظار میں انہیں روکے کھڑی تھیں۔

﴿قَالَ مَا خَطْبُكُمَا﴾ ''اُس نے کہا: آپ دونوں کا کیا معاملہ ہے؟''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنی بکریوں کو ایک طرف کیوں روکے کھڑی ہیں اور انہیں پانی کی طرف کیوں نہیں جانے دیتیں؟

﴿قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہم (اپنے جانوروں کو) پانی نہیں پلا سکتے جب تک تمام چرواہے (اپنے جانور) نکال نہ لے جائیں''

جب یہ تمام چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جاتے ہیں تو اس کے بعد ہی ہم اپنے جانوروں کو پانی پلا سکتے ہیں۔

﴿وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿٢٣﴾﴾ ''اور ہمارے والد بہت زیادہ بوڑھے ہیں۔''

یعنی اصل میں تو یہ مردوں کے کرنے کا کام ہے مگر ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں' گھر میں کوئی اور مرد ہے نہیں' چنانچہ مجبوراً ہم لڑکیوں کو ہی بکریاں چرانا پڑتی ہیں۔ باقی سب چرواہے مرد ہیں' ہم ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر پانی پلانے کی باری نہیں لے سکتے۔ چنانچہ ہم ان کے جانے کا انتظار کرتے ہیں اور ان سب کے چلے جانے کے بعد اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔

آیت ۲۴ ﴿فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ﴾ ''تو موسیٰؑ نے ان دونوں کے لیے پانی پلا دیا' پھر سائے کی طرف پھر آیا''

حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت توانا اور قوی تھے۔ ان کی مردانہ غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ لڑکیاں یوں بے بسی کی تصویر بنی کھڑی رہیں۔ چنانچہ وہ کنویں کی طرف بڑھے اور سب چرواہوں کو پیچھے ہٹا کر ان کی بکریوں کو پانی پلانے کا انتظام کر دیا۔ اس کے بعد وہ لڑکیاں اپنی بکریوں کو لے کر چلی گئیں اور آپؑ ایک درخت کے سائے میں جا کر بیٹھ گئے۔ تب آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

﴿فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾﴾ ''تو اُس نے دعا کی: پروردگار! جو خیر بھی تو

میری جھولی میں ڈال دے' میں اس کا محتاج ہوں۔''

یہ انتہائی عاجزی کی دعا ہے۔ ہم سب کو یہ دعا یاد کر لینی چاہیے۔ یہاں ''فَقِیْرٌ'' کے لفظ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انتہائی احتیاج کی جو تصویر سامنے آتی ہے' اس کو تھوڑی دیر کے لیے ذرا اپنے تصور میں لایئے! ناز و نعم میں پلا بڑھا ایک شخص جس کی پرورش شاہی محل میں ہوئی' اچانک اپنا سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ تن تنہا' جان بچا کر مصر سے نکلتا ہے' نہ معلوم کیسی کیسی مشکلات اور تکالیف اٹھا کر صحرائے سینا عبور کرتا ہے' پھر وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچتا ہے جہاں اس کا نہ کوئی شناسا ہے نہ پُرسانِ حال' نہ سر چھپانے کی جگہ اور نہ روٹی روزی کا کوئی وسیلہ۔ گویا غربت اور محتاجی کی انتہا ہے!

آیت ۲۵ ﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ﴾ ''اتنے میں اس کے پاس ان دو میں سے ایک لڑکی شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔''

﴿قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا﴾ ''اُس نے کہا: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ وہ بدلہ دیں آپ کو اس کا جو آپ نے ہمارے لیے پانی پلایا ہے۔''

یعنی آپ نے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کے لیے جو مشقت اٹھائی' ہمارے والد آپ کو اس کا کچھ اجر دینا چاہتے ہیں۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ﴾ ''تو جب موسیٰ اُس کے پاس آیا اور اُس نے اسے اپنا سارا قصہ سنایا''۔

اس آیت میں لفظ ''الْقَصَص'' آیا ہے اور اسی مناسبت سے اس سورۃ کا نام القَصَص ہے۔

﴿قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۵﴾ ''اُس نے کہا: اب ڈرو نہیں' تم نجات پا چکے ہو ظالموں کی قوم سے۔''

یعنی آپ کے ان دشمنوں کی اس علاقے تک رسائی نہیں۔ یہاں آپ کو کسی قسم کی پریشانی یا تکلیف نہیں ہوگی۔ آپ یہاں آرام سے رہ سکتے ہیں۔

بعض مفسّرین کا خیال ہے کہ یہاں جس شخصیت کا ذکر ہے وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے' اس لیے کہ حضرت شعیبؑ کے مدین میں مبعوث ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے بھی اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسّر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے!

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال تک چرواہے کی حیثیت سے حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہے اور یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپؑ چرواہے سے کلیم اللہ بن گئے۔

اس مفروضہ کو اگر حقائق و واقعات کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ آپؑ اللہ کے رسولؑ تھے۔ اور کوئی بھی رسولؑ جب کسی قوم کی طرف

مبعوث ہوتا ہے تو اس کی بعثت یا رسالت دو ادوار پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک دعوت کا دور اور دوسرا نزولِ عذاب کے بعد کا دور۔ اب اگر یہ فرض کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات آپؑ کے زمانۂ دعوت میں ہوئی تھی (یعنی اس وقت تک ابھی اہل مدین آپؑ کی تکذیب کر کے عذاب کے مستحق نہیں ہوئے تھے) تو اس واقعہ کا رنگ بالکل ہی مختلف ہونا چاہیے تھا اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس زمانے میں مدین پہنچے تھے جب اہل مدین پر عذاب آ چکا تھا اور حضرت شعیبؑ اُس وقت عذاب سے محفوظ رہ جانے والے مؤمنین کے ساتھ رہ رہے تھے تو ایسی صورت میں یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ اللہ کے رسول کی بیٹیاں یوں پریشان حال جنگل میں بکریاں چراتی پھرتیں اور اُمت میں سے کوئی ان کا پُرسانِ حال نہ ہوتا۔ بہرحال واقعہ کا انداز خود بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات جس شخصیت سے ہوئی تھی وہ حضرت شعیبؑ نہیں تھے' بلکہ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ بچ جانے والے مؤمنین کی نسل میں سے کوئی نیک سیرت بزرگ تھے۔ اب یہ معلوم کرنا تو مشکل ہے کہ یہ واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام کے کتنے عرصے بعد کا ہے' بہرحال اُس وقت تک حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات کے کچھ نہ کچھ اثرات معاشرے کے اندر موجود تھے۔

آیت ۲۶ ﴿قَالَتۡ اِحۡدٰىهُمَا یٰۤاَبَتِ اسۡتَاۡجِرۡهُ ۫﴾ ''ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ابا جان! آپ ان کو ملازم رکھ لیں''

اِسۡتَاۡجَرَ ''ا ج ر'' مادہ سے باب استفعال ہے۔ ''مُسۡتَاۡجِر'' وہ شخص ہے جو کسی کو اجرت پر ملازم رکھے' جبکہ اجرت پر کام کرنے والے کو عربی میں ''آجر'' یا ''اَجِیر'' کہا جاتا ہے (ہمارے ہاں عام طور پر آجر کے معنی اجرت دینے والا یا ملازم رکھنے والا کے لیے جاتے ہیں جو غلط ہیں)۔ بہرحال عربی میں یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ ''اَجِیر'' صفت مشبہ ہے اور ''آجر'' اسم الفاعل۔

﴿اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ ﴿۲۶﴾﴾ ''یقیناً بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو طاقتور اور امین ہو''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی یہ دونوں خصوصیات ان بچیوں کے مشاہدے میں آ چکی تھیں۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ جب ان کی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے آپؑ کنویں کی طرف بڑھے تھے تو آپ کا ڈیل ڈول دیکھ کر کسی چرواہے نے آپؑ سے اُلجھنے کی جرأت نہیں کی تھی اور سب نے بلا چون و چرا آپؑ کو پانی پلانے کا موقع دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ ان بچیوں کو آپؑ کے شریفانہ رویہ سے آپؑ کی امانت داری کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ کسی مرد کا سامنا کرتے ہوئے ایک شریف عورت فطری طور پر اس کی نظر کے بارے میں بہت حساس ہوتی ہے۔ آپؑ نے چونکہ لڑکیوں سے بات چیت کرتے ہوئے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' اس لیے انہوں نے آپؑ کی امانتداری کی گواہی دی کہ جس شخص کی نگاہ میں خیانت نہیں ہے وہ کسی اور معاملے میں بھی خیانت نہیں کرے گا۔

آیت ۲۷ ﴿قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡکِحَکَ اِحۡدَی ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ﴾ ''اُس نے (موسٰیؑ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں''

چنانچہ شیخ مدین اپنی بیٹی کے مشورے کی روشنی میں جو ارادہ کر چکے تھے اس بارے میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتماد میں لینا چاہا کہ وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دینا چاہتے ہیں۔

﴿عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ﴾ ''اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری ملازمت کرو۔''

ممکن ہے اس وقت اس علاقے میں نکاح کے بدلے لڑکے سے معاوضہ لینے کا رواج ہو۔ بہر حال شیخ مدین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اگر وہ آٹھ سال تک ان کی خدمت کریں' ان کی بھیڑ بکریاں چرائیں اور گھر کے دوسرے کام کاج کریں تو اس کے بدلے میں وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دے دیں گے ☆۔

﴿فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ﴾ ''پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہاری طرف سے ہے۔''

یعنی اگر تم آٹھ سال کے بجائے دس سال پورے کر دو یہ تمہاری طرف سے ایک طرح کا احسان ہوگا۔

﴿وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ﴾ ''اور میں تمہیں مشقت میں ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔''

یعنی تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ اس دوران میری طرف سے تم پر کوئی بے جا سختی نہیں کی جائے گی اور بہت بھاری کام کے باعث کسی بے جا مشقت میں نہیں ڈالا جائے گا۔

﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷﴾ ''ان شاء اللہ تم مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔''

معاملات کے سلسلے میں ان شاء اللہ تم مجھے ایک راست باز اور کھرا آدمی پاؤ گے۔

آیت ۲۸ ﴿قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ﴾ ''موسیٰؑ نے کہا: (ٹھیک ہے) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔''

﴿اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ﴾ ''ان دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔''

یعنی آپ کا مطالبہ مجھ سے آٹھ سال کا ہی ہوگا۔ اگر میں دس سال پورے کر دوں تو یہ میرا اختیار ہوگا' آپ مجھے اس پر مجبور نہیں کریں گے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸﴾ ''اور جو کچھ (اس وقت) ہم کہہ رہے ہیں' اللہ اس پر وکیل ہے۔''

یعنی ہمارے اس قول و قرار اور معاہدے کا گواہ اور ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔

☆ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خدمت بیٹی کو نکاح میں دینے کے عوض نہیں لی گئی' بلکہ اس کا ذکر نکاح سے پہلے ہے۔ ظاہر ہے شیخ مدین کو ضرورت تھی کہ کوئی با اعتماد نوجوان ان کے پاس رہ کر گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ضرورت مند تھے کہ ان کے معاش اور رہائش کی کوئی صورت بن آئے۔ لہٰذا شیخ مدین نے انہیں پیشکش کی کہ میں اپنی لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ تم وعدہ کرو کہ آٹھ دس سال میرے پاس میرے دست و باز و بن کر رہو گے۔ ''اِسْتَاْجِرْهُ'' اور ''عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ'' کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ اس ملازمت کی اجرت الگ سے ادا کی گئی ہوگی اور بوقت نکاح مہر الگ سے مقرر کیا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم! (اضافہ از مرتب)

آیات ۲۹ تا ۴۲

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا
اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا
نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِى الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّىْٓ اَنَا اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ
يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ
مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ
اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ
اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ
اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا
مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ
بِمَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ
هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى
النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ
مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

آیت ۲۹ ﴿فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ﴾ ”تو جب موسیٰؑ نے وہ مدت پوری کر دی اور وہ اپنے گھر والوں کو لے کر چلا“

یہ سوچ کر کہ آٹھ دس سال کا عرصہ بیت جانے کے بعد قتل والا معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہو گا‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

﴿اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ﴾ ”تو اُس نے طور پہاڑ کے ایک جانب ایک آگ دیکھی۔“

﴿قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ ''اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم لوگ (یہیں) ٹھہرو''

﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ﴾ ''میں نے ایک آگ دیکھی ہے' شاید میں وہاں سے تمہارے لیے کوئی خبر لے آؤں''

ممکن ہے آگ کی جگہ پر موجود کسی شخص سے مجھے راستے کے بارے میں کچھ یقینی معلومات مل جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹک کر غلط راستے پر چل پڑے ہوں۔

﴿اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹﴾ ''یا اس آگ سے کوئی انگارا (ہی لے آؤں) تا کہ تم تاپ سکو''

اگر وہاں سے مجھے کوئی انگارا وغیرہ مل گیا تو اس سے ہم آگ جلا کر اس سرد رات میں اپنے لیے گرمی حاصل کر سکیں گے۔

آیت ۳۰ ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ ''تو جب وہ وہاں پہنچا تو اُسے ندا دی گئی وادی کے دائیں کنارے سے' بابرکت جگہ میں ایک درخت سے''

﴿اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۰﴾ ''کہ اے موسیٰؑ! میں ہی اللہ ہوں' تمام جہانوں کا پروردگار۔''

آیت ۳۱ ﴿وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ﴾ ''اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو!''

قرآن میں اس واقعہ سے متعلق مختلف تفصیلات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ﴾ ''تو جب اُس نے دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے جیسے کہ سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اُس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔''

اس واقعہ کے حوالے سے سورۃ النمل میں بھی ان سے ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں۔

﴿يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱﴾ ''(اللہ نے فرمایا:) اے موسیٰ! آگے آؤ اور ڈرو نہیں' تم بالکل مامون ہو۔''

تم بالکل امن وامان میں رہو گے اور تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

آیت ۳۲ ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ﴾ ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ نکلے گا سفید ہو کر بغیر کسی بیماری کے''

﴿وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ﴾ ''اور اپنا بازو اپنے ساتھ چپکا لو خوف سے (بچنے کے لیے)''

خوف کی کیفیت کا سامنا کرنے کے لیے یہ ایک خاص ترکیب بتائی گئی کہ جب کبھی آپؑ کو کوئی خوف لاحق ہو تو اپنے بازو کو اپنی بغل کے ساتھ چمٹا لینا' اس طرح خوف کے اثرات زائل ہو جائیں گے۔

﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ﴾ ''تو یہ دو نشانیاں ہیں تمہارے ربّ کی طرف

سے فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف۔"

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾﴾ "یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔"

فرعون اور اس کے اَعیانِ سلطنت ایک فاسق، فاجر اور سرکش قوم بن گئے ہیں۔ لہٰذا ان نشانیوں کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور انہیں اللہ ربّ العالمین کی اطاعت و بندگی کی دعوت دو۔

آیت ۳۳ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾﴾ "اُس نے کہا: پروردگار! میں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

اگر میں مصر پہنچ کر خاموشی سے کسی جگہ آباد ہو جاؤں تو شاید محفوظ رہ سکوں، لیکن اگر میں سیدھا فرعون کے دربار میں چلا گیا تو اندیشہ ہے کہ فوری طور پر میرے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا اور مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

آیت ۳۴ ﴿وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ﴾ "اور میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے، تو اسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج تا کہ وہ میری تصدیق کرے۔"

﴿اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾﴾ "مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔"

آیت ۳۵ ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ﴾ "اللہ نے فرمایا: ہم تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے تمہارے بھائی کے ذریعے سے"

﴿وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ﴾ "اور ہم تم دونوں کے لیے ایسا رعب پیدا کر دیں گے کہ وہ تمہیں ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔"

جس طرح بچپن میں ہم نے آپؑ کے چہرے پر اپنی محبت کا پرتو ڈال کر فرعون کو آپؑ کے قتل سے باز رکھا تھا ایسے ہی اب بھی ہم آپؑ کی حفاظت کریں گے۔ ہم آپ کی شخصیت میں ایسا رعب اور دبدبہ ڈال دیں گے کہ دشمن آپؑ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکیں گے، آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔

﴿بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ "ہماری نشانیوں کی بدولت، تم دونوں اور تمہارے پیروکار سب غالب رہیں گے۔"

آیت ۳۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ﴾ "تو جب موسیٰؑ پہنچا اُن کے پاس ہماری روشن نشانیاں لے کر"

﴿قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۶﴾﴾ "انہوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں سوائے گھڑے ہوئے جادو کے، اور ہم نے ایسی کوئی بات اپنے پہلے آباء و اجداد میں نہیں سنی۔"

ہمارے لیے یہ بالکل نئی بات ہے کہ اللہ جو اس کائنات کا خالق ہے وہ کسی انسان کو اپنا نمائندہ بنا کر دنیا میں بھیجے اور وہ اس حیثیت میں لوگوں سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے۔ ہم نے اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنا

کہ ان کے زمانے میں پہلے کبھی ایسا ہوا تھا۔

آیت ۳۷ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ﴾ ''اور موسٰیؑ نے کہا: میرا پروردگار خوب جانتا ہے اُس کو جو ہدایت لے کر آیا ہے اُس کی طرف سے' اور (وہی خوب جانتا ہے کہ) کس کے لیے دارِ آخرت کا اچھا انجام ہے۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۳۷﴾ ''یقیناً ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ﴾ ''اور فرعون نے کہا: اے درباریو! میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی معبود کو نہیں جانتا۔''

اس ملک میں میری حکومت ہے اور یہاں صرف میرا حکم چلتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے علاوہ کسی اور کو تمہارا ''الٰہ'' یا ''رب'' ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

﴿فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ﴾ ''تو اے ہامان! ذرا تم میرے لیے مٹی کی اینٹوں کو آگ سے پختہ کرو''

یعنی گارے سے اینٹیں بنا کر انہیں بھٹے میں پکانے کا بندوبست کرو۔

﴿فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ﴾ ''پھر میرے لیے ایک اونچا محل بنواؤ تا کہ میں جھانک سکوں موسیٰ کے الٰہ کو''

موسیٰ جس الٰہ کی بات کرتا ہے' میں اس اونچی عمارت پر چڑھ کر آسمانوں میں جھانک کر اُس الٰہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

﴿وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳۸﴾ ''اور میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔''

آیت ۳۹ ﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝۳۹﴾ ''اور زمین میں ناحق تکبر کیا اُس نے بھی اور اُس کے لشکروں نے بھی' اور انہوں نے سمجھا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے نہیں جائیں گے۔''

آیت ۴۰ ﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ﴾ ''اور ہم نے پکڑ لیا اُس کو بھی اور اس کے لشکروں کو بھی' پھر ہم نے پھینک دیا انہیں سمندر میں۔''

﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰﴾ ''تو دیکھ لو' کیا انجام ہوا ظالموں کا!''

آیت ۴۱ ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ﴾ ''اور ہم نے بنا دیا انہیں امام' آگ کی طرف بلانے والے۔''

یعنی فرعون اور اس کے درباری لوگوں کو جہنم کی طرف بلانے والے گروہ کے پیشوا بن گئے۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۴۱﴾ ''اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔''

آیت ۴۲ ﴿وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ﴾ ''اور ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اس دنیا میں بھی۔''

یہ لعنت رہتی دنیا تک ہر دور میں ان کا پیچھا کرتی رہے گی۔

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ﴾ (۴۲) ''اور قیامت کے دن وہ بہت ہی بُرے حال والوں میں سے ہوں گے۔''

قیامت کے دن وہ بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔ وہ ذلیل وخوار اور مردود ومطرود ہوں گے' اللہ کی رحمت سے بالکل محروم کر دیے جائیں گے' ان کی بڑی گت بنائی جائے گی اور ان کے چہرے بگاڑ دیے جائیں گے۔ لفظ ''مَقْبُوْحِيْن'' میں یہ سارے معانی موجود ہیں۔

آیات ۴۳ تا ۵۰

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى
وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۳) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا
كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (۴۴) وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ
اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (۴۵) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۴۶)
وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا
فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۴۷) فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ
مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ
وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ (۴۸) قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۴۹) فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ
مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۰) ع ۵ / ۸

آیت ۴۳ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عطا فرمائی اس کے بعد کہ ہم نے پہلی جماعتوں کو ہلاک کر دیا تھا''

﴿بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (۴۳) ''(یہ کتاب) لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے تھی اور ہدایت اور رحمت تھی' تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

آیت ۴۴ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ موجود نہیں تھے (اُس پہاڑ کے) غربی جانب جب ہم نے موسیٰؑ کی طرف حکم بھیجا تھا''

اے نبی ﷺ! طور کے دامن میں جب ہم موسیٰؑ سے گفتگو کر رہے تھے اور انہیں منصب رسالت پر فائز کر کے فرعون کی طرف جانے کا حکم دے رہے تھے تو آپؐ اس وقت وہاں پر موجود نہیں تھے۔

﴿وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور نہ آپؐ اُن لوگوں میں شامل تھے جو وہاں حاضر تھے۔''

آیت ۴۵ ﴿وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ﴾ ''لیکن ہم نے پیدا کیں بہت سی نسلیں، تو ان کے اوپر ایک لمبی عمر بیت گئی۔''

اہل مکہ چونکہ نبوت اور رسالت کے تصورات سے ناواقف ہیں اس لیے وہ آپؐ کے دعوائے رسالت پر حیرت کا اظہار کر رہے ہیں، لیکن اگر وہ قرآن کی فراہم کردہ معلومات پر غور کریں تو ان پر اس کے ''من جانب اللہ'' ہونے کی حقیقت عقلی طور پر بھی واضح ہو جائے گی۔ ماضی کے واقعات کی تفصیلات جب آپؐ ان کو سناتے ہیں تو یہ بات خود بخود ان کی سمجھ میں آجانی چاہیے کہ یہ تمام معلومات اللہ تعالیٰ نے براہِ راست بذریعہ وحی آپؐ کو فراہم کی ہیں۔

﴿وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ﴾ ''اور نہ ہی آپؐ اہلِ مدین کے درمیان مقیم تھے کہ ان کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے''

جب آپؐ ان کو مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے اور شیخ مدین کے گھر میں ان کے قیام جیسے واقعات کی تفصیلات سنا رہے ہیں تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ آپؐ ان واقعات کے عینی شاہد تو نہیں تھے۔

﴿وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''بلکہ یہ تو ہم ہیں (رسولوں کو) بھیجنے والے!''

ہم جس کو چاہتے ہیں اپنا رسول بنا کر بھیجتے ہیں، اور جس کو ہم اس منصب پر فائز کرتے ہیں اس کو غیب کی خبریں، ماضی و مستقبل کے واقعات کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرتے ہیں اور ہدایت کے لیے ضروری تعلیمات بھی دیتے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا﴾ ''اور نہ آپؐ (اُس وقت) طور کے پاس موجود تھے جب ہم نے (موسیٰؑ کو) پکارا تھا''

﴿وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ''بلکہ یہ سب رحمت ہے آپؐ کے رب کی طرف سے تاکہ آپؐ اس قوم کو خبردار کریں جس کی طرف آپؐ سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا''

قریشِ مکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کم و بیش تین ہزار برس کا عرصہ بیت چکا تھا، جس میں اس قوم کی طرف نہ کوئی نبی اور رسول آیا اور نہ ہی کوئی کتاب بھیجی گئی۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل (بنی اسرائیل) میں نبوت کا سلسلہ لگاتار چلتا رہا اور انہیں زبور، تورات اور متعدد صحائف بھی عطا کیے گئے۔ بلکہ بنی اسرائیل میں چودہ سو برس کا ایک عرصہ ایسا بھی گزرا جس کے دوران ان میں ایک لمحے کے لیے بھی نبوت کا وقفہ نہیں آیا۔ بہرحال ایک طویل عرصے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیلؑ کو خبردار کرنے کے لیے ان کی طرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور رسول بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴿۴۶﴾﴾ ''شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

آیت ۴۷ ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ ''اور (یہ ہم نے اس لیے کیا کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے ان کے کرتوتوں کے سبب تو یہ کہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تُو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول''

﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۴۷﴾﴾ ''کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے!''

اگر رسول مبعوث کیے بغیر ان پر عذاب آ جاتا تو یہ لوگ عذر کرتے کہ ہمیں متنبہ کیوں نہیں کیا گیا؟ جب ہمارے معاملے میں اتمامِ حجت نہیں ہوئی تو پھر یہ عذاب ہمارے اوپر کیونکر مسلط کر دیا گیا؟ یہی مضمون سورۂ طٰہٰ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴿۱۳۴﴾﴾ ''اور اگر ہم اس (قرآن کے نزول) سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے!''

آیت ۴۸ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ط﴾ ''لیکن جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ ان (رسول ﷺ) کو وہی کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو موسیٰؑ کو دیا گیا تھا؟''

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور یدِ بیضا جیسے معجزے دیے گئے تھے۔ انہیں تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی۔ اب اگر محمد (ﷺ) بھی واقعی اللہ کے رسول ہیں تو انہیں ایسے معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟

﴿اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ج﴾ ''تو جو کچھ پہلے موسیٰؑ کو دیا گیا تھا کیا لوگوں نے اس کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟''

تو کیا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ایمان لے آئے تھے؟ کیا وہ لوگ معجزات دیکھ لینے کے باوجود انکار کر کے عذاب کے مستحق نہیں ہوئے تھے؟

﴿قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا قف﴾ ''انہوں نے کہا کہ یہ تو دو جادو ہیں' ایک دوسرے کے مددگار۔''

اس فقرے کے بارے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بارے میں فرعون اور اُس کی قوم کے لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ یہ دونوں بھائی مجسم جادو ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف گٹھ جوڑ کر رکھا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ایک دوسری رائے کے مطابق یہ قرآن اور تورات کے بارے میں اہل مکہ کا تبصرہ ہے' کہ یہ دونوں دراصل جادو کی کتابیں ہیں جو ایک دوسری کی تائید کر رہی ہیں۔ تورات میں قرآن اور محمد (ﷺ) کے بارے میں پیشین گوئیاں ہیں جبکہ قرآن موسیٰؑ اور تورات کی تائید کر رہا ہے۔

﴿وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝۴۸﴾ ''اورانہوں نے کہا کہ ہم تو دونوں کا انکار کرتے ہیں۔''

آیت ۴۹ ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹﴾ ''آپؐ کہیے کہ پھر لاؤ کوئی ایسی کتاب اللہ کے پاس سے جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو' میں اس کی پیروی کروں گا' اگر تم سچے ہو!''

اس جملے سے بات گویا واضح ہوگئی کہ پچھلی آیت میں اہل مکہ ہی کا قول نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے قرآن اور تورات کو ''سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا'' قرار دیا تھا۔ تو اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہیے کہ اگر قرآن اور تورات دونوں ہی آپ لوگوں کے لیے قابل قبول نہیں تو پھر اللہ کی نازل کردہ کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو۔ اگر تم لوگ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کسی ایسی کتاب کی نشان دہی کرو گے تو مجھے اس کی پیروی کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا۔ مجھے تو بہرحال حق کی پیروی کرنی ہے۔ میرے اندر ایسا کوئی تعصب نہیں کہ میں بلاوجہ اپنی ضد پر اڑ کر بیٹھ جاؤں۔ استدلال کا یہی انداز سورۃ الزخرف کی اس آیت میں بھی اختیار کیا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝۸۱﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کی پرستش کرنے والوں میں ہوتا''۔ کہ جب میں رحمٰن پر ایمان لایا ہوں' اس کی عبادت کرتا ہوں' تو اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو اس کی بندگی کرنے میں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟

آیت ۵۰ ﴿فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ﴾ ''پھر اگر یہ لوگ آپؐ کی بات کو قبول نہ کریں''

آپؐ کی اس دلیل کو بھی اگر یہ لوگ تسلیم نہ کریں:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ﴾ ''تو جان لیں کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔''

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہو' اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر!''

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰﴾ ''یقیناً اللہ ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیات ۵۱ تا ۵۹

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ
يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ
مُسْلِمِيْنَ ۝۵۳ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۵۴ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝۵۵ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ
اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ
تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى
يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝

آیت ۵۱ ﴿وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ ’’اور ہم نے لگا تار بھیجا ان کے لیے اپنا کلام تا کہ یہ نصیحت اخذ کریں۔‘‘

لوگوں کو راہِ راست دکھانے کے لیے ہم مسلسل ہدایت بھیجتے رہے ہیں۔ چنانچہ تورات‘ زبور‘ انجیل اور قرآن اسی ’’سلسلۃ الذہب‘‘ (سنہری زنجیر) کی کڑیاں ہیں۔ یہاں پر وَصَّلْنَا کا اشارہ اہل مکہ کے ’’سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا‘‘ کے الزام کی طرف بھی ہوسکتا ہے کہ جن کتابوں کو یہ لوگ جادو قرار دے کر ان میں باہمی گٹھ جوڑ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے اندر واقعی وصل ہے‘ اس لیے کہ وہ ایک ہی سلسلۂ ہدایت کی کڑیاں ہیں۔

آیت ۵۲ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ’’جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ موجود ہیں جو دل سے مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

آیت ۵۳ ﴿وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ﴾ ’’اور جب یہ (قرآن) انہیں پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے‘‘

﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝﴾ ’’یقیناً یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے‘ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم تھے۔‘‘

یعنی اس سے پہلے بھی ہم انبیاء و رسل علیہم السلام اور آسمانی کتب کے ماننے والے تھے اور اب محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب لے کر آئے ہیں تو اس کو بھی ہم نے مان لیا ہے۔ لہٰذا ہمارے دین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور اب بھی مسلمان ہیں۔ تورات اور انجیل کی پیشین گوئیوں کی بنا پر ہم پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ ☆

آیت ۵۴ ﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ’’یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دیا جائے گا دو مرتبہ‘‘

یعنی سابقہ امت کے جو لوگ (یہودی یا نصرانی) اسلام قبول کریں گے وہ دہرے اجر کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس سے پہلے وہ انجیل اور تورات کو مانتے تھے اور اب انہوں نے قرآن کو بھی تسلیم کر لیا۔

☆ ایسے لوگوں میں ایک نمایاں نام حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا ہے۔ آپؓ ایک یہودی عالم تھے اور جب آپؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی خبر پہنچی تو آپؓ ایمان لائے اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کا کلام مانا۔ (مرتب)

﴿بِمَا صَبَرُوۡا وَیَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴾ ''بسبب اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے اور وہ بھلائی کے ذریعے سے برائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔''

آیت ۵۵ ﴿وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ﴾ ''اور جب انہوں نے لغو باتیں سنیں تو انہوں نے ان سے اعراض کیا اور کہا کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔''

﴿سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰهِلِیۡنَ ﴾ ''تم لوگوں پر سلام! ہم جاہلوں سے اُلجھنا نہیں چاہتے۔''☆

یہاں اس مکالمے کی طرف اشارہ ہے جو حبشہ کے وفد کے ارکان کا مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ وفد حضورﷺ سے ملاقات کے لیے مکہ آیا تھا۔ واقعہ دراصل یوں تھا کہ مکہ سے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والے صحابہؓ کی تبلیغ سے حبشہ میں کچھ عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ جیسے بعد میں دوسری ہجرت کے مہاجرین صحابہ کی تبلیغ سے شاہ حبشہ نجاشی رحمہ اللہ علیہ بھی ایمان لے آئے تھے‘ جو اپنی زندگی میں حضورﷺ کی زیارت کر کے صحابیت کا درجہ تو نہ پا سکے‘ البتہ صحابہؓ سے ملاقات کی بنا پر وہ تابعی ضرور ہیں۔ حضرت نجاشی رحمہ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضورﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور یہ واحد غائبانہ نماز جنازہ ہے جو حضورﷺ سے پڑھانا ثابت ہے۔

حبشہ میں جن لوگوں نے صحابہؓ کی کوششوں سے ایمان قبول کیا تھا بعد میں ان میں سے کچھ لوگ حضورﷺ سے ملاقات کے ارمان میں ایک وفد کی صورت میں مکہ آئے اور حضورﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ جب مشرکینِ مکہ کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے ان لوگوں سے بہت بے ہودہ باتیں کیں‘ انہیں طعنے دیے اور ان کا خوب تمسخر اڑایا کہ تم لوگ بہت احمق ہو جو اپنی الہامی کتاب کو چھوڑ کر اس نئے دین میں شامل ہو گئے ہو۔ آیت زیر مطالعہ میں اس وفد کے لوگوں کا جواب نقل ہوا ہے جو انہوں نے مشرکینِ مکہ کو دیا تھا کہ ہمارا آپ لوگوں سے کچھ سروکار نہیں‘ ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم لوگ اپنے اعمال کے۔ ہم اللہ کے فضل سے پہلے بھی حق پر تھے اور اب ہمیں اس حق پر بھی ایمان لانے کی سعادت ملی ہے جو قرآن کی صورت میں ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔

آیت ۵۶ ﴿اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ ''(اے نبیﷺ!) آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں‘ بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''

﴿وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴾ ''اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔''

☆ سورۃ الفرقان میں ''عباد الرحمٰن'' کا ایک وصف یہ بیان کیا گیا ہے: ﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ﴾ ''اور جب ان سے مخاطب ہوتے ہیں جاہل لوگ تو وہ ان کو سلام کہہ دیتے ہیں۔'' جبکہ سورۃ القصص کی زیر مطالعہ آیت میں مؤمنین کی طرف سے اس وصف کا عملی مظاہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ (مرتب)

یہ آیت خاص طور پر حضور ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ ان کا انتقال ۱۰ نبوی میں ہوا تھا۔ ان کے آخری وقت بھی حضور ﷺ نے ان سے بہت اصرار کیا کہ چچا جان! آپ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے کلمات میرے کان میں کہہ دیں تاکہ میں اللہ کے ہاں آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں، لیکن وہ اس سے محروم رہے۔ بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضور ﷺ پر ان کے بہت احسانات ہیں اور ان کے وہ احسانات حضور ﷺ کی نسبت سے ہم سب پر بھی ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ان کا نام ادب سے لیں اور ان کا ذکر احترام سے کریں۔

آیت ۵۷ ﴿وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپؐ کے ساتھ اِس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے۔''

ہم اُچک لیے جائیں گے، یعنی ہمیں ختم یا برباد کر دیا جائے گا۔ یہ لفظ اسی مفہوم میں سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ میں بھی آیا ہے، جس کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ ''اور یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے، تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے''۔ مزید برآں یہ لفظ سورۃ العنکبوت کی آیت ۶۷ میں بھی آیا ہے۔

عام طور پر کسی معاشرے میں حق کو قبول کرنے والے لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو حق کو پہچانتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو اپنی کسی مصلحت کو اس رستے کی دیوار بننے دیتے ہیں اور نہ ہی دوسرے لوگوں کے اس طرف مائل ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف آگے بڑھ کر بے دھڑک انداز میں حق کو قبول کرتے ہیں بلکہ اس کے بعد وہ ''ہرچہ بادا باد'' کے مصداق حق کی وفاداری میں کسی بھی قسم کی قربانی کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس راستے میں جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ان کے برعکس کچھ لوگ حق کو پہچان لینے کے باوجود منتظر رہتے ہیں کہ کچھ اور لوگ بھی آ جائیں، جب کچھ لوگ اس نظریے کو قبول کر کے اس نئے راستے پر چلیں گے اور ان کے چلنے سے اس راستے کے نشانات واضح ہو کر ایک پگڈنڈی بن جائے گی تو ہم بھی شامل ہو جائیں گے۔ ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر سورۃ التوبہ کی آیت ۱۰۰ میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ ''اور پہلے پہل سبقت کرنے والے، مہاجرین اور انصار میں سے، اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکی کے ساتھ''۔ یعنی کچھ خوش قسمت لوگ تو پہلے پہل سبقت لے گئے اور کچھ ان کے پیروکار بنے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ان دونوں طرح کے لوگوں کے اپنے اپنے درجات ہیں۔ ان دو اقسام کے علاوہ ہر معاشرے میں ایک گروہ ایسے کم ہمت لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے جو کسی نظریے کی خاطر کسی قسم کی آزمائش جھیلنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ وہ حق کو پہچان تو لیتے ہیں مگر اسے بڑھ کر قبول کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آیت زیر مطالعہ میں ایسے کم ہمت لوگوں کا قول نقل ہوا ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ کی باتیں تو درست ہیں، آپ کی دعوت دل کو بھی لگتی ہے، لیکن ہم پورے عرب کے ساتھ دشمنی مول نہیں لے سکتے۔ اگر ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے تو یہ لوگ ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہمیں نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔

﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا﴾ ’’کیا ہم نے انہیں امن والے حرم میں متمکّن نہیں کیا؟‘‘
ان کے اس بہانے کا یہاں یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس حرم کی حدود میں وہ سکون اور چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں' اسے امن کی جگہ کس نے بنایا ہے؟ تو جس اللہ نے حرم کو امن والی جگہ بنایا ہے' کیا اب وہ اپنے نام لیواؤں کی مدد نہیں کرے گا اور کیا وہ ان کو ان کے دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا؟
﴿يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ’’کھنچے چلے آتے ہیں اس (حرم) کی طرف ہر قسم کے پھل‘‘
ان الفاظ کا عملی نقشہ دنیا نے مکہ کے اندر ہر دور میں دیکھا ہے۔ پرانے زمانوں میں بھی جب حج کے لیے دنیا کے مختلف علاقوں سے لوگ مکہ آتے تھے تو اپنے اپنے علاقوں کے پھل اور دوسری چیزیں اپنے ساتھ لاتے تھے۔ آج بھی دنیا کے مختلف علاقوں کے بہترین پھل مکہ میں ہر وقت دستیاب رہتے ہیں۔ بہر حال اس گھر کو امن والی جگہ بھی اللہ ہی نے بنایا ہے اور اُسی نے اس کو پھلوں اور رزق کی فراوانی سے نوازا ہے۔
﴿رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ ’’یہ خاص رزق ہے ہماری طرف سے‘‘
اس لیے کہ ہمارے محبوب بندے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہاں آباد کرتے وقت ہم سے اس بارے میں یہ دعا کی تھی: ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۳۷﴾ (ابراہیم)
’’اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس' اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں' تو تُو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے' تاکہ وہ شکر ادا کریں‘‘۔ ہم نے اپنے بندے کی یہ دعا قبول فرمائی اور یہ اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر طرح کا رزق وافر مقدار میں وہاں بسنے والے لوگوں تک مسلسل پہنچا رہے ہیں۔
﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۵۷﴾ ’’لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔‘‘
آیت ۵۸ ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ﴾ ’’اور کتنی ہی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا جو کہ اتراتی تھیں اپنی معیشت پر۔‘‘
انہیں اپنے معاشی نظام کے استحکام پر بہت گھمنڈ تھا' لیکن ان کی خوشحالی اور ان کی مستحکم معیشت انہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔
﴿فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝۵۸﴾ ’’تو (دیکھ لو!) یہ ہیں ان کے (کھنڈر بنے ہوئے) گھر' نہیں ہوئے ان میں رہنے والے ان کے بعد مگر بہت تھوڑے۔ اور ہم ہی (ان کے) وارث ہو کر رہے۔‘‘
آیت ۵۹ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا﴾ ’’اور نہیں تھا آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا' جب تک کہ وہ ان کی مرکزی بستی میں کوئی رسول نہ بھیج دیتا‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ کسی بستی تک دعوتِ حق پہنچائے بغیر اس پر عذاب نہیں بھیجتا۔ اس سلسلے میں اللہ کا اصول اور طریقہ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ پہلے متعلقہ قوم کی طرف باقاعدہ ایک رسول مبعوث کیا جاتا جو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کر کے اس قوم پر حجت قائم کر دیتا۔ پھر اس کے بعد بھی جو لوگ اپنے کفر پر اڑے رہتے انہیں عذاب کے ذریعے نیست و نابود کر دیا جاتا۔ یہی اصول سورۂ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ ''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کوئی رسولؐ نہ بھیج دیں''۔ آیت زیر مطالعہ میں اس اصول کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ کسی قوم کی طرف رسول بھیجنے کا مطلب یہ نہیں کہ اس علاقے کے ہر ہر گاؤں اور ہر ہر بستی میں رسول مبعوث کیے جاتے تھے بلکہ اس کا طریقہ اور معیار یہ رہا ہے کہ متعلقہ قوم کے مرکزی شہر میں رسول بھیج دیا جاتا تھا۔

﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ﴾ ''جو اُن کو پڑھ کر سناتا تھا ہماری آیات۔''

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝۵۹﴾ ''اور ہم ہرگز ان بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں تھے مگر اس بنا پر کہ ان کے باسی ظالم تھے۔''

''ظالم'' کا لفظ مشرک، کافر، گنہگار اور ظلم و ناانصافی کرنے والے سب کو محیط ہے۔

آیات ۶۰ تا ۷۵

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۰ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ ع ۹
الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝۶۱ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝۶۲ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ
اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝۶۳ وَقِيْلَ ادْعُوْا
شُرَكَاۗءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝۶۴
وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶۵ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَاۗءُ يَوْمَىِٕذٍ
فَهُمْ لَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝۶۶ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ
الْمُفْلِحِيْنَ ۝۶۷ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۸ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۶۹ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ

اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ
فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۱۵

آیت ۶۰ ﴿وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ﴾ ''اور جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ بس دُنیوی زندگی کا سامان اور اس کی زیب وزینت ہے۔''

اس سے یہ نکتہ انسان کو خود بخود سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح دنیا کی یہ زندگی عارضی ہے اسی طرح اس سے متعلقہ ہر قسم کا ساز وسامان بھی عارضی ہے۔

﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ؟''

آیت ۶۱ ﴿اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''بھلا وہ شخص جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے اور وہ اس (وعدے کو) پالینے والا بھی ہے اُس شخص جیسا ہو جائے گا جسے ہم نے دُنیوی زندگی کا ساز وسامان دے دیا ہو؟''

یعنی ایک وہ بندہ جو اپنی دُنیوی زندگی میں آخرت کے بارے میں اللہ کے اچھے وعدوں کا مصداق بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے وعدوں کے مطابق جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمانے والا ہے' کیا کبھی اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جسے صرف حیاتِ دنیا کا سرو سامان دے دیا گیا ہو؟

﴿ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ''پھر وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے حاضر کیے جانے والوں میں سے ہوگا!''

ظاہر ہے دونوں طرح کے لوگ برابر تو نہیں ہو سکتے۔ قیامت کے دن نیک لوگ اللہ کے وعدوں کے مطابق اس کی رحمت کے سائے میں ہوں گے' جبکہ دنیا میں عیش وعشرت کے مزے لینے والے اور اپنے من پسند انداز میں گُل چھرّے اُڑانے والے باغی اس دن بیڑیاں پہنے ہوئے مجرموں کی حیثیت سے اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

آیت ۶۲ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾﴾ ''جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم زعم رکھتے تھے؟''

جن کے بارے میں تمہیں یہ زعم اور گمان ہو گیا تھا کہ وہ اللہ کے شریک ہیں' وہ اب کہاں ہیں؟

آیت ۶۳ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ﴾ ''تو کہیں گے وہ لوگ جو

(عذاب کے) فیصلے کے مستحق ہو چکے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار! یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا تھا۔"

وہ گمراہ لوگ جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ صادر ہو جائے گا' بالآخر اقبالِ جرم کر لیں گے اور اپنے ارادت مندوں کی طرف اشارہ کریں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ان اقراری مجرموں میں شیاطینِ جنّ وانس' طاغوت اور گمراہ مذہبی و سیاسی رہنما شامل ہوں گے۔ انہیں اقرار کیے بغیر چارہ نہ ہوگا کہ جیسے کچھ ہم خود تھے ویسا ہی ہم نے ان کو بنایا۔

﴿اَغْوَیْنٰهُمْ كَمَا غَوَیْنَا ۚ﴾ "ہم نے انہیں گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے تھے۔"

یعنی ہم خود ہدایت پر ہوتے تو انہیں ہدایت کا رستہ دکھاتے۔ ہم چونکہ خود گمراہ تھے اس لیے ہمارے زیر اثر یہ تمام لوگ گمراہ ہوتے چلے گئے۔

﴿تَبَرَّاْنَاۤ اِلَیْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾﴾ "ہم تیرے سامنے (ان سے) اظہارِ براءت کرتے ہیں' یہ ہماری پرستش تو نہیں کرتے تھے۔"

یعنی یہ ہمارے نہیں بلکہ اپنے ہی نفس کے بندے بنے ہوئے تھے۔ ہم پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں' یہ اپنی آزاد مرضی سے ہماری باتیں مانتے رہے ہیں۔

آیت ۶۴ ﴿وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ﴾ "اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تم پکارو اپنے شریکوں کو"

﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ﴾ "تو وہ انہیں پکاریں گے' لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے"

﴿وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ﴾ "اور وہ دیکھ لیں گے عذاب کو۔"

﴿لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ "کاش وہ ہدایت پائے ہوئے ہوتے!"

آیت ۶۵ ﴿وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶۵﴾﴾ "اور جس دن اللہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ تم لوگوں نے کیا جواب دیا تھا رسولوں کو؟"

آیت ۶۶ ﴿فَعَمِیَتْ عَلَیْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾ "تو اندھی ہو جائیں گی ان پر تمام خبریں اُس دن' پھر وہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔"

حق اس طرح واضح ہو کر ان کے سامنے آ جائے گا کہ اس کے جواب میں وہ کچھ بھی نہیں بول سکیں گے۔ ظاہر ہے زندگی بھر وہ اللہ کی نافرمانیاں اور انبیاء و رسل کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرتے رہے تھے۔ چنانچہ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ جو رسول تمہاری طرف بھیجے گئے تھے انہیں تم نے کیا جواب دیا تھا تو اُس وقت ان کو کوئی جواب نہیں سوجھے گا۔

آیت ۶۷ ﴿فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِیْنَ ﴿۶۷﴾﴾ "تو جس

نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک اعمال کیے' تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والے والوں میں سے ہوگا۔''

آیت ۶۸ ﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ﴾ ''اور آپؐ کا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور منتخب کر لیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔''

تمام مخلوق اسی کی ہے' اپنی مخلوق میں سے اُس نے جس کو چاہا منتخب کر لیا اور رسول بنا لیا: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ﴾ (الحج:۷۵) ''اللہ چن لیتا ہے اپنے پیغامبر فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے''۔ سورۂ آل عمران میں یہی مضمون اس طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ نے چن لیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ کو اور آلِ عمران کو تمام جہان والوں پر۔''

﴿مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ ''(جبکہ) ان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات ان لوگوں کے اوہام اور من گھڑت عقائد سے وراء الوراء' منزّہ اور ارفع ہے۔

آیت ۶۹ ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''اور آپؐ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔''

مثلاً ان کے دل قرآن اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس گواہی کو چھپائے ہوئے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنے جن نام نہاد اعتراضات کو وہ ظاہر کر رہے ہیں ان پر انہیں خود بھی اعتماد نہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر یہ نبی ہیں تو انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟

آیت ۷۰ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾ ''اور وہی ہے اللہ' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ؗ﴾ ''اُسی کے لیے حمد ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی''

یہاں آخرت کے مقابلے میں ''اُولیٰ'' دنیا کے لیے آیا ہے' کیونکہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ہماری پہلی زندگی یہی دُنیوی زندگی ہے۔

﴿وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''اور اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔''

حکم دینے کا اختیار اُسی کو حاصل ہے اور کائنات پر اصل حاکمیت اسی کی ہے۔ وہ جو حکم چاہے دے' جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام ٹھہرائے۔

آیت ۷۱ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''آپؐ کہیے: کیا تم لوگوں نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تم پر رات مسلط کر دے ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک''

﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ''تو کون معبود ہوگا اللہ کے سوا جو

تمہارے لیے روشنی لائے گا؟ تو کیا تم لوگ سنتے نہیں ہو؟''

آیت ۷۲ ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''آپؐ کہیے: کیا تم لوگوں نے کبھی یہ سوچا کہ اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے دن ہی کو قائم کر دے قیامت کے دن تک''

﴿مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۝۷۲﴾ ''تو کون معبود ہے اللہ کے سوا جو تمہارے لیے رات لائے گا جس میں تم آرام کر سکو؟ تو کیا تم لوگ دیکھتے نہیں ہو؟''

آیت ۷۳ ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۷۳﴾ ''اور اُس کی رحمت (کے مظاہر) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ اس (رات) میں تم لوگ آرام کرو اور (دن میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم (اُس کی ان نعمتوں کا) شکر ادا کرو۔''

آیت ۷۴ ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝۷۴﴾ ''اور جس دن وہ انہیں پکارے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم لوگوں کو زعم تھا؟''

آیت ۷۵ ﴿وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا﴾ ''اور ہم نکالیں گے ہر اُمت میں سے ایک گواہ''

یہ مضمون دو مرتبہ سورۃ النحل (آیت ۸۴ اور ۸۹) میں بھی آیا ہے' لیکن سورۃ النساء کی یہ آیت تو گویا اس مضمون کا ذروۂ سنام ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۝۴۱﴾ ''تو اس دن کیا صورت حال ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر''۔ جو پیغمبر جس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہوگا وہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں استغاثہ کا گواہ (prosecution witness) بن کر گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو ہدایت مجھ تک پہنچی تھی میں نے وہ اپنی قوم تک پہنچا دی تھی۔

﴿فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ ''پھر ہم کہیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو!''

پھر متعلقہ اُمت سے پوچھا جائے گا کہ اب تم لوگ بتاؤ تمہارا کیا معاملہ تھا؟ ہمارے رسول نے تو گواہی دے دی ہے کہ اُس نے میرا پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ اب اس سلسلے میں تمہارا کوئی عذر ہے تو پیش کرو۔

﴿فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ﴾ ''تو وہ جان لیں گے کہ حق تو اللہ ہی کی طرف ہے''

کہ فیصلہ تو اب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی حق ہوگا۔ چنانچہ انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۷۵﴾ ''اور گم ہو جائے گا ان سے وہ سب کچھ جو افترا وہ کرتے رہے تھے۔''

گویا ع ''جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!'' جب دوسری دنیا میں ان کی آنکھ کھلے گی تو ان کے

خود ساختہ عقائد، من گھڑت معبودوں کے بارے میں ان کے خوش کن خیالات وغیرہ سب ان سے گم ہو چکے ہوں گے اور اس کیفیت میں عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

آیات ۷۶ تا ۸۲

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ
لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾
وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ
اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ
عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ
مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ
قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ
عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا
يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ
دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ ﴿٨١﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ
وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا
لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٢﴾ ع

آیت ۷۶ ﴿إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ﴾ ”یقیناً قارون موسیٰؑ کی قوم ہی سے تھا“

تورات میں اس شخص کا نام Qaurah لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے تلفظ کے اختلاف کی وجہ سے یہ فرق پیدا ہوا ہو۔ بہرحال اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ یہاں قارون نامی شخص کے حوالے سے جس کردار اور روّیے کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض ایک فرد کا نام نہیں بلکہ یہ کردار ایک پورے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایک ایسا طبقہ جو کسی محکوم قوم کے اندر حکمرانوں کے ہاتھوں جنم لیتا ہے اور ان کے سائے میں نشوونما پاتا ہے۔ دراصل کسی بھی ملک میں فاتح اور غاصب حکمرانوں کا طرزِ حکمرانی ظلم و ناانصافی سے عبارت ہوتا ہے۔ ایسے نظام میں عزت و شرافت کے نئے معیار جنم لیتے ہیں۔ سورۃ النمل کی آیت ۳۴ میں ملکہ سبا کی زبانی غاصب بادشاہوں کے کردار پر اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے: ﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً﴾ ”بلاشبہ جب بادشاہ کسی آبادی میں داخل ہوتے ہیں تو اس میں فساد برپا کر دیتے ہیں، اور اس کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔“

غاصب حکمران ہمیشہ خوف اور لالچ کے ذریعے عوام کے اندر سے اپنے حمایتی پیدا کرتے ہیں۔ ایسے ماحول میں محکوم قوم کے گھٹیا اور بے غیرت قسم کے لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے اپنے آقاؤں سے مراعات

حاصل کرتے ہیں۔ اس حوالے سے سورۃ النمل کی مذکورہ آیت کے ضمن میں برصغیر پاک و ہند کے غیر ملکی حکمرانوں کی مثال دی جا چکی ہے۔ برصغیر میں انگریزوں نے بھی اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے مقامی لوگوں میں سے ایک ایسا ہی طبقہ پیدا کیا تھا۔ ان لوگوں کو جاگیریں دی گئیں' بڑے بڑے ٹھیکے الاٹ کیے گئے' خطابات سے نوازا گیا' اعلیٰ مناصب پر بٹھایا گیا اور یوں ان کی غیرتوں اور وفاداریوں کو خرید کر ان کو خود ان ہی کی قوم کے خلاف استعمال کیا گیا۔ اسی طرح فرعون کی عملداری میں بنی اسرائیل کے اندر بھی ایک ایسا ضمیر فروش طبقہ پیدا ہو چکا تھا اور قارون اسی طبقے کا ایک ''معزز فرد'' تھا۔ یہ شخص نہ صرف بنی اسرائیل میں سے تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی چچا زاد تھا۔ فرعون کے دربار میں اس کو خاص امتیازی مقام حاصل تھا۔ اپنی اس حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس قدر دولت اکٹھی کر رکھی تھی کہ اس اعتبار سے اس کا نام ضرب المثل کا درجہ رکھتا تھا' جیسے آج ہمارے ہاں کے بعض سیاسی کردار بھی دولت سمیٹنے میں علامتی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔

﴿فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠﴾ ''لیکن اُس نے ان کے خلاف سرکشی کی''

اس نے اپنی قوم سے غداری کی اور فرعون کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی ہی قوم کے خلاف ظلم و زیادتی پر مبنی سرگرمیوں میں مصروف رہا۔

﴿وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۤ﴾ ''اور اُس کو ہم نے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں ایک طاقتور جماعت مشکل سے اٹھا سکتی تھی۔''

اس سے اگر آج کل کی چابیوں کا تصور ذہن میں رکھیں تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس کو یوں سمجھیں کہ پرانے زمانے میں آج کل کی طرز کے تالے تو نہیں ہوتے تھے۔ لہٰذا پھاٹک نما دروازوں کو بند کرنے کے لیے بڑی بڑی لکڑیوں یا دھات کے ''اڑنگوں'' کو مخصوص طریقے سے ان کے اندر پھنسانے کا انتظام کیا جاتا ہوگا اور ان ہی کو ان دروازوں کی چابیاں کہا جاتا ہوگا۔ بہرحال اس جملے کا عمومی مفہوم یہی ہے کہ اس شخص کے پاس بے انتہا دولت تھی۔

﴿اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ﴾ ''جب اس سے کہا اس کی قوم کے لوگوں نے کہ اِتراؤ مت''

ظاہر ہے ہر معاشرے میں کچھ بھلے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔ جیسے ہم سورۃ الکہف کے پانچویں رکوع میں دو اشخاص کا واقعہ پڑھ آئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص درویش صفت اور عارف باللہ تھا جبکہ دوسرا مال مست تھا جو اپنی دولت کے گھمنڈ میں اللہ کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔ بہرحال کچھ بھلے لوگوں نے قارون کو نصیحت کی کہ تم اپنی دولت پر اترایا نہ کرو۔ یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ ان آیات میں دولت مند لوگوں کے لیے پانچ انتہائی مفید نصیحتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس بہت سی دولت جمع ہو گئی ہو انہیں ان نصیحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان میں سے پہلی نصیحت تو یہی ہے کہ اپنی دولت پر اتراؤ نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝۷۶﴾ ''یقیناً اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اس کے بعد دوسری نصیحت نوٹ کریں:

آیت ۷۷ ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾ ”اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو“

یہ دولت اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ اس کے راستے میں خرچ کر کے اپنے لیے توشۂ آخرت جمع کرنے کی کوشش کرو۔ اس ضمن میں سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۱ کے یہ الفاظ بھی مدِنظر رہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ”یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں بھی اور ان کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔“

﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ”اور مت بھولو تم دنیا سے اپنا حصہ“

کسی دولت مند شخص کے لیے یہ تیسری نصیحت ہے کہ جو دولت اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے اس میں سے اپنی ذات پر بھی خرچ کرو۔ اس سے یوں لگتا ہے کہ جیسے قارون بہت کنجوس تھا۔ اسے بس دولت جمع کرنے ہی کی فکر تھی، دولت کو خرچ کرنے سے وہ گھبراتا تھا، حتیٰ کہ اپنی ذاتی ضروریات کو بھی نظرانداز کر دیتا تھا۔ اس سلسلے میں سورۃ الاعراف آیت ۳۲ کے ان الفاظ میں بہت واضح راہنمائی موجود ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے؟ اور (کس نے حرام کی ہیں) پاکیزہ چیزیں کھانے کی؟“ یعنی ایک خوشحال آدمی کو اچھا کھانے اور اچھا پہننے سے کس نے منع کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رہبانیت اختیار کرنے کا حکم تو نہیں دیا، بلکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ اعتدال کی روش کو پسند فرماتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الفرقان کی آیت ۶۷ میں ”عباد الرحمٰن“ کے اوصاف میں سے ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝۶۷﴾ ”اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ ان کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے“۔ بہرحال آیت زیر مطالعہ میں اس حکم کے ذریعے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بغیر اپنے وسائل میں سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پر خرچ کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں چوتھی نصیحت یہ دی گئی ہے:

﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ ”اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو، جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے“

اللہ نے تمہیں دولت دی ہے تو یہ اللہ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہیے کہ تم بھی لوگوں پر احسان کرو اور اپنے بیگانے کی تفریق و تخصیص کیے بغیر غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کو اپنا شعار بناؤ۔ اس سلسلے میں سورۃ المعارج میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝۲۴ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝۲۵﴾ ”اور وہ لوگ جن کے اموال میں ایک مقررہ حصہ ہے سائلوں اور ناداروں کا“۔ اور اب پانچویں نصیحت:

﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۷۷﴾ ”اور زمین میں فساد مت

مچاؤ' یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے یہ بہت اہم ہدایت ہے۔ وہ کون سا فساد تھا جس میں قارون ملوث تھا؟ یہ سمجھنے کے لیے مصر کے اس ماحول کا تصور کریں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام دن رات ہمہ تن کارِ نبوت اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی میں لگے ہوئے تھے۔ اُس معاشرے کے کچھ لوگ تو آپؑ کا ساتھ دے رہے تھے اور اس کام میں آپؑ کا ہاتھ بٹانے کی کوشش میں تھے' جبکہ کچھ دوسرے لوگ آپؑ کی راہ میں روڑے اٹکانے اور آپؑ کے مشن کو ناکام بنانے کے لیے سازشوں میں مصروف تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس معاشرے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے جو خیر پیدا کرنا چاہتا تھا' قارون اور اس کے گروہ کے لوگ مختلف حربوں سے اس خیر کا راستہ روکنے کی کوشش میں مصروف تھے' اور یہی وہ ''فساد فی الارض'' ہے جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔

اس حوالے سے اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور کا جائزہ لیں تو مدینہ کے منافقین بھی آپؐ کے مشن کے خلاف اسی طرح کی منفی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل تھے۔ ان کی مفسدانہ سازشوں کا ذکر سورۃ البقرۃ میں اس طرح کیا گیا ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! بلاشبہ وہی ہیں فساد کرنے والے' لیکن وہ شعور نہیں رکھتے''۔ چنانچہ کسی دینی جماعت یا تحریک کی اصلاحی اور انقلابی کوششوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا اور ایسی جماعت کے نظم کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرنا گویا ''فساد فی الارض'' کے زمرے میں آتا ہے اور اللہ کو ایسے مفسد لوگ پسند نہیں ہیں۔ یعنی دین کی سربلندی کے لیے کی جانے والی کوشش کا حصہ بنو' نہ کہ اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو۔ مندرجہ بالا ہدایات کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ پھر سے دہرایا جائے:

(۱) ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ⑯﴾

''(اپنی دولت پر) اتراؤ مت' یقیناً اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

(۲) ﴿وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ﴾

''اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے دارِ آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرو''

(۳) ﴿وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾

''اور تم دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو''

(۴) ﴿وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾

''اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو' جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے''

(۵) ﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ⑰﴾

''اور زمین میں فساد مت مچاؤ' یقیناً اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۷۸ ﴿قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ ۭ﴾ ''اُس نے کہا کہ مجھے تو یہ سب کچھ ملا ہے اُس علم کی

بنیاد پر جو میرے پاس ہے۔“

یعنی تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ دولت مجھے اللہ نے دی ہے؟ یہ تو میں نے اپنی ذہانت‘ سمجھ بوجھ‘ محنت اور اعلیٰ منصوبہ بندی کی وجہ سے کمائی ہے۔ یہ خالص مادہ پرستانہ سوچ ہے اور ہر زر پرست شخص جو عملی طور پر اللہ کے فضل کا منکر ہے ہمیشہ اسی سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے کاروبار کی سب کامیابیاں میرے علم اور تجربے کی بنیاد پر ہیں۔ میں نے مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا بروقت اندازہ لگا کر جو فلاں فیصلہ کیا تھا اور فلاں سودا کیا تھا اس کی وجہ سے مجھے یہ اتنی بڑی کامیابی ملی ہے۔

﴿اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ﴾ ”کیا اُسے معلوم نہیں کہ اللہ اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو طاقت اور مال واسباب کی فراوانی میں اس سے کہیں بڑھ کر تھیں!“

﴿وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۷۸﴾ ”اور (اللہ کے ہاں) مجرم لوگوں سے ان کی خطاؤں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا۔“

اللہ تعالیٰ ان کے حساب کتاب کی جزئیات تک سے باخبر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اعمال نامہ کی ایک تفصیل اس کے سامنے ہے۔ اسے کسی تفتیش یا تحقیق کی ضرورت نہیں۔ یہی بات سورۃ الرحمٰن میں یوں ہوئی ہے: ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝۳۹﴾ ”پھر اس دن نہیں پوچھا جائے گا کسی انسان یا جن سے اس کے گناہ کے بارے میں“۔ اس لیے کہ اللہ کے حضور پیشی کے وقت ہر فرد کی مکمل کارگزاری اس کی پیشانی پر نقش ہوگی۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝۴۱﴾ (الرحمٰن) ”مجرم اپنے چہروں سے ہی پہچان لیے جائیں گے‘ تو انہیں دبوچ لیا جائے گا سر کے بالوں اور پیروں سے“۔ اس طریقے سے ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر جہنم کی طرف اچھال دیا جائے گا۔

آیت ۷۹ ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ﴾ ”پھر (ایک دن) وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے پورے ٹھاٹھ باٹھ میں۔“

اپنی قوم پر رعب جمانے کے لیے وہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ اپنی دولت اور آرائش وزیبائش کا اظہار کرتے ہوئے نکلا۔ چنانچہ اس کی شان وشوکت کو دیکھ کر:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ﴾ ”کہا ان لوگوں نے جو خواہش مند تھے دنیا ہی کی زندگی کے‘ کہ کاش یہ سب کچھ ہمارے لیے بھی ہوتا جو قارون کو ملا ہے“

وہ لوگ جو دُنیوی زندگی ہی کے طالب تھے‘ اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ کر اندر ہی اندر اپنی محرومیوں پر پچھتاتے اور اس کی خوش نصیبی کی داد دیتے رہے کہ:

﴿اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۷۹﴾ ”یقیناً وہ بہت بڑے نصیب والا ہے۔“

دنیا پرست اور ظاہر بین لوگوں کی نظر میں تو کسی شخص کی کامیابی اور خوش بختی کا معیار یہی ہے کہ اس کے پاس کس قدر دولت ہے۔ یہ دولت اس نے کہاں سے حاصل کی ہے اور کیسے حاصل کی ہے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

آیت ۸۰ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں علم عطا ہوا تھا''

جیسا کہ قبل ازیں آیت ۷۶ کے ضمن میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس معاشرے میں کچھ نیک سرشت لوگ اور اصحابِ علم و فہم بھی تھے جنہیں دُنیوی زندگی کے ٹھاٹھ باٹھ اور زیب و زینت کی اصل حقیقت معلوم تھی۔ ایسے لوگوں نے قارون کے ٹھاٹھ باٹھ سے متاثر ہونے والے لوگوں کو سمجھاتے ہوئے کہا:

﴿وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ﴾ ''افسوس ہے تم پر! اللہ کا (عطا کردہ) ثواب (اس سے) کہیں بہتر ہے اُس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے۔''

یعنی تم خواہ مخواہ اس کی شان و شوکت کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم حقیقی ایمان اور عملِ صالح کی شرائط پر پورے اترو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا و آخرت میں جن نعمتوں سے نوازے گا وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہوں گی۔ سورۃ النور کی آیت ۵۵ میں اس ضمن میں اللہ کے وعدے کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ......﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے حقیقی طور پر ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں کہ انہیں وہ زمین میں ضرور حکومت و خلافت سے نوازے گا......'' اس کے بعد آخرت میں ایسے لوگوں کو جو اجر و ثواب ملنے والا ہے اور جنت میں ان پر جن نعمتوں کی بارش ہونے والی ہے اس کا تو اس دُنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

﴿وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ نہیں ملے گا مگر ان لوگوں کو جو صبر کرنے والے ہیں۔''

آخرت کا وہ اجر و ثواب صرف انہی لوگوں کو حاصل ہو گا جو دنیا میں صبر و قناعت سے گزر بسر کرتے رہے اور اپنی ضروریات سے زیادہ کی ہوس سے بچتے رہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى))(۱) ''جو چیز کم ہو لیکن بقدرِ کفایت ہو وہ اس سے بہتر ہے جو بہت زیادہ ہو لیکن غفلت میں مبتلا کر دے''۔ کیونکہ دولت کی بہتات ہو گی تو اس کے سبب انسان غفلت کا شکار ہو جائے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر آج کا کھانا کھا کر آدمی کل کے کھانے کے لیے اللہ پر توکّل کرے گا تو وہ اللہ کو بھول نہیں پائے گا۔

آیت ۸۱ ﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۣ﴾ ''تو ہم نے اُسے اور اُس کے محل کو زمین میں دھنسا دیا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قارون ''خسف في الارض'' کے عذاب کا شکار ہو گیا۔

﴿فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ﴾ ''تو اُس کے لیے نہ تو کوئی ایسا لشکر تھا جو اُس کی مدد کرتا اللہ کے مقابلے میں''

---

(۱) الترغيب والترهيب للمنذری : ۱۲۹/۴ و ۱۵۵/۴۔ ومجمع الزوائد للهيثمی : ۲۵۹/۱۰ عن ابی الدرداء ؓ وعن ابی امامة الباهلی ؓ [رواته رواة الصحيح وإسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما]

﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾﴾ ''اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ بدلہ لینے والوں میں ہوتا۔''
وہ اپنے لاؤ لشکر اور تمام تر جاہ وجلال کے باوجود اس قابل نہ تھا کہ (معاذ اللہ!) اللہ سے اپنی بربادی کا انتقام لے سکتا۔

آیت ۸۲ ﴿وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ﴾ ''اور جن لوگوں نے کل اس کے مرتبے کی تمنا کی تھی اب وہ یوں کہہ رہے تھے''

﴿وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ﴾ ''ہائے افسوس! اللہ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی تنگ کرتا ہے۔''
تصور کریں کہ اگر رات کو یہ واقعہ ہوا ہوگا تو صبح ہوتے ہی ہر طرف دھوم مچ گئی ہوگی۔ چنانچہ وہی لوگ جو کل قارون کی آن بان کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے اب وہ اس خوفناک انجام سے بچ جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہائے افسوس، ہم بھول گئے تھے کہ رزق کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تُلا دیتا ہے۔

﴿لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ﴾ ''اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔''
یعنی ہم نے بھی اُس جیسی دولت اور شان وشوکت کی خواہش کی تھی' اس لیے عین ممکن تھا ہمیں بھی وہی سزا ملتی' مگر اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اس انجام سے بچا لیا۔

﴿وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾﴾ ''افسوس! کہ کافر بالکل فلاح نہیں پائیں گے۔''

آیات ۸۳ تا ۸۸

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ
عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى
مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا
اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ
عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَا
تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾ ع ۹

آیت ۸۳ ﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ﴾ ”یہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں اقتدار و اختیار کے خواہاں ہیں اور نہ ہی فساد مچانا چاہتے ہیں۔“

دراصل یہاں پر اقتدار کی طلب اور ہوس کی مذمت ہے نہ کہ بوقت ضرورت اقتدار کی ذمہ داری سنبھالنے کی۔ جیسے حضور ﷺ کی انقلابی جدّوجُہد کے نتیجے میں مدینہ کی چھوٹی سی ریاست وجود میں آ گئی تو آپؐ کو اس کے سربراہ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالنا پڑی۔ لیکن نہ تو آپؐ کی جدوجہد کا مقصد حصولِ اقتدار تھا اور نہ ہی آپؐ اس کے خواہش مند تھے۔ چنانچہ اقتدار کا خواہش مند ہونے اور اقتدار کی ذمہ داری نبھانے کے لیے آمادہ ہو جانے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس حوالے سے یہاں پر واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو اُس کے دین کی سربلندی کے لیے جدّوجُہد میں خود کو کھپا رہے ہیں۔ لیکن اس کٹھن راستے کے مسافروں کو اس حقیقت سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اگر اس جدّوجُہد کے دوران میں دل کے کسی گوشے میں ہوسِ اقتدار کی کوئی کونپل پھوٹ پڑی یا اپنا نام اونچا کرنے کی خواہش نے نفس کے کسی کونے میں جڑ پکڑ لی تو اللہ کے ہاں ایسا ”مجاہد“ نااہل (disqualified) قرار پائے گا اور اس کی ہر ”جدّوجُہد“ مسترد کر دی جائے گی۔

﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ”اور آخرت کی زندگی تو ہے ہی اہلِ تقویٰ کے لیے۔“

آخرت کی نعمتوں اور اس کے عیش و آرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔

آیت ۸۴ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ﴾ ”جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کے لیے بدلہ ہو گا اس سے بہتر۔“

سورۃ النمل کی آیت ۸۹ میں بھی یہ مضمون بالکل ان ہی الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ”اور جو کوئی بُرائی لے کر آئے گا تو برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی کہ جو کچھ وہ کر کے لائیں گے۔“

مطلب یہ کہ برائی کی سزا برائی کے عین مطابق دی جائے گی‘ اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن نیکوکاروں کے لیے ان کی نیکیوں میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے دس گنا سے سات سو گنا تک اضافہ کر دیا جائے گا‘ بلکہ غور کیا جائے تو ”خَيْرٌ مِّنْهَا“ کی کوئی حد اور انتہا مقرر نہیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ”اور اللہ جس کے لیے جتنا چاہے گا بڑھا دے گا۔ اور اللہ بہت وسعت والا خوب جاننے والا ہے“۔ بہر حال ”خَيْرٌ مِّنْهَا“ کے الفاظ میں سب سے نچلی سطح پر بھی یہ بشارت موجود ہے کہ تم جیسی بھی کوئی نیکی کر کے لے جاؤ گے وہاں اس کا اجر اس سے بہتر ہی ملے گا۔

آیت ۸۵ ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یقیناً جس نے

آپ پر قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ آپ کو پہنچا کے رہے گا ایک بہت اچھی لوٹنے کی جگہ۔''

یہاں پر فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ کے حوالے سے سورۃ النمل کی آیت ۹۲ کے یہ الفاظ پھر سے ذہن میں تازہ کرلیں: ﴿وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ﴾ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم لوگوں کو قرآن سناتا رہوں۔ قرآن ہی کے ذریعے سے انذار، تبشیر اور تبلیغ کا فرض ادا کرتا رہوں اور اسی کی مدد سے تمہارے نفسانی اور روحانی امراض کی شفا کے لیے کوشاں رہوں۔ گویا سورۃ النمل کی مذکورہ آیت میں قرآن پڑھ کر سنانے کے جس حکم کا ذکر ہے اسی کی تعبیر یہاں آیت زیر مطالعہ میں فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ کے الفاظ میں کی گئی ہے۔ یعنی قرآن کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کردی ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۶۷ میں آپؐ کی اس ذمہ داری کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ﴾ ''اے رسول (ﷺ) پہنچا دیجیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپؐ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے۔ اور اگر (بالفرض) آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اس کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔''

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ بھاری ذمہ داری اپنی امت کو منتقل کردی اور اس سلسلے میں حکم دیا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ)) ''پس جو حاضر ہے وہ اُس تک پہنچا دے جو حاضر نہیں ہے''۔ گویا یہ آپ ﷺ کا حکم ہے کہ آپؐ کا ہر امتی اپنی استطاعت کے مطابق تبلیغ دین کا یہ فریضہ لازماً ادا کرے۔ اس حکم کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنے ''فریضۂ رسالت'' کا سلسلہ قیام قیامت تک دراز فرما دیا۔ چنانچہ اس اُمت کے افراد ہونے کے ناتے سے اب یہ ذمہ داری ہم میں سے ہر ایک پر عائد ہوتی ہے۔ میں نے اپنے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' میں اس ذمہ داری کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس لحاظ سے اس ذمہ داری کے پانچ پہلو ہیں، یا یوں سمجھیے کہ قرآن کے یہ پانچ بنیادی حقوق ہیں جو ہم میں سے فرداً فرداً سب کے ذمہ ہیں۔ یعنی: (۱) قرآن پر ایمان لانا، جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہے۔ (۲) قرآن کی تلاوت کرنا، جیسا کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے۔ (۳) قرآن کو سمجھنا، جیسا کہ اسے سمجھنے کا حق ہے۔ (۴) قرآن پر عمل کرنا، جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اور (۵) قرآن کی تبلیغ کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا، جیسا کہ اس کا حق ہے۔

آیت زیر مطالعہ میں اسی ذمہ داری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اے نبی ﷺ! جس اللہ نے آپ پر قرآن کی یہ بھاری ذمہ داری ڈالی ہے وہ یقیناً آپ کو لوٹائے گا لوٹنے کی بہت اچھی جگہ پر۔ مَعَاد اسم ظرف ہے عَادَ يَعُوْدُ سے یعنی لوٹنے کی جگہ۔ اس سے مراد آخرت بھی لی جاتی ہے اور اسی لیے ایمان بالآخرت کو ''ایمان بالمعاد'' بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن اس آیت کے حوالے سے ایک رائے یہ ہے کہ یہاں ''معاد'' سے مراد ''مکہ'' ہے اور ان الفاظ میں گویا ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ کو خوشخبری سنائی گئی تھی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ آپؐ کو مکہ کی طرف لوٹا دے گا۔ اس سلسلے میں جو روایات ملتی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت کے دوران جب آپؐ غار ثور میں تین راتیں گزارنے کے بعد مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو چونکہ تعاقب کا اندیشہ تھا اس لیے آپؐ نے احتیاطاً ایک ایسا غیر معروف پہاڑی راستہ اختیار فرمایا جو آگے جا کر مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستے سے مل جاتا تھا۔ چنانچہ آپؐ چلتے چلتے جب اس معروف راستے پر پہنچے تو وہاں آپؐ کے لیے بڑی جذباتی اور

رقت آمیز صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ آپؐ راستوں کے ملاپ کی جگہ (T) پر کھڑے تھے۔ دائیں طرف کا راستہ مدینہ کو جاتا تھا جبکہ بائیں جانب مکہ تھا۔ اس وقت مکہ اور خانہ کعبہ کی جدائی کے غم میں آپؐ کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔ چنانچہ آپؐ کی اس کیفیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپؐ دل گرفتہ نہ ہوں، ہم آپ ﷺ کو ضرور مکہ واپس لے کر آئیں گے۔ اگرچہ اب تو آپؐ وہاں سے مجبور ہو کر نکلے ہیں لیکن عنقریب ہم آپؐ کو ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل کرنے والے ہیں۔ بعض روایات کے مطابق ایسی ہی کیفیت آپؐ پر مکہ سے روانگی کے وقت بھی طاری ہوئی تھی اور آپؐ نے کعبہ سے لپٹ کر فرمایا تھا: اے کعبۃ اللہ! مجھے تجھ سے بہت محبت ہے، مگر میں کیا کروں، یہاں کے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

بہر حال میرے نزدیک اس آیت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ یہاں ''مَعاد'' سے مراد آخرت اور جنت ہے۔ جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں بھی فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) یقیناً آخرت آپؐ کے لیے اس دنیا کی زندگی سے بہتر ہوگی''۔ اس معنی میں یہاں پر ''مَعاد'' بطور اسم نکرہ گویا ''تفخیمِ شان'' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی لوٹنے کی وہ جگہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہوگی۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت میں بھی ملتی ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ ''اُمید ہے کہ آپ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا''۔ آیت زیر مطالعہ میں اسی ''مقامِ محمود'' کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس مقام (معاد) کی شان کیسی ہوگی؟ کسی انسان کے لیے اس کا تصور بھی محال ہے۔

﴿قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون ہے جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کو تو کوئی توقع نہیں تھی کہ آپ پر کتاب القا کی جائے گی''

اس سے ملتا جلتا مضمون سورۃ النمل میں بھی آیا ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶﴾ ''(اے نبی ﷺ!) قرآن تو یقیناً ایک حکیم اور علیم ہستی کی طرف سے آپ پر القا کیا گیا ہے''۔ ظاہر ہے کہ بعثت سے پہلے نہ تو آپؐ اس بات کے امیدوار تھے کہ آپؐ پر قرآن نازل کیا جائے اور نہ ہی آپؐ اس کے لیے کوشاں تھے۔ اس سے پہلے آپؐ کی زندگی ایک صادق وامین، شریف النفس انسان اور ایک ایماندار تاجر کی زندگی تھی۔ اور جو تاجر آپ ﷺ کی اس تاجرانہ زندگی کا اتباع کرتا ہے اُس کے لیے آپؐ نے بایں الفاظ بشارت فرمائی ہے: ((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ))(۱) یعنی وہ تاجر جو بالکل سچا ہو، اپنے معاملات میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے دے اور امانت دار ہو، وہ (قیامت کے روز) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

﴿اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''یہ تو محض آپؐ کے رب کی رحمت سے ہے''

---

(۱) سنن الترمذی، ابواب البیوع، باب ما جاء فی التجار وتسمیۃ النبی ایاھم۔

یہ تو سراسر اللہ کی رحمت' اس کی عطا اور مہربانی ہے کہ اس نے آپؐ کو نبوت کے لیے چنا ہے اور آپؐ کو یہ کتاب عطا فرمائی ہے۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾﴾ ''پس آپؐ کافروں کے پشت پناہ نہ بنیں۔''

اس جملے کا درست مفہوم سمجھنے کے لیے سورۃ النساء کے سولہویں (۱۶) رکوع کا مضمون پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس رکوع میں حضور ﷺ کے سامنے پیش ہونے والے ایک مقدمے پر تبصرہ ہوا ہے۔ یہ ایک منافق کا مقدمہ تھا جس نے چوری کی تھی' لیکن اس کے قبیلے کے لوگوں نے قبائلی عصبیت کی بنا پر اُس کی بے جا حمایت کر کے چوری کا الزام ایک یہودی کے سر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۰۹ میں متعلقہ قبیلے کے لوگوں کو تنبیہہ کی گئی کہ آج دنیا میں تو تم لوگوں نے اس کی خوب وکالت کر لی' لیکن کل قیامت کے دن ایسے مجرموں کو اللہ کی پکڑ سے کون چھڑائے گا؟ گویا مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ حق و انصاف کے سامنے خاندانی رشتوں اور قبائلی عصبیت کی کوئی اہمیت نہیں۔

آیت زیر مطالعہ کے اس آخری جملے کا مفہوم سمجھنے کے لیے مکّہ کے اس ماحول کو بھی ذہن میں لایئے جہاں آپ ﷺ کی دعوت کے سبب معاشرہ واضح طور پر دو حصوں میں بٹتا جا رہا تھا۔ رحمی و خونی رشتے منقطع ہو رہے تھے اور دوستیاں دشمنیوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابولہب نے آپؐ کے ساتھ دشمنی کی انتہا کر دی تھی۔ اس پس منظر میں آیت زیر مطالعہ کے اس آخری جملے کا مطلب یہ ہو گا کہ اے نبی (ﷺ) آپ ان کافروں کے ساتھ اپنے رشتوں اور تعلقات کو بالکل کوئی اہمیت نہ دیں۔ عصبیت کا کوئی خفیف سا شائبہ بھی آپؐ اپنے دل کے قریب نہ پھٹکنے دیں اور ان مشرکین کے ساتھ بالکل کوئی موافقت اور ہمدردی نہ رکھیں۔ اس سے پہلے اسی سورت (القصص) کی آیت ۱۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بھی بالکل ایسے ہی الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ قبطی کے قتل ہو جانے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی تو اس وقت آپؑ نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے عہد کیا تھا: ﴿فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٧﴾﴾ کہ میں آئندہ کبھی بھی مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں یہی حکم حضور ﷺ کو دیا جا رہا ہے کہ آپ کسی بھی حیثیت' کسی بھی انداز اور کسی بھی درجے میں ان کافروں کے مددگار نہ بنیں۔

آیت ۸۷ ﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ﴾ ''اور وہ آپؐ کو روک نہ سکیں اللہ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ آپ پر نازل کر دی گئی ہیں''

یعنی اگر آپؐ ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی تعلق رکھیں گے' چاہے وہ کسی ادنیٰ درجے کی قبائلی عصبیت ہی کی بنیاد پر ہو تو وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپؐ کی دعوت کے عمل میں رکاوٹ بنیں گے اور آپؐ کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ ''اور اپنے رب کی طرف دعوت دیتے رہیے اور شرک (جیسے گھناؤنے جرم) کا شائبہ بھی اپنے قریب مت آنے دیجیے۔''

آیت ۸۸ ﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟﴾ ''اور مت پکاریئے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔''

جیسے کہ پہلے بھی کئی بار اس نکتے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اس نوعیت کے احکام میں اگرچہ صیغہ واحد میں خطاب بظاہر حضور ﷺ سے ہوتا ہے لیکن حقیقت میں آپؐ کی وساطت سے تمام اُمت مخاطب ہوتی ہے۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ؕ﴾ ''ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کے چہرے کے!''

کیا اللہ کا چہرہ بھی ہے؟ اور اگر اس کے چہرے کو فنا نہیں ہے تو کیا اس کے کوئی اور اعضاء بھی ہیں جن کو فنا ہے؟ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ!

یہ بہت اہم اور حساس مسئلہ ہے جس کے بارے میں پہلے بھی کئی بار بتایا جا چکا ہے۔ یہاں پھر ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، عالمِ برزخ، عالمِ غیب اور عالمِ آخرت جیسے موضوعات کے بارے میں آیات سے جس قدر مفہوم سمجھ میں آ جائے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ ورنہ ایسے معاملات میں اگر انسان عقل اور منطق کے سہارے ایک ایک کر کے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کرے گا تو غلط راستے پر چل نکلے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اَلعِجزُ عن دَرکِ الذّاتِ اِدراك کہ اللہ کی ذات کے بارے میں ادراک سے عجز ہی اصل ادراک ہے۔ یعنی جب انسان یہ سمجھ لے کہ میں اس کی ذات کو نہیں سمجھ سکتا تو بس یہی ادراک ہے اور یہی اللہ کی معرفت ہے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اپنے مکاتیب میں یہ الفاظ بار بار لکھے ہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ وراء الوراء، ثم وراء الوراء، ثم وراء الوراء ہے۔ اس بارے میں کوئی تصور بنانا انسانی ذہن کے لیے ممکن ہی نہیں۔ وَجْهَهٗ سے کئی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہستی بھی مراد لی ہے، جیسے ہمارے ہاں جب یہ کہا جاتا ہے کہ میں یہ کام فلاں کے منہ کو کر رہا ہوں تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ اُس کی رضا جوئی کے لیے کر رہا ہوں۔ یعنی اس سے شخص کی ذات مراد ہوتی ہے نہ کہ صرف اُس کا منہ یا چہرہ۔ بہرحال آیت زیرِ مطالعہ کے لے سے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔

﴿لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۸﴾ ''فرماں روائی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وإياكم بالآيات والذّكر الحكيم ○○

بیان القرآن

سُوْرَۃُ الْعَنْکَبُوْت

(۲۹)

سُورۃُ العَنکبُوت

تمہیدی کلمات

سورۃ العنکبوت کے بارے میں تعیین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ۵ نبوی میں نازل ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب مکہ میں مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم و ستم بہت بڑھ چکا تھا۔ اس سے پہلے تین سال تک تو مخالفین نے حضورﷺ کی دعوت کے اثرات کے بارے میں کوئی سنجیدہ ردِعمل ظاہر نہیں کیا' بلکہ اس دعوت کو چٹکیوں میں اڑانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس دوران وہ لوگ آپﷺ کا مذاق اڑاتے رہے' آپؐ کو شاعر اور جادوگر کہتے رہے اور یوں آپؐ کی تضحیک کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسے ہتھکنڈوں سے آپؐ کی قوتِ ارادی دم توڑ دے گی' آپؐ بددل ہو کر ہمت ہار کر بیٹھ جائیں گے اور اس طرح یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ لیکن ان تمام حربوں کے باوجود حضورﷺ کی دعوت کا دائرہ تھا کہ روز بروز پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ خصوصی طور پر ان کے لیے تشویش ناک بات یہ تھی کہ آپؐ کی دعوت سے متاثر ہونے والوں میں زیادہ تعداد غلاموں اور اونچے گھرانوں کے نوجوانوں کی تھی۔ چنانچہ جب سردارانِ قریش کے کئی ایک غلام ایمان لے آئے اور دوسری طرف حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ جیسے نوجوان بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تو مشرکین کو اس دعوت کے تدارک اور سدِّباب کے لیے سنجیدگی سے سوچنا پڑا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اہم فیصلہ کیا وہ یہی تھا کہ ایسے تمام لوگوں کے ساتھ سختی سے نمٹا جائے اور جسمانی ایذاء و تشدّد کے ذریعے انہیں نیا دین چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔

جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ نوجوان اہل ایمان بھی اپنے اپنے خاندان والوں کے ہاتھوں کسی حد تک تشدد کا نشانہ بنے' لیکن غلاموں اور بے آسرا لوگوں پر تو گویا قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ غلاموں کی حیثیت اُس معاشرے میں ڈھور ڈنگروں کی سی تھی۔ جیسے آپ نے ایک بکری خریدی اور اسے اپنے کھونٹے سے باندھ لیا۔ جب تک چاہا اس سے فائدہ اٹھایا اور جب چاہا اسے ذبح کر لیا۔ انسانی سطح پر اُن کے کوئی حقوق نہیں تھے۔ کوئی آقا اپنے غلام کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے' اسے مارے' پیٹے یا جان سے مار ڈالے' اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ' حضرت ابوفکیہہ اور حضرت خباب بن الارتؓ جیسے صحابہ کے ساتھ ان کے آقاؤں نے ظلم و ستم کے ایسے ایسے طریقے آزمائے کہ ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غلاموں کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی اس خوفناک اور بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنے جو قریشی نہیں تھے اور کسی کے حلیف بن کر مکہ میں رہ رہے تھے۔ حضرت یاسرؓ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپؓ کا تعلق یمن سے تھا۔ آپؓ نے یمن کے عیسائیوں سے نبی آخر الزماںﷺ کی آمد کا چرچا سن رکھا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خواب میں اشارہ بھی ملا تھا کہ مکہ میں آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے۔ چنانچہ نبی مکرمﷺ کی

صحبت سے فیض یاب ہونے کے شوق میں آپؓ یمن کو چھوڑ کر مکہ چلے آئے اور ابو جہل کے چچا کی پناہ حاصل کر لی۔ ابو جہل کا چچا شریف آدمی تھا' اُس نے نہ صرف انہیں پناہ دی بلکہ اپنی لونڈی سُمیّہ سے ان کا نکاح بھی کر دیا۔ پھر اللہ نے آپؓ کو ایک بیٹا بھی عطا کیا۔ جب ابو جہل کا چچا فوت ہو گیا تو یہ خاندان ابو جہل کی پناہ میں آ گیا۔ حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو حضرت یاسرؓ' آپؓ کی زوجہ محترمہ حضرت سُمیّہ اور آپؓ کا بیٹا عمار (رضی اللہ عنہم) تینوں حضور ﷺ پر ایمان لے آئے۔ جب قریش نے اہل ایمان پر تشدد کرنے کی حکمت عملی اپنائی تو اس چھوٹے سے خاندان پر ابو جہل نے تشدد کی انتہا کر دی۔ اس کے نتیجے میں حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما تو شہید ہو گئے جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کلماتِ کفر کہہ کر اپنی جان بچائی' جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا۔ (سورۃ النحل کی آیت ۱۰۶ میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اگر کسی کو کلمہ کفر پر مجبور کر دیا جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن رہے تو اللہ معاف فرمانے والا ہے۔)

اسی طرح حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ پر جو قیامت گزری وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپؓ غریب خاندان سے تھے اور پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے۔ ایک دن ان ہی کی بھٹی میں سے دہکتے ہوئے کوئلے لے کر انہیں زمین پر بچھایا گیا اور ان کی قمیص اتروا کر پشت کے بل کوئلوں پر لٹا دیا گیا' تاوقتیکہ آپؓ کے جسم کی چربی سے وہ کوئلے ٹھنڈے ہوئے۔

حضرت خبابؓ بن الارت فرماتے ہیں کہ جب صورتِ حال ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تو ایک دن ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ اس وقت خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں اپنی چادر کا تکیہ لیے استراحت فرما رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: حضور! آپؐ ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں کرتے؟ مشرکین کے تشدد کی بڑھتی ہوئی کارروائیاں اب ہمارے لیے ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔ حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہماری یہ بات حضور ﷺ کو ناگوار گزری۔ آپؐ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اللہ کی قسم' تم جلدی مچا رہے ہو' ابھی تم پر وہ حالات تو آئے ہی نہیں جو تم سے پہلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں آدھا زمین میں دبا کر آروں سے چیر ڈالا گیا' وہ زندہ آگ میں جلا دیے گئے اور انہوں نے ایسے حالات پر صبر کیا۔ تمہیں بھی بہر حال صبر کرنا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ وقت ضرور آئے گا جب ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی اور کا خوف نہیں ہو گا۔

یہ اس پس منظر کی ایک جھلک ہے جس میں اس سورت کا نزول ہوا۔ اس کی ابتدائی آیات میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ مذکورہ واقعہ کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ ان آیات کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اپنے کارکنوں کی قربانیوں کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ جب بھی کسی معاشرے میں کوئی انقلابی تحریک اپنی جڑیں مضبوط کرتی دکھائی دیتی ہے تو پرانے نظام کے محافظوں کو اپنے مفادات خطرے میں پڑتے محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسی کسی بھی تحریک کو دبانے اور ختم کرنے کے لیے ہر حربہ آزمانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل مرحلے میں انقلابی تحریک اپنے کارکنوں سے قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ چنانچہ جب مکہ میں حضور ﷺ کی دعوت کا چرچا ہوا اور لوگ اس طرف متوجہ ہونے لگے تو مشرکین مکہ نظامِ کہنہ کے پاسبانوں

کی حیثیت سے اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں آ گئے۔ اس کے بعد مکہ کی گلیوں میں ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس جان گداز صورت حال میں اہل ایمان نے غیر معمولی جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

اس سیاق و سباق میں سورت کا پہلا رکوع خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں مکہ کے مذکورہ خوفناک حالات کے حوالے سے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کے منطقی جوابات بھی فراہم کیے گئے ہیں' لہولہان جسموں کے لیے سہارے کا سامان بھی مہیا کیا گیا ہے اور زخم خوردہ دلوں پر مرہم رکھنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ قیامت تک کے لیے ہر انقلابی دینی تحریک اور غلبۂ دین کی جدوجہد کے کارکنوں کے لیے راہنما اصول بھی وضع فرما دیے گئے ہیں۔ اس مضمون کے اعتبار سے سورۃ العنکبوت کا یہ رکوع گویا پورے قرآن میں ''ذروۂ سنام'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ [یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بحیثیتِ مجموعی قرآن کا ذروۂ سنام تو سورۃ البقرۃ ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامٌ وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ))(۱) ''ہر چیز کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن کی چوٹی سورۃ البقرۃ ہے۔''] ـــــ مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے پانچویں حصہ کا پہلا درس اسی رکوع پر مشتمل ہے۔ موضوع کی اہمیت کے اعتبار سے یہ درس منتخب نصاب کے اس حصے کے لیے بمنزلہ فاتحہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۳

الٓـمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ هُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ۝۲ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِیۡنَ
مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝۳ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ
یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۝۴ مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ
اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝۵ وَ مَنۡ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَغَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۶ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ
وَ لَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝۷ وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ حُسۡنًا ؕ وَ اِنۡ
جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِکَ بِیۡ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا
کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِی الصّٰلِحِیۡنَ ۝۹ وَ مِنَ
النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتۡنَةَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ
وَ لَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکَ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمۡ ؕ اَوَ لَیۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِیۡ صُدُوۡرِ
الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱۰ وَ لَیَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ۝۱۱ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

(۱) سنن الترمذی' ابواب فضائل القرآن' باب ما جاء فی فضل سورة البقرة وآية الكرسی۔

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ
شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾﴾ ''الف' لام' میم۔''

آیت ۲ ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾﴾ ''کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟''

تمہیدی کلمات میں بیان کی گئی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی روایت کا مضمون ذہن میں رکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذکورہ شکایت کا جواب ہے۔ اس میں خفگی کا بالکل وہی انداز پایا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی شکایت کے جواب میں اختیار فرمایا تھا۔ اہل ایمان کا ذکر عمومی انداز میں (''النَّاس'' کے لفظ سے) فرمانا بھی ایک طرح سے عتاب اور ناراضی ہی کا ایک انداز ہے۔ بہر حال دین میں تحریکی وانقلابی جدوجہد کے حوالے سے یہ بہت اہم مضمون ہے جس کی مزید وضاحت مدنی سورتوں میں ملتی ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں یہی مضمون مزید واضح انداز میں بیان ہوا ہے: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾ ''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تم پر وہ حالات وواقعات تو وارد ہوئے ہی نہیں جو تم سے پہلوں پر ہوئے تھے۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں مسلط کر دی گئی تھیں' اور وہ ہلا مارے گئے تھے یہاں تک کہ (وقت کا) رسولؐ اور اس کے ساتھی اہل ایمان پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد! آگاہ رہو اللہ کی مدد قریب ہی ہے''۔ اس کے بعد سورۂ آل عمران میں یہی بات ایک دوسرے انداز میں فرمائی گئی ہے: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے' حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو ظاہر کیا ہی نہیں کہ تم میں سے کون واقعتاً (اللہ کی راہ میں) جہاد کرنے والے اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے ہیں''۔ اور پھر سورۃ التوبہ میں اس مضمون کی مزید وضاحت کی گئی ہے: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾ ''کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے' حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو ظاہر کیا ہی نہیں کہ تم میں سے کون ہیں جو واقعی جہاد کرنے والے ہیں' اور جو نہیں رکھتے اللہ' اُس کے رسول اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کے ساتھ دلی رازداری کا کوئی تعلق' اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

مندرجہ بالا چاروں آیات میں یہ مضمون جس انداز میں بیان ہوا ہے اس کی مثال ایک خوبصورت پودے اور اس پر کھلنے والے خوبصورت پھول کی سی ہے۔ زیر مطالعہ مکی آیت اس پودے کی گویا جڑ ہے جبکہ مذکورہ بالا تینوں مدنی آیات اس پر کھلنے والے پھول کی تین پتیاں ہیں۔ یہاں پر جن تین آیات کا حوالہ دیا گیا ہے

(البقرۃ:۲۱۴' آل عمران:۱۴۲اور التوبۃ:۱۶) ان میں یہ عجیب مماثلت قابل توجہ ہے کہ نہ صرف ان آیات کے الفاظ میں مشابہت پائی جاتی ہے بلکہ ان میں سے ہر آیت کے نمبر شمار کا حاصل جمع ۷ ہے۔

آیت ۳ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''ہم نے تو ان کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے تھے''

ہم ان سے پہلے بھی ایمان کے ہر دعویدار کو آزماتے رہے ہیں اور آزمائش کے بغیر ہم کسی کے ایمان کو تسلیم نہیں کرتے۔

﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③﴾ ''پس اللہ ظاہر کر کے رہے گا اُن کو جو سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

اگرچہ ان الفاظ کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ''اللہ جان کر رہے گا'' لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے اور وہ انسانوں کی نیتوں اور دلوں کے حالات سے بخوبی واقف ہے' اس لیے یہاں اللہ کے ''جان لینے'' کا مفہوم دراصل یہی ہے کہ اللہ ظاہر کر دے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے! وہ ممیز کر دے گا کہ کون منافق ہے اور کون سچا مؤمن! کون ضعیف الایمان ہے اور کون قویُ الایمان! کون سچا جاں نثار ہے اور کون محض دودھ پینے والا مجنوں ہے!

یہاں یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ گزشتہ دو آیات میں اگر خفگی کا اظہار ہے تو اگلی دو آیات میں اہل ایمان کی دلجوئی کا سامان بھی ہے۔ گویا ترہیب اور ترغیب ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شفیق استاد اپنے شاگرد کو ایک وقت میں ڈانٹ پلاتا ہے لیکن پھر اس کے بعد تھپکی دے کر اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اس نکتے کو اس حدیث کے حوالے سے بھی سمجھنا چاہیے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ))(۱) کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ یعنی اللہ اپنی مخلوق اور خصوصاً اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ چنانچہ اس محبت اور شفقت کی جھلک اگلی آیت میں صاف نظر آ رہی ہے:

آیت ۴ ﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④﴾ ''کیا سمجھ رکھا ہے ان لوگوں نے جو برائیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ وہ ہماری پکڑ سے بچ کر نکل جائیں گے؟ بہت ہی برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

اس جملے کی روح کو سمجھنے کے لیے مکہ مکرمہ کے ماحول اور اس میں اہل ایمان کی دل دہلا دینے والی مظلومیت کے مناظر ایک دفعہ پھر اپنے تصور میں لایئے' جہاں ابوجہل کو کھلی چھوٹ تھی کہ وہ حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما کو جس طرح چاہے بربریت کا نشانہ بنائے۔ اُمیہ بن خلف مالک و مختار تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قسمت کا کہ ان کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔ انہیں مار پیٹ کر لہولہان کر دے اور گرم ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دے یا گلے میں رسّی ڈال کر مُردہ جانوروں کی طرح مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتا پھرے۔ اس پس منظر کو ذہن میں رکھیں تو آیت زیر مطالعہ کے الفاظ کا مفہوم یوں ہوگا کہ کیا بربریت کا یہ بازار گرم کرنے والے درندوں

(۱) رواہ البیھقی فی شعب الایمان:۶/۲۰۲۸۔عن عبداللّٰہ بن مسعود وانس بن مالک رضی اللہ عنہما۔

نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں؟ کیا ابوجہل اور اُمیہ بن خلف کو خوش فہمی ہے کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا! انہیں اس سب کچھ کا حساب دینا ہوگا۔ وہ وقت دور نہیں جب بہت جلد یہ پانسہ پلٹ جائے گا اور انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ چند ہی سال بعد غزوۂ بدر میں کفر اور ظلم کے بڑے بڑے علم برداروں کا حساب چکا دیا گیا۔ میدانِ بدر میں ہی امیہ بن خلف کو بھی مکافاتِ عمل کے بے رحم شکنجے میں جکڑ کر حضرت بلالؓ کے قدموں میں ڈال دیا گیا۔ اُس وقت اگرچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کوشش بھی کی کہ وہ اُمیہ کو قتل ہونے سے بچالیں اور اسے قیدی بنالیں لیکن حضرت بلالؓ نے اسے جہنم رسید کر کے ہی چھوڑا: ﴿اِنَّ بَطۡشَ رَبِّكَ لَشَدِيۡدٌ ؕ﴾ (البروج) ''بلاشبہ آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے!'' دراصل مکہ میں بارہ سال تک ایک خاص حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کو ہاتھ باندھے رکھنے، ہر طرح کا ظلم برداشت کرنے اور استطاعت کے باوجود بھی بدلہ نہ لینے کا حکم دیا گیا تھا۔ گویا تحریک کے اس مرحلے میں انہیں ظلم سہنے اور سخت سے سخت حالات میں عزم و استقلال کے ساتھ اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تربیت کے عمل سے گزارا جا رہا تھا۔ اور ان خطوط پر مکمل تربیت اور تیاری سے قبل انہیں عملی طور پر تصادم کا میدان گرم کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ حکمت عملی دراصل تحریکی و انقلابی جدوجہد کے فلسفے کا ایک اہم اور لازمی اصول ہے۔ علامہ اقبال نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

بعد میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق سورۃ الحج کی آیت ۳۹ کے اس حکم کے تحت اہل ایمان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے گئے: ﴿اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ﴾ ''اب اجازت دی جا رہی ہے (قتال کی) ان لوگوں کو جن پر جنگ مسلط کر دی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔''

آیت ۵ ﴿مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ﴾ ''جو کوئی بھی اللہ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو (اسے یقین رکھنا چاہیے کہ) یقیناً اللہ کا معیّن کردہ وقت آ کر رہے گا۔''

یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر ایک بندۂ مؤمن دنیا میں اپنا تن من دھن اُس کی راہ میں کھپا دے گا تو اُس کی اس قربانی کا صلہ اسے آخرت کی نعمتوں کی صورت میں دیا جائے گا۔ لیکن اللہ کا یہ وعدہ بہر حال ادھار کا وعدہ ہے۔ دوسری طرف دنیا کے ظاہری معاملات کو دیکھتے ہوئے انسان ''نو نقد نہ تیرہ ادھار'' کے اصول پر زیادہ اطمینان محسوس کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے دل میں وسوسے ڈال کر اس کے یقین کو متزلزل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ اسی حوالے سے یہاں حضرت بلال، حضرت ابوفکیہہ اور حضرت خباب جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کی قائم کردہ مثالوں کی قیامت تک کے لیے پیروی کرنے والے جاں نثاروں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اے شمع توحید کے پروانو! شیطان تمہارے دلوں میں کسی قسم کا وسوسہ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہونے پائے، تم اطمینان رکھو! تمہارے ساتھ کیے گئے اللہ کے تمام وعدے ضرور پورے ہوں گے اور آخرت کا وہ دن ضرور آ کر رہے گا جس دن تمہاری تمام قربانیوں کا بھرپور صلہ تمہیں دیا جائے گا۔

﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ⑤﴾ ''اور وہ سب کچھ سننے والا' ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''
وہ تمہارے حالات سے بخوبی آگاہ ہے' تمہاری کوئی تکلیف اور کوئی قربانی اس کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے ---- اب اگلی آیت میں پھر سرزنش کا انداز ہے:

آیت ۶ ﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ⑥﴾ ''اور جو کوئی بھی جہاد کرتا ہے تو وہ اپنے (ہی فائدے کے) لیے جہاد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔''

دیکھو! تم میں سے جو کوئی اللہ کی راہ میں جدوجہد کر رہا ہے' اس کے لیے تکلیفیں اٹھا رہا ہے اور ایثار کر رہا ہے تو یہ سب کچھ وہ اپنے لیے کر رہا ہے' اس کا فائدہ بھی اسی کو ملنے والا ہے۔ وہ اپنے ان اعمال کا اللہ ﷻ پر احسان نہ دھرے۔ اللہ کو ان چیزوں کی کوئی احتیاج نہیں۔ وہ ان چیزوں سے بہت بلند اور بے نیاز ہے۔ سورۃ الحجرات میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدٰىكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ⑰﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے۔ آپ کہہ دیجیے کہ تم لوگ اپنے اسلام کا مجھ پر احسان مت دھرو' بلکہ یہ تو تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی' اگر تم (اپنے ایمان کے دعوے میں) سچے ہو۔''

منّت مِنہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت!

یعنی تم بادشاہ پر احسان مت دھرو کہ تم اس کی خدمت کر رہے ہو' بلکہ تم اس سلسلے میں بادشاہ کا احسان پہچانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کا موقع فراہم کیا ہے۔

نوٹ کیجیے ان آیات کے مندرجات انسانی دل و دماغ کے احساسات و خیالات سے کس قدر مطابقت رکھتے ہیں ---- اب اگلی آیت میں پھر دلجوئی کا انداز ہے۔ گویا پہلے رکوع میں ترہیب کا رنگ بھی ہے اور ترغیب کا انداز بھی اور یہ دونوں مضامین پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ آغاز سرزنش سے ہوا تھا' پھر دلجوئی فرمائی گئی' اس کے بعد پھر سرزنش اور اب پھر دلجوئی:

آیت ۷ ﴿وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہم لازماً دور کر دیں گے اُن سے اُن کی برائیاں''

جو لوگ ایمان لانے کے بعد ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے اور اس رستے میں آنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے ہم ان کے دامن پر سے گناہوں کے چھوٹے موٹے داغ دھبے دور کر دیں گے۔

﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑦﴾ ''اور ہم لازماً اُن کو بہترین بدلہ دیں گے ان کے اعمال کا۔''

زیر مطالعہ رکوع کے مضمون کی اہمیت کا اندازہ اس پہلو سے بھی لگائیں کہ ان آیات میں لام مفتوح اور نون مشدّد کی تکرار ہے۔ یعنی جابجا انتہائی تاکید کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ آیت ۳ میں دو مرتبہ یہی تاکید کا صیغہ آیا ہے:

﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۝۶﴾ جبکہ زیر مطالعہ آیت میں بھی دونوں باتوں میں تاکید کا وہی انداز پایا جاتا ہے۔

آیت ۸ ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ﴾ ''اور ہم نے ہدایت کی ہے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی۔''

مکہ کے مذکورہ حالات میں اسلام قبول کرنے والے بہت سے نوجوانوں کے لیے اپنے والدین کے ساتھ تعلقات کے بارے میں بھی ایک بہت سنجیدہ مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طرف قرآن کی یہ ہدایت تھی کہ انسان اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور ان کی نافرمانی نہ کرے۔ دوسری طرف ایمان لانے والے بہت سے نوجوان عملی طور پر اپنے والدین سے بغاوت کے مرتکب ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایسے تمام نوجوان اخلاقی اور جذباتی طور پر شدید دباؤ کا شکار تھے۔ مشرک والدین کا ان سے تقاضا تھا کہ تم ہماری اولاد ہو، ہم نے پال پوس کر تمہیں بڑا کیا ہے، لہٰذا تم پر لازم ہے کہ ہمارا حکم مانو اور محمد (ﷺ) سے تعلق توڑ کر اپنے مذہب پر واپس آ جاؤ۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا معاملہ تھا۔ آپؓ کے والد فوت ہو چکے تھے۔ والدہ نے انہیں بہت ناز و نعم سے پالا تھا۔ آپؓ بہت سلیم الفطرت اور شریف النفس نوجوان تھے اور اپنی والدہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپؓ کے ایمان لانے پر آپؓ کی والدہ نے ''مَرن برت'' رکھ لیا اور قسم کھالی کہ اگر اس کا بیٹا اپنے والد کے دین پر واپس نہ آیا تو وہ بھوکی پیاسی رہ کر خود کو ہلاک کر لے گی۔ تصور کریں کہ ماں بھوک اور پیاس سے مر رہی ہے اور بیٹا اس کی اس حالت کو بے چارگی سے دیکھ رہا ہے۔ ایک فرمانبردار بیٹے کے لیے یہ کس قدر سخت امتحان تھا! چنانچہ یہ سوال بہت اہم تھا کہ ایسے نوجوان ان حالات میں کیا کریں؟ ایک طرف والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ قرآن میں متعدد مقامات پر (البقرۃ: ۸۳، النساء: ۳۶، الانعام: ۱۵۱، بنی اسرائیل: ۲۳، لقمان: ۱۴) اللہ تعالیٰ نے اپنے حق عبادت کا ذکر کرنے کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے۔ دوسری طرف مشرک والدین کا یہ اصرار کہ ان کی اولاد ان کی فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر واپس ان کے دین پر آ جائے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اس نازک مسئلہ کے بارے میں راہنمائی فرمائی گئی ہے:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ﴾ ''اور اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شریک ٹھہراؤ ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں تمہیں کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مانو۔''

نوٹ کیجیے یہاں ''جہاد'' کا لفظ مشرک والدین کی اس ''کوشش'' کے لیے استعمال ہوا ہے جو وہ اپنی اولاد کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے کر سکتے تھے۔ گویا یہاں یہ لفظ اپنے خالص لغوی معنی (جدوجہد کرنا، کوشش کرنا) میں آیا ہے۔

اس آیت میں بہت واضح انداز میں اولاد کے لیے والدین کی فرمانبرداری کی ''حد'' (limit) بتا دی گئی کہ والدین کے حقوق بہرحال اللہ کے حقوق کے بعد ہیں۔ یعنی اللہ کا حق، اس کا حکم اور اس کے دین کا تقاضا ہر صورت میں والدین کے حقوق اور ان کی مرضی پر فائق رہے گا۔ لہٰذا کسی نوجوان کے والدین اگر اسے کفر و شرک

پر مجبور کر رہے ہوں تو وہ ان کا یہ مطالبہ مت مانے۔ البتہ اس صورت میں بھی نہ تو وہ ان کے ساتھ بدتمیزی کرے اور نہ ہی سینہ تان کر جواب دے‘ بلکہ ادب سے انہیں سمجھائے کہ ان کا یہ حکم ماننا اس کے لیے ممکن نہیں‘ اس لیے اس کی درخواست ہے کہ وہ اس کے لیے اس پر دباؤ نہ ڈالیں۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک والد کے ساتھ مکالمہ (سورۂ مریم‘ آیات ۴۲ تا ۴۵) اس حکمت عملی کی بہترین مثال ہے۔ اس مکالمے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپؑ اپنے والد کو بار بار یٰاَبَتِ‘ یٰاَبَتِ (ابا جان! ابا جان!) کے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ والدین کے حقوق کے حوالے سے یہ مضمون سورۂ لقمان میں زیادہ وضاحت سے بیان ہوا ہے۔

﴿اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۸﴾ ”میری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے‘ پھر میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

آیت ۹ ﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّہُمۡ فِی الصّٰلِحِیۡنَ ۝۹﴾ ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ہم انہیں لازماً داخل کریں گے صالحین میں۔“

نیک اہل ایمان کو صالحین کے گروہ میں شامل کرنے کا یہ وعدہ دنیا کے لیے بھی ہے اور آخرت کے لیے بھی۔ اس مژدۂ جانفزا کے مفہوم کو بھی مکہ کے مذکورہ حالات کے پس منظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے‘ جہاں اہلِ ایمان اپنے پیاروں سے کٹ رہے تھے‘ والدین اپنے جگر گوشوں کو چھوڑنے پر مجبور تھے‘ اولاد والدین کی شفقت و محبت سے محروم ہو رہی تھی اور بھائی بھائیوں سے جدا ہو رہے تھے۔ جیسے سردارِ قریش عتبہ بن ربیعہ کے بڑے بیٹے حذیفہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے جبکہ چھوٹا بیٹا ولید کافر ہی رہا۔ (عتبہ اور اس کا بیٹا ولید غزوۂ بدر میں سب سے پہلے مارے جانے والوں میں سے تھے۔) اگر انسانی سطح پر دیکھا جائے تو حضرت حذیفہؓ کے لیے یہ بہت کڑا امتحان تھا۔ بہرحال جو صحابہؓ اس آزمائش اور امتحان سے دوچار ہوئے انہوں نے غیر معمولی حوصلے اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن آخر تو وہ انسان تھے‘ اندر سے ان کے دل زخمی تھے اور ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آیت زیرنظر کو اس سیاق وسباق میں پڑھا جائے تو اس کا مفہوم یوں ہوگا کہ اے میرے جاں نثار بندو! اگر تم لوگ مجھ پر اور میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اپنے والدین‘ بھائی بہنوں اور عزیز رشتہ داروں سے کٹ چکے ہو تو رنجیدہ مت ہونا۔ دوسری طرف ہم نے تمہارے لیے نبی رحمت اور اہل ایمان کے گروہ کی صورت میں نئی محبتوں اور لازوال رفاقتوں کا بندوبست کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں تمہارے لیے ایک نئی برادری تشکیل پا رہی ہے جس کی بنیاد ایک مضبوط نظریے پر رکھی گئی ہے۔ اب تم لوگ اس نئی برادری کے رکن بن کر ہمارے برگزیدہ بندوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو‘ جہاں رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو اپنے سینے سے لگانے کے لیے منتظر ہیں اور جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت تم لوگوں پر اپنی محبت وشفقت کے جذبات نچھاور کرنے کو بے قرار ہیں۔ اس حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بار بار یاد دہانی کرائی جا رہی ہے (سورۃ الحجر: ۸۸ اور سورۃ الشعراء: ۲۱۵) کہ مؤمنین کے لیے آپؐ اپنے کندھوں کو جھکا کر رکھیے اور ان کے ساتھ محبت و رأفت کا معاملہ کیجیے۔

دوسری طرف صالحین کے گروہ میں شمولیت کی اس خوشخبری کا تعلق آخرت سے بھی ہے' جس کا واضح تر اظہار سورۃ النساء کی اس آیت میں نظر آتا ہے: ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ''اور جو کوئی اطاعت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تو ایسے لوگوں کو معیت حاصل ہوگی ان لوگوں کی جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی انبیاء کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ لوگ رفاقت کے لیے!''

آیت ۱۰ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر' مگر جب انہیں اللہ کی راہ میں ایذا پہنچائی جاتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کی مانند سمجھ لیتے ہیں۔''

یعنی لوگوں کی طرف سے ڈالی گئی آزمائش سے ایسے گھبرا جاتے ہیں جیسے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گیا ہو۔ یہاں یہ نکتہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ آیت مکہ میں اُس وقت نازل ہوئی جب اسلام میں منافقت کا شائبہ تک نہ تھا' بلکہ یہ وہ وقت تھا جب کلمہ توحید کا اقرار کرنے والے ہر شخص پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں جو کوئی بھی اسلام قبول کرتا تھا اس کے ایمان میں کسی شک وشبہ کا امکان نہیں تھا۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ سب لوگوں کی طبیعتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں اور جذبۂ بہادری' استقامت وغیرہ میں سب انسان برابر نہیں ہوتے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں اسی حوالے سے ایک ایسے کردار کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان تو پورے خلوص سے لایا ہے مگر اس راستے کی مشکلات اور آزمائشوں کو جھیلنے کا حوصلہ اس میں نہیں ہے۔

﴿وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ کے رب کی طرف سے مدد آجائے''

﴿لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ﴾ ''یہ ضرور کہیں گے کہ ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہی تو تھے۔''

جب صورتِ حال تبدیل ہو جائے گی اور دین کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دینے والوں کو اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے ہم کنار کرے گا تو اس کردار کے لوگ فتح کے ثمرات میں حصہ دار بننے کے لیے آموجود ہوں گے کہ ہم تو دل سے آپ ہی کے ساتھ تھے۔ گویا یہ وہی کردار ہے جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کے آغاز میں بھی ہوا ہے اور سورۃ الحج کی اس آیت میں اس کی نفسیاتی کیفیت کو مزید واضح کر دیا گیا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ڗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ (الحج) ''اور لوگوں میں سے کوئی وہ بھی ہے جو اللہ کی عبادت کرتا ہے کنارے پر رہ کر۔ پھر اگر اسے کوئی فائدہ پہنچے تو اس کے ساتھ مطمئن رہے' اور اگر اسے کوئی آزمائش آجائے تو منہ کے بل الٹا پھر جائے۔ وہ دنیا میں بھی خسارے میں رہا اور آخرت میں بھی۔ یہی ہے واضح خسارہ۔''

﴿اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''تو کیا اللہ بخوبی واقف نہیں ہے اس سے جو جہان والوں کے سینوں میں مضمر ہے؟''

آیت ۱۱ ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ ''اور یقیناً اللہ ظاہر کر کے رہے گا

سچے اہل ایمان کو بھی اور ظاہر کر کے رہے گا منافقین کو بھی۔''

یعنی ابھی اس مرض کی ابتدا ہے۔ اگر تم لوگ nip the evil in the bud کے مصداق ابھی سے اس کا علاج کر لو گے تو بچ جاؤ گے۔ منافقت کا مرض ٹی بی کے مرض کی طرح ہے جو انفیکشن سے شروع ہوتا ہے اور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا لاعلاج روگ بن جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی تم لوگوں کو اس مرض کی انفیکشن ہوئی ہے۔ اگر ابھی تم نے اس کے تدارک کی فکر نہ کی اور یہ روگ ابتدائی مرحلے سے آگے بڑھ گیا تو مہلک اور لاعلاج مرض (باقاعدہ منافقت) کی شکل اختیار کر جائے گا۔

اس آیت کے حوالے سے ایک خصوصی نکتہ یاد رکھنے کا یہ ہے کہ مکی قرآن کا یہ واحد مقام ہے جہاں لفظ ''منافق'' آیا ہے۔ سورۃ الحج کی مذکورہ بالا آیت میں بھی منافقانہ کردار کا ذکر ہوا ہے' لیکن ''منافق'' کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔

آیت ۱۲ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ﴾ ''اور یہ کافر کہتے ہیں اہل ایمان سے کہ تم ہمارے راستے کی پیروی کرو' ہم (آخرت میں) تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھا لیں گے۔''

اس آیت میں مکہ کے ماحول میں ایمان لانے والے نوجوانوں کے تیسرے اہم مسئلے کی نشاندہی ملتی ہے۔ یعنی رشتوں کے کٹنے اور کہیں کہیں حوصلے کی کمزوری کے اظہار کے علاوہ ایک سنجیدہ مسئلہ یہ بھی تھا کہ قبیلے کے بڑے بوڑھے ناصحانہ انداز میں نوجوانوں کو سمجھانے بیٹھ جاتے تھے کہ دیکھو برخوردار! تم نوجوان ہو' باصلاحیت ہو' خاندانی کاروبار کے وارث ہو' ایک مثالی کیریئر اور روشن مستقبل تمہارے سامنے ہے۔ مگر تم جذبات میں آ کر ایک ایسا راستہ اپنانے جا رہے ہو جس میں مشکلات' پریشانیوں اور افلاس کے سوا تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ہماری طرف دیکھو! ہم نے اس دنیا میں ایک عمر گزاری ہے' ہم نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے' ہم زندگی کے نشیب و فراز اور نفع و نقصان کے تمام پہلوؤں کو خوب پہچانتے ہیں۔ اس نئے دین کی باتیں ہم نے بھی سنی ہیں' مگر ہم ان کو سن کر جذباتی نہیں ہوئے۔ ہم نے پوری سمجھ بوجھ سے ان باتوں کا تجزیہ کیا ہے اور پھر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہمارا فائدہ اپنے پرانے طریقے اور اپنے باپ دادا کے دین کی پیروی میں ہی ہے۔ للہٰذا تم ہماری بات مانو اور اپنے پرانے طریقے پر واپس آ جاؤ۔ رہی بات آخرت کے احتساب کی تو اس کی ذمہ داری تمہاری طرف سے ہم اٹھاتے ہیں۔ وہاں اگر کوئی سزا ہوئی تو وہ تمہاری جگہ ہم بھگت لیں گے۔

﴿وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫﴾ ''اور وہ نہیں اٹھانے والے ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی۔ یقیناً وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔''

آیت ۱۳ ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ﴾ ''البتہ وہ لازماً اٹھائیں گے اپنے بوجھ بھی اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے بوجھ بھی۔''

یعنی آخرت میں یہ لوگ صرف اپنی گمراہی کی سزا ہی نہیں بھگت رہے ہوں گے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کا خمیازہ بھی انہیں بھگتنا ہوگا۔ لیکن اے اہل ایمان! اگر تم میں سے کوئی خطا کرے گا تو اس کے لیے وہ خود ہی جوابدہ ہوگا۔ تمہاری کسی خطا کا بوجھ یہ لوگ نہیں اٹھا سکیں گے۔

﴿وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣﴾﴾ ''اور ان سے لازماً باز پرس ہوگی قیامت کے دن اس کے بارے میں جو جھوٹ یہ گھڑ رہے ہیں۔''

اس آیت میں تاکید کا پھر وہی انداز ہے (لام مفتوح اور نون مشدّد) جو اس سے پہلے آیات ۳، ۷ اور ۱۱ میں آ چکا ہے۔ یعنی قیامت کے دن دوسروں کی خطاؤں کا بوجھ اٹھانے کا یہ دعویٰ ان کا خود ساختہ جھوٹ ہے اور اس دن اپنی اس افترا پردازی کا بھی انہیں حساب دینا پڑے گا۔ اس سلسلے میں اللہ کا اٹل فیصلہ اور قانون بہر حال یہ ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ﴾ (الاسراء: ۱۵) کہ اس دن کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔

اس سورت کی ابتدائی بارہ آیات (پہلی آیت حروفِ مقطعات پر مشتمل ہے) اپنے مضمون کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ چنانچہ کسی بھی دینی انقلابی تحریک کے کارکنوں کو چاہیے کہ ان آیات کو حرزِ جان بنا لیں اور ان میں درج ہدایات و فرمودات کو اپنے قلوب و اذہان میں پتھر پر لکیر کی مانند کندہ کر لیں۔

آیات ۱۴ تا ۴۴

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ
الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٥﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ
اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ
رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٧﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ
كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿١٨﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ
الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ۚ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ
وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾ۧ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۗىِٕهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ يَىِٕسُوْا ع ۹ ۱۴
مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ
حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ
وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ۙ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ

مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۶ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ
النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ
لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ
الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ڏ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۹ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَي الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۳۰ ع ٣ ٨ ١٥
وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا
ظٰلِمِيْنَ ۝۳۱ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۡ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۤ
كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲ وَلَمَّآ اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا
تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۳ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي
اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۴ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ۝۳۵ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۳۶ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۳۷
وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۣ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝۳۸ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۣ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ مُّوْسٰي
بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝۳۹ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰ مَثَلُ
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ښ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ
الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ
شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴۲ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳
خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴ ع ٣ ١٤ ١٦

یہاں سے سورت کے دوسرے حصے کا آغاز ہو رہا ہے۔ یہ حصہ تین رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس میں بنیادی طور پر انباء الرسل کا مضمون ہے، لیکن وقفے وقفے سے بین السطور میں مکے کے ماحول میں جاری کش مکش کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔ اس کے بعد آخری تین رکوعوں پر مشتمل اس سورت کے آخری حصے میں مشرکین اور اہل ایمان سے خطاب ہے۔ یہ دونوں موضوعات سورت کے آخری حصے میں یوں متوازی چلتے نظر آتے ہیں جیسے

ایک رسی کی دو ڈوریاں آپس میں گندھی ہوئی ہوں۔ ان میں سے کبھی ایک ڈوری نمایاں ہوتی نظر آتی ہے تو کبھی دوسری۔ سورت کے اس حصے میں اہل ایمان سے خطاب کے دوران انہیں دس اہم ہدایات بھی دی گئی ہیں جو غلبۂ دین کی جدّوجُہد کرنے اور اس راستے میں مصائب و مشکلات برداشت کرنے والے مجاہدین کے لیے رہتی دنیا تک گویا مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

آیت ۱۴ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾ ’’اور ہم نے بھیجا تھا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف تو وہ رہا ان کے مابین پچاس برس کم ایک ہزار برس۔‘‘

یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان ساڑھے نو سو سال تک رہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں متعدد بار آچکا ہے لیکن یہ بات اور کہیں نہیں کہی گئی کہ انہوں نے ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ اپنی قوم کے ساتھ گزارا۔ اگر ہم مکہ کے ان حالات کا نقشہ ذہن میں رکھیں جن حالات میں یہ سورت نازل ہوئی تھی اور پہلے رکوع کا مضمون بھی مدّنظر رکھیں تو حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور جدّوجہد کے ساڑھے نو سو سال کے ذکر کی وجہ صاف نظر آجاتی ہے اور بین السطور میں یہاں جو پیغام دیا جارہا ہے وہ اقبال کے الفاظ میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے: ؎

یہ موجِ پریشاں خاطر کو پیغام لبِ ساحل نے دیا
ہے دُور وصالِ بحر ابھی' تو دریا میں گھبرا بھی گئی!

کہ اے مسلمانو! ابھی تو چند برس میں ہی گھبرا گئے ہو۔ ذرا ہمارے بندے نوح علیہ السلام کی صدیوں پر محیط جاں گسل جدوجہد کا تصور کرو اور پھر ان کے صبر و استقامت کا اندازہ کرو! چنانچہ تم لوگوں کو اس راستے میں مزید امتحانات کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے: ؎

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں! (اقبال)

سورۃ الانعام میں اسی حوالے سے محمد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ’’اور آپؐ سے پہلے بھی رسولوںؑ کو جھٹلایا گیا' تو انہوں نے اس تکذیب پر صبر کیا' اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ان تک ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور (دیکھئے اے نبی ﷺ!) اللہ کے ان کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں' اور آپؐ کے پاس رسولوںؑ کی خبریں تو آہی چکی ہیں۔‘‘

﴿فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ ’’تو ان کو آپکڑا طوفان نے اور وہ ظالم تھے۔‘‘

آیت ۱۵ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ’’تو ہم نے بچالیا اُس (نوحؑ) کو اور کشتی والوں کو' اور اسے بنا دیا ہم نے تمام جہان والوں کے لیے ایک نشانی۔‘‘

آیت ۱۶ ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ﴾ ’’اور ابراہیمؑ کو (بھی رسول بنا کر بھیجا) جب اُس نے کہا اپنی قوم سے کہ اللہ کی بندگی کرو اور اُس کا تقویٰ اختیار کرو۔‘‘

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑯﴾ ''یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔''

آیت ۱۷ ﴿اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ﴾ ''جن کو تم پوج رہے ہو اللہ کو چھوڑ کر یہ تو محض بُت ہیں، اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔''

یہ جو تم نے بُت اور ان کے استھان بنائے ہوئے ہیں یہ محض تمہارا افترا ہے۔ اس سب کچھ کی کہیں کوئی سند نہیں ہے، نہ عقلی طور پر اور نہ ہی اللہ کی نازل کردہ کسی کتاب میں!

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾ ''جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا وہ تمہیں رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے، پس تم اللہ ہی کے پاس رزق کے طالب بنو۔''

اللہ ہی سے رزق مانگو، اُسی سے مشکل کشائی کی درخواست کرو اور اُسی کو حاجت روائی کے لیے پکارو۔

﴿وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰﴾ ''اور اُسی کی بندگی کرو اور اُسی کا شکر ادا کرو۔ اُسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ذکر ابھی مزید جاری رہے گا مگر یہاں درمیان میں اچانک ایک طویل جملہ معترضہ آ گیا ہے جس کے تحت خطاب کا رخ پھر سے اس کش مکش کی طرف موڑا جا رہا ہے جو مکہ میں حضور ﷺ اور مشرکین کے درمیان جاری تھی۔ چنانچہ اگلی آیت میں براہِ راست مشرکین مکہ سے خطاب ہے:

آیت ۱۸ ﴿وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر تم جھٹلا رہے ہو تو (یاد رکھو کہ) تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں۔''

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱﴾ ''اور رسول پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے صاف صاف پہنچا دینے کے۔''

آیت ۱۹ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ کس طرح اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ پیدا کرے گا!''

﴿اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑲﴾ ''یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔''

آیت ۲۰ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ﴾ ''ان سے کہیے کہ ذرا گھومو پھرو زمین میں اور دیکھو کس طرح اللہ نے پہلی بار پیدا کیا، پھر اللہ ہی اٹھاتا ہے (یا اٹھائے گا) دوسری بار!''

مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنے کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے دنیا میں بھی چل رہا ہے۔ جیسے ایک فصل ختم ہوتی ہے تو دوسری پیدا ہو جاتی ہے اور وہ آخرت میں بھی انسانوں کو پھر سے زندہ کرے گا۔ یہ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳﴾ ''یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

آیت ۲۱ ﴿یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''وہ جسے چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا رحم فرمائے گا' اور اسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ۲۲ ﴿وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ﴾ ''اور تم اسے عاجز نہیں کر سکتے زمین میں اور نہ آسمان میں''

تم زمین یا آسمان میں کہیں بھی کسی بھی طریقے سے اس کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتے۔

﴿وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور نہیں ہے اللہ کے مقابلے میں کوئی تمہارا حمایتی اور نہ ہی کوئی مددگار۔''

عربی میں دُوْنَ کا لفظ بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عبارت کے سیاق وسباق سے پتا چلتا ہے کہ کس جگہ اس کے کون سے معنی مناسب ہیں۔ اس جگہ ''دُوْنِ اللّٰهِ'' کا بہتر مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔

آیت ۲۳ ﴿وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ﴾ ''اور جنہوں نے انکار کیا اللہ کی آیات کا اور اُس کی ملاقات کا''

﴿اُولٰٓئِکَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ وَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۳﴾﴾ ''یہی لوگ ہیں جو مایوس ہو چکے ہیں میری رحمت سے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۸ سے شروع ہونے والا جملہ معترضہ یہاں پر ختم ہوا۔ اب اگلی آیات میں پھر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے جس کا سلسلہ آیت ۱۷ سے منقطع ہو گیا تھا۔

آیت ۲۴ ﴿فَمَا کَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ﴾ ''تو کوئی جواب نہیں تھا اُس (ابراہیمؑ) کی قوم کا سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا: اسے قتل کر دو یا اس کو جلا دو!''

﴿فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''تو اللہ نے اُسے نجات دی آگ سے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

آیت ۲۵ ﴿وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ﴾ ''اور ابراہیمؑ نے کہا کہ تم لوگوں نے اللہ کے سوا جو بُت بنا رکھے ہیں یہ تو بس دنیا کی زندگی میں تمہاری آپس کی محبت کی وجہ سے ہے۔''

یہ بہت اہم بات ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ میں تمہیں متنبہ کر چکا ہوں کہ تم لوگ جن بُتوں کو پُوجتے ہو ان کی حقیقت کچھ نہیں ہے اور ان کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ میرے سمجھانے پر تم لوگ یہ بات سمجھ بھی چکے ہو۔ اس سلسلے میں حق تم لوگوں پر پوری طرح منکشف بھی ہو چکا ہے اور تمہارے دل اس بارے میں حق کی گواہی بھی دے چکے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود بھی تم لوگ اگر بُتوں کے ساتھ چمٹے ہوئے

ہو اور گمراہی کا راستہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو‘ تو اس کی اصل وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تم لوگ آپس کے تعلقات‘ آپس کی دوستیاں اور رشتہ داریاں نبھا رہے ہو۔ دراصل یہ وہ بنیادی عامل (factor) ہے جو ہر سطح پر لوگوں کے لیے حق کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہے۔ ایک معقول اور باشعور شخص کی تان بھی اکثر یہیں پر آ کر ٹوٹتی ہے کہ جی ہاں بات تو درست ہے‘ دل کو بھی لگتی ہے مگر کیا کریں مجبوری ہے! دوسری طرف برادری ہے‘ رشتہ داریاں ہیں‘ دوستیاں ہیں اور کاروبار کی شراکت داریاں ہیں۔ یہ سب کچھ کیسے چھوڑ دیں؟ سب سے ناتا کیسے توڑ لیں؟ زندہ رہنے کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔ انسان بھلا اکیلا کیسے زندگی گزار سکتا ہے‘ وغیرہ وغیرہ۔

یہ عصبیت ہر جگہ اور ہر دور میں اپنا رنگ دکھاتی ہے‘ حتیٰ کہ خالص دینی بنیادوں پر اٹھنے والی تحریکیں بھی اس کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ سب کچھ یکدم نہیں ہو جاتا بلکہ منفی عصبیت کے خطرناک جراثیم آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے کسی تحریک کی صفوں میں داخل ہوتے ہیں۔ فرض کریں کہ آغاز میں ایک تحریک کا نظریہ بالکل خلوص پر مبنی تھا۔ اس کے کارکنوں کی وابستگی بھی خالصتاً حق شناسی کی بنیاد پر تھی اور ان میں جدوجہد کا جذبہ بھی قابل رشک تھا‘ مگر پھر کسی موڑ پر کہیں کوئی غلطی ہوئی اور تحریک کسی غلط رخ پر مڑ گئی۔ عموماً ایسی غلطیوں کے نتائج فوری طور پر سامنے نہیں آتے‘ بلکہ کچھ عرصے تک تو کارکنوں کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ان کی تحریک غلط موڑ مڑ چکی ہے۔ لیکن جب اس غلطی کے نتائج واضح طور پر سامنے آنے لگتے ہیں اور کارکنوں کو معلوم بھی ہو جاتا ہے کہ وہ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو اس کے باوجود بھی ان کی اکثریت اس تحریک کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ ایسی صورت حال میں وہ لوگ محض ''عصبیت'' کی وجہ سے اس تحریک کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ غور سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ کسی بھی جماعت یا تنظیم کے اندر‘ خواہ وہ خالص دینی بنیادوں پر ہی کیوں نہ اٹھی ہو‘ کچھ دیر کے بعد شخصی تعلقات‘ باہمی رشتہ داریاں اور مشترکہ مادی مفادات بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا ''جماعتی عصبیت'' کے علاوہ چھوٹی چھوٹی دوسری عصبیتیں بھی اس کے حلقے کے اندر فعال ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ہر ایسی جماعت ایک فرقہ بن جاتی ہے۔

اس نکتے کو اس پہلو سے بھی سمجھنا چاہیے کہ اب نبوت ختم ہو گئی ہے اور قیامت تک دنیا میں کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے زمانے تک اس خلا کو پُر کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تین چیزوں کا اہتمام فرمایا ہے:

(۱) قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری کا اہتمام۔ جبکہ اس سے پہلے کسی کتاب کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی۔

(۲) ہر صدی میں ایک مجدد اٹھانے کا اہتمام۔ یہ مجدد دین کے بنیادی حقائق کو تازہ کیا کرے گا اور لوگوں کو دین کی ان حقیقی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا کرے گا جنہیں وہ بھول چکے ہوں گے۔

(۳) اس چیز کا اہتمام کہ ہر دور میں ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ قَائِمَةً بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ اَوْ خَالَفَھُمْ ......))(۱)

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب قولہ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق ......

''میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی۔ جو لوگ ان کو چھوڑ جائیں گے یا ان کی مخالفت کریں گے وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے......''

اب عملی طور پر کیا ہوتا ہے؟ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے فرض کریں کہ ایک مجدد پیدا ہوا' اس نے مختلف پہلوؤں سے جدوجہد کی' دینی تعلیمات کی تطہیر کر کے اصل حقائق لوگوں پر واضح کر دیے۔ حالات اور زمانے کی ضروریات اور ترجیحات کے مطابق دین کے مطالبات کی تشریح کر کے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ کچھ لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہو کر اس کے گرد جمع ہوئے۔ اعوان وانصار نے اپنا اپنا کردار ادا کیا اور ایک مضبوط جماعت قائم ہو گئی۔ ایسی کسی بھی جماعت کے ہراول دستے کے کارکن چونکہ علیٰ وجہ البصیرت اس میں شامل ہوتے ہیں اس لیے ان کی نظریاتی وابستگی خالص اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس جماعت میں عصبیت کا عنصر داخل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب اس کے بہت سے کارکنوں کی نظریاتی وابستگی کمزور ہوتے ہوتے برائے نام رہ جاتی ہے' لیکن وہ لوگ صرف اس لیے اس کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں کہ ان کے بزرگوں کا تعلق اس جماعت سے تھا۔ پھر تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے اس عصبیت کا دائرہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اتنے عرصے میں جماعت کے اندر مضبوط شخصی تعلقات پروان چڑھ چکے ہوتے ہیں' رشتہ داریاں بن چکی ہوتی ہیں' کاروباری شراکت داریاں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی ہوتی ہیں اور یوں یہ جماعت ایک معاشرتی حلقے یا فرقے کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اب اس کے کارکن اپنی اپنی ترجیحات اور اپنے اپنے مفادات کے تحت اس جماعت یا فرقے کے ساتھ خود کو وابستہ کیے رکھتے ہیں۔

تیسری نسل تک پہنچتے پہنچتے ہر جماعت میں اس خرابی کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اس حوالے سے سب سے بڑی حقیقت اور دلیل حضورﷺ کا یہ فرمان ہے: ((خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ))(۱) ''میری اُمت میں سب سے بہتر میرا دور ہے' پھر اس کے بعد والوں کا' پھر اس کے بعد والوں کا''۔ یعنی حضورﷺ نے خیر کے حوالے سے درجہ بدرجہ تین نسلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپؐ کا یہ فرمان اتنی بڑی حقیقت ہے کہ تین نسلوں کے بعد خود آپﷺ کی قائم کردہ جماعت کو بھی زوال آ گیا۔ اور جب حضورﷺ کی قائم کردہ جماعت بھی اس فطری عمل کے مطابق زوال کا شکار ہو گئی تو کوئی دوسری جماعت کیونکر اس کمزوری سے مبرا ہو سکتی ہے؟ چنانچہ تیسری نسل (ایک صدی) کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر کسی مجدد کو اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے اور وہ از سرِ نو انہی بنیادوں پر جدّوجہد کا آغاز کرتا ہے۔ اسی طرح یہ عمل قیامت تک کے زمانے تک تسلسل کے ساتھ چلتا رہے گا۔

چنانچہ آیت زیر مطالعہ کے حوالے سے ہر دور کے مخلص مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حق شناسی کے سلسلے میں خود کو ہر قسم کی عصبیت سے بالاتر رکھ کر پوری دیانت داری سے جائزہ لیتا رہے کہ اس کے دور میں اللہ نے دین کی

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب فضائل اصحاب النبیﷺ۔ وصحیح مسلم' کتاب فضائل الصحابة' باب فضل الصحابة ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔

سربلندی کا کام کس کے حوالے کیا ہے اور وہ کون سی جماعت یا شخصیت ہے جو درست انداز میں اس راہ میں جدّوجُہد کر رہی ہے۔ پھر جب وہ اس سلسلے میں کسی واضح اور ٹھوس نتیجے پر پہنچ جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے تعلقات و مفادات کو بالائے طاق رکھ کر اس شخصیت یا اس جماعت کا ساتھ دے جس کی جِدّوجُہد کا رخ اس کی سمجھ اور معلومات کے مطابق درست ہو۔

﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ ''پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے''

﴿وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴿۲۵﴾﴾ ''اور تم سب کا ٹھکانا آگ ہوگی اور (اس دن وہاں) تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔''

تمہاری یہ دوستیاں بس دنیا تک ہی محدود ہیں اور تمہارے یہ گٹھ جوڑ صرف یہیں پر تمہارے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ کل قیامت کے دن تمہارے یہ دوست اور رشتہ دار تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے۔ اپنے انجام کو دیکھتے ہوئے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو اس کا ذمہ دار ٹھہراؤ گے اور باہم ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجو گے۔ اس مشکل گھڑی میں تمہارا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوگا۔

آیت ۲۶ ﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾ ''تو لوطؑ اُس (ابراہیمؑ) پر ایمان لایا۔''

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

﴿وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴿۲۶﴾﴾ ''اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ یقیناً وہ زبردست ہے، کمال حکمت والا۔''

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کو چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپؑ کے پیچھے آپؑ کی قوم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ اس بارے میں قرآن سے ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ واللہ اعلم!

آیت ۲۷ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ ''اور ہم نے اسے اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا) عطا کیا''

﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ ''اور اُس کی نسل میں ہم نے رکھ دی نبوت اور کتاب''

نبوت اور کتاب کی یہ وراثت ایک طویل عرصے تک حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں رہی اور پھر آخری نبوت اور آخری کتاب کی سعادت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے حصے میں آئی۔ اس حوالے سے ایک اہم نکتہ نوٹ کر لیجیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد دنیا میں کوئی نبی یا رسول آپؑ کی نسل سے باہر نہیں آیا۔ لیکن آپؑ کی نسل دنیا میں کہاں کہاں پھیلی؟ اس بارے میں ہمیں قطعی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ تورات نے تو حضرت اسحاق علیہ السلام کے صرف ایک بیٹے یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل (بنی اسرائیل) کے بارے میں معلومات کو محفوظ کیا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے ایک جڑواں بھائی ''عیسوٗ'' کا ذکر بھی تاریخ میں ملتا ہے لیکن ان کی نسل کے بارے میں ہمیں

کچھ علم نہیں کہ وہ کہاں کہاں آباد ہوئی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی ''قطورہ'' سے بھی آپؑ کے بہت سے بیٹے تھے۔ ان میں سے آپؑ کے صرف ایک بیٹے کا تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے کہ وہ مدین میں آباد ہوئے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق ان ہی کی نسل سے تھا۔ لیکن ''بنی قطورہ'' میں سے باقی لوگ کدھر گئے کچھ معلوم نہیں۔

اس حوالے سے میرا خیال ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے عیسو کی اولاد میں سے کچھ لوگ ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے اور برہمن کہلوائے۔ میرے خیال میں یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسلی تعلق کی بنا پر خود کو ''براہم'' یا ''براہما'' کہلواتے تھے۔ بعد میں اسی براہم یا براہما کا لفظ ''برہمن'' بن گیا۔ واللہ اعلم! بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل دنیا میں کہاں کہاں پھیلی اور کس کس علاقے میں آباد ہوئی' یہ انسانی تاریخ کا ایک اہم لیکن گمنام باب ہے۔ آج ضرورت ہے کہ اعلیٰ پائے کا کوئی سکالر تحقیق کر کے اس موضوع کے گمنام گوشوں کو بے نقاب کرے۔

﴿وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۲۷﴾ ''اور ہم نے اسے دنیا میں بھی اس کا اجر عطا کیا' اور آخرت میں بھی وہ یقیناً ہمارے نیک بندوں میں سے ہوگا۔''

آیت ۲۸ ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۝۲۸﴾

''اور (ہم نے بھیجا) لوطؑ کو' جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کی۔''

حضرت لوط علیہ السلام کو عامورہ اور سدوم کے شہروں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ ان شہروں کے لوگ آپؑ کی قوم میں سے نہیں تھے' چنانچہ آیت زیر نظر میں انہیں مجازاً آپؑ کی قوم (قَوْمِهٖ) کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہی رہا ہے کہ کسی بھی قوم کی طرف رسول ہمیشہ اس قوم کے اندر سے مبعوث کیا جاتا رہا ہے۔ اس قاعدے اور قانون میں حضرت لوط علیہ السلام کے حوالے سے یہ واحد استثناء ہے اور یہ استثناء بھی دراصل اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا حصہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی بھی پیغمبر ہوگا وہ آپؑ کی قوم سے ہی ہوگا۔ یاد رہے کہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

آیت ۲۹ ﴿اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ۵﴾ ''کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس (شہوت رانی کے لیے) اور (فطری) راستہ منقطع کرتے ہو''

یعنی فطرت نے اس مقصد کے لیے مرد اور عورت کے ملاپ کا جو طریقہ رکھا ہے اور اسے اولاد پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا ہے' تم اس راہ کو کاٹ رہے ہو۔

﴿وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ﴾ ''اور یہ مذموم فعل تم اپنی مجلسوں کے اندر کرتے ہو!''

ان کی بے حیائی اور ڈھٹائی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اس گھناؤنے فعل کا ارتکاب کھلے عام اپنی مجالس کے اندر کیا کرتے تھے۔

﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۲۹﴾ ''تو

اس کی قوم کا کوئی جواب اس کے سوا نہیں تھا کہ انہوں نے کہا: تم لے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو!"

آیت ۳۰ ﴿قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ "اُس نے دعا کی: اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس مفسد قوم کے خلاف۔"

آیت ۳۱ ﴿وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ "اور جب ہمارے فرستادے ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر آئے"

قومِ لوط پر عذاب کی غرض سے جو فرشتے بھیجے گئے تھے وہ پہلے انسانی شکلوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے۔ ان فرشتوں نے پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی اور پھر اس کے بعد:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ "انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ یقیناً اس کے باسی بڑے ظالم ہیں۔"

آیت ۳۲ ﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ﴾ "ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس میں لوطؑ بھی تو ہے!"

﴿قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۡ﴾ "انہوں نے کہا کہ ہمیں خوب معلوم ہے کون کون اس میں ہے۔"

﴿لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ "ہم ضرور بچالیں گے اُسے بھی اور اُس کے گھر والوں کو بھی، سوائے اُس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گی۔"

آیت ۳۳ ﴿وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾ "اور جب ہمارے فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ اُن کی وجہ سے بہت پریشان اور دل تنگ ہوا"

حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کے روپ میں وارد ہوئے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم کے اخلاق و کردار سے واقف تھے۔

﴿وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ﴾ "انہوں نے کہا کہ آپؑ خوف نہ کھائیں اور نہ آپؑ رنجیدہ ہوں، ہم تو نجات دینے والے ہیں آپؑ کو بھی اور آپؑ کے اہلِ خانہ کو بھی"

﴿اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾ "سوائے آپؑ کی بیوی کے، وہ ہو گی پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔"

آیت ۳۴ ﴿اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ "ہم نازل کرنے والے ہیں اس بستی والوں پر ایک عذاب آسمان سے، بسبب اس فسق و فجور کے جو وہ کر رہے تھے۔"

آیت ۳۵ ﴿وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾ "اور ہم نے چھوڑ دی اس (بستی) میں سے ایک واضح نشانی ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔"

قومِ لوط کی بستی کے کھنڈرات قریش کی تجارتی شاہراہ پر موجود تھے' لہٰذا قرآن میں اہل مکہ کو بار بار مخاطب کر کے یاد دلایا گیا ہے کہ تم لوگ ان عذاب زدہ بستیوں کے کھنڈرات پر سے گزرتے ہو اور پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے ہو! اس کے علاوہ بحیرۂ مردار (جسے بحرِلوط بھی کہا جاتا ہے) بھی قومِ لوط کی بربادی کی کھلی نشانی ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۙ﴾ ''اور مدین کی طرف بھیجا ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو''

﴿فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ﴾ ''تو اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو''

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور زمین میں فساد مت مچاتے پھرو۔''

آیت ۳۷ ﴿فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''تو انہوں نے اسے جھٹلا دیا' چنانچہ انہیں آ پکڑا زلزلے نے' تو وہ رہ گئے اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے ہوئے۔''

آیت ۳۸ ﴿وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِھِمْ ۫﴾ ''اور عاد اور ثمود (کو بھی ہم نے ہلاک کیا) اور تم پر واضح ہو چکے ہیں ان کے مساکن۔''

تمہیں سب معلوم ہے کہ یہ قومیں کس کس علاقے میں کہاں کہاں آباد تھیں۔

﴿وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ﴾ ''اور شیطان نے مزین کر دیے تھے ان کے لیے ان کے (بُرے) اعمال''

شیطان کے زیر اثر انہیں اپنے مشرکانہ افعال و اعمال بہت خوش نما لگتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ وہ ان ہی میں مگن رہتے تھے۔

﴿فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''اور اس (شیطان) نے روک دیا تھا انہیں سیدھے راستے سے' حالانکہ وہ بہت سمجھ بوجھ والے تھے۔''

استبصار باب ''استفعال'' سے ہے۔ اس کے معنی بغور دیکھنا کے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ بڑے باریک بین تھے' ہر چیز کا مشاہدہ بڑی احتیاط سے کرتے تھے' بڑے ہوشیار اور دانشور قسم کے لوگ تھے' مگر اس کے باوجود انہیں راہِ راست سجھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ تضاد اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سمجھدار انسان اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتا ہے۔ آج کے سائنسدانوں ہی کی مثال لے لیجیے۔ آج یہ لوگ کیسی کیسی ایجادات کر رہے ہیں۔ کائنات کے کیسے کیسے حقائق تک آج ان کی رسائی ہے۔ اربوں' کھربوں نوری سالوں کی دوری پر نئے نئے ستاروں کو دریافت کر رہے ہیں۔ کیسے کیسے آلات کی مدد انہیں حاصل ہے اور ان آلات کے ذریعے کیسے کیسے مشاہدات ان کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کے ذہن خالقِ کائنات اور مدبرِ کائنات کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ ایک (مادی) آنکھ سے دیکھ رہے ہیں جبکہ ان کی دوسری (روحانی) آنکھ بالکل اندھی ہے۔ ایسے ہی سائنسدانوں اور دانشوروں کے بارے میں اقبال نے کہا تھا: ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا ـــــ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا!

یعنی یہ لوگ کائنات کے بڑے بڑے رازوں کی کھوج میں تو لگے ہوئے ہیں اور تحقیق کے اس میدان میں آئے روز نت نئی کامیابیوں کے جھنڈے بھی گاڑ رہے ہیں' لیکن ان میں سے کوئی اپنی ذات کے بارے میں جاننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ مجھے کہاں جانا ہے؟ میری اس زندگی کا مقصد و مآل کیا ہے؟ ان کے نزدیک تو زندگی بھی جانوروں کی طرح پیدا ہونے' کھانے پینے' نسل بڑھانے اور مر جانے کا نام ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ موت پر انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگر انسانی زندگی ان دانشوروں کے خیال میں یہی کچھ ہے تو پھر یہ واقعی ایک کھیل ہے۔ اور کھیل بھی بقول بہادر شاہ ظفر بس چار دن کا! ؎

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن — دو آرزو میں کٹ گئے' دو انتظار میں!

اس ''دانشورانہ'' نقطہ نظر کے مطابق جائزہ لیں تو انسانی زندگی کی تہی دامانی اور بے بضاعتی پر ترس آتا ہے۔ ماہ و سال کے اس میزانیہ میں سے کچھ وقت تو بچپنے کے بھولپن میں بیت گیا' کچھ لڑکپن کے کھیل کود اور شرارتوں میں۔ جوانی آئی تو سنجیدہ سوچ کی گویا بساط ہی الٹ گئی۔ جوانی کا خمار اترا اور ہوش سنبھالنے کی فرصت محسوس ہوئی تو بڑھاپے کی چاپ سنائی دینے لگی۔ اور اگر کوئی زیادہ سخت جان ثابت ہوا تو اسے ''ارذل العمر'' میں لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ☆ کے نوشتہ تقدیر کا سامنا کرنا پڑا — تو کیا یہی ہے انسان کی اس ''انمول'' زندگی کی حقیقت؟ کیا اسی کے بل پر انسان اشرف المخلوقات بنا تھا؟ اور کیا اسی برتے پر یہ مسجودِ ملائک ٹھہرا تھا؟ اور کیا: ؏ ''اِک ذرا ہوش میں آنے کے خطا کار ہیں ہم؟'' — نہیں' نہیں' ایسا ہرگز نہیں! انسانی زندگی اتنی ارزاں کیونکر ہو سکتی ہے؟ انسانی زندگی فقط پیدا ہونے' کھانے پینے اور چند سال زندہ رہنے کے دورانیے تک ہرگز محدود نہیں ہو سکتی! بلکہ یہ اس تصور سے بہت اعلیٰ اور بہت بالا ایک ابدی حقیقت ہے۔ بقول اقبال:

؎ تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ — جاوداں' پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی!

دراصل جس ''دورانیے'' کو یہ لوگ زندگی سمجھے بیٹھے ہیں وہ تو اصل زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ انسانی زندگی کا اصل اور بڑا حصہ تو وہ ہے جس کا آغاز انسان کی موت کے بعد ہونے والا ہے۔ اس دنیا کی زندگی تو انسان کے لیے محض ایک وقفہ امتحان ہے اور بس!

آیت ۳۹ ﴿وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۟﴾ ''اور (اسی طرح ہلاک کیا ہم نے) قارون' فرعون اور ہامان کو بھی۔''

﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''اور ان کے پاس آئے تھے موسیٰؑ واضح نشانیاں لے کر''

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝۳۹﴾ ''تو انہوں نے زمین میں تکبر کیا' لیکن وہ ہماری پکڑ سے بچ کر نکل جانے والے نہیں تھے۔''

آیت ۴۰ ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کو اُس کے گناہ کی پاداش میں پکڑا۔''

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ﴾ ''تو ان میں وہ بھی تھے جن پر ہم نے زوردار آندھی بھیجی۔''

☆ ''تاکہ کچھ بھی نہ جان سکے وہ جان لینے کے بعد!'' (النحل: ۷۰)

یہ آندھی قومِ لوطؑ پر بھی آئی تھی جو زلزلے سے تلپٹ ہو جانے والی بستیوں پر پتھراؤ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ اس سے پہلے قومِ عاد پر بھی آندھی کا عذاب آیا تھا' جس کا ذکر سورۃ الحاقہ میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝﴾ ''اور قومِ عاد کے لوگ ہلاک کیے گئے تیز آندھی سے' جوان پر مسلط کر دی گئی سات راتیں اور آٹھ دن تک' برباد کر دینے کے لیے' پس تو دیکھتا ان لوگوں کو جو گری ہوئی کھجوروں کے تنوں کی طرح پچھڑے پڑے تھے''۔ روایات میں آتا ہے کہ اس ہوا میں کنکر اور پتھر بھی تھے جو گولیوں اور میزائلوں کی طرح انہیں نشانہ بناتے تھے اور وہ آندھی اتنی زوردار تھی کہ انسانوں کو پٹخ پٹخ کر زمین پر پھینکتی تھی۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ﴾ ''اور ان میں وہ بھی تھے جنہیں چنگھاڑ نے آپکڑا۔''

اس سے قومِ ثمود کے لوگ اور اہل مدین مراد ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ﴾ ''اور ان میں وہ بھی تھے جنہیں ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔''

اس ضمن میں قارون کا ذکر سورۃ القصص میں گزر چکا ہے۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ﴾ ''اور وہ بھی تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا۔''

غرق کیے جانے کا عذاب دو قوموں پر علیحدہ علیحدہ طریقے سے آیا تھا۔ قومِ نوحؑ کو تو ان کے گھروں اور شہروں میں ہی غرق کر دیا گیا تھا' جبکہ فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو محلوں اور آبادیوں سے نکال کر سمندر میں لے جا کر غرق کیا گیا۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝٤٠﴾ ''اور اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا' بلکہ وہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''

آیت ۴۱ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ﴾ ''ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا کچھ حمایتی بنا رکھے ہیں ایسی ہے جیسے مکڑی کی مثال' جس نے ایک گھر بنایا۔''

اس تمثیل کے اعتبار سے یہ آیت سورت کے اس حصے کی بہت اہم آیت ہے۔ اس تمثیل میں اللہ کے سوا جن مددگاروں کا ذکر ہوا ہے وہ غیر مرئی بھی ہو سکتے ہیں' جیسے کوئی کہے کہ مجھے فلاں دیوی کی کرپا چاہیے یا کوئی کسی ولی اللہ کی نظر کرم کے سہارے کی بات کرے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہری و معنوی طاقت یا مادی وسائل کی بنیاد پر کوئی شخص کسی فرد' قوم یا چیز پر ایسا بھروسا کرے کہ وہ اللہ کے اختیار اور اس کی قدرت کو بھلا بیٹھے۔ جیسے ہم امریکہ کو اپنا پشت پناہ سمجھ کر اُس کی جھولی میں جا بیٹھتے ہیں۔ آیت زیر نظر میں ایسے تمام سہاروں کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر یہ حقیقت یاد دلائی گئی ہے کہ اصل اختیار اور قدرت و طاقت کا مالک اللہ ہے۔ اس کے سہارے اور اس کے توکّل کو چھوڑ کر کسی اور کا سہارا ڈھونڈنا گویا مکڑی کے گھر میں پناہ لینے کے مترادف ہے۔

﴿وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝٤١﴾ ''اور بے شک تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور گھر مکڑی ہی کا گھر ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!''

آیت ۴۲ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٤٢﴾ ''یقیناً اللہ

خوب جانتا ہے جس چیز کو بھی یہ لوگ اُس کے سوا پکارتے ہیں۔ اور وہ زبردست ہے، حکمت والا۔"

آیت ۴۳ ﴿وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ "اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے، لیکن انہیں نہیں سمجھتے مگر وہی لوگ جو علم والے ہیں۔"

آیت ۴۴ ﴿خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾﴾ "اللہ نے تخلیق کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ یقیناً اس میں عظیم نشانی ہے ایمان والوں کے لیے۔"

آیات ۴۵ تا ۶۹

الجزء الحادی والعشرون (۲۱)

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ
وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ
اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ وَاِلٰهُنَا
وَاِلٰهُکُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ
الْکِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا
کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ
بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ
اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَةً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع قُلْ کَفٰی ع۵ ۷
بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ
وَکَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّی
لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَیَاْتِیَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾ یَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ
جَهَنَّمَ لَمُحِیْطَةٌۢ بِالْکٰفِرِیْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ یَوْمَ یَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ
وَیَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۫ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ نِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِیْنَ ﴿۵۸﴾ ۖ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ
یَرْزُقُهَا وَاِیَّاکُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا
ع يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ
كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۥ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ
اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا
حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ
ع مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اب یہاں سے اس سورت کا آخری حصہ شروع ہو رہا ہے جو تین رکوعات پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ آغاز میں بتایا گیا ہے سورت کے اس حصے میں دو مضامین (مشرکینِ مکہ اور اہلِ ایمان سے خطاب) اس انداز میں متوازی چل رہے ہیں جیسے ایک رسّی کی دو لڑیاں آپس میں گندھی ہوئی ہوں۔ قرآن کے اس اسلوب کے بارے میں پہلے بھی کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ مدنی سورتوں میں اہل ایمان سے خطاب کے لیے عام طور پر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا صیغہ آیا ہے جبکہ مکی سورتوں میں اہل ایمان کو براہِ راست مخاطب کرنے کے بجائے عموماً رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ البتہ اس سورت کی آیت ۵۶ میں یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب بھی ہے۔ بہر حال آئندہ آیات میں اہل ایمان سے خطاب کے دوران ان لوگوں کو بہت اہم ہدایات دی گئی ہیں جو غلبۂ دین کی جدوجہد میں مصروف ہوں اور اس راستے میں مصائب و مشکلات کا سامنا کر رہے ہوں۔ ان ہدایات کی تعداد دس کے قریب ہے جن میں سے پہلی اور سو ہدایات کے برابر ایک ہدایت یہ ہے:

آیت ۴۵ ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ”تلاوت کرتے رہا کریں اُس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے“

سورۃ الکہف کی آیت ۲۷ میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے: ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی کتاب میں سے“۔ تقرب اِلی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ میں اہل ایمان کو قرآن سے چمٹ جانے کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾ ”اور مضبوطی سے تھام لو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو!“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث اس مضمون کو مزید واضح کرتی ہے:

((كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ)) (۱)

''کتاب اللہ ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔''

حضور ﷺ کے اس فرمان کے مطابق قرآن ہی ''حبل اللہ'' ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیت میں مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کی تلاوت کرنے اور اس کی تعلیم و تفہیم میں مشغول رہنے سے بندۂ مؤمن کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اللہ پر اس کے یقین اور توکل کی کیفیت میں پختگی آتی ہے۔ اسی سے ایک بندۂ مؤمن کو صبر واستقامت کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جو باطل کے مقابلے میں اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے''۔ چنانچہ راہِ حق کے مسافروں کو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی ہدایت یہی دی گئی ہے کہ قرآن کی تلاوت کو اپنے شبانہ روز کے معمول میں شامل رکھو! اس سے تمہارا تعلق مع اللہ مضبوط ہوگا اور پھر اسی تعلق کے سہارے حق و باطل کی کشاکش میں تمہیں استقامت نصیب ہوگی۔

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ﴾ ''اور نماز قائم کریں!''

اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر پہلی وحی میں ہی اس کی تاکید کردی گئی تھی: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴﴾ (طٰہٰ) ''اور نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔''

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ ''یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے''

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ﴾ ''اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔''

یہ گویا اوپر دی گئی پہلی ہدایت کے بارے میں مزید وضاحت ہے۔ تلاوتِ قرآن اور نماز دونوں اللہ کے ذکر ہی کے ذرائع ہیں، بلکہ قرآن کو تو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں ''الذِّکْر'' کا نام دیا ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾ ''یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔ جب کہ سورۂ طٰہٰ کی مذکورہ بالا آیت (آیت ۱۴) میں قیامِ نماز کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ نماز اللہ کے ذکر کے لیے قائم کرو۔ اس کے علاوہ ادعیہ ماثورہ بھی اللہ کے ذکر کا ذریعہ ہیں۔ حضور ﷺ نے ہمیں ہر عمل اور ہر موقع کی دعا سکھائی ہے۔ مثلاً گھر سے نکلنے کی دعا، گھر میں داخل ہونے کی دعا، بیت الخلاء میں جانے کی دعا، باہر آنے کی دعا، شیشہ دیکھنے کی دعا، کپڑے بدلنے کی دعا۔ یعنی ان دعاؤں کو زندگی کا معمول بنا لینے سے ہر لحظہ، ہر قدم اور ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے ذہن اور دل کا رشتہ قائم رہتا ہے۔ فرض نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ (۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر) اور دوسرے اذکار کا بھی احادیث میں ذکر ملتا ہے۔ گویا یہ سب اللہ کے ذکر کی مختلف شکلیں ہیں، لیکن سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ ذکر قرآن مجید کی تلاوت ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

(۱) الجامع الصغير للسيوطي، ح: ۶۲۲۰۔ السلسلة الصحيحة، ح: ۲۰۲۴۔

اے مسلمانو! یہ یقین اپنے دلوں میں پختہ کر لو کہ اللہ تمہاری ہر حرکت‘ ہر عمل بلکہ تمہارے خیالات اور تمہاری نیتوں تک سے باخبر ہے ـــــ اس کے بعد دوسری ہدایت:

آیت ۴۶ ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ڰ﴾ ”اور اہل کتاب سے جھگڑا مت کرو مگر بہترین طریقے سے“

ان کو دعوت دیتے ہوئے اچھے طریقے سے ان سے گفتگو کرو۔ تمہاری گفتگو میں نہ تو ان کی توہین کا انداز ہو اور نہ ہی ان کی عصبیتِ جاہلی کو بھڑکنے کا موقع ملتا ہو۔ بہرحال اپنا پیغام احسن طریقے سے ان تک پہنچا دو۔ اس کے بعد وہ اپنے نظریے اور عمل کے لیے اللہ کے ہاں خود ذمہ دار ہیں۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ ”سوائے اُن کے جو اُن میں سے ناانصافی پر تُل جائیں“

اس استثناء کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں غیر منصفانہ طرزِ عمل دکھانے والے افراد سے مجادلہ کرنے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے‘ اور دوسرے یہ کہ دورانِ گفتگو ایسے لوگوں کی ہٹ دھرمی کے سبب ان کے ساتھ کسی حد تک سخت رویہ اختیار کرنے کی بھی اجازت ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو اس کے ساتھ بحث و تمحیص میں یہ دونوں صورتیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ یعنی اس کا غیر منصفانہ رویہ دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ کچھ سخت جملوں کے تبادلے کی نوبت بھی آ سکتی ہے اور اس کے بعد مزید گفتگو کرنے سے اعراض بھی برتا جا سکتا ہے۔

﴿وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ ”اور (ان سے) کہیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اس پر بھی جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ لوگوں پر نازل کیا گیا“

﴿وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۴۶﴾ ”اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم تو اسی کے سامنے سر جھکا چکے ہیں۔“

آیت ۴۷ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے۔“

﴿فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ﴾ ”تو جن لوگوں کو ہم نے (اس سے پہلے) کتاب دی تھی وہ بھی اس پر ایمان لائیں گے۔“

یعنی یہود و نصاریٰ میں سے بھی ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہوئے اس پر ایمان لائیں گے۔ جیسا کہ قبل ازیں ہم سورۃ القصص کے چھٹے رکوع میں حبشہ سے مکہ آنے والے ان مسلمانوں کا ذکر پڑھ چکے ہیں جو پہلے عیسائی تھے‘ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغ سے حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے ہاں دوہرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔

﴿وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ﴾ ”اور ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی بہت سے لوگ اس پر ایمان

لا رہے ہیں۔‘‘

﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ’’اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے سوائے اُن لوگوں کے جو کفر پر اَڑ گئے ہیں۔‘‘

یہاں سے آگے اب دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے جس میں روئے سخن مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ ان لوگوں کے لیے یہاں نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی ایک اور دلیل بیان کی جا رہی ہے۔ سورت کے اس حصے میں ساتھ ساتھ چلنے والے دو موضوعات کو قبل ازیں رسی کی دو ڈوریوں سے تشبیہہ دی گئی تھی۔ اس ضمن میں یوں سمجھیں کہ اب کچھ دیر کے لیے دوسری ڈوری نمایاں ہو رہی ہے۔

آیت ۴۸ ﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) آپ تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی آپ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے لکھتے تھے (اگر ایسا ہوتا) تب تو یہ جھٹلانے والے ضرور شک کرتے۔‘‘

قرآن نازل ہونے سے پہلے تو آپ ﷺ ان لوگوں کو کوئی کتاب پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور نہ ہی آپؐ کوئی کتاب خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے‘ بلکہ دُنیوی اعتبار سے تو آپؐ نے نہ کوئی تعلیم حاصل کی ہے اور نہ ہی آپؐ نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ ہاں اگر ایسا ہوتا تو قرآن کو باطل قرار دینے والوں کے لیے اس کے بارے میں شک کی کچھ گنجائش پیدا ہو سکتی تھی کہ جی ہاں! یہ حضرت تو پرانے لکھاری ہیں‘ روز روز کی مشق سے قلم میں زور اور تحریر میں نکھار آتا گیا اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے قرآن جیسا بلند پایہ کلام لکھنا شروع کر دیا ہے۔

آیت ۴۹ ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ﴾ ’’بلکہ یہ تو روشن آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے۔‘‘

سابقہ الہامی کتابوں کا علم رکھنے والے لوگ قرآن کی آیات بینات کو خوب پہچانتے ہیں۔

﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ﴾ ’’اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو ظالم ہیں۔‘‘

آیت ۵۰ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ’’اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں نازل کی گئیں ان پر نشانیاں ان کے رب کی طرف سے؟‘‘

مشرکین مکہ آئے دن یہ مطالبہ دہراتے رہتے تھے کہ اگر آپؐ نبی ہیں تو آپؐ کو معجزات کیوں نہیں دیے گئے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بھی ان کا یہ مطالبہ تکرار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ﴾ ’’آپؐ کہیے کہ نشانیاں (نازل کرنے کے اختیارات) تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔‘‘

﴿وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ’’اور میں تو صرف واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔‘‘

آیت ۵۱ ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ’’کیا ان کے لیے یہ (نشانی) کافی

نہیں کہ ہم نے آپؐ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے!''

اگر یہ معجزہ کے منتظر ہیں تو انہیں قرآن جیسا عظیم الشان معجزہ کیوں نظر نہیں آتا؟ کیا ہم نے انہیں بار بار چیلنج نہیں کیا کہ اس جیسا کلام تم لوگ بھی بنا کر دکھاؤ؟ اور کیا یہ لوگ اس چیلنج کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہیں؟ اگر کوئی شخص واقعی حق اور ہدایت کا طالب ہو تو اس کے لیے یہی ایک معجزہ کافی ہے۔

﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾﴾ ''یقیناً اس میں رحمت اور یاددہانی ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

آیت ۵۲ ﴿قُلۡ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ شَہِیۡدًا ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے بطورِ گواہ۔''

وہ خوب جانتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے' اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے قرآن جیسا بصیرت افروز معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔

﴿یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ''وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَ کَفَرُوۡا بِاللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۵۲﴾﴾ ''اور وہ لوگ جو باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا کفر کرتے ہیں' یقیناً وہی خسارہ پانے والے ہیں۔''

آیت ۵۳ ﴿وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ لَوۡ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَہُمُ الۡعَذَابُ ؕ﴾ ''یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں عذاب کی۔ اور اگر (پہلے سے) ایک وقتِ معیّن طے نہ ہو چکا ہوتا تو ضرور ان پر عذاب آچکا ہوتا۔''

﴿وَ لَیَاۡتِیَنَّہُمۡ بَغۡتَۃً وَّ ہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور وہ ان پر اچانک آجائے گا اور انہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔''

آیت ۵۴ ﴿یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ ؕ﴾ ''یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔''

یہ جملہ پھر سے دہرایا گیا ہے' یہ بہت لطیف انداز ہے۔

﴿وَ اِنَّ جَہَنَّمَ لَمُحِیۡطَۃٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۴﴾﴾ ''حالانکہ جہنم ان کافروں کا گھیراؤ کر چکی ہے۔''

جہنم کی آگ ایک غیر مرئی چیز ہے' اس لیے انہیں یہ نظر نہیں آرہی' لیکن حقیقت میں یہ انہیں چاروں طرف سے گھیر چکی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی مخالف فوج کسی شہر کی فصیل کے قریب پہنچ کر شہر کا محاصرہ بھی کر لے لیکن شہر کے باسیوں کو اس کی خبر ہی نہ ہو۔

آیت ۵۵ ﴿یَوۡمَ یَغۡشٰہُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ﴾ ''جس دن عذاب ڈھانپ لے گا انہیں اوپر سے بھی اور ان کے قدموں کے نیچے سے بھی''

﴿وَ یَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾﴾ ''اور کہا جائے گا کہ اب چکھو مزہ اپنے کرتوتوں کا۔''

اب اگلی آیت میں خطاب کا رخ پھر اہل ایمان کی طرف پھیرا جا رہا ہے اور راہِ حق کے مجاہدین کو تیسری

ہدایت دی جا رہی ہے۔ (پہلی ہدایت آیت ۴۵ میں جبکہ دوسری ۴۶ میں دی جا چکی ہے۔)

آیت ۵۶ ﴿یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ﴿۵۶﴾﴾ ''اے میرے وہ بندو جو ایمان لائے ہو! میری زمین بہت وسیع ہے' پس عبادت تم میری ہی کرو۔''

قرآن کے اس اسلوب کے بارے میں ایک نکتہ جو پہلے کئی بار دہرایا جا چکا ہے یہاں پھر ذہن میں تازہ کر لیں کہ مکی دور میں اہل ایمان سے براہِ راست بہت کم خطاب کیا گیا ہے' زیادہ تر انہیں نبی مکرم ﷺ کی وساطت سے ہی مخاطب کیا گیا ہے' جبکہ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کی اصطلاح صرف مدنی قرآن میں ملتی ہے۔

یہاں پر یٰعِبَادِیَ کے طرزِ تخاطب میں بہت شفقت اور عنایت کا اظہار پایا جاتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر مجھ پر ایمان لانے کی پاداش میں مکہ کی سرزمین میں تمہارا قافیہ تنگ کر دیا گیا ہے' تمہارے لیے اگر یہاں رہنا محال ہو گیا ہے اور ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے مزید ہمت تم لوگوں میں نہیں رہی تو اپنے اس شہر کو چھوڑ دو' کہیں اور چلے جاؤ' میری زمین بہت وسیع ہے۔ اس آیت میں ہجرت کی طرف راہنمائی ہے اور ہجرتِ حبشہ اسی حکم کی روشنی میں وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اب اگلی آیت میں چوتھی ہدایت کا ذکر ہے:

آیت ۵۷ ﴿کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ۟ ثُمَّ اِلَیۡنَا تُرۡجَعُوۡنَ﴿۵۷﴾﴾ ''ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے' پھر تم ہماری ہی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

دیکھو! موت تو ایک دن آنی ہی ہے۔ اس دنیا میں نہ کوئی ہمیشہ رہا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ہمیشہ رہے گا۔ فرض کرو اگر یاسر اور ان کی اہلیہ سمیہ رضی اللہ عنہما ابوجہل کے ہاتھوں شہید نہ بھی ہوتے تو کیا ہوتا؟ بس یہی نا کہ چند برس اور جی لیتے۔ موت تو پھر بھی انہیں آنی ہی تھی۔ راہِ حق کے مسافروں کے لیے یہ بہت قیمتی نصیحت ہے۔ اگر یہ اٹل حقیقت انسان کے دل و دماغ میں مستحضر رہے تو انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں بھی اس کی ہمت قائم رہتی ہے اور وہ زندگی بچانے کے لیے حق کا ساتھ چھوڑنے اور باطل کے ساتھ مصالحت کر لینے کی سوچ جیسے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہتا ہے —— اور اب پانچویں نصیحت:

آیت ۵۸ ﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّہُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ غُرَفًا﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اعمال کیے ہم انہیں ضرور جگہ دیں گے جنت کے بالاخانوں میں''

اے میرے بندو! اگر تم نے میرے لیے اپنی جان جوکھم میں ڈالی ہے تو میرے اس وعدے پر بھی پختہ یقین رکھو کہ میں نے تمہارے لیے جنت اور اس کی بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہیں۔ تمہارے اعمال کے بدلے میں تم لوگوں کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ دی جائے گی' جہاں تم رنگا رنگ کی نعمتوں کے درمیان عیش کی زندگی بسر کرو گے۔ جنت کے بالاخانوں کا ذکر سورۃ الفرقان کی اس آیت میں بھی ہوا ہے: ﴿اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡہَا تَحِیَّۃً وَّسَلٰمًا﴿۷۵﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی جزا میں بالاخانے ملیں گے' ان کا استقبال کیا جائے گا اس میں دعاؤں اور سلام کے ساتھ۔''

﴿تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ﴿۵۸﴾﴾ ''جس کے نیچے ندیاں بہتی

ہوں گی' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا اجر ہو گا عمل کرنے والوں کا!''

اس کے بعد چھٹی ہدایت:

آیت ۵۹ ﴿الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکّل کرتے ہیں۔''

اگر تم لوگوں نے اپنے لیے حق کے راستے کا انتخاب کیا ہے تو اس پر چلتے ہوئے باطل سے پنجہ آزمائی کرنے کا مرحلہ بھی آئے گا اور قدم قدم پر مصائب و مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ اس سب کچھ کے مقابلے میں تمہارے پاس دو انتہائی مؤثر ہتھیار ہمہ وقت موجود و دستیاب رہنے چاہئیں، یعنی صبر اور توکّل علی اللہ! بس اس راستے میں جو مشکل اور جو مصیبت بھی آئے اسے جھیلنے اور برداشت کرنے کا عزم اپنے اندر ہر دم تازہ اور بلند رکھو اور بھروسہ رکھو تو صرف اللہ کی ذات پر! اس کٹھن سفر میں نہ تو تم مادی اسباب و وسائل پر نظر رکھو اور نہ ہی اپنی ذہانت و فطانت اور قوت و شجاعت کو لائق اعتناء سمجھو! —— اب ساتویں نصیحت ملاحظہ ہو:

آیت ۶۰ ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ ''اور کتنے ہی جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔''

تمہارے رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ خود ہے' لہٰذا اس کے لیے تم اللہ پر توکّل کرو اور اُس کے سوا کسی اور کی طرف مت دیکھو۔ دنیا میں کبھی کسی کے بارے میں ایسا مت سوچو کہ وہ ناراض ہو گیا تو تمہاری ضروریات کا کیا بنے گا۔☆

متی کی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جو وعظ (پہاڑی کا وعظ) نقل ہوا ہے اس میں یہ مضمون بڑے خوبصورت انداز میں بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا

☆ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا))

(سنن الترمذی' ابواب الزھد' باب فی التوکّل علی اللہ)

''اگر تم اللہ پر اس طرح توکّل کرو جیسا کہ اُس پر توکّل کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق دیا جائے گا جیسے پرندوں کو دیا جاتا ہے' کہ وہ صبح خالی پیٹ (اپنے گھونسلوں سے) نکلتے ہیں اور شام کے وقت پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔''

ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان وشوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبّس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لیے فکر مند ہو کر یہ نہ کہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں☆ رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راست بازی کو تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تم کو مل جائیں گی۔ پس کل کے لیے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لیے آپ فکر کر لے گا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔'' (متی' باب ۶: ۲۵۔۳۴' بحوالہ تدبر قرآن' جلد پنجم' ص ۶۰)

اس ضمن میں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیں کہ توکّل اور ایمان ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کسی شخص کا اللہ پر ایمان جس قدر پختہ ہو گا' اسی قدر اس کا اُس پر توکل بھی مضبوط ہو گا اور اگر ایمان کمزور ہو گا تو پھر توکل بھی کمزور پڑ جائے گا۔

﴿اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞﴾ ''اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور وہ تم لوگوں کو بھی دے گا' اور یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔''

وہ ہر حاجت مند کی التجا کو سنتا ہے' اسے ہر ایک کی ضرورت کا علم ہے' وہ اپنے ہر بندے کے حالات سے باخبر رہتا ہے' کیا اسے خبر نہ ہو گی کہ میرا فلاں بندہ اس وقت بھوکا ہے؟ کیا اسے معلوم نہ ہو گا کہ میرا فلاں وفادار تمام اسباب کو ٹھکرا کر مجھ پر توکّل کیے بیٹھا ہے؟ بلاشبہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اُس نے کس محتاج کی حاجت روائی کا کیا بندوبست کرنا ہے اور کس بندے کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسے وسیلہ بنانا ہے۔ اب آئندہ آیات میں خطاب کا رخ پھر مشرکینِ مکّہ کی طرف ہے۔

آیت ۶۱ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور کس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!''

﴿فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞﴾ ''تو پھر یہ لوگ کہاں سے لوٹا دیے جاتے ہیں!''

آیت ۶۲ ﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ﴾ ''اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) اسے نپا تُلا دیتا ہے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

آیت ۶۳ ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں کہ کس نے برسایا آسمان سے پانی' پس اس سے زندہ کر دیا زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!''

☆ 'غیر قوموں' سے حضرت مسیح علیہ السلام کافر قوموں کو مراد لیتے ہیں۔ یہ قدیم صحیفوں کی ایک معروف اصطلاح ہے۔

﴿قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝۶۳﴾ ”آپ کہہ دیں کہ کُل شکر اور کُل حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔“

اب اگلی آیت میں اہل ایمان کے لیے ایک اور ہدایت آ رہی ہے:

آیت ۶۴ ﴿وَمَا هٰذِهِ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَهۡوٌ وَّلَعِبٌ ؕ﴾ ”اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں۔“

دیکھو مسلمانو! یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل جیسی ہے۔ اس کی حیثیت تمہارے ایک سٹیج ڈرامے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جس طرح ڈرامے کا بادشاہ حقیقی بادشاہ نہیں اور سٹیج پر فقیر کا کردار ادا کرنے والا شخص سچ مچ کا فقیر نہیں اسی طرح تمہاری اس زندگی کے تمام کردار بھی حقیقی نہیں۔ حقیقی کردار تو اس سٹیج سے باہر جا کر (موت کے بعد) سامنے آئیں گے۔ عین ممکن ہے یہاں کے شہنشاہ کو وہاں مجرم کی حیثیت میں اٹھایا جائے اور جو شخص یہاں زندگی بھر لوگوں کا معتوب و مغضوب رہا وہاں اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا جائے۔ چنانچہ تم خاطر جمع رکھو! نہ تو یہاں کا عیش اصل عیش ہے اور نہ آج کے مصائب حقیقی مصائب ہیں۔ یہ سب کچھ وقتی، عارضی اور فانی ہے۔

﴿وَاِنَّ الدَّارَ الۡاٰخِرَةَ لَهِىَ الۡحَيَوَانُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۶۴﴾ ”اور آخرت کا گھر ہی یقیناً اصل زندگی ہے۔ کاش کہ انہیں معلوم ہوتا!“

اس مضمون کا مفہوم اپنے دل میں اُتارنے کے لیے آخری جملے کو اپنے اوپر طاری کر کے یوں کہیں: کاش کہ ہمیں معلوم ہوتا! یہاں یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجیے کہ بعث بعد الموت کا صرف مان لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے بارے میں ایسے پختہ یقین کی ضرورت ہے جس کے تحت انسان کے دل کی گہرائیوں میں یہ حقیقت واقعی جاگزیں ہو جائے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ آخرت کی زندگی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے میں نے اکثر مواقع پر ایک کتاب کی تشبیہہ بیان کی ہے، جس کے آغاز میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک ضمیمہ ہوتا ہے۔ عام طور پر ہم دنیا دار یہی سمجھتے ہیں کہ دنیا کی زندگی اصل کتاب ہے جبکہ آخرت کی زندگی اس کتاب کا ضمیمہ ہے، جبکہ اصل حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی محض ایک دیباچہ ہے اس کتاب کا جو موت کے بعد کھلنے والی ہے، بلکہ اگر نسبت تناسب کے پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تشبیہہ بھی درست قرار نہیں پاتی۔ درحقیقت دنیا کی زندگی محدود ہے جبکہ آخرت کی زندگی لامحدود ہے اور حق یہ ہے کہ محدود اور لامحدود میں باہم کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بہر حال ہمیں اپنے محدود ذہن کو سمجھانے کے لیے اس مثال کا سہارا لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے بعد اب خطاب کا رخ پھر مشرکینِ مکّہ کی طرف مڑ گیا ہے۔

آیت ۶۵ ﴿فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ﴾ ”سو جب یہ لوگ سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ کو اُس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔“

یہ مضمون قرآن میں کئی بار آ چکا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝۶۵﴾ ”پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے خشکی کی طرف تو جبھی وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔“

آیت ۶۶ ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ﴾ ”تا کہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے انہیں عطا کر رکھی ہیں۔“

﴿وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۶۶﴾ ”اور تا کہ مزے اڑا لیں‘ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“

اس دُنیا میں تو یہ لوگ اللہ کی نافرمانیاں بھی کر رہے ہیں اور مزے بھی اُڑا رہے ہیں‘ لیکن عنقریب جب آنکھ بند ہو گی تو اصل حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی:

یہی اسلوب اور انداز ہمیں ”سورۃ التکاثر“ میں بھی نظر آتا ہے: ﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴﴾ ”تم لوگوں کو غافل رکھا باہم کثرت کی خواہش نے‘ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں! عنقریب تم جان لو گے۔“

آیت ۶۷ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا﴾ ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا ہے“

یہاں مخاطب اہل ایمان ہیں لیکن بات مشرکین مکہ کی ہو رہی ہے۔

﴿وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ﴾ ”اور لوگ اُچک لیے جاتے ہیں ان کے اردگرد سے۔“

اللہ نے حدودِ حرم کو امن کی جگہ بنا رکھا ہے جس کی برکات سے یہ لوگ مسلسل مستفیض ہو رہے ہیں جبکہ باقی پورے عرب میں امن وامان نام کی کوئی چیز کہیں نظر نہیں آتی۔

﴿اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝۶۷﴾ ”تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہے ہیں!“

آیت ۶۸ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا‘ یا جس نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ اس کے پاس آیا!“

کوئی چیز خود گھڑ کر اللہ سے منسوب کرنا اور حق کو پہچان کر جھٹلا دینا دونوں برابر کے جرم ہیں۔ گویا یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ اے گروہ مشرکین! دیکھو‘ اگر میں یہ کلام خود گھڑ کر اسے اللہ سے منسوب کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑا کوئی ظالم نہیں (معاذ اللہ!) اور اگر یہ واقعتاً اللہ کا کلام ہے اور اسے میں نے تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور اس کے بعد تم لوگ اس کی تکذیب کر رہے ہو تو پھر تم سے بڑا ظالم کوئی اور نہیں ہے۔

﴿اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸﴾ ”تو کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں ہے ان کافروں کا!“

اب آخری آیت میں بڑے تاکیدی انداز میں پھر سے اہل ایمان کی دلجوئی فرمائی گئی ہے:

آیت ۶۹ ﴿وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ﴾ ''اور جو لوگ ہماری راہ میں جِد و جُہد کریں گے ہم لازماً ان کی راہنمائی کریں گے اپنے راستوں کی طرف۔''

جو لوگ ہمارے لیے قربانیاں دے رہے ہیں اور ہماری راہ میں جہاد کر رہے ہیں انہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ ہم انہیں بے سہارا نہیں چھوڑیں گے' ہم انہیں اپنے راستوں کی بصیرت عطا فرمائیں گے۔ یہ ان سے ہمارا پختہ وعدہ ہے۔

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۶۹﴾ ''اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

جن لوگوں کا اللہ پر ایمان ہے اور ان کا ایمان ''احسان'' کے درجے تک پہنچ چکا ہے' پھر اللہ کی راہ میں وہ اپنا تن من اور دھن قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار بھی رہتے ہیں' اللہ کبھی انہیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ اس کی تائید و نصرت ہر وقت ان کے ساتھ رہے گی۔

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ' ونفعنی وایاکم بالآیات والذِّکر الحکیم٥٥

بیانُ القرآن

سُورَةُ الرُّوم

(۳۰)

سُورۃُ الرُّوم

تمہیدی کلمات

سورۃ الروم کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے زمانے کی دو بڑی سلطنتوں یعنی ایرانی سلطنت اور سلطنتِ روما کی باہمی چپقلش کے ذکر سے ہوا ہے اور اسی حوالے سے ابتدائی آیات میں ایک بہت بڑی پیشین گوئی کا ذکر بھی ہے۔ اس موضوع اور اس سے متعلق پیشین گوئی کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے اس کے تاریخی پس منظر سے آگاہی ضروری ہے۔

ایرانی سلطنت کی بنیاد آج سے کوئی ڈھائی ہزار سال قبل ایران کے عظیم بادشاہ کے خسرو (Cyrus) نے رکھی تھی، جسے ''ذوالقرنین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف سلطنت روما نے بھی صدیوں سے خود کو ایک بہت بڑی طاقت کے طور پر منوا رکھا تھا۔ سلطنتِ روما کا بڑا حصہ تو یورپ کے علاقوں پر مشتمل تھا لیکن ترکی کا پورا علاقہ اور شام سمیت مغربی بحرِ روم (Mediterranean Sea) کے ساحلی علاقے بھی اس کے قبضے میں تھے۔ مذہب کے اعتبار سے رومی عیسائی تھے (۳۰۰ عیسوی میں پوری رومی سلطنت نے عیسائیت قبول کر لی تھی)، جبکہ ایرانی آتش پرست تھے۔ ان دونوں عالمی طاقتوں کے درمیان طاقت کے توازن میں پچھلی ایک صدی سے جھولے (sea saw) کی سی کیفیت تھی۔ جب کبھی ایرانیوں میں کوئی باصلاحیت حکمران برسرِ اقتدار آتا تو وہ رومیوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیتا اور اسی طرح جب رومیوں کے کسی طاقتور بادشاہ کو موقع ملتا تو وہ ایرانیوں سے بہت سے علاقے خالی کرا لیتا۔

حضور ﷺ کی ولادت (۵۷۱ء) کے زمانے میں دونوں طاقتوں کی روایتی کشمکش جاری تھی۔ ۶۰۲ء میں اس کش مکش نے باقاعدہ ایک جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک ۳۱ برس تھی۔ یہ جنگ بالآخر ۶۱۴ء میں ایران کے بادشاہ خسرو پرویز (کے خسرو ثانی) کے ہاتھوں رومیوں کی بدترین شکست پر ختم ہوئی۔ اس جنگ میں رومی سلطنت کو ترکی کے اہم شہروں سمیت اپنے بہت سے علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ان کے مقدس شہر ایلیا (یہ یروشلم ہی کا دوسرا نام ہے۔ یروشلم ۷۰ عیسوی میں بالکل تباہ ہو گیا تھا، بعد میں رومی شہنشاہ ہیڈریان کے دور میں اسے ایلیا کے نام سے ازسرِنو آباد کیا گیا) کو بھی ایرانیوں نے تباہ و برباد کر دیا اور وہاں پر نصب مقدس صلیب بھی ان کے قبضے میں چلی گئی۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق یہ وہی صلیب تھی جس پر حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا تھا۔

رومیوں کی اس شکست کے وقت مکہ میں حضور ﷺ کی دعوت شروع ہوئے تقریباً پانچ برس ہو چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اہل ایمان کے ساتھ مشرکین کی زیادتیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں اور مقامی آبادی واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ایرانیوں اور رومیوں کی جنگ میں مشرکینِ مکہ کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں،

اس لیے کہ وہ ایرانیوں کو آتش پرست (مشرک) ہونے کی وجہ سے اپنا ہم مذہب خیال کرتے تھے۔ دوسری طرف رومی چونکہ اہل کتاب تھے اس لیے مسلمان فطری طور ان کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے اور وہ ان کی شکست پر دل گرفتہ بھی تھے۔ ان حالات میں مشرکین مکہ رومیوں کی شکست پر بغلیں بجا رہے تھے اور دن رات اس پروپیگنڈا میں مصروف تھے کہ جس طرح آج آتش پرست ایرانیوں کے ہاتھوں پیغمبروں اور الہامی کتابوں کے ماننے والوں کو شکست ہوئی ہے کل اسی طرح ہم بت پرستی کے علمبردار بھی مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں گے۔ اُس وقت مکہ کی سرزمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی تھی اور ۶۱۵ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی عیسائی سلطنت میں (جو سلطنت روم کی حلیف تھی) پناہ لینا پڑی تھی۔

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی اور اس کی ابتدائی آیات میں واضح پیشین گوئی کی گئی کہ قریب کی سرزمین میں اس وقت واقعی رومی شکست کھا چکے ہیں، مگر چند ہی سال میں یہ صورت تبدیل ہو جائے گی اور وہ پھر سے ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ بظاہر چونکہ یہ بالکل اَنہونی بات تھی اس لیے مشرکین مکہ نے اسے بھی تضحیک کا نشانہ بنایا۔ وہ اس پیشین گوئی کو اکثر موضوعِ گفتگو بنا کر مسلمانوں کو زچ کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک مشرک اُبی بن خلف نے اس حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرط لگائی کہ اگر قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق تین سال کے اندر رومی غالب آ گئے تو دس اونٹ میں تمہیں دوں گا' ورنہ دس اونٹ تم کو دینا ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو چونکہ اس وقت تک شرط وغیرہ کی حرمت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لیے آپؐ نے اس کی اجازت دے دی' لیکن چونکہ لفظ ''بِضع'' (چند) کا اطلاق گنتی کے اعتبار سے تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے اس لیے آپؐ نے پیشین گوئی پورا ہونے کی مدت تین سال سے بڑھا کر نو سال جبکہ اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سو اونٹوں پر شرط پکی کر دی۔ ٹھیک نو سال بعد جب یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی تو اُبی بن خلف کے وارثوں کو سو اونٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے پڑے۔ اس وقت تک جوئے کی حرمت کی آیات نازل ہو چکی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اونٹ صدقہ کر دیے جائیں۔

دوسری طرف روم کا ہرقل اعظم (Heraclius) اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے مسلسل منصوبہ بندی میں مصروف رہا۔ آٹھ سال بعد (۶۲۲ء میں جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے) ہرقل نے حالات کو سازگار سمجھتے ہوئے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ خفیہ طور پر ایک لمبا چکر کاٹ کر بحیرہ کیسپین (Caspian Sea) کی طرف سے ایرانیوں کی پشت پر زوردار حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے لیے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ چنانچہ وہ اس کی تاب نہ لا سکے۔ نتیجتاً انہیں اس معرکے میں ذلت آمیز شکست ہوئی اور ہرقل ان سے اپنے مقبوضہ علاقے واگزار کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی سال اللہ کی مدد سے بدر میں مسلمانوں کو بھی فتح (الفرقان) نصیب ہوئی اور اس طرح اِن آیات کی دونوں پیشین گوئیاں حرف بحرف پوری ہو گئیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آیات ۱ تا ۱۰

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ فِیۡ بِضۡعِ
سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ
مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ﴿۵﴾ وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا
یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾ یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚۖ وَ ہُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾ اَوَ لَمۡ
یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ
مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾ اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ
فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ
وَ عَمَرُوۡہَاۤ اَکۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡہَا وَ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ
وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ؕ﴿۹﴾ ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰۤی اَنۡ کَذَّبُوۡا
بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا بِہَا یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ع

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾﴾ ”الف‘ لام‘ میم“

آیت ۲‘۳ ﴿غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ ”رومی مغلوب ہو گئے‘ قریب کی سرزمین میں۔ اور وہ اپنی اس مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔“

نقشے میں دیکھیں تو جزیرہ نمائے عرب کے اوپر شمال کی سمت میں شام ہے جبکہ شام کے ساتھ ہی نیچے عراق اور پھر عراق کے ساتھ مشرق کی سمت میں ایران واقع ہے۔ چنانچہ جزیرہ نمائے عرب کی سرحد پر واقع ان علاقوں کو قریب کی سرزمین کہا گیا ہے جہاں ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان مذکورہ جنگ جاری تھی۔

آیت ۴ ﴿فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ؕ﴾ ”چند سالوں میں“

عربی میں لفظ ”بِضۡع“ کا اطلاق گنتی کے اعتبار سے تین سے نو تک کے اعداد پر ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نو سال کی مدت تک شرط طے کرنے کا فرمایا تھا۔ واضح رہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت تک شرط یا جوئے کی حرمت کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

﴿لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ﴾ ”اللہ ہی کا اختیار ہے‘ پہلے بھی اور بعد میں بھی۔“

اللہ ہی کے حکم سے ہوا جو پہلے ہوا اور اللہ ہی کے حکم سے ہوگا جو بعد میں ہوگا۔ فرماں روائی تو ہر حال میں اللہ ہی کی ہے۔ پہلے جسے فتح نصیب ہوئی اُسے بھی اللہ نے فتح دی اور بعد میں جو فتح پائے گا وہ بھی اللہ ہی کے حکم

سے پائے گا۔

﴿وَیَوْمَىِٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴﴾ ''اور اُس دن اہلِ ایمان خوشیاں منا رہے ہوں گے۔''

اس وقت اہلِ ایمان کو ایک خوشی تو آتش پرستوں پر اہلِ کتاب (عیسائیوں) کی فتح پر ہوگی اور اس کے علاوہ:

آیت ۵ ﴿بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۵﴾ ''(وہ خوش ہوں گے) اللہ کی مدد سے۔ وہ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ اور وہ زبردست، بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

یہاں اگرچہ ذکر نہیں کیا گیا لیکن اس سے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد سے انہیں عنقریب حاصل ہونے والی تھی۔

آیت ۶ ﴿وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۶﴾ ''یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

یہ وہ چھ آیات ہیں جن میں رومیوں کے دوبارہ غلبے اور اہل ایمان کی مشرکین مکہ پر فتح کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ یہ آیات تقریباً ۶۱۴ء میں نازل ہوئیں۔ نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ۶۱۰ء میں ہوا تھا۔ چنانچہ ان آیات کے نزول کے وقت آپؐ کی دعوت کو پانچ برس کا عرصہ بیت چکا تھا۔ اس کے ٹھیک نو (۹) برس بعد اس پیشین گوئی کے عین مطابق رومی بھی ایرانیوں پر غالب آ گئے اور غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو بھی اللہ کی مدد سے فتح نصیب ہوئی۔

آیت ۷ ﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ﴾ ''یہ لوگ دنیا کی زندگی کے بھی صرف ظاہر کو جانتے ہیں۔''

یہاں سے موضوع ''التذکیر بآلاء اللّٰہ'' (اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے نصیحت اور یاددہانی) کی طرف موڑا جا رہا ہے اور اس مضمون کے اعتبار سے سورۃ الروم اور سورۃ النحل میں بہت گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔

﴿وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷﴾ ''اور وہ آخرت سے بالکل ہی غافل ہیں۔''

یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے، لیکن یہ لوگ دنیا کی اس حقیقت کو بالکل فراموش کیے بیٹھے ہیں۔ انہیں یاد ہی نہیں کہ آج وہ یہاں جو بوئیں گے کل آخرت میں وہی کچھ انہیں کاٹنا ہوگا۔ ان کے سامنے دُنیوی زندگی کا صرف یہی پہلو رہ گیا ہے کہ کھاؤ پیو اور عیش کرو، جبکہ آخرت کی زندگی کا تصور ان کے ذہنوں سے بالکل ہی اوجھل ہو گیا ہے۔

آیت ۸ ﴿اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۫﴾ ''کیا یہ لوگ اپنی ذات میں غور نہیں کرتے؟''

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ﴾ ''نہیں پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے مگر حق کے ساتھ، اور ایک وقتِ معین تک کے لیے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات ایک مقصد کے تحت پیدا کی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اقرار ہر وہ شخص کرتا ہے جو چشم بصیرت سے کائنات کا نظام دیکھتا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۱ میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی ایک خصوصیت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ جب وہ کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! (ہم سمجھ گئے ہیں کہ) تو نے یہ سب

کچھ عبث پیدا نہیں فرمایا۔‘‘

﴿وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمۡ لَكٰفِرُوۡنَ۝۸﴾ ’’اور یقیناً بہت سے لوگ اپنے رب سے ملاقات کے منکر ہیں۔‘‘

آیت ۹ ﴿اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ﴾ ’’کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیسا انجام ہوا اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے!‘‘

﴿كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً﴾ ’’وہ قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے‘‘

﴿وَّاَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَعَمَرُوۡهَاۤ اَكۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡهَا﴾ ’’اور انہوں نے زمین کو کاشت کیا اور اسے آباد کیا اس سے کہیں بڑھ کر جو (آج) انہوں نے آباد کیا‘‘

﴿وَجَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ؕ﴾ ’’اور ان کے پاس بھی ان کے رسولؑ آئے تھے کھلی نشانیاں لے کر۔‘‘

﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰـكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ۝۹﴾ ’’سو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا، بلکہ انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔‘‘

آیت ۱۰ ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡۤاٰى﴾ ’’پھر ان لوگوں کا انجام جنہوں نے بُری روش اختیار کی، بہت بُرا ہوا‘‘

﴿اَنۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِهَا يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۝۱۰﴾ ’’اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور وہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔‘‘

آیات ۱۱ تا ۱۹

اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ۝۱۱ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُبۡلِسُ
الۡمُجۡرِمُوۡنَ۝۱۲ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَكَآئِهِمۡ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوۡا بِشُرَكَآئِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ۝۱۳ وَيَوۡمَ
تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوۡنَ۝۱۴ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ
يُّحۡبَرُوۡنَ۝۱۵ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الۡاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِى الۡعَذَابِ
مُحۡضَرُوۡنَ۝۱۶ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ۝۱۷ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمٰوٰتِ
وَالۡاَرۡضِ وَعَشِيًّا وَّحِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ۝۱۸ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ
وَيُحۡىِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ۝۱۹ ع ۲

آیت ۱۱ ﴿اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ﴾ ’’اللہ ہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے‘‘

یہ الفاظ قرآن حکیم میں بار بار آئے ہیں۔ یُعِیْدُہٗ فعل مضارع ہے اور اس لحاظ سے اس میں حال اور مستقبل دونوں زمانوں کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اگر اس کا ترجمہ فعل حال میں کیا جائے تو دنیا میں مخلوقات کی بار بار پیدائش (reproduction) مراد ہوگی' جیسے ایک فصل بار بار کٹتی ہے اور بار بار پیدا ہوتی ہے' جبکہ فعل مستقبل کے ترجمے کی صورت میں اس کا مفہوم عالم آخرت میں انسانوں کے دوبارہ جی اٹھنے تک وسیع ہو جائے گا۔

﴿ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ⑪﴾ ''پھر اُسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔''

آیت ۱۲ ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑫﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہو جائے گی تو مجرم اُس دن مایوس ہو کر رہ جائیں گے۔''

آیت ۱۳ ﴿وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ مِّنْ شُرَکَآئِھِمْ شُفَعٰٓؤُا وَکَانُوْا بِشُرَکَآئِھِمْ کٰفِرِیْنَ ⑬﴾ ''اور نہیں ہوں گے ان کے شریکوں میں سے کوئی بھی ان کے لیے سفارش کرنے والے' اور وہ خود بھی اپنے شریکوں کا انکار کرنے والے ہوں گے۔''

جب وہ دیکھیں گے کہ جن سے انہوں نے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں وہ ان کی کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کر رہے تو وہ ان کے منکر ہو جائیں گے۔

آیت ۱۴ ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی اُس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔''

بنی نوعِ انسان کی یہ تقسیم (polarization) کس بنیاد پر ہوگی؟ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

آیت ۱۵ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَھُمْ فِیْ رَوْضَۃٍ یُّحْبَرُوْنَ ⑮﴾ ''تو جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تھے وہ ایک باغ میں مسرور کیے جائیں گے۔''

آیت ۱۶ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَۃِ فَاُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ⑯﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا اور ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا تھا تو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔''

آیت ۱۷ ﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑰﴾ ''تو تم تسبیح کرو اللہ کی جب تم شام کرتے ہو اور جب تم صبح کرتے ہو۔''

آیت ۱۸ ﴿وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْھِرُوْنَ ⑱﴾ ''اور اُسی کے لیے حمد ہے آسمانوں اور زمین میں' اور رات کو اور جب تم ظہر کرتے ہو۔''

ان دونوں آیات میں صبح' شام' رات اور دن ڈھلنے کے اوقات کا ذکر کر کے پانچوں نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت ۱۹ ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ﴾ ''وہ نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے''

مثلاً انڈے میں بظاہر زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے' لیکن اس میں سے اللہ کی قدرت سے زندہ چوزہ برآمد ہوتا ہے۔

﴿وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ''اور (اسی طرح) وہ نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے''

مثلاً مرغی جاندار ہے اور اس سے انڈا برآمد ہوتا ہے جو بظاہر بے جان ہے۔ اسی طرح زندہ سے مُردہ اور مُردہ سے زندہ برآمد ہونے کی بہت سی مثالیں ہمارے اردگرد موجود ہیں۔

﴿وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑲﴾ ''اور وہ زندہ کرتا ہے زمین کو اُس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔ اور اسی طرح تمہیں بھی نکال لیا جائے گا۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ بظاہر مردہ زمین سے فصلیں اور دوسرے نباتات نکالتا ہے اسی طرح وہ تمہیں بھی اس میں سے نکال کر حاضر کرلے گا' چاہے تمہارے اجزاء تحلیل ہو کر کسی بھی شکل مین ہوں اور کہیں بھی ہوں۔

آیات ۲۰ تا ۲۷

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ⑳ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉑ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ㉒ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ㉓ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ㉔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ
الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ㉕ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ㉖ وَهُوَ
الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ㉗ ع ۸

آئندہ آیات کا اسلوب اور انداز بہت منفرد ہے۔ ان میں اللہ کی خلاقی کی علامات اور اس کی رحمت کے مظاہر کا ذکر تکرار کے ساتھ اس طرح ہوا ہے کہ ہر آیت کے آغاز میں وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور آخر میں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ کے الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ قبل ازیں اس سے ملتا جلتا انداز ہم سورۃ النمل اور سورۃ الشعراء میں بھی دیکھ آئے ہیں۔ سورۃ النمل کے پانچویں رکوع میں بھی آفاقی و انفسی آیاتِ الٰہیہ کا ذکر اسی طرح تکرار کے ساتھ کیا گیا ہے اور ہر آیت کے آخر میں ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ کے الفاظ آئے ہیں۔ جبکہ سورۃ الشعراء میں ایک تسلسل کے ساتھ عبرت انگیز تاریخی حقائق و بصائر کا ذکر ہوا ہے اور ہر واقعہ کے آخر میں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً کے الفاظ کی تکرار ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ⑳﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا' پھر تم انسان بن گئے (زمین میں) پھیلے ہوئے۔''

آیت ۲۱ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے پیدا کیے تمہارے لیے تمہاری نوع میں سے جوڑے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو''

﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾ ''اور اُس نے تمہارے مابین محبت اور رحمت پیدا کر دی۔''

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉑﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور وفکر کریں۔''

آیت ۲۲ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق''

﴿وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾ ''اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا فرق۔''

پوری دُنیا کے انسانوں کے درمیان بولی جانے والی طرح طرح کی زبانوں کے اندر پایا جانے والا تنوّع بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اسی طرح مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں کے مختلف رنگ بھی اُس کی صناعی اور خلاقی کے مظاہر کی مثالیں ہیں کہ کس طرح ایک ہی نسل سے تعلق کے باوجود کوئی زرد رو ہے تو کوئی سرخ رُو' کوئی اسفید فام ہے تو کوئی سیاہ فام۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ㉒﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۲۳ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات اور دن کو سونا اور تمہارا اُس کے فضل کو تلاش کرنا۔''

تمہارا رات کے وقت سونا' دوپہر کے وقت قیلولہ کرنا' اور پھر آرام کے ان اوقات کے علاوہ معاشی دوڑ دھوپ میں سرگرمِ عمل رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ㉓﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔''

یہ سب نشانیاں یقیناً ان لوگوں کے لیے ہیں جو انسانی کانوں یعنی دل کے کانوں سے سنتے ہیں' نہ کہ محض حیوانی کانوں سے۔

آیت ۲۴ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمہیں بجلی (کی چمک) دکھاتا ہے خوف اور اُمید کے ساتھ''

آسمانوں میں بادلوں کا چھانا اور بجلی کا چمکنا بھی اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے جس میں لوگوں کو بجلی کے گرنے اور طوفان وغیرہ کا خوف بھی ہوتا ہے جبکہ بارانِ رحمت کے برسنے کی امید بھی۔

﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحۡيٖ بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا﴾ ''اور وہ برساتا ہے آسمان سے پانی' پھر زندہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔''

﴿اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔''

آیت ۲۵ ﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ قائم ہیں آسمان و زمین اُس کے حکم سے۔''

ہماری زمین' سورج' نظامِ شمسی اور چھوٹے بڑے بے شمار ستاروں اور سیاروں کا ایک عظیم الشان اور لامتناہی نظام بھی اس کی قدرت کے مظاہر میں سے ہے۔ آج کا انسان جانتا ہے کہ اس نظام کے اندر ایسے ایسے ستارے بھی ہیں جن کے مقابلے میں ہمارے سورج کی جسامت کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ اتنے بڑے بڑے اجرامِ سماویہ اللہ ہی کے حکم سے اپنے اپنے مدار پر قائم ہیں اور یوں اس کی مشیت سے کائنات کا یہ مجموعی نظام چل رہا ہے۔

﴿ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمۡ دَعۡوَةً ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''پھر جب وہ تمہیں پکارے گا ایک ہی بار زمین سے (نکلنے کے لیے) تو تم دفعتاً نکل پڑو گے۔''

قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کی شان ''کُن فیکُون'' کا ظہور ہوگا اور اس کے ایک ہی حکم سے پوری نسلِ انسانی زمین سے باہر نکل کر اس کے حضور حاضر ہو جائے گی۔

آیت ۲۶ ﴿وَلَهٗ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ سب اُسی کے حکم کے تابع فرمان ہیں۔''

آیت ۲۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے گا اور وہ اس کے لیے زیادہ آسان ہے۔''

یہ بعث بعد الموت کے بارے میں عقلی دلیل ہے جو قرآن میں متعدد بار دہرائی گئی ہے۔ معمولی سمجھ بوجھ کا انسان بھی اس دلیل کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کسی بھی کام کا پہلی دفعہ کرنا دوسری دفعہ کرنے کے مقابلے میں نسبتاً مشکل ہوتا ہے' اور جب کسی کام کو ایک دفعہ سرانجام دے دیا جائے اور اس سے متعلق تمام مشکلات کا حل ڈھونڈ لیا جائے تو اسی کام کو دوسری مرتبہ کرنا نسبتاً بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اہل عرب جو قرآن کے مخاطب اول تھے' وہ اللہ کے منکر نہیں تھے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کا خالق اور اس پوری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے۔ ان کے اس عقیدے کا ذکر قرآن میں بہت تکرار سے ملتا ہے۔ مثلاً: ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ (لقمٰن: ۲۵) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!'' چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں ان لوگوں کو خالص منطقی اور عقلی سطح پر یہ نکتہ سمجھانا مقصود ہے کہ جس اللہ کے بارے میں تم مانتے ہو کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے اور خود تمہارا بھی خالق ہے اس کے بارے میں تمہارے

لیے یہ ماننا کیوں مشکل ہو رہا ہے کہ وہ تمہیں دوبارہ بھی پیدا کرے گا؟ جس اللہ نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہ آخر دوسری مرتبہ ایسا کیوں نہیں کر سکے گا؟ جبکہ کسی بھی چیز کو دوسری مرتبہ بنانا پہلے کی نسبت کہیں آسان ہوتا ہے۔

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾﴾ ’’اور اُس کی شان بہت بلند ہے آسمانوں اور زمین میں‘ اور وہ بہت زبردست ہے‘ کمال حکمت والا۔‘‘

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے لیے ’’مثل‘‘ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لیکن مثل یا مثال کا جو مفہوم ہمارے ذہنوں میں ہے اُس کا اللہ کے بارے میں تصور کرنا مناسب اور موزوں نہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ’’مثل‘‘ کا ترجمہ ’’شان‘‘ یا ’’صفت‘‘ سے کیا جائے کہ اس کی شان بہت اعلیٰ اور بلند ہے یا اُس کی صفت سب سے برتر ہے۔

آیات ۲۸ تا ۴۰

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا
رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ
وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ڎ
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٣١﴾ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا
دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ
يُشْرِكُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ
النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ
مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٠﴾ ع ۱۳

آیت ۲۸ ﴿ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ﴾ ''وہ تمہارے لیے خود تمہارے اندر سے ایک مثال بیان کرتا ہے۔''

﴿هَلۡ لَّكُمۡ مِّنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ مِّنۡ شُرَكَآءَ فِيۡ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ فَاَنۡتُمۡ فِيۡهِ سَوَآءٌ﴾ ''بھلا وہ (غلام اور لونڈیاں) جو تمہاری ملکیت ہیں کیا ان میں سے کچھ شریک بن جاتے ہیں اُس مال و اسباب میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے' اس طرح کہ (وہ اور) تم برابر ہو جاؤ؟''

ظاہر ہے کوئی آقا اپنے کسی غلام کو کبھی بھی اپنی ملکیت اور اپنی جائیداد میں اس طرح تصرف کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کا حق اور اختیار خود اس کے برابر ہو جائے۔ گویا یہ امرِ محال ہے۔

﴿تَخَافُوۡنَهُمۡ كَخِيۡفَتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ؕ﴾ ''اور کیا تم ان کے بارے میں ایسے خدشات رکھتے ہو جیسے خدشات خود اپنے بارے میں رکھتے ہو؟''

یعنی کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جیسے خدشات اور اندیشے تم اپنی ذات اور اپنے مال و اسباب کے بارے میں رکھتے ہو ان لونڈی غلاموں کے بارے میں بھی تمہیں ایسے ہی اندیشے لاحق ہوئے ہوں؟ تم لوگ اپنے آپ' اپنی اولاد' اپنی ملکیت کے بارے میں تو ہر وقت متفکر رہتے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے' ویسا نہ ہو جائے' مگر کبھی تمہیں اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں بھی ایسی ہی سوچوں نے پریشان کیا ہے؟

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝۲۸﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔''

یعنی تم لوگ اگر کچھ بھی عقل رکھتے ہو تو تمہیں اس مثال سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ جب تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنے برابر بٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تو پھر تم یہ کیسے سوچ لیتے ہو کہ اللہ اپنی مخلوق کو اپنے برابر کر لے گا؟ تم لوگ خود بھی تسلیم کرتے ہو کہ بڑا معبود اللہ ہی ہے اور تمہارے بنائے ہوئے شریک چھوٹے معبود ہیں تو تم چھوٹے معبودوں کے بارے میں کیسے گمان کر لیتے ہو کہ اللہ انہیں اپنے اختیارات کا مالک بنا دے گا اور ان کی سفارش اللہ کو مجبور کر دے گی؟ تمہارے یہ من گھڑت معبود چاہے ملائکہ میں سے ہوں یا انبیاء اور اولیاء اللہ میں سے' وہ سب کے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور مخلوق میں سے یہ لوگ خالق کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

آیت ۲۹ ﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ﴾ ''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان ظالموں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی ہے بغیر کسی علم کے۔''

﴿فَمَنۡ يَّهۡدِيۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ''تو اُس شخص کو کون ہدایت دے گا جس کو اللہ نے بھٹکا دیا ہو!''

اگر کسی کی ہٹ دھرمی کی سزا کے طور پر اللہ ہی نے اس کی گمراہی پر مہر ثبت کر دی ہو تو وہ ہدایت کیسے پا سکتا ہے؟

﴿وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝۲۹﴾ ''اور اب ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔''

اگلی آیات اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں دین کی بنیاد اور اصل روح بیان ہوئی ہے۔

آیت ۳۰ ﴿فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ﴾ ''پس تم قائم رکھو اپنے چہرے کو (اللہ کے) دین کے لیے یکسو ہو کر۔''

تم اپنے کردار میں ایسی توحیدی شان پیدا کرو کہ تمہارا ایک ایک عمل گویا اس دعوے کی گواہی بن جائے: ﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۶۲﴾ (الانعام) ''آپ کہیے کہ میری نماز‘ میری قربانی‘ میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔ اور دنیا کے تمام جھمیلوں کو چھوڑ کر اپنی توجہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف اس انداز سے مرکوز کر دو کہ تمہاری زندگی کے شب و روز میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان الفاظ کا رنگ جھلکتا نظر آئے: ﴿اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۷۹﴾ (الانعام) ''میں نے تو اپنا رُخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

﴿فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ﴾ ''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت پر (قائم رہو) جس پر اُس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔''

یہی فطرتِ سلیمہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کی ہے۔ نسل انسانی کا ہر بچہ اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اس کی اس فطرت پر کچھ اور رنگ چڑھا دیتے ہیں یا اس کے ماحول کی وجہ سے اس کا رخ کسی اور طرف مڑ جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ)) (۱)

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے‘ پھر اُس کے والدین اسے یہودی‘ نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

﴿لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔''

یعنی اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ یوں بھی کیا ہے: ''اللہ کی بنائی ہوئی ساخت کو تبدیل نہ کیا جائے''۔ یا ''اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس فطرت پر انسان کو پیدا کیا ہے اس کو بگاڑنا اور مسخ کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۰﴾ ''یہی ہے سیدھا دین‘ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۳۱ ﴿مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝۳۱﴾ ''رجوع کرتے ہوئے اُسی کی طرف‘ اور اُسی سے ڈرو‘ اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے مت ہونا۔''

یہاں مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ کے الفاظ میں گویا پچھلی آیت کے مضمون ﴿فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ﴾ کا ہی

(۱) صحيح البخاری‘ كتاب الجنائز‘ باب ما قيل فی اولاد المشركين۔ وصحيح مسلم‘ كتاب القدر‘ باب معنى كل مولود يولد على الفطرة ......

تسلسل ہے۔ پچھلی آیت میں صیغہ واحد میں حضورﷺ سے خطاب تھا اور اب جمع کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے اس حکم میں اُمت کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ قرآن کے اس اسلوب کا قبل ازیں کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ مکی سورتوں میں اکثر مقامات پر حضورﷺ سے صیغہ واحد کے پردے میں اصل خطاب اُمت سے ہی ہوتا ہے۔

آیت ۳۲ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ﴾ ''(یعنی) ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ مختلف گروہ بن گئے۔''

فَرَقَ کے معنی جدا کرنا اور پھاڑ دینا کے ہیں' جبکہ فَرَّقَ میں اس بنیادی معنی پر مستزاد کسی چیز کو کاٹ دینا' توڑ دینا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کا مفہوم بھی شامل ہو جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ (آیت ۵۰) ''اور یاد کرو جب کہ ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ دیا پھر تمہیں بچا لیا اور فرعونیوں کو غرق کر دیا''۔ اس طرح فِرق یا فرقہ کے معنی کسی چیز کا کٹا ہوا حصہ یا ٹکڑا کے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء کی اس آیت میں ہے: ﴿فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝۶۳﴾ ''تو وہ (سمندر) پھٹ گیا' پھر ہو گیا ہر ٹکڑا ایک بہت بڑے پہاڑ کی مانند۔''

اس اعتبار سے دین کو پھاڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے نام لیواؤں نے اپنی اطاعت کو اس طرح منتشر کر دیا کہ زندگی کے ایک حصے میں تو اللہ کی اطاعت کرتے رہے' جبکہ کسی دوسرے معاملے میں کسی اور کی بات مانتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا نظامِ زندگی منتشر ہو کر رہ گیا۔ اس سلسلے میں اللہ کا حکم بہت واضح ہے: ﴿وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ﴾ (الاعراف: ۲۹) ''اور اُسی کو پکارو دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے''۔ یعنی اللہ کی اطاعت کے متوازی کسی دوسرے کی اطاعت قابلِ قبول نہیں کہ کچھ احکامُ اللہ کے مان لیے جائیں اور کچھ میں کسی دوسرے کی پیروی کی جائے۔ ہاں اللہ کی اطاعت کے تابع رہ کر کسی اور کی اطاعت میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً والدین کی اطاعت کرنا' اساتذہ کا کہنا ماننا اور حکام کا فرمانبردار بن کر رہنا ضروری ہے' مگر اُس وقت تک جب تک کہ ان میں سے کوئی اللہ کی معصیت کا حکم نہ دے۔ اس سلسلے میں نبی مکرمﷺ نے بہت واضح اصول بیان فرما دیا ہے: ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ))(۱) یعنی مخلوق کی ایسی اطاعت نہیں کی جائے گی جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔

﴿كُلُّ حِزْبٍ ۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲﴾ ''ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔''

ایک گروہ دین کے ایک حصے پر عمل کر رہا ہے' دوسرے گروہ نے اپنی پسند کے کچھ اور احکام کو اپنی پیروی کے لیے منتخب کر لیا ہے اور تیسرے نے کوئی اور راستہ نکال لیا ہے۔ غرض مختلف گروہوں نے دین کے مختلف حصوں کو آپس میں بانٹ لیا ہے اور ہر گروہ اپنے طریقے میں مگن ہے اور اس پر اترا رہا ہے' حالانکہ ان میں سے کوئی گروہ بھی پورے دین پر عمل پیرا نہیں ہے۔

---

(۱) صحيح الجامع الصغير وزيادته' ح: ۷۵۲۰۔ عن عمران بن الحصين ﷺ۔ مشكاة المصابيح' كتاب الامارة والقضاء' الفصل الثاني' عن النواس بن سمعان ﷺ۔

آیت ۳۳ ﴿وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾ ''اور جب انسانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پکارتے ہیں اپنے رب کو اُسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے''

﴿ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ ''پھر جب وہ انہیں اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو جبھی ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔''

آیت ۳۴ ﴿لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ﴾ ''تاکہ ناشکری کریں اس کی جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کر کے عملی طور پر اس کی ناشکری کا ثبوت دیں۔

﴿فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾ ''تو ٹھیک ہے (چند روزہ زندگی کا) فائدہ اٹھالو' پھر جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

یہ وہی انداز ہے جو سورۃ التّکاثُر میں آیا ہے: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾﴾ کہ تمہاری یہ زندگی چند روزہ ہے' اس محدود مہلت میں تم اپنی من مانیوں کے مزے اڑا لو۔ بالآخر تم نے ہمارے پاس ہی آنا ہے اور وہ وقت دور بھی نہیں۔ چنانچہ بہت جلد اصل حقائق تم پر منکشف ہو جائیں گے۔

آیت ۳۵ ﴿اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ ''کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی سند اتاری ہے جو انہیں ان چیزوں کے متعلق بتا رہی ہے جن کو یہ شریک ٹھہرا رہے ہیں!''

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے بارے میں کیا ان لوگوں کے پاس کسی آسمانی کتاب میں کوئی دلیل موجود ہے جو اس شرک کی صداقت پر شہادت دیتی ہو جو یہ کر رہے ہیں؟ کیا ان پر ایسی کوئی ہدایت نازل ہوئی ہے کہ فلاں شخصیت بھی اللہ کے برابر ہو سکتی ہے اور فلاں ہستی بھی اس کے اختیارات میں حصہ دار بن سکتی ہے؟ یہاں پر آسمانی سند یعنی الہامی کتاب کے بارے میں لفظ يَتَكَلَّمُ آیا ہے' یعنی کیا اللہ کی نازل کردہ کتاب ان سے اس بارے میں گفتگو کرتی ہے؟ علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں قرآن کے لیے جو لفظ ''گویا'' (گفتگو کرنے والا) استعمال کیا ہے شاید اس کا تصور انہوں نے یہیں سے لیا ہو:

مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست ایں   زندہ و پائندہ و گویا ست ایں!

یعنی حق تعالیٰ کی مانند یہ کلام پوشیدہ بھی ہے' ظاہر بھی ہے اور زندہ و پائندہ بھی۔ دوسری بہت سی صفات کے علاوہ اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ یہ کتاب اپنے پڑھنے والے کے ساتھ ہم کلام ہوتی ہے اور اس سے گفتگو کرتی ہے۔

آیت ۳۶ ﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ﴾ ''اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر اترانے لگتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور اگر ان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب' تو جبھی وہ آس توڑ دیتے ہیں۔''

موافق حالات میں تو یہ لوگ اپنی کامیابیوں پر پھولے نہیں سماتے‘ لیکن اگر ان کے اپنے ہی کرتوتوں کے سبب کبھی ان پر برا وقت آ جاتا ہے تو مایوسی سے گویا ان کی کمر ہی ٹوٹ جاتی ہے۔

آیت ۳۷ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ﴾ ’’کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اللہ ہی کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور نپا تُلا دیتا ہے (جسے چاہتا ہے)۔‘‘

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۳۷﴾ ’’یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔‘‘

آیت ۳۸ ﴿فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ﴾ ’’تو قرابت داروں‘ مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دو۔‘‘

﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸﴾ یہی بہتر روش ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں‘ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘

آیت ۳۹ ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ﴾ ’’اور جو کچھ تم دیتے ہو سود پر تاکہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں تو اللہ کے ہاں اس میں کوئی بڑھوتری نہیں ہوتی۔‘‘

اس آیت کا حوالہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۵ کی تشریح کے ضمن میں بھی دیا گیا ہے۔ دراصل اپنے مستقبل کے لیے بچت کرنا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ پھر ہر شخص نہ صرف اپنی بچت کو سنبھال کر رکھنا چاہتا ہے بلکہ اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی بچائی ہوئی رقم وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی بھی رہے۔ قرآن اس بچت کو ’’العفو‘‘ یعنی قدرِ زائد (surplus value) قرار دے کر اسے انفاق فی سبیل اللہ کی مد میں اللہ کے بینک میں جمع کرانے کی ترغیب دیتا ہے: ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) ’’اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ (وہ سب خرچ کر دو) جو ضرورت سے زائد ہے!‘‘

انفاق فی سبیل اللہ کی مد میں ایسے مال سے محتاجوں اور ناداروں کی مدد بھی کی جا سکتی ہے اور اسے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے بھی کام میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کا کم تر درجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرضِ حسنہ کی شکل میں وقتی طور پر کسی ضرورت مند کی مدد کر دی جائے۔ بہرحال اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال اس کے ہاں محفوظ بھی رہے گا اور بڑھتا بھی رہے گا۔ یعنی آخرت میں اس کا اجر کئی گنا بڑھا کر دیا جائے گا۔

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹﴾ ’’اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو (اور اس سے) اللہ کی رضا چاہتے ہو‘ تو یہی لوگ ہیں جو (اللہ کے ہاں اپنے مال کو) بڑھانے والے ہیں۔‘‘

دنیا میں جو لوگ زکوٰۃ اور صدقات و خیرات کی صورت میں اللہ کے راستے میں خرچ کر رہے ہیں انہیں آخرت میں اس کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا کر دیا جائے گا‘ بلکہ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے

اسے اور بھی زیادہ بڑھا دے گا۔ایسے لوگوں کو آخرت میں اجر موعود کے ساتھ ساتھ اللہ کی رضا بھی حاصل ہو گی۔

اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ اور سود کا تقابل کر کے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کسی شخص کی بچت کا بہترین مصرف ہے۔اس میں منافع (اجر و ثواب) بہت زیادہ بھی ہے اور دائمی بھی۔ دوسری طرف سود پر رقم دینا کسی بچت کا بدترین مصرف ہے' جس میں ایک شخص بغیر کوئی محنت کیے اور بغیر کوئی خطرہ مول لیے ایک طے شدہ رقم باقاعدگی سے حاصل کرتا رہتا ہے جبکہ اس کی اصل رقم بھی محفوظ رہتی ہے۔اس کے بارے میں یہاں فرمایا گیا کہ سود کی شکل میں سرمائے میں بظاہر جو اضافہ ہوتا نظر آتا ہے اللہ کی نظر میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔صدقات اور سود کے تقابل کے حوالے سے دراصل یہاں دو متضاد ذہنیتوں کا تقابل بھی سامنے آتا ہے۔ایک اس شخص کی ذہنیت ہے جو اپنے مال سے اللہ کی رضا کا متمنّی ہے جبکہ دوسرا شخص اللہ کے احکام کی پروا کیے بغیر ہر قیمت پر اپنے سرمائے میں اضافہ چاہتا ہے۔

یہاں ضمنی طور پر یہ بھی سمجھ لیں کہ ایک ایسا شخص جس کے پاس سرمایہ ہے مگر وہ خود محنت یا تجارت وغیرہ نہیں کر سکتا اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے سرمائے میں اضافہ ہوتا رہے اس کے لیے شریعت اسلامی میں مضاربت کا طریقہ ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی رقم کسی دوسرے شخص کو کاروبار وغیرہ کے لیے دے اور اس سے منافع وغیرہ کی شرائط طے کر لے۔اب اگر اس کاروبار میں منافع ہو گا تو سرمایہ فراہم کرنے والا شخص اس میں سے شرائط کے مطابق اپنے حصے کا حق دار ہو گا لیکن نقصان کی صورت میں تمام نقصان اسے خود ہی برداشت کرنا ہو گا۔عامل (محنت کرنے والا) اس نقصان میں حصہ دار نہیں ہو گا۔اس ضمن میں مزید تفصیل کے لیے فقہ کی کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ﴾ ''اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہیں رزق دیا' پھر وہ تمہیں موت دے گا' پھر تمہیں زندہ کرے گا۔''

﴿هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ''کیا تمہارے شریکوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان میں سے کوئی بھی کام کرتا ہو؟''

اے گروہ مشرکین! کیا تمہارے لات' منات اور عزیٰ میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی ایک کام بھی سرانجام دینے کی قدرت رکھتا ہو؟ دراصل مشرکین مکہ خود ہی یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان کا خالق اللہ ہے اور زندگی و موت کا اختیار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔لات و منات وغیرہ کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (یونس:۱۸) کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش سے آخرت میں وہ چھوٹ جائیں گے۔

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۴۰﴾ ''وہ پاک ہے اور بہت بلند و برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیات ۴۱ تا ۵۳

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا
مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ
الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا
اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ
وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا
هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ
اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا
تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ
ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۱۳ ۸

آیت ۴۱ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾ ’’بحر و بر میں فساد رونما ہو چکا ہے‘ لوگوں کے اعمال کے سبب‘‘

یہ آیت جس شان سے آج دنیا کے اُفق پر نمایاں ہوئی ہے شاید اپنے نزول کے وقت اس کی یہ کیفیت نہیں تھی۔ آج سے پندرہ سو سال پہلے نہ تو دنیا کی وسعت کے بارے میں لوگوں کو صحیح اندازہ تھا اور نہ ہی ’’فساد‘‘ کی اقسام میں وہ تنوع سامنے آیا تھا جس کا نظارہ آج کی دنیا کر رہی ہے۔ آج پوری دنیا میں جس جس نوعیت کے فسادات رونما ہو رہے ہیں ان کی تفصیلات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ آج چونکہ پوری دنیا سمٹ کر ’’گلوبل ویلج‘‘ کی صورت اختیار کر چکی ہے اس لیے دنیا کے کسی بھی گوشے میں رونما ہونے والے ’’فساد‘‘ کے اثرات ہر انسان کو بھگتنا پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ ان حالات میں آج اس آیت کا مفہوم واضح تر ہو کر دنیا کے سامنے آیا ہے۔

﴿لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ عَمِلُوۡا﴾ ''تا کہ وہ انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا''
اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا اصول یہ ہے کہ وہ انسانوں کے سب اعمال کی سزا دنیا میں نہیں دیتا۔ اگر ایسا ہوتو روئے زمین پر کوئی انسان بھی زندہ نہ بچے: ﴿وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ﴾ (فاطر: ۴۵) ''اور اگر اللہ گرفت کرے لوگوں کی ان کے اعمال کے سبب تو اس (زمین) کی پشت پر کسی جاندار کو نہ چھوڑے' لیکن وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے ان کو ایک مقررہ مدت تک''۔ اس اصول کے تحت اگرچہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی کی حد تک انسانوں کی زیادہ تر نافرمانیوں کو نظر انداز کر کے ان کی سزا کو مؤخر کرتا رہتا ہے لیکن بعض گناہوں یا جرائم کی گرفت وہ دنیا میں بھی کرتا ہے اور اس گرفت کا مقصد یہ ہوتا ہے:

﴿لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ۝﴾ ''تا کہ وہ لوٹ آئیں۔''
کہ شاید اس سے کچھ لوگوں کو ہوش آ جائے اور وہ توبہ کر کے اپنی روش تبدیل کر لیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمان جس ذلت وخواری کو اپنا مقدر سمجھے بیٹھے ہیں شاید ایسی کسی گرفت سے انہیں بھی غور کرنے کی توفیق مل جائے کہ: ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں! (غالبؔ)

شاید ایسی کسی ٹھوکر سے وہ جاگ جائیں اور انہیں اللہ کے اس وعدے پر غور وخوض کرنے کی فرصت میسر آ جائے: ﴿وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾ (آل عمران) ''اور تم لوگ ہی سر بلند ہوگے اگر تم (حقیقی) مؤمن ہوگے''۔ اور اس طرح وہ اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ ان کے تمام مسائل کا سبب ایمانِ حقیقی کا فقدان ہے۔ اور شاید اس طرح انہیں قرآن سے براہِ راست ہم کلام ہونے کا بھی موقع مل جائے اور خود قرآن انہیں ان کی ذلت وخواری کی وجہ بتا دے کہ تم اس حالت کو اس لیے پہنچے ہو کہ تم نے اپنے دین کے حصے بخرے کر دیے ہیں' تم دین کے صرف ان احکام پر عمل کرتے ہو جو تمہیں پسند ہیں اور جو احکام تمہاری نجی اور معاشرتی زندگی کے معمول سے مطابقت نہیں رکھتے انہیں نظر انداز کر دیتے ہو: ﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝﴾ (البقرۃ) ''تو کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کو نہیں مانتے؟ تو نہیں ہے کوئی سزا اس کی جو یہ حرکت کرے تم میں سے سوائے دنیا کی زندگی کی ذلت ورسوائی کے' اور قیامت کے روز وہ لوٹا دیے جائیں گے شدید ترین عذاب کی طرف' اور اللہ غافل نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو''۔ چنانچہ موجودہ حالات کے تناظر میں ہم میں سے ہر ایک کو اس معاملے میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ ایک بڑے عذاب سے پہلے جو مہلت ہمیں دستیاب ہے اس سے فائدہ اٹھالیں اور توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں۔

یہاں پر زیر مطالعہ چار سورتوں (العنکبوت' الروم' لقمان اور السجدۃ) کے ذیلی گروپ کے بارے میں ایک اہم بات نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ مضامین کی خاص مشابہت کے اعتبار سے یہ سورتیں مزید دو جوڑوں پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ اس نقطہ نظر سے سورۃ العنکبوت کی مناسبت سورۂ لقمان کے ساتھ ہے جبکہ سورۃ الروم کے مضامین

سورۃ السجدۃ کے مضامین سے مطابقت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اس سورت کی یہ آیت (آیت ۴۱) اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ السجدۃ کی آیت ۲۱ کے ساتھ خصوصی مطابقت رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ سورۃ الروم کی ۶۰ آیات ہیں جبکہ سورۃ السجدۃ کی ۳۰ آیات ہیں۔ چنانچہ آیات کی تعداد کے لحاظ سے جو جگہ سورۃ الروم کی ساٹھ آیات کے اندر اس کی آیت ۴۱ کی ہے تقریباً وہی جگہ سورۃ السجدۃ کی تیس آیات کے اندر اس کی آیت ۲۱ کو حاصل ہے۔ اس لحاظ سے ان دونوں آیات کی باہمی مطابقت و مشابہت معنی خیز ہے۔

آیت ۴۲ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کہ تم زمین میں گھومو پھرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو (تم سے) پہلے تھے۔''

﴿كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾ ''ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔''

آیت ۴۳ ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ﴾ ''پس اپنے چہرے کو قائم رکھو دین قیم کی طرف''

قبل ازیں آیت ۳۰ میں بھی یہی ہدایت دی گئی ہے۔

﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ ''اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جسے اللہ کی طرف سے کوئی لوٹانے والا نہیں ہوگا''

﴿يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''جس دن یہ لوگ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے۔''

اس دن تمام نسل انسانی اپنے اپنے اعتقادات اور اعمال کے اعتبار سے مختلف گروہوں میں بٹ جائے گی۔ گویا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔

آیت ۴۴ ﴿مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ﴾ ''جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہوگا۔''

﴿وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''اور جن لوگوں نے نیک اعمال کیے تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے سامان کرتے ہیں۔''

مَهَدَ يَمْهَدُ کے معنی ہیں: (زمین) ہموار کرنا' (بستر) بچھانا' ساز و سامان تیار کرنا یا کمائی کرنا۔ یعنی یہ لوگ اپنے لیے فلاح کا راستہ ہموار کر رہے ہیں یا جنت میں آرام کرنے کے لیے اپنا بستر بچھا رہے ہیں اور ساز و سامان تیار کر رہے ہیں۔

آیت ۴۵ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ﴾ ''تاکہ اللہ بدلہ دے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔''

﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''یقیناً وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیت ۴۶ ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ﴾ ''اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو بشارت دینے والی بنا کر''

﴿وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ ''اور تاکہ وہ تمہیں مزہ چکھائے اپنی رحمت کا''

تا کہ بارانِ رحمت برسا کر تمہیں اس کے ثمرات سے مستفیض ہونے کا موقع فراہم کرے۔

﴿وَلِتَجْرِیَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۴۶﴾ ''اور اس لیے بھی کہ اُسی کے حکم سے کشتیاں چلیں' اور تا کہ تم (ان کشتیوں پر سوار ہو کر) اُس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔''

آیت ۴۷ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی ہم نے رسولؑ بھیجے ان کی اپنی اپنی قوم کی طرف''

﴿فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ﴾ ''تو وہ ان کی طرف لے کر آئے واضح نشانیاں' پھر ہم نے انتقام لیا (ان میں سے) ان لوگوں سے جو مجرم تھے۔''

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷﴾ ''اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔''

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں کو سیلاب کی آفت سے بچا لیا گیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھی بھی تباہی سے محفوظ رہے اور اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام اور آپؑ پر ایمان لانے والے لوگ بھی اللہ کی مدد سے عذاب کی زد میں آنے سے بچ گئے۔

آیت ۴۸ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا﴾ ''اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے' پھر وہ اُٹھاتی ہیں بادلوں کو''

﴿فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ ''پھر وہ پھیلا دیتا ہے ان (بادلوں) کو فضا میں جیسے چاہتا ہے''

﴿وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ﴾ ''اور انہیں کر دیتا ہے تہ بر تہ' پھر تم دیکھتے ہو بارش کو کہ برستی ہے ان کے درمیان سے''

یہ مضمون قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔

﴿فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝۴۸﴾ ''پھر جب وہ برساتا ہے اسے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے تو یکا یک وہ خوش ہو جاتے ہیں۔''

آیت ۴۹ ﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝۴۹﴾ ''اگرچہ اس سے پہلے کہ وہ ان پر برستی' وہ لوگ بالکل نا امید تھے۔''

جس انسانی نفسیاتی کیفیت کا نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے اس کا تجربہ مصنوعی آب پاشی کے علاقوں کے لوگوں کو کم ہوتا ہے جبکہ بارانی علاقوں میں اس کے مظاہر اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اکثر اوقات جب کسانوں کی مایوسی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو اچانک موسم کروٹ لیتا ہے' ہوائیں اپنا رخ بدلتی ہیں' فضا میں گھٹائیں نمودار ہوتی ہیں' دیکھتے ہی دیکھتے خشک زمین سیراب ہو جاتی ہے اور کسان' مزدور' چرند' پرند' حشرات الارض وغیرہ سب نہال ہو جاتے ہیں۔

آیت ۵۰ ﴿فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ﴾ ”تو دیکھو اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف‘ وہ کس طرح زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مُردہ ہو جانے کے بعد!“

﴿اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۵۰﴾ ”یقیناً وہی زندہ کرنے والا ہے مُردوں کو بھی‘ اور یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آیت ۵۱ ﴿وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝۵۱﴾ ”اور اگر ہم ایک ایسی ہوا بھیج دیں کہ (جس کے اثرات سے) وہ اسے زرد دیکھیں تو اس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں۔“

اگر کسی جھکڑ وغیرہ سے کھیتی تباہ ہو جائے یا لُو اور بادِ صرصر کے اثرات سے اچھی بھلی فصل مرجھا جائے تو فوراً یہ لوگ اللہ کی ناشکری کا اظہار کرنے لگتے ہیں کہ ہماری قسمت تو ہمیشہ ہی پھوٹ جاتی ہے‘ ہمیں تو کبھی بھی اچھے دن دیکھنے کو نہیں ملے‘ ہمارے حصے میں تو کبھی کوئی خوشی آئی ہی نہیں۔

آیت ۵۲ ﴿فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۲﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی آپ اپنی پکار بہروں کو سنا سکتے ہیں (خاص طور پر) جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔“

اگر کوئی بہرا شخص آپ کے سامنے ہو تو پھر بھی امکان ہے کہ آپ اسے اشاروں کنایوں سے کسی حد تک اپنی بات سمجھا لیں گے لیکن اگر وہ آپ سے منہ پھیر کر دوسری سمت چلا جا رہا ہو تو آپ کسی طور پر بھی اسے اپنا مدعا نہیں سمجھا سکتے۔ تو اے نبی ﷺ! ایک تو یہ لوگ سننے کی صلاحیت سے محروم ہیں اور مزید یہ کہ وہ آپ کی بات سننا چاہتے بھی نہیں۔ چنانچہ ان تک آپ کی دعوت کے ابلاغ کا کوئی امکان نہیں۔

آیت ۵۳ ﴿وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ﴾ ”اور آپ نہیں ہدایت دے سکتے اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (پھیر کر)۔“

ان دل کے اندھوں کو آپ گمراہی میں بھٹکنے سے نہیں بچا سکتے اور ان کو ضلالت سے نکال کر راہِ راست پر نہیں لا سکتے۔

﴿اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۵۳﴾ ”آپ نہیں سنا سکتے مگر انہی کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ فرمانبردار ہیں۔“

آیات ۵۴ تا ۶۰

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝۵۴ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝۵۵ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ز فَھٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُھُمْ وَلَا ھُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا
لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ط وَلَئِنْ جِئْتَھُمْ بِاٰیَۃٍ لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ
اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶

آیت ۵۴ ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ﴾ ’’اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا کمزوری سے‘‘

یعنی انسان کا بچہ اپنی پیدائش کے وقت بہت کمزور ہوتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً﴾ ’’پھر اُس نے طاقت عطا کی کمزوری کے بعد‘‘

پھر اللہ کی قدرت اور مشیت سے وہی ناتواں بچہ بڑا ہو کر کڑیل جوان بن جاتا ہے۔

﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَۃً ط﴾ ’’پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔‘‘

پھر رفتہ رفتہ انسان کی تمام صلاحیتیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں اور بڑھاپے میں ایک دفعہ پھر انسان کمزوری اور بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔

﴿یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ج وَھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾﴾ ’’وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے‘ اور وہ سب کچھ جاننے والا‘ بہت قدرت والا ہے۔‘‘

آیت ۵۵ ﴿وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ لا مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ ط﴾ ’’اور جس دن قیامت قائم ہو گی مجرمین قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔‘‘

کہ وہ دنیا میں یا عالم برزخ میں گھڑی بھر سے زیادہ نہیں رہے۔

﴿کَذٰلِکَ کَانُوْا یُؤْفَکُوْنَ ﴿۵۵﴾﴾ ’’اسی طرح وہ (دُنیا میں بھی) اُلٹے پھرائے جاتے رہے ہیں۔‘‘

جس طرح وہ لوگ روز قیامت اپنی زندگی کے دورانیے کے بارے میں انتہائی غیر معقول بات کریں گے بالکل ایسے ہی دنیا میں بھی ان کی سوچ اور فکر حقیقت سے بہت دور تھی۔

آیت ۵۶ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ز﴾ ’’اور (اُس وقت) کہیں گے وہ لوگ جنہیں علم اور ایمان عطا کیا گیا تھا کہ تم ٹھہرے ہو اللہ کے فیصلے کے مطابق دوبارہ اٹھنے کے دن تک۔‘‘

تب اہل علم اور صاحب ایمان لوگ انہیں بتائیں گے کہ اے بدبختو! تم جسے ایک گھڑی کہہ رہے ہو وہ دراصل عالم برزخ کا طویل عرصہ تھا جو اللہ کے فیصلے کے مطابق تم پر گزرا۔ ظاہر ہے ایک شخص اگر آج سے پانچ ہزار سال قبل فوت ہوا تھا تو آج تک وہ عالم برزخ میں ہی ہے اور نہ معلوم قیامت تک اور کتنا عرصہ وہ مزید وہاں رہے گا۔ اور یوم بعث کب آئے گا؟ اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ چنانچہ انہیں بتایا جائے گا کہ تم لوگ اللہ کے

حساب اور اس کے فیصلے کے مطابق یوم بعث تک وہاں رہے ہو۔

﴿فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝۵۶﴾ ''تو یہ ہے یومِ بعث' لیکن تم لوگ تو علم ہی نہیں رکھتے تھے۔''

ابھی تمہاری آنکھ کھلی ہے تو تم یوم بعث کا یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو' مگر دنیا میں تو تم لوگوں نے آخرت کی زندگی اور اس دن کے بارے میں کبھی غور کرنا پسند ہی نہیں کیا تھا۔

آیت ۵۷ ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ﴾ ''تو آج کے دن کچھ فائدہ نہیں پہنچائے گی ظالم لوگوں کو ان کی معذرت''

جن لوگوں نے دنیا میں گناہ کی زندگی بسر کی اور ساری عمر ظلم و زیادتی کا رویہ اپنائے رکھا' قیامت کے دن ان کا معذرت کرنا' بہانے بنانا اور معافیاں مانگنا کام نہیں آئے گا۔

﴿وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ۝۵۷﴾ ''اور نہ ہی انہیں توبہ کا موقع دیا جائے گا۔''

دنیا میں ہر شخص کے لیے موت کے آثار ظاہر ہونے تک (مَا لَمْ يُغَرْغِرْ) توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور جو لوگ اپنی دُنیوی زندگی میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں' قیامت کے دن انہیں یہ موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

آیت ۵۸ ﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ''اور ہم نے تو لوگوں کے لیے قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔''

ع ''اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!'' کے مصداق قرآن میں اللہ کا پیغام ہر پہلو سے لوگوں کو سمجھا دیا گیا ہے اور ہر انداز سے حقیقت ان پر واضح کر دی گئی ہے۔

﴿وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ۝۵۸﴾ ''اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی بھی نشانی تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہ نہیں ہو تم لوگ مگر جھوٹ گھڑنے والے۔''

اگر آپؐ ان لوگوں کو کوئی معجزہ دکھا بھی دیں تو یہ اسے بھی جادو قرار دے کر الٹا آپؐ پر جھوٹ کا بہتان لگا دیں گے۔

آیت ۵۹ ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝۵۹﴾ ''اسی طرح اللہ مہر لگا دیا کرتا ہے ان لوگوں کے دلوں پر جو علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۶۰ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے' بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے''

جیسا کہ قبل ازیں بار بار توجہ دلائی گئی ہے کہ قرآن میں بہت سے مقامات پر صیغہ واحد میں حضور ﷺ سے خطاب کیا گیا ہے مگر دراصل آپؐ کی وساطت سے تمام اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اہلِ ایمان کی دلجوئی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ لوگ اللہ کے وعدے پر یقین رکھو اور ہر حال میں صبر و استقامت کا دامن تھامے رہو۔ اللہ کی مدد ضرور آئے گی اور بالآخر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ جہاں تک تمہارے موجودہ

حالات اور مصائب و مشکلات کا تعلق ہے تو یہ تمہارے امتحان کا حصہ ہیں: ﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۝۲﴾ (العنکبوت) ”کیا لوگوں نے یہ سمجھا تھا کہ وہ چھوڑ دیے جائیں گے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟“ اس سلسلے میں ہمارا قانون بہت واضح ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ﴾ (البقرۃ:۱۵۵) ”اور ہم ضرور آزمائیں گے تم لوگوں کو کسی قدر خوف‘ بھوک اور مال و جان اور پھلوں کے نقصانات سے“۔ چنانچہ اے مسلمانو! ہمت سے کام لو ع ”ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!“ اگر تم لوگ ان امتحانات میں سرخرو ہو گئے تو اللہ کے وعدے کے مطابق کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

﴿وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ۝۶۰﴾ ”اور آپؐ کو ہرگز ہلکا نہ پائیں وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔“

اگرچہ یہ خطاب بھی صیغہ واحد میں حضور ﷺ سے ہے مگر یہاں بھی اہلِ ایمان کی تثبیتِ قلبی مقصود ہے کہ اے مسلمانو! ایسا نہ ہو کہ مخالفین کے دباؤ کی وجہ سے تمہارے پاؤں میں لغزش آ جائے اور انہیں تمہارے بارے میں یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ یہ لوگ تو کمزور اور بودے ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ تم اپنے موقف پر کوہِ ہمالیہ کی طرح ڈٹے رہو۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اس کے راستے میں اپنا تن من اور دھن کھپانے کی حکمت عملی بدستور اپنائے رکھو۔ اللہ کی مدد اس راستے میں ضرور تمہارے شامل حال رہے گی اور اللہ تمام مشکلات کو دور کر کے تمہیں لازماً کامیاب کرے گا‘ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی!

بارك اللّٰه لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذّکر الحکیم○○

بیانُ القرآن

سُورَۃُ لُقمٰن

(۳۱)

سُورۃ لُقمٰن

تمہیدی کلمات

سورۂ لقمان کی ابتدائی آیات سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہیں۔ مشابہت کے ساتھ ساتھ دونوں سورتوں کی آیات میں لطیف فرق بھی ہے جس کے بارے میں مطالعہ کے دوران وضاحت کر دی جائے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۱۱

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ
وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾
هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ﴿۱﴾﴾ ''الف' لام' میم۔''

سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت بھی انہی تین حروف پر مشتمل ہے۔

آیت ۲ ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾﴾ ''یہ حکمت بھری کتاب کی آیات ہیں۔''

سورۃ البقرۃ سے تقابل کریں تو وہاں آیت ۲ میں ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ کے الفاظ ہیں۔

آیت ۳ ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾﴾ ''ہدایت اور رحمت محسنین کے حق میں۔''

یعنی قرآن محسنین کے لیے سراسر ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔ یاد رہے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲ میں اس کے

مقابل ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾﴾ کے الفاظ ہیں کہ یہ ہدایت ہے اہل تقویٰ کے لیے۔ یہاں پر ایک تو ہدایت کے ساتھ لفظ ''رَحْمَةً'' کا اضافہ فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کتاب سے استفادہ کے حوالے سے ''متقین'' کے بجائے ''محسنین'' کا ذکر ہے۔ محسنین دراصل متقین سے بلند تر درجے پر فائز وہ لوگ ہیں جن کا ایمان ترقی پاتے پاتے ''احسان'' کے درجے تک پہنچ جاتا ہے ـــــ ''احسان'' قرآن کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ اس کی وضاحت قبل ازیں سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے ضمن میں کی جا چکی ہے: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾﴾ ''جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور پھر تقویٰ میں بڑھیں اور ایمان لائیں' پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور پھر درجہ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے''۔ یہ اس درجہ بندی کی طرف اشارہ ہے جس میں سب سے پہلے اسلام' اس کے بعد ایمان' اور پھر اس کے اوپر احسان کا درجہ ہے۔ اسلام' ایمان اور احسان کی یہ تین منازل ''حدیثِ جبریلؑ'' میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ چنانچہ اللہ کے راستے کے مسافروں کی اعلیٰ ترین منزل ''احسان'' ہے۔

آیت ۴ ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ ''جو نماز قائم کرتے ہیں''

اب یہاں محسنین کے اوصاف کا ذکر ہے اور ان کی پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔

﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ ''اور زکوٰۃ دیتے ہیں''

ان الفاظ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اپنے تزکیے کے لیے مسلسل کوشاں رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۳ میں اس حوالے سے ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣﴾﴾ کے الفاظ آئے ہیں' جبکہ یہاں باقاعدہ ''زکوٰۃ'' کا لفظ آیا ہے۔

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾﴾ ''اور آخرت پر یہی لوگ پختہ یقین رکھتے ہیں۔''

''ایمان بالآخرۃ'' کی اہمیت کے پیش نظر اس کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ یہاں ''یقین'' کا ذکر ہوا ہے۔ دراصل آخرت کا عقیدہ وہ عامل (factor) ہے جو انسان کے عمل اور کردار پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اس ضمن میں ایک بندۂ مسلمان سے یقین والے ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔

آیت ۵ ﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾﴾ ''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

یہاں اس سورت کی پانچویں آیت بعینہٖ وہی ہے جو سورۃ البقرۃ کی پانچویں آیت ہے۔

آیت ۶ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کھیل تماشے کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ گمراہ کریں (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بغیر علم کے' اور اس کو ہنسی بنا لیں۔''

یہاں خصوصی طور پر نضر بن حارث کے کردار کی طرف اشارہ ہے جو رؤسائے قریش میں سے تھا۔ دراصل

نزولِ قرآن کے وقت عرب کے معاشرہ میں شعروشاعری کا بہت چرچا تھا۔ ان کے عوام تک میں شعر کا ذوق پایا جاتا تھا اور اچھی شاعری اور اچھے شاعروں کی ہر کوئی قدر کرتا تھا۔ ایسے ماحول میں قرآن کریم جیسے کلام نے گویا اچانک کھلبلی مچادی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے لوگ اس کلام کے گرویدہ ہونے لگے تھے' اس کی فصاحت و بلاغت انہیں مسحور کیے دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ جو شخص قرآن کو ایک بار سن لیتا وہ اسے بار بار سننا چاہتا۔ یہ صورتِ حال مشرکین کے لیے بہت تشویش ناک تھی۔ وہ ہر قیمت پر لوگوں کو اس کلام سے دور رکھنا چاہتے تھے اور دن رات اس کی اس ''قوتِ تسخیر'' کا توڑ ڈھونڈنے کی فکر میں تھے۔ چنانچہ نضر بن حارث نے اپنے فہم کے مطابق اس کا حل یہ ڈھونڈا کہ وہ شام سے ناچ گانے والی ایک خوبصورت لونڈی خرید لایا اور اس کی مدد سے مکہ میں اس نے راتوں کو ناچ گانے کی محفلیں منعقد کرانا شروع کر دیں۔ بظاہر یہ ترکیب بہت کامیاب اور مؤثر تھی کہ لوگ ساری ساری رات ناچ گانے سے لطف اندوز ہوں' اس کے بعد دن کے بیشتر اوقات میں وہ سوتے رہیں اور اس طرح انہیں قرآن سننے یا اپنے اور اپنی زندگی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کی کبھی فرصت ہی میسر نہ آئے۔

یہاں ضمنی طور پر اس صورت حال کا تقابل آج کے اپنے معاشرے سے بھی کر لیں۔ مکہ میں تو ایک نضر بن حارث تھا جس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا' لیکن آج ہمارے ہاں سپورٹس میچز' میوزیکل کنسرٹس (concerts) اور بے ہودہ فلموں کی صورت میں لہو ولعب اور فحاشی وعریانی کا سیلابِ بلا گھر گھر میں داخل ہو چکا ہے جو پورے معاشرے کو اپنی رو میں بہائے چلا جا رہا ہے۔ فحاشی وعریانی کے تعفّن کا یہ زہر ہمارے نوجوانوں کی رگوں میں اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ بحیثیت مجموعی ان کے قلوب واذہان میں موت یا آخرت کی فکر سے متعلق کوئی ترجیح کہیں نظر ہی نہیں آتی۔ ان میں سے کسی کو (الاّ ماشاء اللہ) اب یہ سوچنے کی فرصت ہی میسر نہیں کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس طرف جا رہا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد و مآل کیا ہے؟ اس کے ملک کے حالات کس رُخ پر جا رہے ہیں اور اس ملک کا مستقبل کیا ہے؟ اس سب کچھ کے مقابلے میں ذہنِ اقبال کے ابلیس کی سوچ تو گویا بالکل ہی بے ضرر تھی جس نے بقولِ اقبال مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے کارندوں کو یہ سبق پڑھایا تھا: ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

گویا اُس دور میں ابلیس کو معلوم تھا کہ مسلمان کسی قیمت پر بھی ''عریاں الحاد'' کے جال میں پھنسنے والا نہیں۔ اس لیے وہ کھل کر سامنے آنے کی بجائے ''مزاجِ خانقاہی'' کا سہارا لے کر مسلمانوں کو ''شرعِ پیغمبر'' سے برگشتہ کرنے کا سوچتا تھا۔ مگر آج صورت حال یکسر مختلف ہے۔ آج ابلیس کی ''جدّوجُہد'' کی کرامت سے ''نوجواں مسلم'' اس قدر ''جدت پسند'' ہو چکا ہے کہ فحاشی وعریانی کے مظاہر کو وہ جدید فیشن اور نئی ترقی کا حصہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج میڈیا کے سٹیج پر ابلیسیت کوئی بہروپ بدلنے کا تکلّف کیے بغیر اپنی اصل شکل میں برہنہ محوِ رقص ہے اور ہماری نئی نسل کے نوجوان بغیر کسی تردّد کے اپنی تمام ترجیحات کو بالائے طاق رکھ کر اس تماشہ کو دیکھنے میں رات دن مگن ہیں۔ گویا یہی ان کی زندگی ہے اور یہی زندگی کا مقصد و مآل!

﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔''

آیت ۷ ﴿وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَكْبِرًا﴾ ''جب اسے سنائی جاتی ہیں ہماری آیات تو وہ پیٹھ موڑ کر چل دیتا ہے استکبار کرتے ہوئے''

﴿كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْهِ وَقْرًا ۚ﴾ ''جیسے کہ اُس نے انہیں سنا ہی نہیں' گویا اُس کے کانوں میں بوجھ ہے۔''

گویا وہ بہرا ہے اور جو کچھ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے سنایا ہے اس نے وہ سنا ہی نہیں۔

﴿فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ⑦﴾ ''تو (اے نبی ﷺ!) آپ اس شخص کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے۔''

تاویل خاص کے اعتبار سے دونوں آیات مذکورہ شخص نضر بن حارث کے بارے میں ہیں اور ان میں عذاب کے حوالے سے اسی کا ذکر ہے۔

آیت ۸ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ ⑧﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے نعمتوں بھرے باغات ہیں۔''

آیت ۹ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ⑨﴾ ''وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو سچا ہے۔ اور وہ زبردست ہے حکمت والا۔''

آیت ۱۰ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ''اُس نے آسمانوں کو تخلیق کیا بغیر ایسے ستونوں کے کہ جنہیں تم دیکھ سکو''

﴿وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ﴾ ''اور اُس نے زمین میں لنگر ڈال دیے تا کہ وہ تمہیں لے کر ایک طرف لڑھک نہ جائے''

یعنی زمین کا توازن (isostasy) برقرار رکھنے کے لیے اس میں پہاڑ گاڑ دیے۔

﴿وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ﴾ ''اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیے۔''

﴿وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِیْمٍ ⑩﴾ ''اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا' پھر اُگائے اس میں ہر طرح کے (نباتات کے) خوبصورت جوڑے۔''

آج کی سائنس ''نباتات کے جوڑوں'' کی بہتر طور پر تشریح کر سکتی ہے۔ بہر حال دوسرے جانداروں کی طرح پودوں اور نباتات میں بھی نر اور مادہ کا نظام کار فرما ہے اور ان کے ہاں باقاعدہ خاندانوں اور قبیلوں کی پہچان اور تقسیم بھی پائی جاتی ہے۔

آیت ۱۱ ﴿هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ﴾ ''یہ تو ہے اللہ کی تخلیق' اب تم مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے جو اُس کے سوا (تمہارے معبود) ہیں!''

قرآن میں مشرکین کے اس عقیدے کا بار بار ذکر ہوا ہے کہ وہ اللہ کو اس کائنات اور اس میں موجود

ہر شے کا خالق مانتے تھے۔ چنانچہ یہاں ان سے یہ سوال ان کے اسی عقیدے کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔

﴿بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١١﴾﴾ ''بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔''

دراصل اس دلیل کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ عقیدے کے اعتبار سے اگرچہ وہ لوگ اپنے چھوٹے معبودوں کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے تھے، لیکن وہ گمراہی میں اتنے دور جا چکے تھے کہ ایسی باتوں کی طرف کبھی متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے۔

آیات ۱۲ تا ۱۹

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ڼ اِنَّ الشِّرْكَ
لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ
عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿١٤﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا
لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ
اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ
خَبِيْرٌ ﴿١٦﴾ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ
الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۸ ۱۱

سورۂ لقمان کا یہ رکوع اپنے مضامین کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اسے ہم نے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں بھی شامل کیا ہے۔ چنانچہ منتخب نصاب کے پہلے حصے (جامع اسباق) کا تیسرا درس اس رکوع پر مشتمل ہے۔

بنیادی طور پر اس رکوع میں حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل ہوئی ہیں۔ ان نصیحتوں میں اس قدر جامعیت ہے کہ انسان کی نجاتِ اُخروی کے لوازمات کا ایک مکمل خاکہ ان کے اندر موجود ہے۔ حضرت لقمان نہ تو خود نبی تھے اور نہ ہی کسی نبی کے پیروکار تھے، بلکہ وہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان تھے۔ ان کے حوالے سے جو بہت اہم نکتہ یہاں پر واضح ہوتا ہے وہ یہ ہے (اس دورۂ ترجمہ قرآن کے دوران قبل ازیں بھی یہ نکتہ بار بار زیر بحث آچکا ہے) کہ ہر انسان فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اور اگر ماحول کے منفی اثرات کے باعث اس کی فطرت مسخ نہ ہوگئی ہو تو وحی یا کسی نبی کی راہنمائی کے بغیر بھی کائنات کے کچھ حقائق تک اُس کی رسائی ممکن ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی

عقل سلیم کے ذریعے بڑی آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اس پوری کائنات کا خالق ایک ہے' اس کی تخلیق میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔ وہ ایسی ہستی ہے جو تمام صفاتِ کمال سے بتمام وکمال متصف ہے۔ اُسی نے اس کائنات کی تدبیر کی ہے اور وہی اس کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔

اسی طرح ایک سلیم الفطرت انسان عقلی طور پر یہ حقیقت بھی سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی زندگی صرف اس دنیا کی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے بعد ایک دوسری زندگی کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ اور یہ کہ جس خالق نے انسانوں کو پیدا کیا ہے وہ ان کا محاسبہ بھی کرے گا۔ ہر انسان کو اپنے کیے کی سزا یا جزا کے لیے اپنے خالق کے حضور ضرور حاضر ہونا پڑے گا۔ ان حقائق کے ادراک کو ''ایمان'' تو نہیں کہا جا سکتا' لیکن معرفت یا حکمت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ''ایمان'' تو نبی کی دعوت کی تصدیق کا نام ہے' جس تک انسان خود بخود رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ معرفت اور حکمت کے یہ دو مقامات (وجودِ باری تعالیٰ کا ادراک اور آخرت کا شعور) ایسے ہیں جن تک انسان اپنی عقلِ سلیم کی مدد سے بھی پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ اس کی فطرت پر غفلت اور مادیت کے پردے نہ پڑ چکے ہوں۔

ایک سلیم الفطرت انسان کو اس مقامِ معرفت پر پہنچ کر آگے بڑھنے کے لیے کسی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی اب تک اُس نے عقل کی مدد سے اپنے خالق کو پہچان تو لیا ہے لیکن اس کے خالق کا اس سے تقاضا کیا ہے اس بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ چنانچہ یہاں پہنچ کر وہ مدد کے لیے پکارتا ہے۔ انسان کی فطرتِ سلیمہ کی اس پکار کو اللہ تعالیٰ نے الفاظ کا جامہ عطا کر کے ایک خوبصورت دعا کی صورت میں محفوظ فرما دیا ہے۔ یہ وہی دعا ہے جو ہم ہر نماز کی ہر رکعت کے اندر پڑھتے ہیں۔ لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ایک عام آدمی کی دعا نہیں ہے بلکہ یہ اُس انسان کی فطرت کی پکار ہے جو اپنی سلامتیِ طبع' سلامتیِ فطرت اور سلامتیِ عقل کی مدد سے اللہ کی معرفت حاصل کر چکا ہے۔ اس معرفت کے بعد اس کی روح گویا بے اختیار پکار اٹھتی ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱﴾ یعنی اُس نے اللہ کو خالقِ کائنات اور ربّ العالمین کے طور پر پہچان لیا ہے۔ وہ اللہ کو ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲﴾ ہستی کے طور پر بھی جان چکا ہے۔ اس کے بعد وہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾ کی منطق کا قائل بھی ہو چکا ہے اور اپنی عقلِ سلیم ہی کی مدد سے اسے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴﴾ کا فلسفہ بھی سمجھ میں آ چکا ہے۔ لیکن اس سے آگے وہ کچھ نہیں جانتا۔ اسے اس حقیقت کا ادراک تو ہو گیا ہے کہ اسے اپنے رب ہی کی بندگی کرنا چاہیے اور اسی کی مرضی پر چلنا چاہیے' مگر اس کی بندگی کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کی مرضی ہے کیا؟ اس بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں۔ چنانچہ یہاں وہ اُسی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے جس کی معرفت سے اس کا سینہ منور ہوا ہے اور اُس سے راہنمائی کی درخواست کرتا ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷﴾ ''(اے ہمارے ربّ!) ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی۔ راہ اُن لوگوں کی جن پر تیرا انعام ہوا' جو نہ تو مغضوب ہوئے اور نہ گمراہ۔''

حضرت لقمان ایک ایسی ہی سلیم الفطرت شخصیت تھے جو وحی یا کسی نبی کی راہنمائی کے بغیر کائنات کے مذکورہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ وہ حبشیُ النسل تھے اور پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔ ان کا تعلق مصر اور سوڈان کے سرحدی علاقے نوبیا (Noobia) سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت و

ذہانت اور سلامتیِ فطرت کی مدد سے نہ صرف انہیں توحید کی معرفت حاصل ہوئی بلکہ وہ اس نتیجے پر بھی پہنچ گئے کہ انسانی اعمال ضائع ہونے کی چیز نہیں ہیں۔ اس رکوع میں حضرت لقمان کی ان نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ گویا یہ باتیں ان کی عمر بھر کی سوچ کا لُبِّ لُباب ہیں۔ چونکہ وہ کسی نبی کے پیروکار نہیں تھے اور نہ ہی وحی کی تعلیمات ان تک پہنچی تھیں اس لیے ان کی نصیحتوں میں نہ تو کسی رسول کا تذکرہ ہے اور نہ ہی ان حقائق کا ذکر ہے جن کا علم صرف وحی کے ذریعے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

عرب کے لوگ حضرت لقمان کی شخصیت سے خوب واقف تھے۔ وہ نہ صرف انہیں ایک دانشور حکیم کے طور پر جانتے تھے بلکہ ان کے اقوال کو اپنے اشعار اور خطبات میں نقل (quote) بھی کیا کرتے تھے۔ اس پس منظر میں حضرت لقمان کے اقوال و نصائح کو قرآن میں نقل (quote) کر کے اللہ تعالیٰ گویا مشرکین عرب کو بتانا چاہتا ہے کہ دیکھو! لقمان جیسا دانشور حکیم بھی اپنی سلامتیِ طبع اور سلامتیِ فکر کے باعث اسی اصول اور اسی نکتے تک پہنچا تھا جس کی دعوت آج تم لوگوں کو محمد (ﷺ) دے رہے ہیں۔

آیت ۱۲ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ﴾ ''اور ہم نے لقمان کو دانائی عطا کی تھی''

﴿اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ﴾ ''کہ اللہ کا شکر ادا کرو!''

انسان کی حکمت و دانائی اور اس کی فطرت کے ''سلیم'' ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ جو کوئی بھی اس کے ساتھ بھلائی کرے اُس کے لیے اس کے دل میں بھلائی اور احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں اور پھر وہ مناسب طریقے سے ان جذبات کا اظہار بھی کرے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہو چکی ہو تو وہ اپنے محسنِ اعظم اور مُنعمِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور ہر لحہ اور ہر مقام پر ضرور کلمہ شکر بجالائے گا۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ اللہ کے شکر کے اظہار کے لیے بہترین کلمہ شکر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' ہے جو قرآن مجید کا کلمہ آغاز بھی ہے۔

﴿وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ﴾ ''اور جو کوئی بھی شکر کرتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اپنے ہی بھلے کے لیے۔''

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫﴾ ''اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے اور وہ اپنی ذات میں خود محمود ہے۔''

آیت ۱۳ ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ﴾ ''اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے جبکہ وہ اسے نصیحت کر رہا تھا''

یہاں سے ان نصیحتوں کا آغاز ہوتا ہے جن میں حضرت لقمان اپنے بیٹے سے مخاطب ہیں۔ اگرچہ یہاں پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا' لیکن انہوں نے یہ نصیحتیں اپنے انتقال کے وقت کی تھیں۔ ہر شخص فطری طور پر چاہتا ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے اپنی اولاد کو اپنے ورثے کے بارے میں ضروری ہدایات دے جائے۔ جیسے عام طور پر بڑے بڑے کارخانہ دار اور دولت مند لوگ اپنے کاروبار' اثاثہ جات اور اور لین دین کے معاملات سے متعلق وصیت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت لقمان جیسے حکیم انسان نے بھی ضروری سمجھا کہ اپنے عمر بھر کے غور و فکر اور

دانائی کا نچوڑ اور لُبِ لُباب موت سے پہلے اپنے بیٹے کو منتقل کر دیں۔

﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾﴾ ''اے میرے بیٹے ! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا۔ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

لغوی اعتبار سے لفظ ''ظلم'' کا مفہوم ناانصافی اور حق تلفی ہے۔ ''ظلم'' کی تعریف یوں کی جاتی ہے: وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ یعنی کسی چیز کو اُس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ پر رکھ دینا۔ ظلم کی اس تعریف (definition) پر غور کریں تو یہ نکتہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ یہاں شرک کو ''ظلم عظیم'' کیوں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے اور کائنات کی ہر چیز اُس کی مخلوق ہے۔ وہ اپنی صفات میں یکتا اور تنہا ہے۔ اب اگر کوئی انسان ان صفات کے اعتبار سے مخلوق میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر کر دے یا اللہ تعالیٰ کو کسی اعتبار سے گرا کر مخلوق کی صف میں لا کھڑا کرے تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو گا؟

حضرت لقمان کی اس اہم نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی طرف سے ایک نصیحت کا اضافہ کیا ہے جو والدین کے حقوق سے متعلق ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت لقمان نے کسرِ نفسی کے باعث خود اپنے حق سے متعلق بیٹے کو نصیحت کرنا مناسب نہ سمجھا ہو چنانچہ اس کمی کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔ اس لحاظ سے قرآن حکیم میں یہ پانچواں مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حق توحید کے فوراً بعد والدین کے حقوق کا بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے البقرۃ: ۸۳‘ النساء: ۳۶‘ الانعام: ۱۵۱ اور بنی اسرائیل: ۲۳ میں اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد والدین کے حقوق کا ذکر ہوا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ﴾ ''اور ہم نے وصیت کی انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں۔''

یعنی والدین کے بارے میں حسن سلوک کی تاکیدی ہدایت کی۔ پھر والدین میں سے بھی والدہ کے حق کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا‘ کیونکہ بچوں کی پیدائش اور پرورش کے سلسلے میں زیادہ مشقت اور تکلیف والدہ ہی کو برداشت کرنا پڑتی ہے۔

﴿حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ﴾ ''اس کو اٹھائے رکھا اس کی ماں نے (اپنے پیٹ میں) کمزوری پر کمزوری جھیل کر''

﴿وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ﴾ ''اور اس کا دودھ چھڑانا ہوا دو سال میں''

پہلے نو ماہ تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر جونک کی طرح اس کا خون چوستا رہا اور پھر پیدائش کے بعد دو سال تک مسلسل اس کے جسم کی توانائیاں دودھ کی شکل میں نچوڑتا رہا۔

﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ﴾ ''کہ تم شکر کرو میرا اور اپنے والدین کا!''

﴿اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہو گا۔''

اب اللہ تعالیٰ اور والدین کے حقوق میں توازن کے سلسلے میں جو وضاحت اگلی آیت میں آ رہی ہے وہ ہم سورۃ العنکبوت کی آیت ۸ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اس سے ان دونوں سورتوں کے مضامین میں مشابہت اور مناسبت کی نشان دہی بھی ہوتی ہے۔

آیت ۱۵ ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ ''اور اگر وہ تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم میرے ساتھ شریک کرو اُس چیز کو جس کا تمہارے پاس کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مانو''

یہاں والدین کے اپنی اولاد کو شرک پر مجبور کرنے کے حوالے سے ''جہاد'' کا لفظ استعمال ہوا ہے' جس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ چنانچہ اس لفظ میں والدین کی طرف سے اپنا موقف منوانے کے لیے لڑنے جھگڑنے اور ہر طرح سے دباؤ ڈالنے کا مفہوم موجود ہے۔ البتہ یہاں بہت واضح انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ والدین کے تمام تر تقدس اور احترام کے باوجود انہیں اپنی حدود سے تجاوز کرنے اور اللہ کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت کسی صورت میں نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ اگر والدین اپنی اولاد کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے پر مجبور کرنے لگیں تو اولاد ان کے اس حکم کی تعمیل کسی قیمت پر نہیں کرے گی۔ اس حوالے سے یہ اہم نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ حکم صرف بت پرستی کی ممانعت تک محدود نہیں بلکہ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ کے الفاظ میں ہر قسم کے شرک کی مطلق ممانعت ہے' بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اگر والدین اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو توڑنے کا کہہ رہے ہوں تو گویا وہ شرک ہی کا حکم دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ کے مقابلے میں کسی دوسرے کو مطاع ماننا گویا اسے معبود بنا لینے کے مترادف ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص اپنے نفس کے اُکسانے پر حرام میں منہ مارتا ہے یعنی اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنے نفس کی بات مانتا ہے تو گویا اس نے حرام دولت کو اور اپنے نفس کو معبود کا درجہ دے دیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کا حکم بہت واضح ہے: ﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾﴾ (الفرقان) ''کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے! تو (اے نبی ﷺ!) کیا آپ ایسے شخص کی ذمہ داری لے سکتے ہیں؟''

شرک جیسے حساس مسئلے کو بہت زیادہ احتیاط اور اہتمام کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شرک کا محدود مفہوم سامنے رکھ کر اس کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ! اس موضوع پر میں نے تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ ''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری چھ گھنٹے کی تقاریر کی ریکارڈنگ موجود ہے۔ اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ان تقاریر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان تقاریر کو اسی موضوع کے تحت کتابی صورت میں شائع بھی کیا جا چکا ہے۔

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ ''اور دنیا میں ان کے ساتھ رہو بہتر انداز میں''

ملاحظہ کیجیے اللہ تعالیٰ کے احکام کے اندر کس قدر خوبصورت توازن پایا جاتا ہے۔ ایک طرف والدین کے حقوق ادا کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے' جبکہ دوسری طرف ان کے حقوق کی حد بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ اگر والدین کافر یا مشرک ہیں تو ان کے تمام حقوق ہی ساقط ہو جائیں' بلکہ ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ یعنی اگر والدین مشرک ہیں تو بھی ان کی خدمت کرو' ان کی ضروریات کا خیال رکھو اور ان کے مؤدب بن کر رہو۔ البتہ اگر وہ شرک پر مجبور کریں یا اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کا یہ مطالبہ نہ مانا جائے اور اس حوالے سے بھی انکار کرتے ہوئے ان کے ساتھ بدتمیزی نہ کی جائے۔

﴿وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ ”اور پیروی کرو اُس شخص کی جو میری طرف رخ کر چکا ہے“

قرآن مجید میں جہاں بھی والدین کے حقوق کی بات ہوئی ہے وہاں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے جبکہ ان کی اطاعت کرنے کا حکم کہیں بھی نہیں دیا گیا۔ بہر حال اگر والدین کی اطاعت ہوگی بھی تو اللہ کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہ کر ہی ہوگی۔ البتہ جہاں تک اتباع اور پیروی کا تعلق ہے تو وہ صرف اسی شخص کی جائز ہے جو ہر طرف سے مُنہ موڑ کر کلّی طور پر اللہ کی اطاعت میں آ چکا ہو۔ جب تک نبوت کا تسلسل قائم تھا تو یہ بات انبیاء کرام علیہم السلام پر صادق آتی تھی۔ اب ختمِ نبوّت کے بعد اُمّت میں سے جو شخص بھی اللہ کی اطاعت اور حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے لوگوں کو دین کی طرف بلائے اس آیت کی رو سے اس کا اتباع کرنا اور اس کا ساتھ دینا ضروری ہے۔

﴿ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮﴾ ”پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے‘ پھر میں تمہیں جتلا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

آخر کار تم سب نے میرے پاس ہی آنا ہے‘ والدین کو بھی میرے حضور حاضر ہونا ہے اور ان کی اولاد کو بھی۔ ان میں سے جس نے جو کیا ہوگا‘ وہ سب کچھ اسے دکھا دیا جائے گا۔

اب اگلی آیت میں حضرت لقمان کی دوسری نصیحت کا ذکر ہے۔ ان کی پہلی نصیحت آیت ۱۳ میں بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد دو آیات میں والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ ”اے میرے بچے! اگر وہ (کوئی اچھا یا برا عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہو“

اپنی جسامت کے اعتبار سے رائی کا دانہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ مراد اس سے بہت ہی چھوٹی یا حقیر چیز ہے۔ قرآن مجید میں کسی چھوٹی یا حقیر چیز کا ذکر کرنے کے لیے حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (رائی کے دانے) کے علاوہ بالعموم فَتِيْلًا یعنی کھجور کی گٹھلی کے ساتھ لگے ہوئے دھاگے (النساء: ۴۹) اور نَقِيْرًا یعنی کھجور کی گٹھلی کے گڑھے (النساء: ۱۲۴) جیسے الفاظ بھی آتے ہیں‘ لیکن رائی کا دانہ اپنی جسامت میں ان سب سے چھوٹا ہوتا ہے۔

﴿فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ﴾ ”پھر وہ ہو کسی چٹان میں یا آسمانوں میں یا زمین کے اندر‘ اُسے اللہ لے آئے گا۔“

انسان اشرف المخلوقات ہے‘ اس کے اعمال چاہے اچھے ہوں یا بُرے وہ بھی انسان ہی کی طرح اہم ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انسانی اعمال کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ چنانچہ انسان کا کوئی بھی عمل چاہے وہ کسی پہاڑ کی کھوہ میں وقوع پذیر ہوا ہو‘ خلاء کی پہنائیوں میں یا زمین کے پیٹ کی تاریکیوں میں سرانجام دیا گیا ہو‘ وہ اللہ سے چھپ نہیں سکتا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯﴾ ”یقیناً اللہ بہت باریک بین‘ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

یہی مضمون سورۃ الزلزال میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧﴾ ”تو جو کوئی کرے گا ذرّہ برابر بھلائی وہ اسے دیکھ لے گا‘ اور جو کوئی کرے گا

ذرّہ برابر برائی وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔‘‘

نوٹ کیجیے! حضرت لقمان نے اپنی وصیت میں شرک اور انسانی اعمال کے لازمی نتائج کے بعد بعث بعد الموت یا جنت و دوزخ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ یہ معلومات صرف وحی یا نبوت کی تعلیمات کے ذرائع سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت لقمان نہ تو خود نبی تھے اور نہ ہی ان تک کسی نبی کی تعلیمات پہنچی تھیں۔ اس لیے ان کی نصیحتوں میں صرف وہی باتیں پائی جاتی ہیں جن تک کوئی صاحبِ حکمت شخص غور و خوض کے ذریعے پہنچ سکتا ہے —— اب ان کی تیسری نصیحت ملاحظہ ہو:

آیت ۱۷ ﴿یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ﴾ ’’اے میرے بچے! نماز قائم کرو‘‘

نماز اللہ کے ذکر کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نماز کی اقامت یا پابندی سے مقصود بنیادی طور پر یہی ہے کہ اللہ پر ایمان کی کیفیت کو ہر وقت مستحضر رکھا جائے‘ ورنہ انسان کا نفس اسے غلط راستے پر ڈال دے گا اور شیطان اسے ورغلانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ میں نماز کا مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ یہ غلط کاموں سے روکتی ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ﴾ ’’تلاوت کرتے رہا کریں اُس کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف کتاب میں سے اور نماز قائم کریں‘ یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور برے کاموں سے‘‘۔ چنانچہ حضرت لقمان کی نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ بیٹا! اللہ کو محض پہچان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اسے ہر وقت یاد رکھنا بھی ضروری ہے‘ ورنہ انسان کا سیدھے راستے سے بھٹکنے کا اندیشہ ہر وقت رہے گا۔ اب ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے ہاں نماز کی کیا صورت تھی مگر مراد اس سے یہی ہے کہ انسان کو اپنے شب و روز میں کوئی ایسا معمول ضرور اپنانا چاہیے جس سے اللہ کو ہر وقت یاد رکھا جائے۔

﴿وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ’’اور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو‘‘

یہ ان کی چوتھی نصیحت ہے۔ دراصل یہ انسان کی انسانیت‘ اس کی شرافت اور مروّت کا ناگزیر تقاضا ہے کہ وہ اپنے ابنائے جنس کی بھلائی کے لیے حسب استطاعت کوشاں رہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی خدمت جو کوئی انسان سرانجام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ معاشرے میں رہتے ہوئے بھلائی کا پرچار کرے اور برائیوں سے لوگوں کو روکے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ؕ﴾ ’’اور جو بھی تکلیف تمہیں پہنچے اس پر صبر کرو!‘‘

یہ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ اس لیے کہ حق ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے‘ اپنے اعمال اور رویے پر تنقید کسی کو بھی پسند نہیں۔ چنانچہ جب آپ حق کی بات کریں گے‘ لوگوں کے غلط طرز عمل پر تنقید کریں گے‘ کسی کو برائی سے رک جانے کی نصیحت کریں گے‘ تو لوگ آپ کو برا بھلا بھی کہیں گے اور آپ پر کیچڑ بھی اچھالنے کی کوشش کریں گے۔ حتیٰ کہ وہ آپ کی جان کے درپے بھی ہو جائیں گے۔ اس لیے اگر آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عَلم بلند کر کے حق کا راستہ اپنانا ہے تو پھر آپ کو صبر کرنا بھی سیکھنا ہوگا اور مشکل سے مشکل حالات میں استقامت کا مظاہرہ بھی کرنا ہوگا۔

﴿اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑰﴾ ''یقیناً یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''
غور کریں تو حضرت لقمان کی ان چار نصیحتوں میں وہی چار باتیں ایک دوسرے انداز میں بیان ہوئی ہیں جن کا ذکر سورۃ العصر میں آیا ہے۔ سورۃ العصر میں یہ باتیں یوں بیان ہوئی ہیں: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③﴾ ''سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے' انہوں نے نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی''۔ سورۃ العصر میں مذکور ان چار نکات یعنی ایمان' اعمالِ صالحہ' تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا اگر حضرت لقمان کی نصائح کے مندرجات سے تقابل کریں تو ''ایمان'' کی جگہ حضرت لقمان نے توحید کا ذکر کیا ہے' اعمالِ صالحہ میں سے نماز اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر ہے۔ تواصی بالحق کی جگہ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت کی ہے جبکہ ''صبر'' کا ذکر دونوں جگہ پر ہی موجود ہے۔ گویا دونوں مقامات پر استعمال ہونے والی اصطلاحات اگرچہ مختلف ہیں لیکن مضمون ایک ہی ہے۔

آیت ۱۸ ﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ ''اور اپنے گالوں کو پھلا کر مت رکھو لوگوں کے سامنے''
یعنی لوگوں سے بے رخی اور غرور و تکبر کی روش مت اختیار کرو۔
﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر مت چلو۔''
﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ⑱﴾ ''یقیناً اللہ ہر شیخی خورے' تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''
لفظی اعتبار سے مُخْتَال کا تعلق خیل (گھوڑے) سے ہے۔ گھوڑے کی چال میں ایک خاص تمکنت اور غرور کا انداز پایا جاتا ہے۔ چنانچہ جب انسان اپنی چال کے انداز میں گھوڑے کے سے غرور و تمکنت کا مظاہرہ کرتا ہے تو گویا وہ مُخْتَال بن جاتا ہے۔ یہی مضمون اس سے پہلے سورۂ بنی اسرائیل میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ㊲﴾ ''اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو' تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہنچ سکو گے پہاڑوں تک اونچائی میں''—— اور اب آخری نصیحت:

آیت ۱۹ ﴿وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ﴾ ''اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو''
یہ میانہ روی (اقتصاد) صرف ظاہری چال ہی میں نہیں بلکہ زندگی کی مجموعی ''چال'' میں بھی مطلوب ہے۔ خصوصی طور پر قرآن میں معیشت کی میانہ روی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الفرقان میں بندۂ مومن کی پختہ (mature) اور متوازن شخصیت کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ㊼﴾ ''اور وہ لوگ کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان کا معاملہ) اس کے بین بین معتدل ہوتا ہے۔''
﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ﴾ ''اور اپنی آواز کو پست رکھو۔''
خصوصی طور پر کسی بحث و تمحیص کے دوران اونچی آواز میں چیخنے کے بجائے ٹھوس دلیل کے ساتھ پُروقار

انداز میں گفتگو کرو۔ کیونکہ عام طور پر بحث کرتے ہوئے آدمی اونچی آواز میں چیخ چیخ کر اس وقت بولتا ہے جب اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ گویا وہ آواز کے زور سے اپنی دلیل کی کمی پوری کرنا چاہتا ہے۔

﴿اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ﴿۱۹﴾﴾ ''یقیناً سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔''

خواہ مخواہ بلند آواز سے بولنے میں انسان کی کوئی بڑائی نہیں ہے۔ اس میں اگر کوئی بڑائی ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ مستحق گدھا قرار پاتا جس کی آواز غیر معمولی طور پر بلند اور زوردار ہوتی ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ گدھے کی آواز سب آوازوں سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک معقول انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ گدھے کی طرح چلاّ چلاّ کر گفتگو کرے' بلکہ بات چیت میں انسان کا بہتر طرزِ عمل یہی ہے کہ وہ تحمل سے گفتگو کرے اور گفتگو میں وزن پیدا کرنے کے لیے علمی و عقلی دلیل کا سہارا لے۔

آیات ۲۰ تا ۳۰

اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً
وَّ بَاطِنَۃً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا ہُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿۲۰﴾ وَ اِذَا
قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ الشَّیۡطٰنُ
یَدۡعُوۡہُمۡ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۲۱﴾ وَ مَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡہَہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَ ہُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ
بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۲۲﴾ وَ مَنۡ کَفَرَ فَلَا یَحۡزُنۡکَ کُفۡرُہٗ ؕ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ
فَنُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُہُمۡ قَلِیۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّہُمۡ اِلٰی
عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ﴿۲۴﴾ وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ
لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ
الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۶﴾ وَ لَوۡ اَنَّ مَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ شَجَرَۃٍ اَقۡلَامٌ وَّ الۡبَحۡرُ یَمُدُّہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ سَبۡعَۃُ اَبۡحُرٍ
مَّا نَفِدَتۡ کَلِمٰتُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلۡقُکُمۡ وَ لَا بَعۡثُکُمۡ اِلَّا کَنَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ؕ
اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ وَ سَخَّرَ
الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ۫ کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ
اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِ الۡبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡکَبِیۡرُ ﴿۳۰﴾ ع ۱۲

آیت ۲۰ ﴿اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے''

تم لوگ غور کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی ساری مخلوق کو تمہاری خدمت کرنے

اور تمہیں سہولیات بہم پہنچانے پر مامور کر دیا ہے۔ مثلاً سورج کو دیکھو جو تمہارے لیے تمازت اور روشنی مہیا کرتا ہے۔ اسی سے ہواؤں اور بارشوں کا نظام ترتیب پاتا ہے اور زمین پر فصلوں اور پھلوں کی پرورش ممکن ہوتی ہے۔ زمین کو دیکھو جسے اللہ تعالیٰ نے ایک بچھونے کی طرح بچھا کر تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے اور یوں تمہاری تمام ضرورتیں پوری کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

﴿وَاَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّبَاطِنَۃً ؕ﴾ ''اور اُس نے اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں تم پر مکمل کر دی ہیں۔''

اللہ کی ان نعمتوں سے ہم دن رات مستفیض ہو رہے ہیں۔ ان میں سے کئی نعمتیں تو ایسی ہیں جنہیں ہم دیکھتے بھی ہیں اور محسوس بھی کرتے ہیں مگر اس کی بے شمار نعمتوں کے بارے میں ہمیں کبھی احساس بھی نہیں ہوا۔ مثلاً ہمارے وجود کے اندر اللہ کی قدرت سے کیسے کیسے نظام خود بخود مصروفِ عمل ہیں، لیکن عام طور پر ہمیں ان کے بارے میں احساس نہیں ہوتا۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا ہُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ ﴿۲۰﴾﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا کوئی ہدایت ہو یا کوئی روشن کتاب ہو۔''

اس سے پہلے یہ مضمون سورۃ الحج کی آیت ۳ میں بھی بالکل انہی الفاظ میں آ چکا ہے۔ ایسے لوگ اللہ کی ذات، اُس کی آیات اور اُس کے احکام کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اٹھاتے ہیں، منفی انداز میں بحث وتمحیص کرتے ہیں، لیکن اس کے بارے میں ان کے پاس نہ تو کوئی علمی دلیل ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی الہامی ثبوت۔

آیت ۲۱ ﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس (ہدایت) کی جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں: بلکہ ہم تو اُس (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واَجداد کو پایا ہے۔''

یہ سوچ آج بھی زندہ ہے۔ آج بھی ہر معاشرے میں کلچر کے احیاء، لوک ورثے کی حفاظت اور قومی روایات کے پروان چڑھانے کے نام پر کروڑوں روپے کے وسائل ضائع کر دیے جاتے ہیں۔

﴿اَوَلَوۡ کَانَ الشَّیۡطٰنُ یَدۡعُوۡہُمۡ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ ﴿۲۱﴾﴾ ''خواہ انہیں شیطان بلا رہا ہو جہنم کے عذاب کی طرف!''

اپنے آباء واَجداد کے غلط طریقوں سے چمٹے رہنے کی یہ سوچ دراصل شیطانی گمراہی کے سبب ہے۔ چنانچہ ایسی باتیں کر کے گویا وہ لوگ شیطان کی دعوت پر لبیک کہہ رہے ہیں اور شیطان کی دعوت تو گویا جہنم کے عذاب کی دعوت ہے۔

آیت ۲۲ ﴿وَمَنۡ یُّسۡلِمۡ وَجۡہَہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَہُوَ مُحۡسِنٌ﴾ ''اور جس شخص نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ احسان کی روش اختیار کرنے والا بھی ہو''

﴿فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ؕ﴾ ''تو اُس نے تھام لیا مضبوط حلقے کو۔''

اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى (مضبوط کُنڈا یا حلقہ) سے مراد اللہ کا تعلق اور اس کا سہارا ہے۔ اس مضبوط سہارے کو تھامنے کا ذکر اس سے پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ﴾ ''اور جو کوئی انکار کرے طاغوت کا اور ایمان لائے اللہ پر اُس نے تو ایسا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔''

﴿وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''

آیت ۲۳ ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) جو کوئی کفر کرے تو اُس کا کفر آپ کو رنجیدہ نہ کرنے پائے۔''

﴿اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ﴾ ''ہماری ہی طرف ان سب کو لوٹنا ہے' پھر ہم انہیں آگاہ کر دیں گے ان کاموں کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾﴾ ''یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے اسے بھی جو سینوں میں چھپا ہوا ہے۔''

آیت ۲۴ ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾﴾ ''ہم انہیں تھوڑی دیر کے لیے مال و متاع دے رہے ہیں' پھر ہم انہیں کھینچ کر لائیں گے ایک بہت گاڑھے عذاب کی طرف۔''

ہم نے انہیں دُنیوی زندگی کی صورت میں تھوڑی سی مہلت دی ہے' جس میں وہ دنیا کے ساز و سامان کو کام میں لاتے ہوئے مزے لوٹ لیں۔ پھر ہم انہیں پکڑ کر بہت سخت عذاب کی طرف دھکیل دیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے!''

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''آپ کہیے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں' لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔''

آیت ۲۶ ﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

لفظ اللہ کے ساتھ یہاں ''لام تملیک'' آیا ہے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ ہی غنی ہے' بہت خوبیوں والا۔''

وہ بے نیاز ہے' اسے کوئی احتیاج نہیں' وہ خود اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

آیت ۲۷ ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ﴾ ''اور اگر زمین میں جتنے بھی درخت ہیں وہ سب قلم بن جائیں''

قرآن مجید کے اس اسلوب کی طرف پہلے بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور

دہرائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی مضمون سورۃ الکہف میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے لیے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں اگرچہ ہم اسی کی طرح اور (سمندر) بھی مدد کے لیے لے آئیں“۔ سورۃ الکہف کی اس آیت میں لکھنے کے حوالے سے صرف سیاہی کا ذکر ہے جبکہ یہاں پر سیاہی کے ساتھ قلم کا ذکر بھی ہوا ہے۔

﴿وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ ”اور سمندر (سیاہی بن جائے) اس کے بعد اس کو مزید ساتھ سمندر سیاہی مہیا کریں“

یہاں پر اَلْبَحْرِ کے بعد مِدَاد (سیاہی) کا لفظ محذوف ہے۔ بہر حال مفہوم واضح ہے کہ اگر زمین پر موجود سب کے سب درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور پھر مزید سات سمندروں کا پانی بھی سیاہی بن کر اس میں شامل ہو جائے تب بھی:

﴿مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾﴾ ”اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ یقیناً اللہ زبردست ہے، کمال حکمت والا“۔

قبل ازیں کئی بار ذکر ہو چکا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کے کلمہ ”کُن“ کا ظہور ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کی تمام مخلوقات گویا ”کلمات اللہ“ ہیں جن کا شمار ممکن ہی نہیں۔ پرانے زمانے کے مقابلے میں آج کا انسان اس کائنات کی وسعت کے بارے میں بہتر طور پر جانتا ہے۔ آج کے سائنسدان اربوں نوری سالوں کی وسعت تک کائنات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کی وسعت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ چنانچہ جس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں، اس میں موجود مخلوق یعنی اللہ کے کلمات وصفات کو احاطۂ تحریر میں لانا کسی کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ﴾ ”تم سب کا پیدا کرنا اور دوبارہ اٹھانا (اللہ کے لیے) ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا (پیدا کر دینا اور دوبارہ زندہ کر دینا)“۔

پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وسعت و عظمت کا تذکرہ تھا۔ اب اس وسیع و عریض کائنات کے انتظام و انصرام اور رنگارنگ مخلوق کے معاملات کی نگرانی کا ذکر ہے کہ ان تمام امور کی نگہداشت اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ جیسے آیت الکرسی (سورۃ البقرۃ) میں ارشاد ہوا: ﴿وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٢٥٥﴾﴾ ”اور اُس پر گراں نہیں گزرتی ان دونوں (زمین و آسمان) کی حفاظت، اور وہ بلند و بالا ہے، بڑی عظمت والا“۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے“۔

آیت ۲۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ رات کو پروتا ہے دن میں اور دن کو پروتا ہے رات میں“

اس مفہوم کے اعتبار سے اس کی مثال تسبیح کے دانوں کی سی ہے، یعنی قدرتِ الٰہی سے دن اور رات کی

ترتیب ایک ڈوری میں پروئے گئے سیاہ اور سفید رنگ کے دانوں کی سی ہے کہ ایک سیاہ اور ایک سفید دانہ باری باری چلے آ رہے ہیں۔ ان الفاظ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ یعنی دن جب گھٹتا ہے تو رات اس کے کچھ حصے پر قابض ہو جاتی ہے گویا وہ اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح جب رات گھٹتی ہے تو اس کے کچھ حصے پر دن قبضہ (encroachment) کر لیتا ہے۔

﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾﴾ ''اور اُس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ یہ سب کے سب چل رہے ہیں ایک وقت معین تک کے لیے' اور یہ کہ اللہ باخبر ہے اُس سے جو تم کر رہے ہو۔''

آیت ۳۰ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ یہ لوگ جس کسی کو بھی اس کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے''

لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز ''باطل'' ہے جو اگرچہ نظر تو آ رہی ہو مگر اس کا وجود حقیقی نہ ہو۔ جیسے ''سراب'' کہ دور سے دیکھنے پر پانی نظر آتا ہے مگر اصل میں وہ پانی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سوا جس کسی کو بھی کوئی معبود سمجھ کر پکارتا ہے وہ محض دھوکہ اور سراب ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾﴾ ''اور یقیناً اللہ ہی سب سے بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔''

آیات ۳۱ تا ۳۴

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۟ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۴ ۱۲

آیت ۳۱ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ﴾ ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ کشتیاں چلتی ہیں سمندر میں اللہ کی نعمتوں کو لے کر تا کہ وہ دکھائے تمہیں اپنی نشانیوں میں سے۔''

یعنی یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور بڑے بڑے جہاز ہزاروں ٹن وزنی ساز و سامان اٹھائے رواں دواں ہیں۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہے۔''

صَبَّار' فَعَّال کے وزن پر اور شَکُوْر' فَعُوْل کے وزن پر مبالغے کے صیغے ہیں' یعنی بہت زیادہ صبر کرنے والا اور بہت زیادہ شکر کرنے والا۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ﴾ ''اور جب کبھی (سمندر میں) موج انہیں ڈھانپ لیتی ہے سائبانوں کی طرح''

بحری سفر کے دوران جب کبھی یہ لوگ طوفان میں پھنس جاتے ہیں اور سائبانوں کی طرح پھیلی ہوئی موجیں انہیں اپنی طرف ایسے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جیسے کہ وہ ان کے اوپر سے گزر جائیں گی۔

﴿دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ﴾ ''تو وہ پکارنے لگتے ہیں اللہ کو اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

﴿فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ﴾ ''پھر جب وہ انہیں نجات دے کر خشکی پر لے آتا ہے تو ان میں کچھ ہی ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔''

یعنی ان میں سے اکثر و بیشتر توحید خالص سے برگشتہ ہو کر پھر شرک کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔

﴿وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾﴾ ''اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو قول کے جھوٹے اور ناشکرے ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫﴾ ''اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو اور ڈرو اُس دن سے جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہیں آئے گا''

﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ﴾ ''اور نہ ہی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے گا۔''

باپ اور بیٹے کے حوالے سے قریب ترین رشتے کا ذکر کر کے گویا اس سے نچلے درجوں کے تمام رشتوں اور تعلقات کے بارے میں واضح کر دیا گیا کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آ سکے گا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوا: ﴿وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''اور ڈرو اُس دن سے جس دن کام نہ آ سکے گی کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ بھی اور نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ہی کسی سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی مدد مل سکے گی۔''

﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٚ﴾ ''یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے' تو (دیکھو!) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے دُنیا کی زندگی۔''

ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کی زندگی کی زیب و زینت پر ریجھ کر اصل زندگی کو بھول جاؤ۔

﴿وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾﴾ ''اور (دیکھنا!) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اللہ کے حوالے

سے وہ بڑا دھوکے باز۔“

اللہ کے بارے میں انسان کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے شیطان طرح طرح کے حربے آزماتا ہے۔ بعض اوقات وہ انسان کو ہمدردانہ انداز میں باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ اللہ بڑا غفار ہے‘ اس کی رحمت اور مغفرت بہت وسیع ہے‘ تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو‘ کاہے کو توبہ کا سوچتے ہو؟ اگر آج تمہیں موقع ملا ہے تو جی بھر کر عیش کر لو‘ پھر یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ رہا بخشش کا مسئلہ تو اس کی فکر نہ کرو‘ اللہ بڑے بڑے گنہگاروں کو بھی بخش دے گا۔

آیت ۳۴ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ﴾ ”یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس ہے قیامت کا علم۔“

اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ گھڑی کب آئے گی۔ عام طور پر ہم ”قیامت“ اور ”السَّاعة“ کے الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں اور انہیں باہم مترادف الفاظ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ ان دونوں میں سے ہر لفظ کا اپنا الگ مفہوم ہے۔ ”السَّاعة“ کے معنی مخصوص گھڑی کے ہیں اور قرآنی اصطلاح کے مطابق ”السَّاعة“ وہ معیّن گھڑی ہے جب پوری زمین زلزلے سے جھنجھوڑ ڈالی جائے گی‘ اجرامِ سماویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ مثلاً سورۃ القارعہ میں ”السَّاعة“ کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿اَلۡقَارِعَةُ ۞ مَا الۡقَارِعَةُ ۞ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ۞ يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۞ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۞﴾ ”وہ کھڑکھڑانے والی! کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی؟ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی! جب لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی روئی۔“

اسی طرح لفظ ”قیامت“ کا جائزہ لیں تو اس کے لغوی معنی قیام کرنے اور کھڑے ہونے کے ہیں اور اس سے وہ وقت یا وہ دن مراد ہے جب تمام لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے۔

﴿وَيُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ ۚ﴾ ”اور وہی بارش برساتا ہے۔“

﴿وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ﴾ ”اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔“

﴿وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ﴾ ”اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل وہ کیا کمائی کرے گی۔“

﴿وَمَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ﴾ ”اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں اُس کی موت واقع ہو گی۔“

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک آدمی ساری عمر ایک جگہ مقیم رہا‘ مگر کبھی اچانک وہ کسی دوسرے ملک گیا اور وہاں اس کی موت واقع ہو گئی‘ جبکہ اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اُسے موت اس دیارِ غیر میں آئے گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ۞﴾ ”یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا‘ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔“

اس آیت کے حوالے سے کچھ لوگ خواہ مخواہ اشکال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اس کا مفہوم اچھی طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں پہلا نکتہ یہ نوٹ کر لیں کہ جن پانچ چیزوں کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے ان میں سے پہلی اور آخری دو یعنی کُل تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ذکر میں ”حصر“ کا اسلوب ہے‘ یعنی ان

میں دوٹوک نفی (categorical denial) موجود ہے کہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ کو ہے' اُس کے سوا کوئی دوسرا اُن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ تین چیزیں ہیں: (۱) عِلۡمُ السَّاعَة' (۲) اس چیز کا علم کہ کل کوئی کیا کرے گا' اور (۳) کسی کو اپنی موت کی جگہ کا علم ہونا۔ جبکہ باقی دو چیزوں (دوسری اور تیسری) کے ذکر میں ''حصر'' کا اسلوب نہیں ہے۔ یعنی ان کا ذکر کرتے ہوئے کسی دوسرے کے علم کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ بارش کے حوالے سے تو یہاں اللہ کی قدرت کا ذکر ہوا ہے' نہ کہ اُس کے علم کا' کہ اللہ بارش برساتا ہے۔ اس سلسلے کے دوسرے فرمان (وَیَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ) میں بھی اللہ کے علم کا ذکر ہے کہ وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں کے اندر ہے' اور یہاں بھی ''حصر'' کا اسلوب نہیں ہے۔ یعنی کسی دوسرے کے علم کی یہاں بھی نفی نہیں کی گئی۔ چنانچہ قرآن کے ان الفاظ میں نہ تو کوئی اشکال ہے اور نہ ہی کسی اعتراض کی کوئی گنجائش موجود ہے۔ البتہ بعض لوگ اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں جو اس آیت کی وضاحت میں وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ ''حدیث جبریل'' میں مذکور ہے کہ نووارد شخص (جو دراصل حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے) نے رسول اللہ ﷺ سے ایمان' اسلام اور احسان کے بارے میں سوالات کرنے کے بعد دریافت کیا: یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ؟ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کب آئے گی؟'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا الۡمَسۡئُوۡلُ عَنۡھَا بِاَعۡلَمَ مِنَ السَّائِلِ!)) ''جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا!'' —— اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی چند علامات بیان فرمائیں اور پھر ارشاد فرمایا: ((فِیۡ خَمۡسٍ لَا یَعۡلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ)) ''پانچ چیزوں کے بارے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ ۚ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ﴿۳۴﴾﴾ (۱)

اس حدیث کے حوالے سے عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آج کل ماں کے پیٹ کے اندر بچے کی جنس کے بارے میں معلوم کیا جا سکتا ہے' لہٰذا یہ دعویٰ درست نہیں کہ اس کے بارے میں اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض بھی درست نہیں۔ کیونکہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ اب تک انسان اس کے صرف ایک پہلو یعنی بچے کی جنس (لڑکا یا لڑکی) کے بارے میں ہی معلوم کر سکا ہے' جبکہ اس کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جان سکتا۔ مثلاً ماں کے پیٹ میں موجود بچے کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ بچہ کن صلاحیتوں کا مالک ہوگا؟ ذہین و فطین ہوگا یا کند ذہن' نیکوکار ہوگا یا بدکار۔ اسی طرح بارش کے بارے میں محکمہ موسمیات کی پیشین گوئیوں کی حقیقت ظن و تخمین سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس توجیہہ کی موجودگی میں حدیث کے الفاظ پر بھی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وايّاكم بالآيات والذّكر الحكيم○○

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة...... وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان الایمان والاسلام والاحسان۔

بیان القرآن

سُورَةُ السَّجدَة

(۳۲)

سُوْرَةُ السَّجْدَة

تمہیدی کلمات

سورۃ السجدۃ تین رکوعوں پر مشتمل ایک مختصر سورت ہے۔ ابتدائی دور کی مکی سورتوں کی طرح اس کا ردھم (rhythem) بہت تیز ہے اور یہ نبی اکرم ﷺ کی محبوب سورتوں میں سے ہے۔ مستند روایات میں حضور ﷺ کا یہ معمول نقل ہوا ہے کہ آپؐ اکثر جمعہ کے دن نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ السجدۃ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اس سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جن سورتوں کے ساتھ حضور ﷺ کو خاص تعلق خاطر تھا ان سورتوں کی تلاوت آپؐ نمازوں میں کثرت سے فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کبھی کبھی جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون کی تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۴

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ
مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ
ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ
طِيْنٍ ۚ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۚ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي
الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ
الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ؑ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا ع ۱۱/۱۴
رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَيۡنَا كُلَّ نَفۡسٍ هُدٰٮهَا وَلٰـكِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّىۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۱۳ فَذُوۡقُوۡا بِمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۴

آیت ۱ ﴿الٓمّٓ ۝۱﴾ ''الف' لام' میم۔''

آیت ۲ ﴿تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۲﴾ ''اس کتاب کا اُتارا جانا' اس میں کوئی شک نہیں' تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔''

آیت ۳ ﴿اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ۚ﴾ ''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟''

﴿بَلۡ هُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰٮهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۝۳﴾ ''(نہیں!) بلکہ یہ حق ہے آپؐ کے رب کی طرف سے' تاکہ آپؐ خبردار کریں اُس قوم کو جس کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی خبردار کرنے والا نہیں آیا' شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔''

اہل مکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ تک طویل عرصے کے دوران کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔ اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۴ ﴿اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ﴾ ''اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے چھ دنوں میں' پھر وہ متمکن ہوا عرش (تختِ حکومت) پر۔''

﴿مَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ﴾ ''نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے مقابلے میں کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔''

یہاں پر لفظ دُوۡنَ ''مقابلے'' کے معنی دے رہا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں پکڑ کر سزا دینا چاہے تو تمہارا کوئی حمایتی یا سفارشی اُس کے اس فیصلے کے آڑے نہیں آ سکتا۔

﴿اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ۝۴﴾ ''تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے!''

آیت ۵ ﴿يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الۡاَرۡضِ﴾ ''وہ تدبیر کرتا ہے اپنے امر کی آسمان سے زمین کی طرف''

کائنات کے انتظامی امور کی منصوبہ بندی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار سال کے حساب سے کی جاتی ہے' جیسا کہ اگلے جملے میں واضح کیا جا رہا ہے کہ اللہ کا ایک دن ہمارے ہزار سال کے عرصے کے برابر ہے۔ اس منصوبہ بندی کے اندر ''لیلۃ القدر'' گویا انسانی کیلنڈر کے حساب سے متعلقہ سال کے بجٹ سیشن کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سالانہ بجٹ میں فیصلے کیے جاتے ہیں کہ متعلقہ سال کے اندر دنیا میں انسانوں کے لیے کون کون سے امور کس کس طرح نمٹائے جائیں گے۔ انہی فیصلوں کی تعمیل و تنفیذ کے لیے آسمانوں سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جس کا ذکر سورۃ القدر میں آیا ہے۔

﴿ثُمَّ يَعۡرُجُ اِلَيۡهِ﴾ ’’پھر وہ (امر) چڑھتا ہے اُس کی طرف‘‘

پھر فرشتے ان احکام کی تعمیل سے متعلق اپنی اپنی رپورٹس اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

﴿فِيۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ۝۵﴾ ’’(یہ سارا معاملہ طے پاتا ہے) ایک دن میں جس کی مقدار تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس ہے۔‘‘

یہ مضمون اپنی اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم میں دو دفعہ آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج میں کفار کی طرف سے عذاب کی جلدی مچانے کے جواب میں یوں وضاحت فرمائی گئی: ﴿وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ۝۴۷﴾ ’’اور یقیناً ایک دن آپؐ کے رب کے نزدیک ایک ہزار برس کی طرح ہے جیسے تم لوگ گنتی کرتے ہو‘‘۔ جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ’’تدبیرِ امر‘‘ کے سلسلے میں ایک بنیادی اصول کے طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں جو فیصلے ہوتے ہیں ان کی منصوبہ بندی ایک ہزار سال کے عرصے کے مطابق کی جاتی ہے۔

آیت ۶ ﴿ذٰلِكَ عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ۝۶﴾ ’’وہ جاننے والا ہے ہر چھپی اور ظاہری چیز کا‘ وہ بہت زبردست ہے‘ نہایت رحم فرمانے والا۔‘‘

آیت ۷ ﴿الَّذِيۡۤ اَحۡسَنَ كُلَّ شَيۡءٍ خَلَقَهٗ﴾ ’’جس نے جو شے بھی بنائی بہت خوبصورت انداز میں بنائی‘‘

اس نے جو چیز بھی بنائی ہے بہت عمدہ بنائی ہے۔ اس کی تخلیق میں کہیں کوئی نقص یا کوتاہی نہیں ہے۔

﴿وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ۝۷﴾ ’’اور اُس نے آغاز کیا انسان کی تخلیق کا گارے سے۔‘‘

اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی مراد ہے‘ جس کے مختلف مراحل کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد بار ہوا ہے اور ہر انسان کی تخلیق بھی‘ کیونکہ انسان کی تخلیق جس مادے سے ہوتی ہے وہ بنیادی طور پر زمینی اجزا سے حاصل شدہ غذا سے ہی بنتا ہے۔ اس بارے میں تفصیلی گفتگو سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۲ کے ضمن میں ہو چکی ہے۔

آیت ۸ ﴿ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ۝۸﴾ ’’پھر اُس کی نسل چلائی ایک بے قدر پانی کے خلاصے سے۔‘‘

یعنی پہلے مرحلے میں مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی‘ جبکہ دوسرے مرحلے میں نوعِ انسانی کے تناسل (reproduction) کا عمل اس طریقے سے ممکن بنایا۔

آیت ۹ ﴿ثُمَّ سَوّٰىهُ﴾ ’’پھر اس کی نوک پلک درست کی‘‘

یہاں ثُمَّ کا لفظ اس تخلیقی مرحلے کی نشاندہی کر رہا ہے جس کا آغاز ماں کے پیٹ میں استقرارِ حمل سے ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ بچے کے اعضاء ترتیب پاتے ہیں۔ نسل انسانی کا ہر بچہ اس مرحلے سے گزرتا ہے۔

﴿وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ﴾ ’’اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے‘‘

پھر ایک مرحلے پر اس ’’حیوانی جسم‘‘ میں روح پھونک کر اسے ’’انسان‘‘ بنا دیا جاتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں ایک بچہ جن مراحل سے گزرتا ہے اس کی تفصیل اس متفق علیہ حدیث میں بیان ہوئی ہے جس کا مطالعہ ہم سورۃ المؤمنون کی آیاتِ ۱۲ تا ۱۴ کے ذیل میں کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اسی جلد کا صفحہ ۱۷۰)

﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ؕ﴾ ''اور اُس نے بنائے تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل۔''

اَفْئِدَۃ جمع ہے اور اس کا واحد فُؤاد ہے۔ عام طور پر فُؤاد کا ترجمہ ''دل'' ہی کیا جاتا ہے مگر حقیقت میں اس سے انسانی عقل و شعور مراد ہے جس کا تشخص حیوانی عقل اور شعور سے قطعاً مختلف ہے۔ (لفظ فُؤاد کی مزید تشریح کے لیے سورۂ بنی اسرائیل' آیت ۳۶ کی تشریح ملاحظہ ہو۔)

﴿قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹﴾ ''بہت ہی کم ہے جو شکر تم لوگ کرتے ہو۔''

آیت ۱۰ ﴿وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ﴾ ''اور یہ کہتے ہیں: کیا جب ہم زمین میں تحلیل ہو جائیں گے' تو کیا پھر ہم ایک نئی خلقت میں ڈھالے جائیں گے؟''

اس اعتراض کے حوالے سے پرانے زمانے کے کفار کا اندازِ گفتگو تو سیدھا سادہ تھا کہ جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں کیسے دوبارہ جِلا اٹھایا جائے گا؟ لیکن آج کا ''روشن خیال'' نوجوان اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا کر یوں پیش کرتا ہے کہ جب ہمارے جسموں کے ایٹمز (atoms) بھی منتشر ہو جائیں گے' جب ہم مٹی میں مل کر کھاد بن جائیں گے' کھاد سے ہمارے ذرّات پودوں میں منتقل ہو جائیں گے' ان پودوں کو جانور کھائیں گے اور پھر ان جانوروں سے نہ معلوم کس کس شکل میں ہمارے جسموں کے تحلیل شدہ atoms کہاں کہاں پہنچیں گے تو ایسی صورت میں انسانی اجسام کے گم گشتہ اجزاء کیونکر اکٹھے کیے جاسکیں گے؟ ایسی دور کی کوڑی لانے سے پہلے ایسے احمقوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ جس اللہ نے پہلی مرتبہ زمینی اجزاء سے ان لوگوں کو ان کے وجودوں کے ساتھ پیدا کیا ہے' کیا وہ انہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا؟

﴿بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰﴾ ''بلکہ (حقیقت میں) یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔''

دراصل یہ لوگ اپنے کرتوتوں کے سبب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے تصور سے گریزاں ہیں۔ اس بنا پر وہ قیامت کے دن کی اس ملاقات ہی کو جھٹلانا چاہتے ہیں' لیکن اس کے لیے بہانہ یہ بنا رہے ہیں کہ زمین میں گل سڑ جانے کے بعد انسانوں کا دوبارہ زندہ ہو جانا عقلی طور پر ممکن نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص صاحبِ ایمان ہے اور وہ اپنے دل میں اللہ کے لیے خلوص اور محبت کے جذبات رکھتا ہے تو اسے لازماً یہ امید ہوگی کہ اللہ اس کے ساتھ رحمت اور شفقت کا معاملہ فرمائے گا۔ ایسے شخص کو ''دل را بدل رہیست'' (دل کو دل سے راہ ہوتی ہے) کے مصداق اللہ تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق بھی ہوگا۔

آیت ۱۱ ﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱﴾ ''(اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجیے کہ تمہیں قبض کر لے گا موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے' پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔''

آیت ۱۲ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ﴾ ''اور کاش تم وہ منظر دیکھ سکو

جب یہ مجرم کھڑے ہوں گے سر جھکائے ہوئے اپنے پروردگار کے سامنے۔‘‘

﴿رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا﴾ ’’(اور کہہ رہے ہوں گے:) اے ہمارے پروردگار! اب ہم نے خوب دیکھ لیا اور سن لیا‘‘

اب ہم نے روزِ محشر کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اب حقیقت ہم پر منکشف ہوگئی ہے۔

﴿فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾﴾ ’’تو (ایک بار) ہمیں واپس لوٹا دے‘ ہم نیک عمل کریں گے‘ اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔‘‘

نوٹ کیجیے یہاں پر کفار کے حوالے سے ’’ایمان‘‘ کا نہیں بلکہ ’’یقین‘‘ کا ذکر ہوا ہے جو ایمان سے آگے کا درجہ ہے۔ ان کے دلوں میں یقین کی یہ کیفیت آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کے بعد پیدا ہوگی۔

آیت ۱۳ ﴿وَلَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَيۡنَا كُلَّ نَفۡسٍ هُدٰىهَا﴾ ’’اور اگر ہم چاہتے تو ہر جان کو اُس کی ہدایت دے دیتے‘‘

اگر ہمیں اسی طرح آخرت کے پردے اٹھا کر اور عالمِ غیب کا مشاہدہ کروا کر لوگوں کو ہدایت دینا مقصود ہوتا تو ہم یہ کام دنیا میں ہی کر دیتے اور اس طرح تمام انسانوں کو راہِ ہدایت پر لے آتے۔ بہرحال ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب انہیں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین آ جائے گا تو اُس وقت انہیں اس ایمان اور یقین کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا‘ کیونکہ اُس وقت ان کی امتحانی مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔

﴿وَلٰكِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّىۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۳﴾﴾ ’’لیکن میری طرف سے یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ میں جہنم کو جنوں اور آدمیوں‘ سب سے بھر کر رہوں گا۔‘‘

جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی ہمارے باغی ہیں وہ سب ضرور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

آیت ۱۴ ﴿فَذُوۡقُوۡا بِمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا﴾ ’’تو اب چکھو (آگ کا) اس لیے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا۔‘‘

﴿اِنَّا نَسِيۡنٰكُمۡ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اب ہم نے بھی تمہیں نظر انداز کر دیا ہے‘ پس تم چکھو ہمیشگی کا عذاب اپنے ان کرتوتوں کے سبب جو تم کرتے رہے ہو۔‘‘

نظر انداز کرنے کی اس کیفیت کا بیان سورۃ المؤمنون میں اس طرح ہوا ہے: ﴿قَالَ اخۡسَئُوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ ﴿۱۰۸﴾﴾ ’’اللہ فرمائے گا: اب تم ذلیل و خوار ہو کر اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔‘‘

آیات ۱۵ تا ۲۲

اِنَّمَا يُؤۡمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِهَا خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوۡا بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَهُمۡ لَا
يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوۡبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا السجدۃ
رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا

يَعْمَلُوْنَ۝۱۷ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ۝۱۸ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۱۹ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ
النَّارُ ؕ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ
كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۝۲۰ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ۝۲۱ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ۝۲۲ ع ۱۱/۱۵

آیت ۱۵ ﴿اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا﴾ ''ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے ذریعے انہیں نصیحت کی جاتی ہے''

﴿خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝۱۵﴾ ''تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔''

آیت ۱۶ ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ ''(راتوں کو) ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں''

سورۃ الفرقان میں اللہ کے نیک بندوں کے اس خاص معمول کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۝۶۴﴾ ''اور وہ لوگ راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام کرتے ہوئے''۔ یعنی ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو ساری ساری رات غفلت کی نیند سوتے رہتے ہیں اور دوسری طرف اللہ کے یہ بندے ہیں جو راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں' کبھی اس کے حضور قیام کر کے اور کبھی سجدے میں گر کر۔

﴿يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؗ﴾ ''وہ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں خوف اور امید کی کیفیت میں''

ایک طرف تو وہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کے بارے میں پُر امید ہوتے ہیں جبکہ دوسری طرف اپنی کوتاہیوں پر پکڑے جانے کا خوف بھی انہیں لاحق رہتا ہے۔

﴿وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝۱۶﴾ ''اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (ہماری رضا جوئی کے لیے) خرچ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۷ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ﴾ ''تو کوئی انسان نہیں جانتا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے۔''

آخرت کی جن نعمتوں کا ذکر عمومی طور پر قرآن میں ملتا ہے اور جن کے بارے میں ہم کسی حد تک اندازہ بھی کر سکتے ہیں ان میں سے اکثر کا تعلق اہل جنت کی ابتدائی مہمانی (نُزُل) سے ہے' جبکہ جنت کی اصل نعمتوں کا نہ تو کسی کو علم ہے اور نہ ہی ان کا تصور انسانی فہم و ادراک میں آ سکتا ہے۔ اس آیت کی وضاحت حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ، فَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ : فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ)) (۱)

''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے (جنت میں) وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا گمان ہی گزرا۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا:) اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ''پس کوئی جان یہ نہیں جانتی کہ ان (اہلِ جنت) کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے۔''

﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾﴾ ''اُن کے اعمال کے بدلے کے طور پر۔''

آیت ۱۸ ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿١٨﴾﴾ ''تو بھلا جو کوئی مؤمن ہے کیا وہ اُس کی مانند ہو جائے گا جو فاسق ہے! وہ (دونوں) ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔''

آیت ۱۹ ﴿اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۫﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو ان کے لیے باغات ہیں ٹھکانے کے طور پر۔''

﴿نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾﴾ ''ابتدائی مہمان نوازی کے طور پر' ان کے اعمال کے بدلے میں۔''

لغوی اعتبار سے ''نُزُل'' کا تعلق نازل ہونے یا اترنے سے ہے۔ جو کوئی مہمان آپ کے دروازے پر آیا اور اپنی سواری سے اترا وہ ''نَزِیل'' ہے اور آپ نے موسم اور رواج کے مطابق فوری طور پر جو کچھ اس کو پیش کیا وہ نُزُل (ابتدائی مہمان نوازی) ہے۔ جبکہ باقاعدہ مہمان نوازی کے لیے لفظ ''ضیافت'' استعمال ہوتا ہے جو نزُل کے بعد کا مرحلہ ہے۔ ضیافت کا لفظ ''ضیف'' (مہمان) سے بنا ہے۔ یعنی جب آپ اپنے مہمان کے لیے باقاعدہ قیام کا بندوبست کریں گے اور اس کے آرام وطعام کا اہتمام کریں گے' تب وہ ''ضیف'' کے درجے میں آئے گا۔ اس مرحلے میں آپ اس کی مہمان نوازی کے لیے جو خاطر مدارات کریں گے وہ ''ضیافت'' کہلائے گی۔ چنانچہ آخرت کے حوالے سے جن باغوں اور نعمتوں کا ذکر قرآن میں عمومی طور پر آیا ہے ان کا درجہ دراصل اہل جنت کے لیے نزُل (ابتدائی مہمان نوازی) کا ہے' جبکہ ان کی اصل ضیافت اس کے بعد ہو گی۔ اس ضیافت کے دوران جو نعمتیں اور آسائشیں اہلِ جنت کو مہیا کی جائیں گی ان کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔ جیسا کہ ابھی حدیث بیان ہوئی ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے نافرمانی کی اُن کا ٹھکانہ آگ ہے۔''

﴿كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ ''جب بھی وہ اس میں سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اسی میں لوٹا دیا جائے گا''

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق' باب ما جاء فی صفة الجنة وانها مخلوقة ۔ وصحیح مسلم' کتاب الجنة وصفة نعیمها واهلها' باب۔ یہ حدیث بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دیگر کتب کے متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔

﴿وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۲۰﴾ ''اوران سے کہا جائے گا کہ چکھواب مزہ اس آگ کے عذاب کا جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔''

آیت ۲۱ ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۲۱﴾ ''اور ہم لازماً چکھائیں گے انہیں مزہ چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے، شاید کہ یہ لوگ پلٹ آئیں۔''

اس آیت کی سورۃ الروم کی آیت ۴۱ کے ساتھ خاص مناسبت ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۴۱﴾ ''بحر و بر میں فساد رونما ہو چکا ہے لوگوں کے اعمال کے سبب، تاکہ اللہ انہیں مزہ چکھائے ان کے بعض اعمال کا، تاکہ وہ لوٹ آئیں۔''

دونوں آیات کے مضمون کا تعلق دراصل اللہ تعالیٰ کے اس انتہائی اہم قانون سے ہے جس کے تحت دنیا میں لوگوں کے کرتوتوں کے سبب ان پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد انہیں خبردار کرنا ہوتا ہے کہ شاید اس طرح وہ خوابِ غفلت سے جاگ کر توبہ کی روش اپنا لیں اور بڑے عذاب سے بچ جائیں۔ اس قانونِ الٰہی کا ذکر قرآن میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الانعام میں اس سلسلے میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝۴۲﴾ ''اور ہم نے بھیجا (دوسری) امتوں کی طرف بھی آپؐ سے قبل (رسولوں کو)، پھر ہم نے پکڑا انہیں سختیوں اور تکلیفوں سے، شاید کہ وہ عاجزی کریں''۔ اسی طرح سورۃ الاعراف میں اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اس قانون کی یوں وضاحت کی گئی: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝۹۴﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کسی بھی نبی کو مگر یہ کہ ہم نے پکڑا اس کے بسنے والوں کو سختیوں سے اور تکلیفوں سے تاکہ وہ گڑگڑائیں (اور ان میں عاجزی پیدا ہو جائے)۔''

آیت ۲۲ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ﴾ ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اُس کے رب کی آیات کے ذریعے نصیحت کی گئی مگر پھر بھی اُس نے اعراض کیا۔''

اگر کوئی شخص کسی عام نصیحت کی پروانہ کرے اور کسی شخصی فلسفہ و منطق کو ٹھکرا دے تو اور بات ہے، چہ جائیکہ کوئی بدنصیب اللہ کی آیات پر مبنی تذکیر و نصیحت کو نظر انداز کر دے۔

﴿اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲﴾ ''یقیناً ہم ایسے مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے۔''

آیات ۲۳ تا ۳۰

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ
اِسْرَآءِيْلَ ۚ ۝۲۳ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۫ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾ اَوَ
لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ
الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ
مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۸ ۱۲

آیت ۲۳ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ ''اور ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب عطا کی تھی''

﴿فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ ''تو آپ کسی شک میں نہ رہیے اُس کی ملاقات سے''

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو یہاں سلسلہ کلام کے درمیان میں آیا ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں حضور ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج کے موقع پر ہونے والی ملاقات کی طرف اشارہ ہے۔ اس حوالے سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے نبی ﷺ! شب معراج میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات کی تھی اس کے بارے میں آپؐ کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے' وہ یقیناً موسیٰؑ ہی تھے جو آپ کو وہاں ملے تھے۔ لیکن آیت کا زیادہ قرین قیاس مفہوم جو سیاق وسباق کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہے وہ یہی ہے کہ اے نبی ﷺ! ہم نے موسیٰؑ کو تورات عطا کی تھی اور اس کتاب کا موسیٰؑ کو ملنا ہماری ہی طرف سے تھا۔ اسی طرح آپؐ کو اس کتاب یعنی قرآن کا ملنا بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس بارے میں آپؐ کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ یہ انداز بیان سمجھنے کے لیے قرآن کا وہی اسلوب ذہن میں رکھیے جس کا ذکر قبل ازیں بار بار ہو چکا ہے کہ اکثر ایسے احکام جو حضور ﷺ کو صیغۂ واحد میں مخاطب کر کے دیے جاتے ہیں وہ دراصل امت کے لیے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس لحاظ سے آیت زیر مطالعہ میں گویا ہم سب مخاطب ہیں اور اس کا مفہوم دراصل یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم لوگوں کو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے پہلے موسیٰؑ کو جو کتاب (تورات) ملی تھی وہ بھی انہیں اللہ ہی نے دی تھی اور محمد (ﷺ) کو اس کتاب (قرآن) کا ملنا بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

﴿وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾﴾ ''اور اس (تورات) کو ہم نے بنا دیا تھا راہنمائی بنی اسرائیل کے لیے۔''

آیت ۲۴ ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ﴾ ''اور ہم نے ان میں سے ایسے امام اُٹھائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے' جب کہ انہوں نے صبر کی روش اختیار کی۔''

یعنی بنی اسرائیل کے ائمہ اور پیشواؤں کو تورات کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کے لیے صبر کی روش پر کاربند رہنا پڑتا تھا۔ اس نکتے کو یوں سمجھئے کہ کتاب اللہ کی تعلیمات کو سیکھنے اور پھر لوگوں تک پہنچانے کے لیے وقت درکار ہے جو انسانی سطح پر بذاتِ خود ایک بہت بڑی قربانی ہے۔ دولت اور عیش وعشرت کے حصول کی حرص ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اگر کوئی شخص اپنا بیشتر وقت دنیا اور اس کی آسائشوں کے حصول کے لیے

صرف کر دے گا تو اُس کے شب و روز میں دعوت و تبلیغ اور اللہ کی راہ میں جدّ و جُہد کے لیے وقت کہاں سے آئے گا؟ چنانچہ اگر کسی کو اللہ کے راستے میں نکلنے کے لیے کمر بستہ ہونا ہے تو صبر و استقامت کا دامن تھام کر اسے لازمی طور پر دنیا کی بہت سی آسائشوں کو خیر باد کہنا ہوگا۔ اس کے علاوہ اس راستے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے بھی صبر درکار ہے۔ کتاب اللہ کی تعلیم و تبلیغ کے حوالے سے یہ دونوں فرائض گویا بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن جب بھی کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا علمبردار بن کر نکلے گا تو لوگ اس کی مخالفت کریں گے' اس راہ میں اسے گالیاں بھی سننا پڑیں گی' جسمانی و ذہنی اذیتوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا اور مال و جان کے نقصانات بھی برداشت کرنا پڑیں گے۔ بہر حال اس راستے پر جس پہلو سے بھی کوئی جدوجہد کرے گا' اسے قدم قدم پر ایسے سنگ ہائے میل سے سابقہ پڑے گا جو صبر و استقامت اور ایثار و قناعت کے رنگا رنگ مطالبات سے عبارت ہوں گے۔

آج قرآن کی تبلیغ و ترویج کے میدان میں یہ آیت ہمارے لیے نشانِ منزل بن سکتی ہے۔ جس انداز میں یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ''ائمہ'' کی تعریف فرمائی ہے اس کے لطیف احساس سے ہمارے دلوں میں ترغیب و تشویق کے جذبات کی نئی نئی کونپلیں پھوٹنی چاہئیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بنی اسرائیل کے ان ''ائمہ'' کے کردار اور خوش نصیبی سے متعلق اپنے دلوں میں رشک پیدا کریں اور پھر اللہ سے توفیق مانگیں کہ وہ ہمیں بھی اس کام کے لیے چن لے۔ لیکن ہمیں اس حقیقت کا بھی ادراک ہونا چاہیے کہ یہ ''رتبہ بلند'' محض دعاؤں اور تمناؤں کے سہارے نہیں ملا کرتا۔ اس کے لیے ہمیں صبر و استقامت اور ایثار و قناعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ترجیحی بنیادوں پر عملی کوشش کرنا ہوگی۔ اپنی بہت سی خواہشات کو قربان کرنا ہوگا' اپنے معیارِ زندگی (living standard) کو کم سے کم سطح پر رکھنا ہوگا اور یوں اپنے تبلیغی بھائیوں کے بقول ''تفریغ الاوقات'' (دینی جدوجہد کے لیے وقت نکالنا) کو ممکن بنانا ہوگا۔

اس سلسلے میں ہم میں سے ہر ایک کو سنجیدہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم نے ایک دفعہ اپنا بیشتر وقت پیسہ کمانے اور معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوششوں میں صرف کرنے کی روش کو اپنا لیا تو یوں سمجھیں کہ ہم نے خود کو ایک کبھی نہ ختم ہونے والے چکر میں ڈال لیا۔ یعنی خود کو ایک نام نہاد معیارِ زندگی کے ''سراب'' کو پالینے اور پھر اس کو برقرار رکھنے کی خواہشات کا اسیر بنا لیا۔ اگر خدانخواستہ ہم نے اپنی زندگی اسی ''دنیاداری'' میں گزار دی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ایک خاص ''معیارِ زندگی'' کو اپنے معبود کا درجہ دے کر گویا ساری عمر اسی کی پوجا میں گزار دی ہے۔ اس کے برعکس اگر ہم اللہ کی توفیق سے قرآن کا دامن مضبوطی سے تھام لیں' اپنی زندگی کے لیے راہنمائی صرف اور صرف قرآن سے حاصل کرنے کا تہیہ کر لیں تو اللہ کے راستے پر چلنے کے لیے ہمارے سامنے ان شاء اللہ اسباب کے نت نئے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مسجودِ ملائک بنایا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا نقطۂ عروج (climax) ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جب یہ عزمِ صمیم کا زادِ سفر لے کر کسی راہ پر چل پڑتا ہے تو مشکلات اس سے کنی کترانے لگتی ہیں اور منزلیں خود آگے بڑھ کر اس کے قدم چومتی ہیں۔

﴿وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۝۲۴﴾ ”اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“

بنی اسرائیل کے ائمہ جو کتاب کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف تھے وہ صبر کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات پر پختہ یقین بھی رکھتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین رکھنا' اُس کے وعدوں کو من وعن سچ ماننا اور اس پر توکل کرنا راہِ حق کی جدّوجہد کی لازمی شرائط ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۝۲۵﴾ ”یقیناً آپؐ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن اُن چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے تھے۔“

آیت ۲۶ ﴿اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ﴾ ”کیا اس بات نے انہیں ہدایت نہ دی کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں' جن کے مساکن میں یہ گھومتے پھرتے ہیں۔“

قریش کے قافلے اپنے سفرِ شام کے دوران میں قومِ ثمود کی بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے تھے اور یہاں یَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ کے الفاظ میں دراصل اسی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ لوگ ان بستیوں کی تباہی کی خود تصدیق کر چکے ہیں۔

حال ہی میں کچھ برطانوی محققین نے بحرِ مردار (Dead Sea) کے ساحل کے ساتھ پانی کے نیچے قومِ لوط کی بستیوں کے آثار کی نشان دہی کر کے اس بارے میں تورات اور قرآن کے بیانات کی تصدیق کی ہے۔ ان بستیوں کے بارے میں میرا خیال یہی تھا کہ وہ سمندر کے اندر آ چکی ہیں اور متعلقہ سمندر کو شاید Dead Sea کا نام بھی اسی لیے دیا گیا ہے کہ اس کے نیچے ان شہروں کے باسیوں کی اجتماعی قبریں ہیں۔ مستقبل میں سائنس کی ترقی کے باعث قرآن میں دی گئی اس نوعیت کی بہت سی معلومات کے حوالے سے مزید انکشافات کی بھی امید ہے۔

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ۝۲۶﴾ ”یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سنتے نہیں ہیں!“

آیت ۲۷ ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ﴾ ”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم پانی کو ہانک کر لے جاتے ہیں بے آب وگیاہ زمین کی طرف“

﴿فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ۝۲۷﴾ ”پھر ہم اس سے کھیتی اُگاتے ہیں' جس میں سے کھاتے ہیں ان کے مویشی بھی اور یہ خود بھی۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں!“

آیت ۲۸ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۲۸﴾ ”اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کب ہو گا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو؟“

مشرکین کا یہ سوال قیامت کے بارے میں بھی تھا اور عذاب سے متعلق بھی کہ اے مسلمانو! اگر تم لوگ اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر بتاؤ کہ قیامت کب آئے گی یا جس عذاب کا تم ہمیں ڈراوا دیتے رہتے ہو وہ آخر کب آئے گا؟

آیت ۲۹ ﴿قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِیْمَانُھُمْ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ فیصلے کے دن ان لوگوں کا ایمان لانا انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا جنہوں نے کفر کیا ہوگا‘‘

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان لانے کا فائدہ انہیں تبھی ہوگا اگر وہ اپنی دنیوی زندگی کے دوران ایمان لائیں گے‘ جبکہ آخرت کے تمام حقائق پردۂ غیب میں چھپے ہوئے ہیں‘ لیکن جب یہ لوگ عالم آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب ان کا ایمان لانا ان کے لیے مفید نہیں ہوگا۔

﴿وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ﴿۲۹﴾﴾ ’’اور نہ ہی (اُس وقت) انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔‘‘

آج انہیں جو مہلت ملی ہے اس میں اگر وہ توبہ کرلیں تو یہ ان کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔ لیکن موت کے آثار ظاہر ہوتے ہی یہ مہلت ختم ہو جائے گی۔

آیت ۳۰ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّھُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ﴿۳۰﴾﴾ ’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ ان سے اعراض فرمائیں اور انتظار کریں‘ یہ بھی انتظار ہی کر رہے ہیں۔‘‘

بارک اللّٰہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایّاکم بالآیات والذّکر الحکیمOO